فتاوی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

5

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
پاکستان

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 5

فہرست جلد پنجم 7

ابواب و مسائل 7

فہرست ضمنی مسائل 27

کتابُ الصَّلٰوۃ 43

جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ (تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں) 75

باب الاوقات نماز کے وقتوں کا بیان 122

رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو۲ نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا 160

فصل اول طلوع فجر نوری بہ اثبات جمع صوری: 167

فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم: 204

فصل سوم تضعیف دلائل جمع تاخیر 228

فصل چہارم۴ نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں 270

فصل فی اماکن الصّلٰوۃ 344

باب الاذان والاقامۃ 362

دیوبندی خیانتوں کے نمونے 392

رسالہ 430

منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ 430

(انگوٹھے چُومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا) ۱۳۰۱ھ 430

نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ ۱۳۳۳ھ 633

(اقامت کے دوران انگوٹھے چُومنے کے حکم میں عُمدہ تفصیل۔ت) 633

ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ 657

(دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کے جواز پر مبارک فتوٰی) 657

مآخذ و مراجع 683

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰه بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِیْ الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّة

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد پنجم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر ۷۶۵۷۳۱۴

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ______________ فتاوٰی رضویہ جلد پنجم
تصنیف ______________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز
ترجمہ عربی عبارات __________ (۱) حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم، ہری پور ہزارہ
(۲) حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری، لاہور
پیش لفظ ______________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور
تخریج و تصحیح ______________ ۱_ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲_ مولانا محمد عمر ہزاروی
باہتمام و سرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظمِ اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
ترتیبِ فہرست ______________ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی
کتابت ______________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پروف ریڈنگ ______________ مولانا سردار احمد حسن سعیدی
پیسٹنگ ______________ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری
صفحات ______________ ۶۹۲
اشاعت ______________ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ / ستمبر ۱۹۹۳ء
مطبع ______________ یوسف عمر پرنٹرز B12 اندرون بھاٹی گیٹ لاہور
ناشر ______________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ______________ ---روپے

ملنے کے پتا

*مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ۵
○ کتاب الصلوۃ ۴۳
○ باب الاوقات ۱۲۱
○ اماکن الصلوۃ ۳۴۳
○ باب الاذان و الاقامۃ ۳۶۱
○ مآخذ و مراجع ۶۹۷

فہرست رسائل

○ جمان التاج ۷۵
○ حاجز البحرین ۱۵۹
○ منیر العین ۴۲۹
○ ضمنی رسالہ الھاد الکاف فی حکم الضعاف ۴۷۷ تا ۵۳۷
○ نہج السّلامۃ ۶۲۹
○ ایذان الاجر ۶۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ ! اعلٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی کے خزائنِ علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصّہ شہود پرلانے کے لئے مخدومِ اہلسنّت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیر سرپرستی "رضافاؤنڈیشن" کے نام سے جو ادارہ چند سال قبل قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو تدریجاً طے کرتے ہوئے سرعت رفتاری سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ مکمل چار خوبصورت مجلدات میں آپ تک پہنچ چکی۔ اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عنایت وفیضان سے پانچویں جلد پیش خدمت ہے۔ اس جلد میں **باب الاذان والاقامۃ** تک عربی و فارسی عبارات کا اردو ترجمہ معروف قلمکار، ادیبِ شہیر، پیر طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم مدیر ماہنامہ جامِ عرفان و مہتمم دارالعلوم ربّانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ اور باقی تمام عبارات کا ترجمہ فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری دامت برکاتہم العالیہ ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ سمن آباد لاہور نے کیا ہے۔ مفتی صاحب متعدد کتابوں کے مصنّف ومترجم ہیں۔

یہ جلد آغاز کتاب الصلٰوۃ سے لے کر فتاوٰی رضویہ جلد ثانی قدیم کے اخیر تک پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۴۰ سوالوں کے علاوہ مندرجہ ذیل مستقل عنوانات کو مبحث بنایا گیا ہے:

(۱) کتاب الصلٰوۃ

(۲) باب الاوقات

(۳) اماکن الصلوٰۃ (نماز کن جگہوں میں جائز ہے)

(۴) باب الاذان والاقامۃ

علاوہ ازیں پیشِ نظر جلد میں ابحاثِ نفیسہ ونکاتِ لطیفہ پر مشتمل پانچ گرانقدر رسائل بھی شامل ہیں جن کو دیکھنے سے امام احمد رضا بریلوی کی محدثانہ شان پورے جوبن اور کامل عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اس جلد میں شامل رسائل کے نام یہ ہیں:

(۱) **جمان التاج فی بیان الصلٰوۃ قبل المعراج** ۱۳۱۶ھ

معراج سے پہلے نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے نماز پڑھنے کا طریقہ

(۲) **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین** ۱۳۱۳ھ

دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا شرعی حکم۔ الہاد الکاف اور نوٹ متعلق معیار الحق

(۳) **منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین** ۱۳۰۱ھ

اذان میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی سن کو انگوٹھے چومنے کا مدلّل بیان

(۴) **نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ** ۱۳۳۳ھ

اقامت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنے کا مدلّل بیان اور منکرین کا رَد

(۵) **ایذان الاجر فی اذان القبر** ۱۳۰۷ھ

دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق

۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ حافظ محمد عبدالستار سعیدی
۶ ستمبر ۱۹۹۳ء ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

نوٹ: اس جلد میں شامل رسالہ حاجز البحرین میں متعدد مقامات پر معیار الحق کی عبارات نقل کی گئی ہیں۔ ان عبارات کی تلاش کیلئے معیار الحق مطبوعہ مکتبہ نذیریہ کا نسخہ پیش رہا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نسخہ مذکورہ میں اعلحضرت کی نقل کردہ عبارتوں میں تحریف کی گئی ہے۔ ان کی صرف ایک مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اسی جلد کے ص ۲۲۶ پر عبارت "**صلی الظہر والعصر ثم رکب**" میں **والعصر** کا لفظ کاٹ لیا ہے۔ معیار الحق نسخہ مذکورہ کا صفحہ ۳۷۹ ملاحظہ ہو۔

فہرست جلد پنجم

ابواب و مسائل

کتاب الصلوٰۃ	۴۳	ایک حکایت جو لطیف کلام پر مشتمل ہے۔	۶۸
نماز پنجگانہ میں سے کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی، اور انبیائے سابقین اور اُن کی اُمتوں پر بھی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔	۴۳	قول چہارم کی ترجیح رضوی۔	۷۰
نماز پنجگانہ کے اُمت مرحومہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے دلائل اور ان پر رضوی ایرادات۔	۴۶	حضرت یونس بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے ہیں اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تھے۔	۷۲
تورات شریف میں پانچوں نمازوں کے عظیم فضائل۔	۵۲	اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام۔	۷۲
حدیث بخاری اعتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء الخ کے تین محمل۔	۵۸	رسالہ جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج کہ قبل معراج سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کس طرح نماز ادا فرماتے تھے۔	۷۵
امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی، نہ تبع سے اُن کا سنِ وفات۔	۶۲	نماز پنجگانہ سے پیشتر مسلمان چاشت اور عصر کی نماز پڑھتے تھے۔	۸۲
پانچوں نمازوں کا اجتماع ہمارے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونا باعتماد علماءِ کرام مانا جائے گا۔	۶۴	ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔	۸۳
کتاب اللہ کا حفظ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھا۔	۶۷	قبل معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلی نماز دوشنبہ کے اول حصہ میں پڑھی، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آخر حصہ میں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے منگل کے دن۔	۸۵
کونسی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار قول ہیں۔	۶۷		

نماز قبلِ معراج میں طہارت ثوب، وضو۔	۸۵	خود کشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۰۷
استقبال قبلہ، تکبیر تحریمہ، قیام۔	۸۵	ہم میں اور مشرکوں میں نماز فارق ہے۔	۱۰۹
قرأت، رکوع تھا مگر اس میں اختلاف ہے۔	۸۶	جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے اپنی ماں سے بیت اللہ میں ستّر بار زنا کیا۔ یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔	۱۱۰
اور سجود، جماعت، جہر بھی تھا۔	۸۷	ایک درم سود کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیمِ کعبہ میں ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔	۱۱۰
حدیث کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ	۹۲	ایک وقت کی نماز قصداً بلاعذرِ شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔	۱۱۰
سعید بن خثیم ہلالی منکرالحدیث ہیں۔	۹۳	مالی جرمانہ جائز نہیں کہ منسوخ ہوچکا ہے۔	۱۱۱
مولانا محمد رضا علی صاحب کا فتوٰی اس اشتہار کے متعلق جو سالانہ چھپا کرتا ہے کہ شیخ عبداللہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا۔ الخ	۹۷	ترکِ نماز پر مالی جرمانہ جائز نہیں۔	۱۱۱
اس فتوٰی کی تصدیق رضوی۔	۹۹	طلبہ اگر نماز ترک کریں تو اُن کا وظیفہ وضع ہوسکتا ہے، نیز دوسری صورتوں کا بیان۔	۱۱۲
ضروریاتِ دین کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو۔	۱۰۱	جہاز، ریل، کشتی، بجرے پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۱۱۳
خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت قطعیات سے ثابت ہے۔	۱۰۱	اشیائے مسکرہ پی کر نماز کی ادائیگی کا حکم۔	۱۱۴
تکذیب صفت قلب ہے مگر قول کی طرح بعض فعل بھی اس پر علامت ہوتے ہیں۔ علامت ہونے ہی کی بنا پر حکم کفر دیا جاتا ہے۔	۱۰۱	دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔	۱۱۵
تارکِ نماز کی تکفیر قدمائے اہلسنت کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر نہیں، یہی مذہب ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ ہے۔	۱۰۲	نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگانے کا حکم۔	۱۱۵
محتمل کو محکم کی طرف رَد کرنا طریقہ معروفہ ہے۔	۱۰۶	غیر مشروع افعال کے ارتکاب پر برادری کی کون کون سی سزائیں جائز نہیں۔	۱۱۶
تارکِ نماز کے اسلام پر بعض دلائل۔	۱۰۶	اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہوجائے تو یہ روئے زمین کی بادشاہت سے بہتر ہے۔	۱۱۷
		امر بالمعروف نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرنا چاہئے۔	۱۱۷

بے نمازکی نمازِ جنازہ کاحکم۔	۱۲۰	طلوع سے بیس منٹ تک ہر نماز مکروہ ہے اور جب غروب میں بیس منٹ رہیں تو آج کی عصر کے سوا ہر نماز ممنوع ہے۔	۱۳۸
باب الاوقات	۱۲۱	جن نمازوں میں تاخیر مستحب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وقت مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔	۱۳۸
وقتِ زوال جس تک نیت روزہ نفل ہونا چاہئے کیا ہے۔	۱۲۱	ان بلاد میں سال بھر کے اندر پورے وقتِ عصر کی مقدار۔	۱۳۸
نہار شرعی اور نہار عُرفی کافرق۔	۱۲۲	فرض وسنّت پڑھنا اولیٰ کس وقت میں ہے۔	۱۳۹
نصف النہار شرعی معلوم کرنے کاطریقہ	۱۲۲	غروب شمس کی تحقیق رضوی۔	۱۴۰
نہار نجومی	۱۲۳	دربارہ نماز عصر ایک وہابی خیّاط کااعتراض اور اس کاجواب۔	۱۴۸
وقتِ زوال جس میں نماز ممنوع ہے کیا ہے۔	۱۲۶	مجہول العین راوی کی روایت محققین کے نزدیک مقبول ہے۔	۱۵۰
یہ وقت زیادہ سے زیادہ ہمارے بلاد میں ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے۔	۱۳۰	رضوی تحقیق کہ ان بلاد میں وقتِ عشاء غروب سے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے۔	۱۵۱
یہ ثابت نہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دربارہ وقتِ عصر قول مثلین سے رجوع فرمالیا بلکہ قولِ یک مثل ہی مرجوع عنہ ہے اور قولِ مثلین احوط، اصح اور ازروئے دلیل راجح ہے۔	۱۳۲	وقتِ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کب تک رہتا ہے۔	۱۵۳
اس قول پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے۔	۱۳۳	جون وجولائی واگست میں ظہر کاوقت مستحب کَے بجے سے شروع ہوتا ہے۔	۱۵۳
جوکچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے۔	۱۳۴	تاخیر مستحب کے معنی	۱۵۳
قول یک مثل پر قول مثلین کی وجوہ ترجیح۔	۱۳۵	فلکیوں کی تقسیم فصول اور ہمارے یہاں کی تقسیم فصول۔	۱۵۴
نماز عصر کاوقت مستحب اور مکروہ کیا ہے	۱۳۶	اوقات بعض تحویلات کانقشہ۔	۱۵۵
بابت نماز عصر مولائے مشکل کشا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل۔	۱۳۶	بازار، سرائے، اسٹیشن کی مسجد اور جامع مسجد میں دربارہ اذان واقامت افضل کیا ہے۔	۱۵۶
کرہ بخار جس کو عالمِ نسیم اور عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں وہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل اور قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔	۱۳۷		

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان منع ہے، تکبیر میں حرج نہیں۔	۱۵۶	افادہ اولٰی کہ غیر مقلدین کے پیشوائے مذکور کا محمد بن فضیل کو ضعیف کہنا باطل ہے وہ بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔	۱۷۴
سفر میں جمع بین الصلٰوتین جائز ہے یانہیں رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین۔	۱۵۹	**لطیفہ اول**	۱۷۴
جمع بین الصلٰوتین دو قسم پر ہے، اول جمع فعلی جس کو جمع صوری بھی کہتے ہیں اس کے معنی مراد، اور یہ بعذر سفر و مرض جائز ہے۔	۱۶۰	محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیّع اور رفض کے درمیان فرق ہے۔ متاخرین شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔	۱۷۵
کتاب الحجج تالیف امام فقیہ محدّث عیسٰی ابن ابان ہے جو امام محمد کے شاگرد تھے رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۱۶۱	بخاری و مسلم کے تیس ۳۰ سے زیادہ وہ راوی ہیں جن کو اصطلاح قدماء پر بلفظِ تشیّع ذکر کیا جاتا ہے اور اُن کے اسماء۔	۱۷۶
جمع صوری بضرورتِ شدتِ بارش بھی جائز ہے۔	۱۶۲	لطیفہ دوم وسوم۔	۱۷۶
دوم جمع وقتی جس کو جمع حقیقی بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی مراد ۔	۱۶۲	بشر بن بکر ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے۔	۱۷۷
جمع حقیقی کی دو صورت: اول جمع تقدیم، دوم جمع تاخیر۔	۱۶۲	فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں فرق ہے۔	۱۷۷ (حاشیہ)
فصل اول جمع صوری کے اثبات میں غیر مقلدین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کا صحیح وصریح حدیثوں سے انکار جو جمع صوری میں وارد ہیں۔	۱۶۳	لطیفہ چہارم	۱۷۸
حدیث اول اثباتِ جمع صوری میں۔	۱۶۷	پیشوائے غیر مقلدین کی تحریف کہ ولید بن مسلم کو ولید بن قاسم بنالیا اول رجال صحیح مسلم سے امام ثقہ ہیں اور دوم قدرے متکلم فیہ۔	۱۷۸
نافع اور عبداللہ بن واقد دونوں شاگرد عبداللہ بن عمر ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۱۶۷	صحیح بخاری و مسلم کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یخطی کہا گیا۔	۱۷۹(حاشیہ)
صفیہ بنت ابی عبیدہ زوجہ ابن عمر، مختارِ کذّاب کی بہن تھیں، ان کے صحابیہ ہونے میں اختلاف ہے ان کے والد ماجد صحابی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم	۱۶۸ (حاشیہ)	لطیفہ پنجم، عطاف ثقہ ہیں۔	۱۸۰
حدیث دوم اور سوم۔	۱۷۲	وہمی اور صدوق یہم میں فرق ہے۔	۱۸۰
حدیث چہارم و پنجم۔	۱۷۳		

صحیحین کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یہم کہا گیا۔	۱۸۰	ابن حزم غیر مقلد خبیث اللسان نے سیّدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مقدوح و مجروح بتایا۔	۲۰۶
لطیفہ ششم و ہفتم و ہشتم	۱۸۱	اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کیلئے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزعم تعلیق رَد کیا۔	۲۰۶
مقامِ مِلل مدینہ طیبہ سے کتنے میل ہے۔	۱۸۲	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث دوم اور اس کے بیان کردہ مفہوم پر بارہ وجوہ سے رَد۔	۲۱۰
چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کرے نہ اس کی حدیث کو مردود۔	۱۸۴	(فا) کے لئے ترتیب ذکری کافی ہے۔	۲۱۱
امام سفین ابن عُیینہ نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطائی، پھر ان کے ثقہ حجت ہونے پر اجماع ہے۔	۱۸۴	اور عدمِ مہلت ہر جگہ اس کیلئے لائق ہوتی ہے۔	۲۱۱
لطیفہ نہم	۱۸۴	حدیث مروی بالمعنی کے (فا) اور (و) وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں	۲۱۱
افادہ ثانیہ کہ احادیث جمع میں جمع صوری کے ارادے پر پانچ قرائن ہیں	۱۸۶	افاضہ اولٰی کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔	۲۱۴
افادہ ثالثہ	۱۸۸	لطیفہ دل رُبا	۲۱۵
افادہ رابعہ کہ وہ احادیث جن میں مطلق جمع بین الصلاتین وارد ہے سب کی سب جمع صوری پر محمول ہیں۔ بطور تمثیل گیارہ حدیثوں کا بیان۔	۱۹۶	افاضہ ثانیہ کہ جمع بین الصلٰوتین کے بارے میں احمد و شافعی، عبدالرزاق و بیہقی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے۔	۲۱۵
پہلی حدیث	۱۹۶	اس کے راوی حسین بن عبداللہ ضعیف ہیں۔	۲۱۶
دوسری، تیسری، چوتھی حدیث	۱۹۷	اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کی روایت میں ابراہیم ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی متروک واقع ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔	۲۱۸
پانچویں تا گیارہویں حدیث۔	۱۹۹	افاضہ ثالثہ کہ حدیث دارقطنی بھی ضعیف ہے۔	۲۲۰
فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم۔	۲۰۳	افاضہ رابعہ بابت حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ	۲۲۱
پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث اول بابت جمع بین الصلٰوتین	۲۰۴	امام اسحٰق بن راہویہ کا حافظہ وفات سے چند ماہ پیشتر متغیّر ہوگیا تھا۔	۲۲۲
خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع ہے۔	۲۰۶	شبابہ بن سوار مبتدع تھا۔	۲۲۴
حدیث معلول کیلئے ضعفِ راوی ضروری نہیں۔	۲۰۶		

لطیفہ	۲۲۶	حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بابت جمع بین الصلوٰتین۔	۲۴۶
لفظ (جمیعاً) اجتماع فی الحکم پر دلالت کرتا ہے نہ اجتماع فی الوقت پر۔	۲۲۶	اس کا جواب۔	۲۴۸
فصل سوم تضعیفِ دلائل جمع تاخیر	۲۲۷	حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب اول۔	۲۵۲
جمع تاخیر میں پیش کردہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر کلام۔	۲۲۸	جواب ثانی	۲۵۲
اس کا جواب اول	۲۳۲	نماز کے اول وآخر وقت حقیقی اور سحری کے آخر وقت حقیقی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور آپ کے طفیل میں اجلہ حذاق صحابہ کو جس پر احادیث دال ہیں۔	۲۵۳
قصہ صفیہ زوجہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک ہی بار واقع ہوا تھا۔	۲۳۳	حدیث اول تا سوم	۲۵۳
قرب وقت کو اس نام سے تعبیر کرتے ہیں۔	۲۳۴	حدیث چہارم تا ہفتم	۲۵۵
قرآن وحدیث سے اس کی مثالوں میں دو آیت اور بارہ ۱۲ حدیثیں۔	۲۳۴	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔	۲۵۶
قرب وقت کو نام وقت سے تعبیر درکنار صراحۃً ان لفظوں سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسرے نماز کے وقت میں نماز پڑھی۔	۲۴۰	حدیث ہشتم ونہم	۲۵۷
جواب دوم	۲۴۳	لطیفہ اوّل	۲۵۸
فحمہ عشاء سرشام کے دھندلکے کو کہتے ہیں۔	۲۴۳	ٹیلوں کا سایہ اکثر وقتِ ظہر گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔	۲۵۸
عبداللہ بن ابی نجیح یسار مکی مدلس ہیں۔	۲۴۵	لطیفہ دوم	۲۵۹
جمہور محدثین کے مذہب مختار پر مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔	۲۴۵	لطیفہ سوم وچہارم	۲۶۰
جواب سوم	۲۴۵	لطیفہ پنجم وششم وہفتم وہشتم	۲۶۰
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب میں وقتِ مغرب شفق احمر تک ہے اور احناف کے نزدیک شفق ابیض تک، یہی روایۃً صحیح اور درایۃً راجح۔ اور اجلہ صحابہ اور اکابر تابعین اور اجلائے تبع تابعین اور ائمہ لغت اور بعض کبرائے شافعیہ سے بھی منقول ہے۔	۲۴۵		

لطیفہ نہم ودہم	۲۶۳	احادیث چند نوع ہیں۔ نوع اول احادیث، محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	۲۷۴
فائدہ عائدہ بابت حدیث سنن ابی داؤد جس سے آج تک اصلاً تعرض نہ ہوا، نہ استناداً نہ جواباً۔	۲۶۴	حدیث کہ جو تین چیزوں کی محافظت کرے وہ سچا ولی ہے۔	۲۷۸
اس حدیث کے رواۃ میں یحیٰی بن محمد جاری متکلم فیہ ہیں۔	۲۶۵	نوع اخیر حدیث امامت جبریل علیہ السلام	۲۷۸
طریق دوم میں مومل بن اہاب صدوق لہ اوہام۔	۲۶۵	نوع آخر حدیث سائل	۲۷۹
نعیم بن حماد قابلِ احتجاج نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا۔ جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت	۲۶۶	نوع آخر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے۔	۲۸۰
ابوالزبیر مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں لیکن ان سے اگر لیث بن سعد روایت کریں تو مقبول۔ ذکرہ فی المیزان۔	۲۶۶	نوآخر کہ جب ایک نماز کا وقت آیا دوسری کا جاتا رہا۔	۲۸۱
مکہ معظّمہ اور مقامِ سرف کے درمیان دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے۔	۲۶۷	تنبیہ	۲۸۳
مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۷	لطیفہ	۲۸۴
مدینہ منورہ سے مقام ذات الجیش کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۸	لطیفہ	۲۸۷
مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے دو کم دوسو میل ہے۔	۲۶۸	قسم دوم نصوص خاصہ جن میں بالخصوص جمع بین الصلوٰتین کی نفی ہے۔	۲۸۹
حوالی مکہ معظّمہ میں وقتِ مغرب کم وبیش ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔	۲۶۸	صیغہ مجہول غالباً مشیر بضعف ہوتا ہے۔	۲۹۱
فصل چہارم نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں۔	۲۶۹	مرسل حدیث ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔	۲۹۲
قسم اول نصوص عامہ جو سات آیات اور بتیس حدیثوں پر مشتمل۔	۲۷۰	لطیفہ	۲۹۳
آیات	۲۷۰	مفہوم مخالف حنفیّہ کے نزدیک عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں معتبر نہیں۔ کلام صحابہ ومن بعدہم میں معتبر ہے۔	۲۹۳

لطیفہ	۲۹۴	جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو ابن المبارک مفہوم ہوتے ہیں اور جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر مراد ہوں گے۔	۳۰۶
فائدہ	۲۹۷	حدیث نسائی شریف کی سند میں واقع خالد امام اجل خالد بن حارث بصری ہیں خالد بن مخلد نہیں۔	۳۰۷
حضرت بحر العلوم کا ارشاد، ہمارے ائمہ حنفیّہ کی نظر کیسی دقیق ہے کہ ان سے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہوتا	۳۰۰	خلاصۃ الکلام	۳۰۹
احادیث مرویہ بالمعنی مختلف طور پر روایت کی جاتی ہیں، کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا، جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔	۳۰۱	عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور انس سے افقہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۱۱
اسی واسطے امام ابوحاتم رازی معاصرِ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے۔	۳۰۱	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض فضائل	۳۱۱
لطیفہ	۳۰۳	بعد خلفائے اربعہ امام اعظم کے نزدیک ان کی روایت وقول کو سب صحابہ کے قول پر ترجیح ہوتی ہے اور ہمارے ائمہ کے نزدیک وہ بعد خلفائے اربعہ تمام صحابہ سے افقہ ہیں۔	۳۱۱
خالد بن مخلد صحاح سِتّہ کے رجال سے ہیں اور امام بخاری کے استاد۔	۳۰۳	ضحوہ کبرٰی نکالنے کا طریقہ کیا ہے؟	۳۱۴
ضعیف، متشیع، صاحب افراد، متروک الحدیث میں فرق ہے۔ متشیع اور صاحب افراد ہونا اصلاً موجب ضعف نہیں۔	۳۰۳	ایک شخص نماز فجر میں تھا کسی نے کہا آفتاب نکل آیا تو وہ کیا کرے۔	۳۱۹
ضعیف اور متروک میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول بخلاف متروک۔	۳۰۳	فجر وظہر کا آخر وقت مکروہ نہیں باقی تین کا مکروہ ہے۔	۳۲۰
بخاری ومسلم کے بعض ضعیف رجال کا شمار۔	۳۰۴ (حاشیہ)	میرٹھ میں پورے وقت مغرب کی مقدار۔	۳۲۱
امام اعمش کا اسم مبارک سلیمان ہے۔	۳۰۶	نصف النہار اور سایہ اصلی معلوم کے کرنے کے دو طریقے	۳۲۳
جب بصری عن عبداللہ کہیں تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوتے ہیں، دوسرا کہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۰۶	مسجد کی شرقی دیوار سے دوپہر اور دوپہر کا ڈھلنا معلوم ہوسکتا ہے۔	۳۲۳

مسلمان کا فعل حتی الامکان محمل حسن پر محمول کرنا واجب ہے۔	۳۲۴	جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے جس کی کم از کم اور زیادہ سے مقدار بریلی میں۔	۳۳۲
طلوعِ آفتاب کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے۔	۳۲۴	بریلی میں بموسمِ گرما اور سرما غروب کا وقت	۳۳۲
ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کرسکتا ہے یا نہیں۔	۳۲۴	بحالت سفر بھی جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں گناہ کبیرہ ہے۔	۳۳۲
نماز مغرب اور اذان عشاء میں کس قدر فاصلہ درکار ہے۔	۳۲۵	تبدیل طول بلد سے اوقات میں تقدم وتاخّر ہوجاتا ہے۔	۳۳۴
فرائض داخلِ نماز کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف نماز فرض میں ان کی فرضیت ہے۔	۳۲۶	مدراس کا عرض تیرہ درجے پانچ دقیقے ہے اور بنگلور کا بارہ درجے انسٹھ دقیقے یا بارہ درجے پچپن دقیقے اور بریلی کا اٹھائیس درجے اکیس دقیقے۔	۳۳۴
نہار عرفی وشرعی میں کیا فرق ہے۔	۳۲۷	وقت فجر کی ابتداء وانتہاء اور سوائے یوم النحر نماز فجر خوب روشنی میں پڑھنا سنت ہے۔	۳۳۴
نہار عرفی ہمیشہ نہار نجومی سے زیادہ ہوتی ہے	۳۲۷	اور اذان بھی صبح خوب روشن ہونے پر دی جائے۔	۳۳۵
زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے۔	۳۲۸	حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کیلئے استیذان معاف تھا۔	۳۳۶
ان بلاد میں فجر کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ انیس منٹ ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ۔	۳۲۹	نماز فجر کے بعد اشراق تک ذکر الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے۔	۳۳۶
اوقات جماعت مقرر کرنا چاہئے یا نہیں۔	۳۲۹	حد اسفار کیا ہے۔	۳۳۶
پانچ شخصوں کی وجہ سے جماعت میں تاخیر کرنا چاہئے۔	۳۲۹	عورت کیلئے مطلقًا تغلیس افضل ہے۔	۳۳۸
آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔	۳۳۰	گرمیوں میں نماز ظہر کا وقت مستحب کب ہوتا ہے۔	۳۳۹
بعد عصر وفجر سجدہ کرنا یا قضا پڑھنا کیسا ہے۔	۳۳۰	حدیث کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظہر فی الصیف ثلٰثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام کا مطلب۔	۳۴۰
سجدہ شکر بعد نماز فجر وعصر مطلقًا مکروہ ہے۔	۳۳۰	**فصل فی اماکن الصلوٰۃ**	۳۴۳
فجر کے وقت مستحب کی مقدار۔	۳۳۱	اگر زمین تر اور ناپاک ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کو بچھا کر نماز ادا کرے اور وقت جا رہا ہو تو کیسے نماز پڑھے۔	۳۴۳

بے ضرورت سوالات ممنوع ہیں۔	۳۴۳	**باب الاذان والاقامۃ**	۳۶۱
مرگھٹ کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم۔	۳۴۴	تثویب کے معنی اور اس کا حکم۔	۳۶۱
جس مکان میں شراب پی جائے وہاں نماز پڑھنا کیسا ہے اور کسی شخص کی چارپائی کے برابر جانماز بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۳۴۵	مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم۔	۳۶۳
دوسرے کے کھیت یا بنجر اور ٹانڈ پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۳۴۶	صیغہ لایفعل سے متبادر کراہت تحریم ہوتی ہے جیسے یفعل مفید وجوب ہوتا ہے۔	۳۶۴
چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم۔ یہ بات کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے اگلی امتوں میں کچھ مسخ ہوگئے غلط ہے۔	۳۴۶	امام کے انتظار میں تاخیرِ نماز کا حکم۔	۳۶۴
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی متخالف عبارات کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب۔	۳۴۷	اگر فجر کے فرض پڑھ لئے اور سنتیں رہ گئیں تو ان کو کب پڑھ سکتا ہے۔	۳۶۵
قبر پر نماز مطلقًا مکروہ ہے اور قبر کی طرف پڑھنے میں تفصیل ہے۔	۳۴۹	مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں۔	۳۶۶
موضع سجود کی حد۔	۳۴۹	خطیب کے سامنے کی اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں اور جب دو خطبوں کے درمیان خطیب بیٹھے تو مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں، جواب یا دعا دل سے کر سکتا ہے یا نہیں۔	۳۶۸
مزاراتِ بزرگانِ دین کے دائیں یا بائیں نماز پڑھنا موجبِ برکت ہے۔	۳۵۱	خطیب جواب اذان اور دعا کر سکتا ہے۔	۳۶۹
اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر شریف میزاب کے نیچے ہے۔	۳۵۱	بارش کیلئے، دفعِ وبا کیلئے، بعد دفنِ میت اذان دینا درست ہے یا نہیں۔	۳۷۰
حجرِ اسود اور زمزم شریف کے درمیان ستّر انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔	۳۵۳	اذان مسجد کے دائیں طرف کہی جائے یا بائیں طرف۔	۳۷۰
تعلیق بخاری میں "عند قبر" بمعنی "الیٰ قبر" ہے۔	۳۵۶	اقامت کس طرف کہی جائے	۳۷۱
مقبرہ میں نماز پڑھنے کے حکم کی تفصیل۔	۳۵۸	بارش طلب کرنے کیلئے مسجد میں اذان دینا کیسا ہے اور یہ طریقہ کہ امام یسین پڑھے اور ہر مبین پر اذان کہی جائے کیسا ہے۔	۳۷۲
علامہ طحطاوی کے کلام حاشیہ مراقی الفلاح کا محمل	۳۵۸	بے وضو اذان دینا کیسا ہے۔	۳۷۳

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔	۳۷۴	سنت ہے کہ سلطان اسلام اور عالم دین کی خدمت میں بعد اذان دوبارہ مؤذن اطلاع کیلئے حاضر ہو۔	۳۸۴
نماز جنازہ کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور ان کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی تھی۔	۳۷۵	صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے اور کس نے یہ طریقہ جاری کیا۔	۳۸۴
حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ حضرت عمر نے اور حضرت عمر کی ابن عمر نے اور حضرت علی کی حضرت حسن نے اور حضرت حسن کی حضرت حسین رضی اللہ عنہم	۳۷۵	اقامت سے پیشتر مقیم کا باآواز بلند درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔	۳۸۶
نماز جنازہ کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی۔	۳۷۶	ختم سحری کی اطلاع کیلئے صبح صادق سے دس پانچ منٹ پیشتر صبح کی اذان دینا کیسا ہے۔	۳۸۶
حضرت خدیجہ کُبرٰی کی وفات تک نمازِ جنازہ مشروع نہ ہوئی تھی۔	۳۷۶	الصلوٰۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلوٰۃ رحمکم اللہ پکارنے کا حکم	۳۸۷
حضرت اسعد بن زرارہ کی وفات ہجرت کے نویں مہینے شوال میں ہوئی، صحابہ میں سب سے پہلے بعد ہجرت انتقال فرمایا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔	۳۷۶	یوم جمعہ اذان اول کے بعد صلاۃ پکارنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۸۷
فاسق کی اذان کا حکم۔	۳۷۶	مسئلہ تثویب میں دیوبندی خیانتیں۔	۳۹۱
خطیب کے سامنے کی اذان بھی بلند آواز سے کہی جائے ورنہ سنّت ادا نہ ہوگی۔	۳۷۸	پہلی، دوسری، تیسری خیانت۔	۳۹۲
نماز کیلئے جگانے کا حکم۔	۳۷۸	چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں خیانت۔	۳۹۳
اذان کے بعد انتظار مسنون کی حد۔	۳۷۹	آٹھویں، نویں، دسویں خیانت۔	۳۹۴
بروقت اقامت امام ومقتدی کو شروع سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اس کی تفصیل۔	۳۸۰	گیارہویں خیانت جو سب سے اخبث ہے کہ اعلیٰحضرت کے والد ماجد اور جدِّامجد اور پیرومرشد اور حضور غوث پاک کے نام سے کتابیں تراش لیں، اُن کے مطبع گھڑلئے، صفحے دل سے بنالئے، عبارتیں خودساختہ لکھ دیں۔	۳۹۵
اذان واقامت میں دونوں حیّ علی الصلوٰۃ دائیں طرف منہ پھیر کرکہے اور دونوں حیّ علی الفلاح بائیں طرف۔ یہی صحیح ہے۔	۳۸۳	اذان ہوچکی کسی شخص نے لاعلمی سے دوبارہ شروع کردی، درمیان میں معلوم ہوا تو کیا کرے۔	۳۹۶

اقامت کہاں کہی جائے۔	۳۹۷	انگوٹھے چوم کر کیا پڑھے۔	۴۱۵
جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق چند سوالات۔	۳۹۷	قبل نماز عید الصلوٰۃ یرحمکم اللہ الصلاۃ پکارنے کا کیا حکم ہے۔	۴۱۵
مردہ سنت زندہ کرنے کے متعلق احادیث۔	۳۹۷	تنبیہ علٰی ماوقع فی اشعۃ اللمعات من الزیادۃ فی الروایۃ۔	۴۱۷
زمانہ اقدس میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے مشرق ومغرب وشمال میں۔	۴۰۵	بعد خطبہ امام کو اختیار ہے کہ بیٹھ جائے اور حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہو یا کھڑے کھڑے تکبیر سنے۔	۴۱۸
اگر حکم شرع پر عمل کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہو تو اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۰۶	مسجد میں بلا اذان جماعت کرنا کیسا ہے۔	۴۱۹
محراب مسجد کس کو کہتے ہیں اور بین الساریتین کس کو۔	۴۰۸	اذان سنّت ہے یا واجب، اسی طرح اقامت۔	۴۲۰
کون کون جگہ خارج مسجد ہے۔	۴۰۹	امام مصلے پر نہ ہو تو تکبیر کہنا جائز ہے یا ناجائز۔	۴۲۰
ہشام ابن عبدالملک مروانی نے اذانِ عثمانی کو منارہ مسجد پر دلوانا شروع کیا تھا، نہ اذان ثانی کو اندرون مسجد۔	۴۰۹	حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے میں حکمت کیا ہے۔	۴۲۱
اسی ہشام نے حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سولی دلوائی اور برسوں سولی پر رکھا جس سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔	۴۱۰	وہابی کی اذان کا جواب دیا جائے گا یا نہیں	۴۲۱
صیغہ نفی صیغہ نہی سے زیادہ مؤکّد ہوتا ہے۔	۴۱۲	اور اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں	۴۲۱
لفظ خبر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔	۴۱۳	فاسق مؤذن کی اذان کا حکم۔	۴۲۴
حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔	۴۱۳	مسافر کو ترکِ اذان کی اجازت اور اقامت کا ترک مکروہ۔	۴۲۶
بروقت حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح اقامت میں بھی دائیں بائیں منہ پھیرے یا نہیں۔	۴۱۳	رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین۔	۴۲۹
عبارات فقہائے کرام میں علامات (مت) اور (شم) اور (قع) اور (صح) سے کیا مراد ہوتی ہے۔	۴۱۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان میں اشھد انّ محمداً رسول اللہ سن کر انگشتِ شہادت کے پورے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ یہ پہلا طریقہ ہوا۔	۴۳۲
اذان واقامت میں انگوٹھے نہ چومنے والے کا حکم کیا ہے۔	۴۱۴		

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا جو اذان میں یہ سن کر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ یہ دوسرا طریقہ۔	۴۳۳	حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۴۴۰
امام مجد مصری نے فرمایا کہ جو اذان میں یہ سن کر کلمہ کی انگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی یہ تیسرا طریقہ ہے۔	۴۳۳	صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
خواجہ شمس الدین بخاری نے حدیث بیان کی اس میں انگوٹھوں کے ناخن چومنا مذکور ہے اور یہ بشارت کہ اندھا نہ ہوگا۔	۴۳۵	ابن جوزی نے جس جس حدیث کو غیر صحیح کہا اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
افادہ اول کہ حدیث صحیح ہونے کے یہ معنی نہیں کہ غلط ہے۔	۴۳۶	لفظ "لایثبت" سے یہ ثابت کہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اصطلاح میں "ثابت" صحیح حدیث کو کہتے ہیں۔	۴۴۲
حدیث حَسَن احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہوتی ہے۔	۴۳۷	حدیث کہ خربوزہ کھانے سے پیشتر پیٹ کو دھودیتا ہے اور بیماری کو دور کردیتا ہے۔	۴۴۲
کتب صحاح ستّہ میں مذکورہ تمام احادیث صحیح نہیں، تسمیہ بصحاح تغلیباً ہے۔	۴۳۹	تنبیہ	۴۴۳
حدیث کے آٹھ مراتب اور ان کے احکام۔	۴۴۰۴ ۴۰	افادہ دوم کہ جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔	۴۴۳
صحیح، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ سب محتج بہا ہیں۔	۴۴۰	مجہول کے اقسام اور ان کے احکام۔ اول قسم مستور اس قسم کے راوی مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔ قسم دوم مجہول العین اور قسم سوم مجہول الحال۔	۴۴۳
پنجم حدیث ضعیف بضعف قریب کی قسم صالح متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پاکر صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے اور احکام میں قابل احتجاج۔	۴۴۰	افادہ سوم کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں۔	۴۴۸
ششم ضعیف بضعفِ قوی قابلِ احتجاج نہیں، صرف فضائل میں معتبر ہے۔	۴۴۰	حدیث منقطع کا حکم۔	۴۴۸
ہفتم حدیث مطروح حکماً موضوع ہوتی ہے۔	۴۴۰	افادہ چہارم کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مندرج بھی موضوع نہیں۔	۴۵۰
ہشتم موضوع یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار۔	۴۴۰	حدیث میں ہے کہ لباسِ صوف اختیار کرو تو قلوب میں ایمان کی مٹھاس محسوس ہوگی۔	۴۵۱

افادہ پنجم کہ جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں۔	۴۵۱	فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں روافض نے تقریباً تین لاکھ حدیثیں وضع کیں۔	۴۶۱
تعددِ طُرق سے مبہم کا جبر نقصان ہوجاتا ہے۔	۴۵۲	علی بن عروہ دمشقی حدیث وضع کرتا تھا۔	۴۶۲
حدیث مبہم دوسری حدیث کیلئے مقوی ہوسکتی ہے۔	۴۵۲	ابو عقال ہلال بن زید انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات روایت کرتا تھا۔	۴۶۲
افادہ ششم کہ ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے۔	۴۵۲	ابن تیمیہ کی بکواس	۴۶۵
افادہ ہفتم ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرے، اس کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۴	افادہ یازدہم کہ بارہا موضوع یاضعیف کہنا صرف ایک سند کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے۔	۴۶۸
اسباب طعن دس ہیں۔ بایں ترتیب۔	۴۵۴	ان امرتی لاتدفع یدلامس کے معنی راجح حاشیہ نمبر ا میں،	۴۷۰(حاشیہ)
افادہ ہشتم کہ منکرالحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۵	نتیجۃ الافادات	۴۷۲
افادہ نہم کہ متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۶	افادہ دوازدہم کہ تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے۔	۴۷۲
حدیث چلہ صوفیاء کرام۔	۴۵۹	افادہ سیزدہم کہ حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدّدِ طرق سے حَسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں۔	۴۷۴
حدیث کہ جو شام کو صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام پڑھ لے تو اس شب بچھّو نہ کاٹے گا۔	۴۵۹(حاشیہ)	حدیث کہ جس کے تین بچے پیدا ہوئے اور کسی کا نام محمد نہ رکھا تو یہ اس کی جہالت ہے۔	۴۷۴
افادہ دہم کہ موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے۔	۴۵۹	افادہ چہاردہم کہ حصولِ قوت کو صرف دوسندوں سے آنا کافی ہے۔	۴۷۵
تذییل		"خط" علامت خطیب فی التاریخ ہے۔	۴۷۵
حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی جنون وجذام اور برص کو اس سے پھیر دیتا ہے۔ الخ	۴۶۰	عمرو بن واقد متروک ہیں۔	۴۷۵
		ضحاک بن حجرۃ ضعیف ہیں۔	۴۷۵

افادہ پانزدہم کہ اہل علم کے عمل کرلینے سے حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔	۴۷۵	افادہ نوزدہم عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے۔	۴۸۹
میّت کو کلمہ شریف کاثواب پہنچانے سے عذاب دور ہوجانے کاواقعہ۔	۴۷۶	احادیث اولیاءِ کرام کے متعلق نفیس فائدہ۔	۴۹۱
افادہ شانزدہم کہ حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں۔ اول اعتقادات۔	۴۷۷	حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔	۴۹۱
عقائد میں حدیثِ احاد اگرچہ صحیح ہوکافی نہیں۔	۴۷۷	امام سیوطی پچھتّر بار بیداری میں نبوی زیارت سے مشرف ہوئے۔	۴۹۳
دوم احکام جن میں حدیث ضعیف کافی نہیں ہوتی۔	۴۷۸	افادہ بستم کہ حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محل احتیاط ہو۔	۴۹۴
تیسرے فضائل ومناقب جن میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے۔	۴۷۸	فائدہ نفیسہ بدھ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں۔	۴۹۸
بلکہ فضائل اعمال میں حدیث منکر بھی مقبول ہے۔	۴۷۸	فائدہ جلیلہ ہفتہ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں۔	۴۹۹
نبوی ارشاد "اگر کسی کو حدیث پہنچی کہ فلاں عمل پر ایسا ثواب ملے گااور اس نے اس عمل کو کیاتو ثواب پائے گا اگرچہ واقعہ میں وہ میری حدیث نہ ہو"۔	۴۷۹	بدھ کے دن ناخن نہ تراشنے کے بارے میں حدیث۔	۴۹۹
کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔	۴۸۱	افادہ بست ویکم کہ حدیث ضعیف پر عمل کے لئے خاص اس فعل میں حدیث صحیح کاآنا ضرور نہیں۔	۵۰۱
افادہ ہفدہم کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے۔	۴۸۱	تحقیق مقام وازاحۃ اوہام عمل بالحدیث اور قبول الحدیث میں فرق ہے یانہیں۔	۵۰۴
افادہ ہیجدہم کہ خوداحادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیاجائے۔	۴۸۶	المحاکمۃ بین الفاضل العلامۃ الخفاجی والمحقق الدوانی رحمھما اللہ تعالٰی۔	۵۰۵
حدیث انا عند ظن عبدی بی کس کس کتاب میں ہے۔	۴۸۸	معروضۃ علی کلام الدوانی۔	۵۰۷
اس حدیث کی بعض روایات میں کچھ الفاظ زائد ہیں۔	۴۸۹		

ابن عباس بن سہل رجال امام بخاری سے ضعیف ہیں ان کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔	۵۱۰	مرغ سفید کا رکھنا اچھا ہے۔	۵۲۹
مسلم شریف میں بھی ضعفاء کی روایتیں ہیں۔	۵۱۱	حدیث شدید الضعف کی تعریف۔	۵۲۹
بخاری شریف میں ضعفاء کی روایات دربارہ متابعات وشواہد موجود ہیں	۵۱۲	علامہ لکھنوی قدس سرہ، سے ظفر الامانی میں تدریب اور القول البدیع سے نقل میں لغزش ہوئی۔	۵۳۰
عامہ مسانید، معاجم، سنن، جوامع، اجزاء ہر نوع احادیث پر مشتمل ہیں۔	۵۱۴	بحث قبول شدید الضعف۔	۵۳۱
امام ابوداؤد کے کلام "صالح" کے دو معنی ہیں۔		فائدہ جلیلہ فی احکام انواع الضعیف وانجبار ضعفہا۔	۵۳۳
سنن ابوداؤد شریف کا موضوع صرف احکام ہیں۔	۵۱۶	افادہ بست وچہارم کہ حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائیکہ ضعف شدید۔	۵۳۸
مسند امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ضعیف احادیث ہیں۔	۵۱۶	قول شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، بابت احادیث کتب رابعہ کے معنی۔	۵۳۸
دارقطنی احادیث ضعیفہ شاذہ، معللہ سے پُر ہے۔	۵۱۸	طبقہ ثانیہ وثالثہ ورابعہ کی بعض کتابوں کے اسماء۔	۵۳۸
افادہ بست ودوم کہ ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا، دربارہ احکام اسے حجت بنانا نہیں۔	۵۲۱	رموزِ کتبِ احادیث۔	۵۴۰
دماء، فروج، مضار، خبائث کے سوا تمام اشیاء میں اباحت اصل ہے۔	۵۲۲	دردِ گردہ کا بہترین علاج جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔	۵۴۲
افادہ بست وسوم کہ ایسے مواقع میں ہر حدیث غیر موضوع کام دے سکتی ہے۔	۵۲۴	تفسیر ابن جریر کتب طبقہ رابعہ سے ہے۔	۵۴۳(حاشیہ)
کلبی شدید الضعف ہے۔	۵۲۵	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عجیب فضیلت۔	۵۴۴
امام واقدی کی توثیق راجح ہے۔	۵۲۶	امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور بخاری میں کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔	۵۴۶
چاند گہوارہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا تھا۔	۵۲۸		

رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کردہ فوائد نفیسہ عظیمہ اربعہ کا حاشیہ میں شمار۔	۵۴۸ (حاشیہ)	خرقہ پوشی صوفیاءِ کرام وسماعِ حسن بصری امام علیہ الرحمۃ المنعام	۵۶۲
افادہ بست وپنجم کہ کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کا بھی مستلزم نہیں، کتب موضوعات کی قسم دوم۔	۵۴۸	تنبیہ	۵۶۳
ابن جوزی نے صحاح ستّہ اور مسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہا۔	۵۴۸	خوشبو سونگھ کر درود شریف پڑھنا نبوی آثار دیکھنے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔	۵۶۵
کتب موضوعات کی دوسری قسم۔	۵۴۸	وضو کی دعائیں حدیث سے ثابت نہیں رضوی تحقیق	۵۶۸
شوکانی کی کتاب (فوائد مجموعہ) قسم دوم سے ہے۔	۵۴۹	عمل بموضوع اور عمل بمافی الموضوع میں فرق عظیم ہے۔	۵۷۱
تنبیہ	۵۵۰	افادہ بست ونہم کہ اعمال مشائخ محتاج سند نہیں، اعمال میں تصرف وایجاد مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔	۵۷۱
لطیفہ	۵۵۰	چند کرامات کسی ولی سے منفک نہیں ہوئیں الا ماشاء اللہ۔	۵۷۲
مقاصد حسنہ امام سخاوی مختص بموضوعات نہیں، یہ شوکانی کی کم فہمی ہے۔	۵۵۰	افادہ سیم کہ ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں،	
نتیجۃ الافادات	۵۵۱	طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنت ہے۔	۵۷۴
افادۂ بست وششم کہ ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی	۵۵۱	قبول ضعاف میں گنگوہی صاحب کی فاحشہ خطائیں۔	۵۷۴
افادہ بست وہفتم کہ بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علماء میں بلاسند مذکور ہونا کافی ہے۔	۵۵۵	گنگوہی صاحب نے انجانے میں آدھی وہابیت ذبح کرڈالی۔	۵۷۷
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں کتنے شہر فتح ہوئے اور کتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور کتنے منبر بنائے گئے۔	۵۶۰	گنگوہی صاحب نے اباحت، استحباب، کراہت تنزیہ بین احکام شرعیہ بالکل مٹادیئے۔	۵۷۸
افادہ بست وہشتم کہ حدیث اگر موضوع بھی ہو تاہم فعل کی ممانعت لازم نہیں۔	۵۶۱	کراہت تنزیہ ضلالت نہیں۔	۵۷۸ (حاشیہ)
		مولوی گنگوہی اور مولوی اسمٰعیل کی خانہ جنگی۔	۵۷۸

حکم اخیر وخلاصہ تحریر	۵۷۹	فائدہ پنجم متعلق افادہ(۲۱) کہ قبول ضعیف کیلئے ورود صحیح کی حاجت نہیں	۵۹۵
خاتمہ فوائد منثورہ میں	۵۷۹	حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف ضعف علماء نے احادیثِ صحاح کا ناسخ قرار دیا ہے اگرچہ ہم قائل نسخ نہیں۔	۵۹۵
فائدہ اول کہ فضیلت وافضیلت میں فرق ہے۔	۵۸۰	تنبیہ ضروری: وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا۔	۵۹۶
دربارہ تفضیل حدیث ضعیف مقبول نہیں۔	۵۸۰	فائدہ ششم کہ حدیث ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول۔	۵۹۷
مسئلہ افضیلت باب عقائد سے ہے۔	۵۸۱	تنبیہ کہ فضائل اعمال سے مراد اعمال حسنہ ہیں نہ صرف ثواب اعمال۔	۶۰۰
فائدہ دوم کہ مشاجرت صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔	۵۸۲	فائدہ ہفتم کہ حدیث ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یانہیں۔	۶۰۰
کسی مسلمان کی جانب بدون تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت حرام ہے۔	۵۸۲	فائدہ ہشتم کہ وضع یا ضعف کا حکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث۔	۶۰۱
جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخلف کے بارے میں یہ جملہ "ولعن اللہ من تخلف عنہ" افترا ہے۔	۵۸۵	لطیفہ جلیلہ منیفہ کہ جان وہابیت پر لاکھ من کا پہاڑ	۶۰۳
فائدہ سوم اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۸۶	فائدہ نہم وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔	۶۰۶
ہمارے نزدیک ابن اسحاق صاحب مغازی کی تحقیق راجح ہے	۵۹۲ (حاشیہ)	ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگی۔	۶۱۲
تنبیہ متعلق افادہ (۲۵) کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک مستلزم موضوعیت نہیں	۵۹۴	تنبیہ اخذ میں قلّت مبالات زمانہ تابعین سے پیدا ہوئی۔	۶۱۲
کتاب تنزیہ الشریعۃ کی عبارت سے ایک نفیس فائدہ حاصل۔	۵۹۴	فائدہ دھم احادیث طبقہ رابعہ کے متعلق	۶۱۵
فائدہ چہارم کہ مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے۔	۵۹۵	فائدہ یازدہم تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں	۶۱۷
تنبیہ کہ غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔	۵۹۵		

خاتمہ۔ مجمع البحار سے بعض احادیث پر نقل احکام اور حاشیہ میں اس پر نفیس کلام۔	۶۱۷	دلیل دوم	۶۵۶
حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم حسن ہے، جس کو رسالہ النجوم الثواب فی تخریج احادیث الکواکب میں بیان فرمایا۔	۶۱۸ (حاشیہ)	دلیل سوم وچہارم	۶۵۷،۶ ۵۸
حدیث بابت آب زمزم حسن یا صحیح ہے	۶۱۹	دلیل پنجم	۶۵۹
حدیث یکون فی اٰخرالزمان خلیفۃ لایفضل علیہ ابوبکر ولاعمر مؤول ہے	۶۲۰	دلیل ششم	۶۶۰
فائدہ دوازدہم حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زمانہ کا ابطال وازہاق۔	۶۲۱	دلیل ہفتم	۶۶۲
محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کو مرسل، منقطع، معلق اور معضل کہتے ہیں فقہا اور اصولیین کی اصطلاح میں ان سب کو مرسل کہا جاتا ہے۔	۶۲۱	دلیل ہشتم	۶۶۳
قول امام سفیان ثوری "الاسناد سلاح المؤمن الخ" دربارہ عقائد واحکام ہے۔	۶۲۴	دلیل نہم	۶۶۳
اسی طرح دیگر اقوال بابت سند۔	۶۲۴	آداب دعا سے ہے کہ پہلے کوئی عمل صالح کرے	۶۶۴
رسالہ **نهج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ**۔	۶۲۹	دلیل دہم	۶۶۵
تھانوی صاحب کا جواب۔	۶۳۰	دلیل یازدہم	۶۶۶
تھانوی صاحب کے جواب مذکور کی خامیوں کا شمار	۶۳۴	دلیل دوازدہم	۶۶۷
مفہوم کتب حجت ہے اگرچہ مفہوم لقب ہو۔	۶۳۴	دلیل سیزدہم	۶۶۸
نقل مجہول نامقبول ہے۔ عام صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔	۶۳۵	فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ اچھا عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔	۶۶۸
"لااصل لها" مقتضی کراہت نہیں۔	۶۴۱	دلیل چہاردہم	۶۶۹
مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے مگر جبکہ دلیل تقیید قائم ہو۔	۶۵۰	دلیل پانزدہم	۶۷۰
رسالہ ایذان الاجر فی اذان القبر۔	۶۵۳	تنبیہات جلیلہ	۶۷۲
دلیل اول	۶۵۴		

تنبیہ دوم کہ ایک فعل میں بہت سی نیات ہوسکتی ہیں اور سب پر ثواب۔	٦٧٣	تنبیہ چہارم شرع مطہر کی اصل کلی جو اُن مسائل کو حل کردیتی ہے جن میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں اور بوجہ جہل لوگوں کو بہکاتے ہیں۔	٦٧٦
تنبیہ سوم	٦٧٦		

فہرست ضمنی مسائل

وضو		**حظر واباحت**	
نماز قبل معراج میں طہارتِ ثوب، وضو۔	۸۵	ایک درم سود کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیم کعبہ میں ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔	۱۱۰
جنائز		ترکِ نماز پر مالی جرمانہ جائز نہیں۔	۱۱۱
خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۰۷	طلبہ اگر نماز ترک کریں تو ان کا وظیفہ وضع ہوسکتا ہے، نیز دوسری صورتوں کا بیان۔	۱۱۲
بے نماز کی نماز جنازہ کا حکم۔	۱۲۰	اشیائے مسکرہ پی کر نماز کی ادائیگی کا حکم۔	۱۱۴
نماز جنازہ کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور ان کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی تھی۔	۳۷۵	نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگانے کا حکم۔	۱۱۵
حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ حضرت عمر نے اور حضرت عمر کی ابن عمر نے اور حضرت علی کی حضرت حسن نے اور حضرت حسن کی حضرت حسین نے پڑھائی تھی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۳۷۵	غیر مشروع افعال کے ارتکاب پر برادری کی کون کونسی سزائیں جائز نہیں۔	۱۱۶
نماز جنازہ کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی۔	۳۷۵	احادیث محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	۲۷۴
حضرت خدیجہ کُبرٰی کی وفات تک نمازِ جنازہ مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضرت اسعد بن زرارہ کی وفات ہجرت کے نویں مہینے شوال میں ہوئی صحابہ میں سب سے پہلے بعد ہجرت انتقال فرمایا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔	۳۷۶	حدیث کہ جو تین چیزوں کی محافظت کرے وہ سچا ولی ہے۔	۲۷۸

بے ضرورت سوالات ممنوع ہیں۔	۳۴۳	فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ اچھا عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔	۲۶۸
مرگھٹ کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم۔	۳۴۴	**طب**	
چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم۔ یہ بات کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے اگلی امتوں میں کچھ مسخ ہوگئے غلط ہے۔	۳۴۶	درد گردہ کا بہترین علاج جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔	۵۴۲
قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف پڑھنے میں تفصیل ہے۔	۳۴۹	**توقیت**	
نماز کیلئے جگانے کا حکم۔	۳۷۸	تبدیل طول بلد سے اوقات میں تقدم وتاخّر ہوجاتا ہے۔	۳۳۴
صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے اور کس نے یہ طریقہ جاری کیا۔	۳۸۴	مدراس کا عرض تیرہ درجے پانچ دقیقے ہے اور بنگلور کا بارہ درجے اُنسٹھ دقیقے یا بارہ درجے پچپن دقیقے اور بریلی کا اٹھائیس درجے اکیس دقیقے۔	۳۳۴
الصلوٰۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلوٰۃ رحمکم اللہ پکارنے کا حکم	۳۸۷	**فوائد فقہیہ**	
حدیث کہ خربوزہ کھانے سے پیشتر پیٹ کو دھودیتا ہے اور بیماری کو دور کردیتا ہے۔	۴۴۲	مالی جرمانہ نائز نہیں کہ منسوخ ہوچکا ہے۔	۱۱۱
حدیث میں ہے کہ لباسِ صوف اختیار کرو تو قلوب میں ایمان کی مٹھاس محسوس ہوگی۔	۴۵۱	نہار شرعی اور نہار عرفی کا فرق۔	۱۲۲
فائدہ نفیسہ بدھ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں	۴۹۸	نصف النہار شرعی معلوم کرنے کا طریقہ۔	۱۲۲
فائدہ جلیلہ ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں	۴۹۹	نہار نجومی	۱۲۳
بدھ کے دن ناخن تراشنے کے بارے میں حدیث	۴۹۹	طلوع سے بیس منٹ تک ہر نماز مکروہ ہے اور جب غروب میں بیس منٹ رہیں تو آج کی عصر کے سوا ہر نماز ممنوع ہے۔	۱۳۸
مرغ سفید کارکھنا اچھا ہے۔	۵۲۹	جن نمازوں میں تاخیر مستحب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وقت مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔	۱۳۸
خرقہ پوشی صوفیاءِ کرام وسماعِ حسن بصری رحمہ اللہ	۵۶۲	ان بلاد میں سال بھر کے اندر پورے وقت عصر کی مقدار۔	۱۳۸
آدابِ دُعا سے ہے کہ پہلے کوئی عمل صالح کرے۔	۶۶۴	رضوی تحقیق کہ ان بلاد میں وقت عشاء غروب سے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے۔	۱۵۱

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کیلئے اعادہ اذان منع ہے، تکبیر میں حرج نہیں۔	۱۵۶	زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے۔	۳۲۸
سفر میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں۔	۱۵۹	صیغہ لایفعل سے متبادر کراہت تحریم ہوتی ہے جیسے یفعل مفید وجوب ہوتا ہے۔	۳۶۴
جمع بین الصلوٰتین دو قسم پر ہے، اول جمع فعلی جس کو جمع صوری بھی کہتے ہیں اس کے معنی مراد، اور یہ بعذر سفر ومرض جائز ہے۔	۱۶۰	امام کے انتظار میں تاخیر نماز کا حکم۔	۳۶۴
جمع صوری بضرورت شدّتِ بارش بھی جائز ہے۔	۱۶۲	اگر فجر کے فرض پڑھ لئے اور سنتیں رہ گئیں تو اُن کو کب پڑھ سکتا ہے۔	۳۶۵
دوم جمع وقتی جس کو جمع حقیقی بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی مراد	۱۶۲	عبارات فقہائے کرام میں علامات (مت) اور (شم) اور (قع) اور (ضح) سے کیا مراد ہوتی ہے۔	۴۱۴
جمع حقیقی کی دو صورت: اول جمع تقدیم، دوم جمع تاخیر۔	۱۶۲	تنبیہ کہ فضائل اعمال سے مراد اعمال حسنہ ہیں، نہ صرف ثواب اعمال۔	۶۰۰
قرب وقت کو اس وقت سے تعبیر کرتے ہیں۔	۲۳۴	**رسم المفتی**	
قرآن وحدیث سے اس کی مثالوں میں دو آیت اور بارہ حدیثیں	۲۳۴	دماء، فروج، مضار، خبائث کے سوا تمام اشیاء میں اباحت ہے۔	۵۲۲
قرب وقت کو نام وقت سے تعبیر درکنار صراحۃً ان لفظوں سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسرے نماز کے وقت میں نماز پڑھی	۲۴۰	کراہت تنزیہ ضلالت نہیں۔	۵۷۸ (حاشیہ)
فحمہ عشاء سرشام کے دُھندلکے کو کہتے ہیں۔	۲۴۳	"لااصل لہا" مقتضی کراہت نہیں۔	۶۴۱
نصف النہار اور سایہ اصلی معلوم کرنے کے دو طریقے	۳۲۳	تنبیہ دوم کہ ایک فعل میں بہت سی نیات ہوسکتی ہیں اور سب پر ثواب۔	۶۷۳
مسجد کی شرقی دیوار سے دوپہر اور دوپہر کا ڈھلنا معلوم ہوسکتا ہے۔	۳۲۳	**عقائد وکلام**	
فرائض داخلِ نماز کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف نماز فرض میں ان کی فرضیت ہے۔	۳۲۶	کتاب اللہ کا حفظ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھا۔	۶۷
نہار عرفی وشرعی میں کیا فرق ہے۔	۳۲۷	ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔	۸۳
نہار عرفی وشرعی ہمیشہ نہار نجومی سے زیادہ ہوتی ہے۔	۳۲۷	مولانا محمد رضا علی صاحب کافتوی اس اشتہار کے متعلق جو سالانہ چھپا کرتا ہے کہ شیخ عبداللہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا الخ	۹۷

اس فتوٰی کی تصدیق رضوی۔	۹۹	مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے۔	۵۸۱
ضروریات دین کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو۔	۱۰۱	کسی مسلمان کی جانب بدون تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت حرام ہے۔	۵۸۲
خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت قطعیات سے ثابت ہے۔	۱۰۱	تنبیہ ضروری: وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا۔	۵۹۶
تکذیب صفت قلب ہے مگر قول کی طرح بعض فعل بھی اس پر علامت ہوتے ہیں۔ علامت ہونے کی بنا پر حکم کفر دیا جاتا ہے۔	۱۰۱	لطیفہ جلیلہ منیفہ کہ جان وہابیت پر لاکھ من کا پہاڑ۔	۶۰۳
تارک نماز کی تکفیر قدمائے اہلسنّت کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر نہیں، یہی مذہب ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ ہے۔	۱۰۲	**تاریخ تذکرہ**	
تارک نماز کے اسلام پر بعض دلائل	۱۰۶	حضرت یونس بنیامین بن یعقوب کی اولاد ہیں اور سلیمان علیہم الصلٰوۃ والسلام کے بعد تھے۔	۷۲
ہم میں اور مشرکوں میں نماز فارق ہے۔	۱۰۹	اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام۔	۷۲
ایک وقت کی نماز قصداً بلاعذرِ شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔	۱۱۰	دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔	۱۱۵
اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہوجائے تو یہ روئے زمین کی بادشاہت سے بہتر ہے۔	۱۱۷	کتاب الحجج تالیف امام فقیہ محدث عیسٰی ابن ابان ہے جو امام محمد کے شاگرد تھے رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۱۶۱
امر بالمعروف نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرنا چاہئے۔	۱۱۷	مقام ملل مدینہ طیبہ سے کتنے میل ہے۔	۱۸۲
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔	۲۵۶	مکہ معظّمہ اور مقام سرف کے درمیان دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے	۲۶۷
اگر حکم شرع پر عمل کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہو تو اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۰۶	مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۷
چند کرامات کسی ولی سے منفک نہیں ہوتیں الاماشاء اللہ۔	۵۷۲	مدینہ منورہ سے ذات الجیش کے فاصلے میں اختلاف کثیر	۲۶۸

مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے دو کم دو سو میل ہے۔	۲۶۸	مسئلہ تثویب میں دیوبندی خیانتیں۔	۳۹۱
حوالی مکہ معظمہ میں وقتِ مغرب کم وبیش ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔	۲۶۸	پہلی، دوسری، تیسری خیانت۔	۳۹۲
اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر شریف میزاب کے نیچے ہے۔	۳۵۱	چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں خیانت۔	۳۹۳
حجراسود اور زمزم شریف کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔	۳۵۳	آٹھویں، نویں، دسویں خیانت	۳۹۴
زمانہ اقدس میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے مشرق، مغرب اور شمال میں۔	۴۰۵	گیارہویں خیانت جو سب سے اخبث ہے کہ اعلٰحضرت کے والد ماجد اور جدّامجد اور پیرومرشد اور حضور غوث پاک کے نام سے کتابیں تراش لیں، ان کے مطبعے گھڑلئے، صفحے دل بنالئے، عبارتیں خودساختہ لکھ دیں۔	۳۹۵
ہشام ابن عبدالملک مروانی نے اذانِ عثمانی کو منارہ مسجد پر دلوانا شروع کیا تھا، نہ اذان ثانی کو اندرون مسجد۔	۴۰۹	افادہ سیم کہ ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں، طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنّت ہے۔	۵۷۴
اسی ہشام نے حضرت زید رضی اللہ تعالٰی کو سولی دلوائی اور برسوں سُولی پر رکھا جس سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔	۴۱۰	قبول ضعاف میں گنگوہی صاحب کی فاحش خطائیں۔	۵۷۴
تفسیر ابن جریر طبقہ رابعہ سے ہے (درحاشیہ)	۵۴۳	گنگوہی صاحب نے انجانے میں آدھی وہابیت ذبح کرڈالی۔	۵۷۷
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں کتنے شہر فتح ہوئے اور کتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور کتنے منبر بنائے گئے۔	۵۶۰	گنگوہی صاحب نے اباحتِ، استحباب، کراہت تنزیہ بین احکام شرعیہ بالکل مٹادیئے۔	۵۷۸
فائدہ دوم کہ مشاجرت صحابہ میں تواریخ وسیَر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔	۵۸۲	تھانوی صاحب کے جواب مذکور کی خامیوں کا شمار۔	۶۳۴
رَدِ بدّمذہباں		**حدیث واصول حدیث**	
دربارہ نماز عصر ایک وہابی خیّاط کا اعتراض اور اس کا جواب۔	۱۴۸	حدیث بخاری اعتم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاالخ کے تین محمل۔	۵۸

جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے اپنی ماں سے بیت اللہ میں ستّر بار زنا کیا۔ یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔	۱۱۰	پہلی حدیث۔	۱۹۶
مجہول العین راوی کی روایت محققین کے نزدیک مقبول ہے۔	۱۵۰	دوسری، تیسری، چوتھی حدیث۔	۱۹۷
فصل اول جمع صوری کے اثبات میں غیر مقلدین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کا صحیح وصریح حدیثوں سے انکار جو جمع صوری میں وارد ہیں۔	۱۶۳	پانچویں تا گیارہویں حدیث۔	۱۹۹
حدیث اول اثباتِ جمع صوری میں۔	۱۶۷	فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم۔	۲۰۳
حدیث دوم اور سوم۔	۱۷۲	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث اول بابت جمع بین الصّلٰوتین	۲۰۴
احادیث چہارم وپنجم۔	۱۷۳	حدیث معلول کیلئے ضعفِ راوی ضروری نہیں۔	۲۰۶
محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیّع اور رفض کے درمیان فرق ہے، متاخرین شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔	۱۷۵	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث دوم اور اس کے بیان کردہ مفہوم پر بارہ وجوہ سے رَد۔	۲۱۰
فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں فرق ہے۔	۱۷۷ (حاشیہ)	افاضہ اولٰی کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔	۲۱۴
چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کرے نہ اس کی حدیث کو مردود۔	۱۸۴	افاضہ ثانیہ کہ جمع بین الصّلٰوتین کے بارے میں احمد وشافعی، عبدالرزاق وبیہقی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے۔	۲۱۵
امام سُفیان بن عُیَینہ نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی، پھر ان کے ثقہ حجت ہونے پر اجماع ہے۔	۱۸۴	اس کے راوی حسین بن عبداللہ ضعیف ہیں۔	۲۱۶
افادہ ثانیہ کہ احادیث جمع میں جمع صوری کے ارادے پر پانچ قرائن ہیں	۱۸۶	افاضہ ثالثہ کہ حدیثِ دارقطنی بھی ضعیف ہے۔	۲۲۰
افادہ رابعہ کہ وہ احادیث جن میں مطلق جمع بین الصلٰوتین وارد ہے سب کی سب جمع صوری پر محمول ہیں بطور تمثیل گیارہ حدیثوں کا بیان۔	۱۹۶	فاضہ رابعہ بابت حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۲۱
		جمع تاخیر میں پیش کردہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر کلام	۲۲۸

اس کا جواب اول	۲۳۲	قسم اول نصوص عامہ جو سات آیات اور بتیس حدیثوں پر مشتمل ۔	۲۷۰
قصہ صفیہ زوجہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر ایک ہی بار واقع ہوا تھا۔	۲۳۳	احادیث چند نوع ہیں۔ نوع اول	
جمہور محدثین کے مذہب مختار پر مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔	۲۴۵	احادیث محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	۲۷۴
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب میں وقتِ مغرب شفق احمر تک ہے اور احناف کے نزدیک شفقِ ابیض تک، یہی روایۃً صحیح اور درایۃً راجح، اور اجلہ صحابہ اور اکابر تابعین اور اجلّائے تبع تابعین اور ائمہ لغت اور بعض کبرائے شافعیہ سے بھی منقول ہے۔	۲۴۵	نوعِ اخیر حدیث امامتِ جبریل علیہ السلام	۲۷۸
حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بابت جمع بین الصلوٰتین	۲۴۶	نوع آخر حدیث سائل	۲۷۹
اس کا جواب۔	۲۴۸	نوعِ آخر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے۔	۲۸۰
حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب اول۔	۲۵۲	نوع آخر کہ جب ایک نماز کا وقت آیا تو دوسری کا جاتا رہا۔	۲۸۱
جواب ثانی	۲۵۲	قسم دوم نصوص خاصہ جن میں بالخصوص جمع بین الصلوٰتین کی نفی ہے۔	۲۸۹
نماز کے اول وآخر وقت حقیقی اور سحری کے آخر وقت حقیقی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تھا اور آپ کے طفیل میں اجلہ حذاق صحابہ کو جس پر احادیث دال ہیں۔	۲۵۳	مرسل حدیث ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجّت ہے۔	۲۹۲
حدیث اول تا سوم	۲۵۳	احادیث مرویہ بالمعنی مختلف طور پر روایت کی جاتی ہیں، کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا، جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔	۳۰۱
حدیث چہارم تا ہفتم	۲۵۵	اسی واسطے امام ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے	۳۰۱
حدیث ہشتم و نہم	۲۵۷	ضعیف، متشیع، صاحب افراد، متروک الحدیث میں فرق ہے، متشیع اور صاحب افراد ہونا اصلاً موجب ضعف نہیں۔	۳۰۳
فائدہ عائدہ بابت حدیث سنن ابی داؤد جس سے آج تک اصلاً تعرض نہ ہوا، نہ استناداً نہ جواباً۔	۲۶۴	ضعیف اور متروک میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول بخلاف متروک۔	۳۰۳

حدیث کان قدر صلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر فی الصیف ثلثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام کا مطلب۔	۳۴۰	ابن جوزی نے جس جس حدیث کو غیر صحیح کہا اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
افادہ اول کہ حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ غلط ہے۔	۴۳۶	لفظ "لایثبت" سے یہ ثابت کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اصطلاح میں "ثابت" صحیح حدیث کو کہتے ہیں۔	۴۴۲
حدیث حسن احکامِ حلال وحرام میں حجت ہوتی ہے۔	۴۳۷	افادہ دوم کہ جہالت راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔	۴۴۳
کتب صحاح ستّہ میں مذکورہ تمام احادیث صحیح نہیں، تسمیہ بصحاح تغلیباً ہے۔	۴۳۹	مجہول کے اقسام اور ان کے احکام۔ اول قسم مستور اس قسم کے راوی مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔ قسم دوم مجہول العین۔ اور قسم سوم مجہول الحال۔	۴۴۳
حدیث کے آٹھ مراتب اور ان کے احکام۔	۴۴۰	افادہ سوم کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں۔	۴۴۸
صحیح، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ سب محتج بہا ہیں۔	۴۴۰	حدیث منقطع کا حکم۔	۴۴۸
پنجم حدیث ضعیف بضعف قریب کی قسم صالح متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اور احکام میں قابل احتجاج۔	۴۴۰	افادہ چہارم کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مندرج بھی موضوع نہیں۔	۴۵۰
ششم ضعیف بضعف قوی قابل احتجاج نہیں، صرف فضائل میں معتبر ہے	۴۴۰	افادہ پنجم کہ جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں۔	۴۵۱
ہفتم حدیث مطروح حکماً موضوع ہوتی ہے۔	۴۴۰	تعددِ طُرق سے مبہم کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔	۴۵۲
ہشتم موضوع یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار۔	۴۴۰	حدیث مبہم دوسری حدیث کیلئے مقوی ہو سکتی ہے۔	۴۵۲
حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے	۴۴۰	افادہ ششم کہ ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے۔	۴۵۳
صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱	افادہ ہفتم ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرے، اس کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۴
		اسباب طعن دس ہیں بایں ترتیب۔	۴۵۴

افادہ ہشتم کہ منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۵	افادہ چہاردہم کہ حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے۔	۴۷۵
افادہ نہم کہ متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۶	"خط "علامت خطیب فی التاریخ ہے	۴۷۵
حدیث چلّہ صوفیاء کرام۔	۴۵۹	افادہ پانزدہم کہ اہل علم کے عمل کر لینے سے یہ حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔	۴۷۵
حدیث کہ جو شام کو صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام پڑھ لے تو اس شب بچھو نہ کاٹے گا۔	۴۵۹ (حاشیہ)	افادہ شانزدہم کہ حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں، اول اعتقادات۔	۴۷۷
افادہ دہم کہ موضوعیت حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے۔	۴۵۹	عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں۔	۴۷۷
حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی جنون وجذام اور برص کو اس سے پھیر دیتا ہے الخ	۴۶۰	دوم احکام جن میں حدیثِ ضعیف کافی نہیں ہوتی۔	۴۷۸
فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں روافض نے تقریباً تین لاکھ حدیثیں وضع کیں۔	۴۶۱	تیسرے فضائل ومناقب جن میں باتفاقِ علماء حدیث ضعیف مقبول وکافی ہے۔	۴۷۸
افادہ یازدہم کہ بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے۔	۴۶۸	بلکہ فضائل اعمال میں حدیث منکر بھی مقبول ہے۔	۴۷۸
ان امرتی لاتدفع ید لامس کے معنی راجح حاشیہ نمبر ا میں۔	۴۷۰ (حاشیہ)	نبوی ارشاد اگر کسی کو حدیث پہنچی کہ فلاں عمل پر ایسا ثواب ملے گا اور اس نے اس عمل کو کیا تو ثواب پائے گا اگرچہ واقع میں وہ میری حدیث نہ ہو۔	۴۷۹
تنبیہ الافادات	۴۷۲	کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں کہ حدیث ضعیف پر فضائلِ اعمال میں عمل جائز ہے۔	۴۸۱
افادہ دوازدہم کہ تعددِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی ہے بلکہ حسن ہوجاتی ہے۔	۴۷۲		
افادہ سیزدہم کہ حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طرق سے حسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں۔	۴۷۴	افادہ ہفدہم کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے۔	۴۸۱
حدیث کہ جس کے تین بچے پیدا ہوئے اور کسی کا نام محمد نہ رکھا تو یہ اس کی جہالت ہے۔	۴۷۴	افادہ ہیجدہم کہ خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے۔	۴۸۶

حدیث انا عند ظن عبدی بی کس کس کتاب میں ہے۔	۴۸۸	مسند امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ضعیف احادیث ہیں۔	۵۱۶
اس حدیث کی بعض روایات میں کچھ الفاظ زائد ہیں۔	۴۸۹	دار قطنی احادیث ضعیفہ، شاذہ، معللہ سے پر ہے۔	۵۱۸
افادہ نوزدہم عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے۔	۴۸۹	افادہ بست ودوم کہ ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا، درباره احکام اسے حجّت بنانا نہیں۔	۵۲۱
احادیث اولیاءِ کرام کے متعلق نفیس فائدہ۔	۴۹۱	افادہ بست وسوم کہ ایسے مواقع میں ہر حدیث غیر موضوع کام دے سکتی ہے۔	۵۲۴
حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔	۴۹۱	حدیث شدید الضعف کی تعریف۔	۵۲۹
افادہ بستم کہ حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط ہو۔	۴۹۴	علامہ لکھنوی قدس سرہ، سے ظفر الامانی میں تدریب اور القول البدیع سے نقل میں لغزش ہوئی۔	۵۳۰
افادہ بست ویکم کہ حدیث ضعیف پر عمل کیلئے خاص اس فعل میں حدیث صحیح کا آنا ضرور نہیں۔	۵۰۱	بحث قبول شدید الضعف۔	۵۳۱
تحقیق مقام وازاحۃ اوھام عمل بالحدیث اور قبول الحدیث میں فرق ہے یا نہیں۔	۵۰۴	فائدہ جلیلہ فی احکام انواع الضعیف وانجبار ضعفا۔	۵۳۳
مسلم شریف میں بھی ضعفاء کی روایتیں ہیں۔	۵۱۱	افادہ بست وچہارم کہ حدیث کا کتب رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائیکہ ضعفِ شدید۔	۵۳۸
بخاری شریف میں ضعفاء کی روایات درباره متابعات وشواہد موجود ہیں۔	۵۱۲	قول شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، بابت احادیث کتب رابعہ کے معنی۔	۵۳۸
عامہ مسانید، معاجیم، سنن، جوامع، اجزاء ہرنوع احادیث پر مشتمل ہیں۔	۵۱۴	طبقہ ثانیہ وثالثہ ورابعہ کی بعض کتابوں کے اسمائ۔	۵۳۸
امام ابوداؤد کے کلام "صالح" کے دو معنی ہیں۔	۵۱۴	رموز کتب احادیث۔	۵۴۰
سنن ابوداؤد شریف کا موضوع صرف احکام ہیں۔		امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور بخاری میں کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔	۵۴۶

رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کردہ فوائد نفیسہ عظیمہ اربعہ کا حاشیہ میں شمار۔	۵۴۸ (حاشیہ)	افادہ بست ونہم کہ اعمال مشائخ محتاج سند نہیں، اعمال میں تصرف وایجاد مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔	۵۷۱
افادہ بست وپنجم کہ کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کا بھی مستلزم نہیں، کتب موضوعات کی قسم دوم۔	۵۴۸	دربارہ تفضیل حدیث ضعیف مقبول نہیں۔	۵۸۰
ابن جوزی نے صحاح ستہ اور مسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہا۔	۵۴۸	جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخلف کے بارے میں یہ جملہ "ولعن اللہ من تخلف عنہ" افتراء ہے۔	۵۸۵
کتب موضوعات کی دوسری قسم۔	۵۴۸	فائدہ سوم اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۸۶
شوکانی کی کتاب (فوائد مجموعہ) قسم دوم سے ہے۔	۵۴۹	ہمارے نزدیک ابن اسحٰق صاحبِ مغازی کی توثیق راجح ہے۔	۵۹۲ (حاشیہ)
مقاصدِ حسنہ امام سخاوی مختص بموضوعات نہیں، یہ شوکانی کی کم فہمی ہے۔	۵۵۰	تنبیہ متعلق افادہ (۲۵) کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۹۴
نتیجۃ الافادات۔	۵۵۱	کتاب تنزیہ الشریعۃ کی عبارت سے ایک نفیس فائدہ حاصل۔	۵۹۴
افادہ بست وششم کہ ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی	۵۵۱	فائدہ چہارم کہ مجہول العین کا قبول ہی مذہبِ محققین ہے۔	۵۹۵
افادہ بست وہفتم کہ بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلماتِ علماء میں بلاسند مذکور ہونا کافی ہے۔	۵۵۵	تنبیہ کہ غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔	۵۹۵
افادہ بست وہشتم کہ حدیث اگر موضوع بھی ہو تاہم فعل کی ممانعت لازم نہیں۔	۵۶۱	فائدہ پنجم متعلق افادہ (۲۱) کہ قبول ضعیف کیلئے ورود صحیح کی حاجت نہیں	۵۹۵
وضو کی دعائیں حدیث سے ثابت نہیں۔	۵۶۸	حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف ضعف علماء نے احادیث صحاح کا ناسخ قرار دیا ہے اگرچہ ہم قائل نسخ نہیں۔	۵۹۵
عمل بموضوع اور عمل بمافی الموضوع میں فرق عظیم ہے۔	۵۷۱	فائدہ ششم کہ حدیثِ ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول۔	۵۹۷

فائدہ ہفتم کہ حدیث ضعیف سے سنّیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یانہیں۔	۶۰۰	حدیث یکون فی اٰخر الزمان خلیفۃ لایفضل علیہ ابوبکر ولاعمر مؤول ہے۔	۶۲۰
فائدہ ہشتم کہ وضع یاضعف کاحکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث۔	۶۰۱	افادہ دوازدہم حدیث بے سندمذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اوراوہام قاصرین زمانہ کاابطال وازہاق۔	۶۲۱
فائدہ نہم وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔	۶۰۶	محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کو مرسل اور منقطع اور معلق اور معضل کہتے ہیں فقہاء اور اصولیین کی اصطلاح میں ان سب کو مرسل کہا جاتا ہے۔	۶۲۱
ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگی۔	۶۱۲	**اسماء الرجال**	
تنبیہ اخذ میں قلّت مبالات زمانہ تابعین سے پیدا ہوئی۔	۶۱۲	امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی، نہ تبع سے ان کا سنِ وفات۔	۶۲
فائدہ دہم احادیث طبقۂ رابعہ کے متعلق۔	۶۱۵	سعید بن خثیم ہلالی منکر الحدیث ہیں۔	۹۳
فائدہ یازدہم تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں	۶۱۷	نافع اور عبداللہ بن واقد دونوں شاگرد عبداللہ بن عمر ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم	۱۶۷
خاتمہ مجمع البحار سے بعض احادیث پر نقل احکام اور حاشیہ میں اس پر نفیس کلام۔	۶۱۷	صفیہ بنتِ ابی عبیدہ زوجہ ابن عمر، مختار کذّاب کی بہن تھیں، ان کے صحابیہ ہونے میں اختلاف ہے، ان کے والد ماجد صحابی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم	۱۶۸(حاشیہ)
حدیث طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم حسن ہے، جس کو رسالہ النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب میں بیان فرمایا۔	۶۱۸ (حاشیہ)	افادہ اولٰی کہ غیر مقلدین کے پیشوائے مذکور کامحمد بن فضیل کو ضعیف کہنا باطل ہے وہ بخاری ومسلم کے رجال سے ہیں۔	۱۷۴
حدیث بابت آب زمزم حسن یا صحیح ہے۔	۶۱۹	بخاری ومسلم کے تیس ۳۰ سے زیادہ وہ راوی ہیں جن کو اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیّع ذکر کیا جاتا ہے اور اُن کے اسماء۔	۱۷۶

بشر بن بکر ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے۔	۱۷۷	طریق دوم میں مومل بن اہاب صدوق لہ اوہام۔	۲۶۵
پیشوائے غیر مقلدین کی تحریف کہ ولید بن مسلم کو ولید بن قاسم بنالیا اول رجال صحیح مسلم سے امام ثقہ ہیں اور دوم قدرے متکلم فیہ۔	۱۷۸	نعیم بن حماد قابل احتجاج نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا۔ جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت۔	۲۶۶
صحیح بخاری و مسلم کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یخطی کہا گیا	۱۷۹ (حاشیہ)	ابوالزبیر مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں لیکن ان سے اگر لیث بن سعد روایت کریں تو مقبول، ذکر وجہہ فی المیزان۔	۲۶۶
لطیفہ پنجم، عطاف ثقہ ہیں۔	۱۸۰	خالد بن مخلد صحاح ستّہ کے رجال سے ہیں اور امام بخاری کے استاد۔	۳۰۳
وہمی اور صدوق یھم میں فرق ہے۔	۱۸۰	بخاری و مسلم کے بعض ضعیف رجال کا شمار۔	۳۰۴ (حاشیہ)
صحیحین کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یھم کہا گیا۔	۱۸۰	امام اعمش کا اسم مبارک سلیمان ہے۔	۳۰۶
خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع ہے۔	۲۰۶	جب بصری عبداللہ کہیں تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوتے ہیں، دوسرا کہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	۳۰۶
ابن حزم غیر مقلد خبیث اللسان نے سیدنا ابوالطفیل صحابی کو مقدوح و مجروح بتایا۔	۲۰۶	جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو ابن المبارک مفہوم ہوتے ہیں اور جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر مراد ہوں گے۔	۳۰۶
اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کیلئے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزعم تعلیق رَد کیا۔	۲۰۶	حدیث نسائی شریف کی سند میں واقع خالد امام اجل خالد بن حارث بصری ہیں خالد بن مخلد نہیں۔	۳۰۷
امام شافعی علیہ الرحمۃ کی روایت میں ابراہیم ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی متروک واقع ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔	۲۱۸	علی بن عروہ دمشقی حدیث وضع کرتا تھا۔	۴۶۲
امام اسحٰق بن راہویہ کا حافظہ وفات سے چند ماہ پیشتر متغیر ہوگیا تھا۔	۲۲۲	ابوعقال ہلال بن زید انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا تھا۔	۴۶۲
شبابہ بن سوار مبتدع تھا۔		ابن تیمیہ کی بکواس۔	۴۶۵
عبداللہ بن ابی نجیح یسار مکی مدلس ہیں۔	۲۴۵	"خط" علامت خطیب فی التاریخ ہے۔	۴۷۵
یحیٰی بن محمد جاری متکلم فیہ ہیں۔	۲۶۵		

عمرو بن واقد متروک ہیں۔	۴۷۵	**فوائد اصولیہ**	
ضحاک بن حجرۃ ضعیف ہیں۔	۴۷۵	محتمل کو محکم کی طرف رَد کرنا طریقہ معروفہ ہے۔	۱۰۶
ابن عباس بن سہل رجال امام بخاری سے ضعیف ہیں ان کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔	۵۱۰	جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے۔	۱۳۴
کلبی شدید الضعف ہے۔	۵۲۵	قول یک مثل پر قول مثلین کی وجوہ ترجیح۔	۱۳۵
امام واقدی کی توثیق راجح ہے۔	۵۲۶	(فا) کیلئے ترتیب ذکری کافی ہے۔	۲۱۱
فضائل ومناقب		اور عدم مہلت ہر جگہ اس کیلئے لائق ہوتی ہے۔	۲۱۱
توریت شریف میں پانچوں نمازوں کے عظیم فضائل۔	۵۲	حدیث مروی بالمعنی کے (فا) اور (و) وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں۔	۲۱۱
حضرت بحر العلوم کا ارشاد، ہمارے ائمہ حنفیّہ کی نظر کیسی دقیق ہے کہ ان سے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہوتا۔	۳۰۰	لفظ (جمیعا) اجتماع فی الحکم پر دلالت کرتا ہے نہ اجتماع فی الوقت پر۔	۲۲۶
عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور انس سے افقہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۱۱	صیغہ مجہول غالباً مشیر بضعف ہوتا ہے۔	۲۹۱
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے استیذان معاف تھا	۳۳۶	مفہوم مخالف حنفیّہ کے نزدیک عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں معتبر نہیں۔ کلام صحابہ ومن بعدہم میں معتبر ہے۔	۲۹۳
مردہ سنت زندہ کرنے کے متعلق احادیث۔	۳۹۷	مسلمان کا فعل حتی الامکان محمل حسن پر محمول کرنا واجب ہے۔	۳۲۴
امام سیوطی پچھتّر بار بیداری میں نبوی زیارت سے مشرف ہوئے۔	۴۹۳	صیغہ نفی صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔	۴۱۲
چاند گہوارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا تھا۔	۵۲۸	لفظ خبر وجوب پر دلالت کرتا ہے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کیا کہنا چاہئے۔	۴۱۳
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عجیب فضیلت۔	۵۴۴	المحاکمۃ بین الفاضل العلامۃ الخفاجی والمحقق الدوانی رحمہما اللہ تعالٰی۔	۵۰۵
خوشبو سونگھ کر درود شریف پڑھنا نبوی آثار دیکھنے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔	۵۶۵	معروضۃ علی کلام الدوانی۔	۵۰۷

مفہوم کتب حجت ہے اگرچہ مفہوم لقب ہو۔	۶۳۴	اوقات بعض تحویلات کا نقشہ۔	۱۵۵
نقل مجہول نامقبول ہے۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔	۶۳۵	**متفرقات**	
مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے مگر جبکہ دلیل تقیید قائم ہو۔	۶۵۰	ضحوہ کبرٰی نکالنے کا طریقہ کیا ہے؟	۳۱۴
تنبیہ چہارم شرع مطہر کی اصل کلی جو ان مسائل کو حل کر دیتی ہے جن میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں اور بوجہ جہل لوگوں کو بہکاتے ہیں۔	۶۷۶	میرٹھ میں پورے وقت مغرب کی مقدار۔	۳۲۱
طبیعیات		بریلی میں بموسم گرما اور سرما غروب کا وقت۔	۳۳۲
کرہ بخار جس کو عالم نسیم اور عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں وہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل اور قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔	۱۳۷	خاتمہ فوائد منثورہ میں۔	۵۷۹
ہندسہ وریاضی		فائدہ اول کہ فضیلت وافضیلت میں فرق ہے۔	۵۸۰
فلکیوں کی تقسیم فصول اور ہمارے یہاں کی تقسیم فصول۔	۱۵۴		

بِسۡمِ اللّٰهِ الرحمٰنِ الرّحِیم ط

کتاب الصّلوٰۃ

مسئلہ (۴۴۹): از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ مُلّا یعقوب علی خان ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز پنجگانہ میں کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی ہے اور اگلے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اُن کی امتوں پر بھی یہی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا خاصہ ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

الحمدللّٰه وحده* والصلوٰة والسلام علی من لانبی بعده* وعلٰی اٰله وصحبه المکرمین عنده۔	اللہ ہی کیلئے تعریف ہے جو اکیلا ہے اور صلاۃ وسلام اس ہستی پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ہاں بہت مکرم ہیں۔ (ت)

نماز پنجگانہ اللہ عزّوجل کی وہ نعمتِ عظمٰی ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی امت کو

نہ ملی، بنی اسرائیل پر دو۲ ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار۴ رکعتیں دو۲ صبح دو۲ شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی سنن نسائی شریف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیثِ معراج مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں **ثم ردت الی خمس صلوات، قال: فارجع الی ربك فاسأله التخفیف فانه فرض علٰی بنی اسرائیل صلاتین فماقاموا بهما**[1] یعنی پھر پچاس۵۰ نمازوں کی پانچ رہیں موسٰی علیہ الصلاۃ والسّلام نے عرض کی کہ حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو۲ نمازیں فرض فرمائی تھیں وہ انہیں بھی بجانہ لائے۔ علّامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

ورد ان بنی اسرائیل کلفوا برکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی۔ قیل، ورکعتین عند الزوال، فماقاموا بماکلفوا به[2]۔	روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو دو۲ رکعتیں صبح اور دو رکعتیں رات کو پڑھنے کا مکلّف بنایا گیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ دو۲ رکعتیں زوال کی بھی تھیں مگر وہ اس پر کاربند نہ رہ سکے۔ (ت)

اور امتوں کا حال خدا جانے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ پانچوں اُن میں کسی کو نہ ملیں علماء نے بے خلاف اس کی تصریح فرمائی، مواہب شریف بیان خصائص امت مرحومہ میں لکھا:

ومنها مجموع الصلوات الخمس، ولم تجمع لاحد غیرھم[3]۔	اور ان خصوصیات میں سے پانچ نمازوں کا مجموعہ بھی ہے کیونکہ اُمتِ مسلمہ کے علاوہ کسی اور اُمت کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (ت)

شرح زرقانی مقصد معراج مقدس میں زیر حدیث مذکور نسائی لکھا:

ھذا ھوالصواب، وماوقع فی البیضاوی انه فرض علیھم خمسون صلاۃ فی الیوم واللیلۃ، فقال السیوطی: ھذا غلط، ولم یفرض علی بنی اسرائیل خمسون صلاۃ قط بل ولاخمس صلاۃ، ولم تجمع الخمس	یہی درست ہے اور جو بیضاوی میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، تو سیوطی نے کہا کہ یہ غلط ہے، ان پر پچاس نمازیں کبھی بھی فرض نہیں کی گئی تھیں بلکہ ان پر تو پانچ نمازیں بھی فرض نہیں تھیں، پانچ صرف اس امت کیلئے

---

[1] سنن النسائی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۷۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۴۲

[3] المواھب اللدنیۃ المقصد الرابع خصائص تعلق بالصلوٰۃ، المکتب الاسلامی، بیروت ۲/۷۱۱

الالهذه الامة، وانما فرض علی بنی اسرائیل صلاتان فقط، کما فی الحدیث[1]۔	جمع کی گئی ہیں۔ بنی اسرائیل پر تو صرف دو ۲ نمازیں فرض تھیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (ت)

لمعات شیخ محقق دہلوی وشرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی میں ہے: **مجموع هذه الخمس من خصوصیاتنا**[2] (ان پر پانچ نمازوں کا مجموعہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ ت) اشعۃ اللمعات میں ہے: مجموع خمس اوقات مخصوص ایں اُمت ست[3] (پانچ اوقات کا مجموع اس امت کی خصوصیت ہے۔ ت) تیسیر وسراج المنیر شروح جامع صغیر میں زیرِ حدیث **وصلوا خمسکم** (اور پڑھو اپنی پانچ نمازیں۔ ت) لکھا: **اضافها الیهم لانها لم تجتمع لغیرهم**[4] (اپنی کہہ کر) پانچ نمازوں کو امت کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ کسی اور اُمت کیلئے یوں جمع نہیں کی گئیں۔ ت) بلکہ یہ معنی عــہ خود ارشادِ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت۔ ابن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد وبیہقی سنن میں بسند حسن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

عــہ: **فان قلت** الم تذکر بقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتقوا الله وصلوا خمسکم[5] فانه حدیث صحیح رواه الترمذی وحسنه وصححه وابن حبان والحاکم عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه ولقد احتجوا به علی الاختصاص قال العلامة الزرقانی حجة ذلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتقوا الله وصلوا خمسکم فاضافتها الیهم یعطی ذلك[6] اھ وقد نقلت کلام العزیزی والمناوی فما معنی هذا الترقی۔	**فان قلت** (اگر یہ اعتراض ہو کہ) کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد عالی یاد نہیں رہا اتقوا اللہ وصلوا خمسکم (اللہ سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں ادا کرو) کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے اسے روایت کرکے حسن وصحیح قرار دیا۔ ابن حبان اور حاکم نے ابوامامہ باہلی سے روایت کیا اور علماء نے اس سے اختصاص پر استدلال کیا ہے علامہ زرقانی کہتے ہیں اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اللہ سے ڈرو اور اپنی نمازیں ادا کرو۔ نماز کی اضافت اس امت کی طرف کرنا، اس خصوصیت کا فائدہ دیتی ہے۔ میں نے عزیزی اور مناوی کا کلام نقل کردیا ہے تو اس ترقی کا کیا معنٰی۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب فی المقصد الخامس تخصیصه علیه السلام بخصائص المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر، ۱۴۱/۶

[2] لمعات التنقیح الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۲۳۱/۲

[3] اشعۃ اللمعات الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۸۷/۱

[4] السراج المنیر شرح جامع صغیر تحت حدیث "اتقوا اللہ وصلوا خمسکم" مطبوعہ مطبعہ ازہریہ مصر ۳۷/۱

[5] شرح الزرقانی، مقصد رابع مطبعہ عامرہ مصر ۴۲۴/۵ و ۴۲۵

[6] شرح الزرقانی، مقصد رابع مطبعہ عامرہ مصر ۴۲۴/۵ و ۴۲۵

نے نمازِ عشا کی نسبت فرمایا:

اعتموا بھذہ الصلوٰۃ فانکم فضلتم بھا علی سائر الامم ولم تصلھا امۃ قبلکم [1]۔	اس نماز کو دیر کرکے پڑھو کہ تم اس سے تمام امتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہ پڑھی۔ (ت)

پر ظاہر کہ جب نمازِ عشا ہمارے لئے خاص ہے تو پانچوں کا مجموعہ بھی ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا۔ رہا ہمارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کے سوا کسی نبی کو یہ پانچوں نہ ملنا، علماء اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی میں ایک باب وضع فرمایا:

باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس ولم تجمع لاحد [2]۔	یعنی وہ باب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کے مجموعے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختص ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول: بلٰی ولکن لی فی کونہ حجۃ فی المقام مقال فان امر الاضافات اوسع من ھذا تقول ربکم ونبیکم بل فی آخر نفس الحدیث تدخلوا جنۃ ربکم وزاد فی روایۃ وعند الخلعی وحجوا بیت ربکم وایضا یجوز التخصیص باعتبار اھل الزمان وایضا قد ثبت خصوصنا فیھا بوجوہ کما یاتی فلا یدل علٰی خصوص نفس الخمس ولو بالجمع واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کیوں نہیں، لیکن اس حدیث کو اختصاص پر دلیل بنانے میں مجھے اعتراض ہے کیونکہ اضافتوں کا معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ تم کہتے ہو رَبُّکُمْ وَنَبِیُّکُمْ (تمہارا رب اور تمہارا نبی) بلکہ اس حدیث کے آخر میں ہے تدخلوا جنۃ ربکم (اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤگے) اور خلعی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے وحجوا بیت ربکم (اور اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔ ان مثالوں میں اضافت موجود ہے مگر اختصاص نہیں کیونکہ رب صرف مخاطبین کا نہیں سارے جہان کا ہے) نیز خصوصیت باعتبار اہلِ زمانہ کے بھی ہوسکتی ہے علاوہ ازیں ہماری خصوصیت دیگر وجوہ کی بناء پر ثابت ہے جیسا کہ آرہا ہے پس اس حدیث سے ان پانچوں نمازوں کی خصوصیت اجتماعی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب وقت العشاء الاخرۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۶

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں بعض علماء سے ناقل **ھذہ الصلوات تفرقت فی الانبیاء وجمعت فی ھذہ الامۃ**[1] (یہ نمازیں باقی انبیاء کو متفرق طور پر عطا کی گئیں اس اُمت کے لئے جمع کردی گئیں۔ت) علّامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں: **لم تجمع لاحد غیرھم من الانبیاء والامم**[2] (اس امت کے علاوہ باقی انبیاء اور اُمتوں میں سے کسی کیلئے یہ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ت) اُسی میں ہے:

ولایعارضہ قول عــہ **جبریل فی حدیث المواقیت حین صلی الخمس بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ھذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلك، لان المراد، کماقال الرافعی، انہ وقتھم اجمالا، وان اختص کل منھم بوقت**۔[3]	اور اس کے معارض نہیں ہے جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور آپ سے پہلے انبیاء کا بھی۔ حدیث مواقیت کے مطابق جبریل نے یہ بات اُس وقت کہی تھی جب انہوں نے رسول اللہ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں عدمِ تعارض کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوقات دیگر انبیاء کو اجمالی طور پر ملے تھے، انفرادی طور پر تو ہر نبی کو ان میں سے کچھ وقت دِیے گئے تھے۔ (ت)

لمعات وشرح ابن حجر مکّی میں ہے:

واللفظ للاول، قولہ ھذا وقت الانبیاء من قبلك، یدل بظاھرہ علی ان الصلوات الخمس کانت واجبة علی الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام، والمراد التوزیع بالنسبة الی غیر العشاء، اذمجموع ھذہ الخمس من خصوصیاتنا، واما بالنسبة الیھم فکان	اور لفظ لمعات کے ہیں -- جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور پہلے انبیاء کا بھی، بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پانچ نمازیں پہلے انبیاء پر واجب تھیں لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ عشاء کے علاوہ باقی نمازیں دیگر انبیاء پر تقسیم کی گئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کا مجموع ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ باقی انبیاء کو تو عشاء

عــہ: **رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وستأتی تخریجاتہ ۱۲ منہ** (م)	اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کی تخریجات آگے آرہی ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۴/۵

[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۵/۵

ماعدا العشاء متفرقا فیھم، کماجاء فی الاخبار[1]۔	کے علاوہ باقی نمازیں متفرق طور پر ملی تھیں، جیساکہ روایات میں آیا ہے۔(ت)

علّامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الصلوات الخمس لم تجتمع لغیرہ ولغیر امتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولا لنبی قبلہ، فانما الانبیاء قبلہ کانت لھم صلاۃ موافقۃ لبعض ھذہ، دون مجموعھا[2]۔	پانچ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت کے علاوہ کسی اُمت کیلئے جمع نہیں کی گئیں، نہ آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے۔ پہلے انبیاء کو جو نمازیں ملی تھیں تو ان میں سے ہر نبی کی نماز ان اوقات میں سے کسی ایک وقت کے ساتھ مطابقت رکھتی تھی، مجموع طور پر پانچ نمازیں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔(ت)

اقول: مگر فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ نے کوئی دلیل صحیح صریح اس پر نہ پائی

وکل ماذکروہ فلایفید المدعی، اومعارض بماھو اصح واقوی، کمافصلنا ذلك فی تحریر مستقل لنافی ھذا المقال، کتبناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بعد ورود ھذا السؤال، ملخصہ انھم احتجوا علی ذلك باحادیث وآثار، **منھا** حدیث صحیح مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی خبر الاسراء فاعطی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثا، اعطی الصلوات الخمس، واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ، وغفرلمن لم یشرك باللہ من امتہ شیئا المقحمات فانہ ظاھر فی اختصاصھا بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	یہ سب باتیں جو علماء نے ذکر کی ہیں اِثبات مدعٰی کیلئے مفید نہیں ہیں، یازیادہ صحیح اور قوی روایات سے معارض ہیں یہ بات ہم نے اس موضوع پر اپنی ایک مستقل تحریر میں مفصل طور پر بیان کی ہے جو اس سوال کے آنے پر لکھی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء نے پانچ نمازوں کے مجموعے کا اس امت کے ساتھ مختص ہونے پر چند احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم کی ہے جو واقعہ معراج کے بارے میں عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کی امت کے ہر اس شخص کی مغفرت جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پانچ نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص ہیں۔(ت)

---

[1] لمعات التنقیح مواقیت الصلواۃ الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ معارف علمیہ لاہور ۲/۲۳۱

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہٖ صلی اللہ علیہ وسلم بماتضمنہ کراۃ الاسراء مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۲/۲۵۷

[3] الصحیح المسلم باب فی قول اللہ تعالٰی ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور ۱/۹۷

قلت: وذلك لانه كان محل الاكرام الخاص فينبغى اختصاص الخمس ايضا به صلى الله تعالٰى عليه وسلم كالباقيين۔ قال فى نسيم الرياض (فاعطى رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثلثا) من الفضائل المخصوصة به صلى الله تعالٰى عليه وسلم [1] اھ۔ **اقول:** لك ان تقول بعد تسليم لزوم الخصوص فى كل عطاء يعطى فى مقام الاختصاص، لايلزم الخصوص من كل وجه، فقدكانت الصلاة فريضة على الانبياء صلوات الله تعالٰى وسلامه عليهم وفى كل دين الٰهى، كماقال تعالٰى فى سيدنا اسمٰعيل علٰى ابنه الكريم وعليه الصلاة والتسليم،

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪

وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ﴿۵۵﴾ [2] ۔ وقال عزوجل عن عبده عيسى عليه الصلاة والسلام،

وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ ۪ۖ [3] ۔

وفى الحديث عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم لاخير فى دين لاصلوٰة فيه [4] وقد كانت اوقات صلاتهم هى هذه الاوقات، لقول جبريل عليه الصلاة والسلام هذا وقتك ووقت الانبياء من قبلك [5] ۔

میں کہتا ہوں: ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موقعہ اکرامِ خاص کا تھا اس لئے پانچ نمازیں بھی آپ کیلئے خاص ہونی چاہئیں جس طرح باقی دو ۲ چیزیں آپ کیلئے خاص ہیں۔ نسیم الریاض میں ہے (پس دی گئیں رسول اللہ کو تین ۳ چیزیں) یعنی اُن فضائل میں سے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** تم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اختصاص کے موقعہ پر جو چیزیں دی جائیں ان میں ہر ایک کا خاص ہونا ضروری ہے۔ تاہم ہر لحاظ سے خاص ہونا تو کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ نمازیں تمام انبیاء پر اور ہر دینِ الٰہی میں فرض تھیں جس طرح اللہ تعالٰی سیدنا اسمٰعیل ان کے کریم بیٹے پر اور ان پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ کے بارے میں فرماتا ہے "وہ حکم دیا کرتا تھا اپنے اہلِ خانہ کو نماز اور زکوٰۃ کا، اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھا" اور اللہ عزوجل نے اپنے بندے عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے "اور حکم دیا ہے مجھے اللہ تعالٰی نے نماز اور زکوٰۃ کا، جب تک میں زندہ رہوں" اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو، ور پہلے انبیاء کے اوقاتِ نماز وہی تھے جو ہمارے ہیں کیونکہ جبریل نے کہا ہے کہ یہ وقت ہے

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بماتضمنہ کرامۃ الاسراء مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۲۵۶/۲

[2] القرآن سورہ مریم ۱۹ آیت ۵۵

[3] القرآن، سورہ مریم ۱۹، آیت ۳۱

[4] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی خبر الطائف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۷۲/۲ **نوٹ:** جو حدیث مجھے ملی ہے اس میں لفظ لاصلوٰۃ فیہ کی جگہ ''لارکوع فیہ'' ہے واللہ تعالٰی اعلم نذیر احمد سعیدی

[5] مشکوٰۃ المصابیح باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۵۹

وصرف الفرض الی اجتماع الخمس قد یأباہ ظاھر اللفظ، اذ لو ارید ھذا لقال اعطی الصلوات خمسا، اواعطی خمس صلوات۔ ومع ذلك اذاصرف الی وصف فحینئذ نقول بموجبہ، فالخمس علی ھذہ الصفة لم تکن لاحد قبلنا، فان اللہ تعالٰی خصنا بالاذان والاقامة والبسملة والتأمین [1] الذی ماحسدتنا عـہ الیھود علی شیئ ما حسدتنا علیہ وعلی السلام، وجعلنا نصف کماتصف الملئکة عند ربھا، وجعل لنا الارض مسجدا وطھورا۔

ونقول: خصصنا بان امضی فریضتہ وخفف عن عبادہ، فھی خمس، وھی خمسون، تفضلا من ربنا تبارك وتعالٰی ببرکة نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **ومنھا** ۲ حدیث ابن جریر والبزار وابی یعلی عن ابی ھریرة والبیھقی عنہ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنھما، فیہ قولہ

آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء کا۔ اور عبداللہ ابن مسعود کے قول اعطی الصلوٰۃ الخمس کا یہ مطلب نکالنا کہ آپ کو اجتماعی طور پر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی تو عبداللہ ابن مسعود یوں کہتے اعطی الصلوٰۃ خمسا یا یہ کہتے اعطی خمس صلوات [2] (جبکہ انہوں نے اعطی الصلوات الخمس کہا ہے) بایں ہمہ اگر فرضیت کو کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا ہی ہے تو اس کے مطابق ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح کی پانچ نمازیں ہم پر فرض کی گئی ہیں اس طرح ہم سے پہلے کسی پر فرض نہیں کی گئیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اذان، اقامت، بسم اللہ اور آمین کہنے کے ساتھ مختص کیا ہے۔ جبکہ آمین اور سلام میں جتنا یہودی ہمارے ساتھ حسد کرتے تھے اتنا کسی اور چیز میں نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہم صفیں بناتے ہیں جس طرح ملائکہ اپنے رب کے رُوبرو صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے ہمارے لیے

عـہ رواہ البخاری فی الادب المفرد وابن ماجة بسند صحیح عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ غفرلہ

اسے امام بخاری نے الادب المفرد اور ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام المومنین کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الادب المفرد باب فضل السلام حدیث ۹۸۸ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۲۵۶

[2] اعطی الصلوت خمسا، اعطی خمس صلوت، اعطی الصلوت الخمس، ان جملوں کے مفہوم میں جو فرق ہے اس کو اُردو ترجمے میں واضح کرنا ممکن نہیں ہے، مختصراً آپ یہ سمجھ لیں کہ پہلی دو ۲ عبارتیں پانچ کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہیں یعنی پانچ نمازیں آپ کے ساتھ خاص ہیں جبکہ تیسری عبارت، جو کہ حدیث میں بھی وارد ہے، تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی۔ (دائم)

عزوجل لنبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین ذکر ما اعطی الانبیاء السابقین علیهم الصلاة والتسلیم من الفضائل: اعطیتك ثمانیة اسهم، الاسلام (۱) والهجرة (۲) والجهاد (۳) والصلاة (۴) والصدقة (۵) وصوم رمضان (۶) والامر (۷) بالمعروف والنهی عن (۸) المنکر۔ قال الزرقانی (والصلاة) ای مجموع الصلوات الخمس (والصدقة) الزکاة (وصوم رمضان) وفیه حجة لاحد القولین فی اختصاصه بالامة المحمدیة[1] الخ۔

قلت: ای وقد ذکر صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکل نبی ماخص به من الکرامات، فالمحل قاض بان یجاب بماخص به من جلائل الفضائل۔ **اقول:** نعم، لابد للخصوص من وجه، اما مطلقا فلا، فقد کان الجهاد فی الامم السابقة قال تعالٰی وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ۔[2] الاتری

تمام رُوئے زمین کو مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنایا ہے، یا یہ کہیں گے کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اس شرف کے ساتھ مختص کیا ہے کہ اپنے مقرر کردہ فرائض اپنی جگہ پر رکھے اور بندوں سے تخفیف بھی کردی، اب پڑھی پانچ جاتی ہیں اور ثواب کے اعتبار سے پچاس ۵۰ ہوجاتی ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہم پر اللہ تعالٰی کا انعام ہے۔ اور ان ہی میں سے وہ حدیث ہے جو ابن جریر، بزار اور ابویعلی نے ابوھریرہ سے اور بیہقی نے ابوھریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فضائل کا ذکر کیا جو اللہ تعالٰی نے انبیائے سابقین کو عطا فرمائے تھے تو اللہ عزوجل نے اپنے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے آپ کو آٹھ حصّے عطا کئے ہیں: (۱) اسلام (۲) ہجرت (۳) جہاد (۴) نماز (۵) صدقہ (۶) رمضان کے روزے (۷) امر بالمعروف (۸) نہی عن المنکر۔ زرقانی نے (اس کی شرح کرتے ہوئے) کہا (اور نماز) یعنی پانچ نمازوں کا مجموعہ۔ (اور صدقہ) یعنی زکوٰۃ اور (رمضان کے روزے) اس میں دلیل ہے دو ۲ میں سے ایک قول کے لئے یعنی اس قول کے لئے رمضان امتِ محمدیہ کے ساتھ خاص ہے الخ

(ت) **میں نے کہا** (دلیل اس بنا پر ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نبی کی وہ عظمت ذکر کی تھی جو اس کے ساتھ مختص تھی۔ تو موقعہ کا تقاضا یہی تھا کہ جوابًا ایسے عظیم فضائل کا بیان کیا جاتا جو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص تھے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں، خصوصیت کیلئے کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے ورنہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) مطلقًا اس اُمت کے ساتھ خاص نہیں ہیں

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱۲۰/۶۔۱۲۱

[2] القرآن ۱۴۶/۳

الی قوله، والامر بالمعروف والنهی عن المنکر، ویستحیل نفیهما عن الانبیاء السابقین، علیهم الصلاة والسلام، فماکانوا یبعثون الالهذا۔ وقدا نجی الله تعالٰی قوما کانوا ینهون اصحاب السبت معذرة الٰی ربهم ولعلهم یرجعون، ولم تزل الصدقة فی الامم، وتقدم قوله تعالٰی

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪[1] فانما المراد لم یعطوا علی صفة اعطی نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم، احلت له الغنائم ولم تحل لاحد قبله، والصدقة تؤخذ من اغنیائنا وترد علی فقرائنا، وامرنا بالمعروف ونهینا عن المنکر باعلی وجوهه وهوالجهاد، وامر الجهاد فی شرعنا اقوی منه فی سائر الشرائع۔ قاله الرازی عن القفال۔ فکذلك خصصنا فی الصلاة باشیاء لم یعطهن احد قبلنا، ولله الحمد۔

ومنها۳ مانقل الامام الفقیه ابواللیث السمرقندی رحمه الله تعالٰی فی تنبیه الغافلین عن کعب الاحبار رضی الله تعالٰی

کیونکہ جہاد پہلی اُمتوں میں بھی تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے "کتنے ہی نبی تھے کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے لڑائی کی"۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو حدیث میں مذکور اس قول کی طرف "اور اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا" حالانکہ ان کاموں کا انبیاء سابقین میں نہ پایا جانا محال ہے کیونکہ وہ تو بھیجے ہی انہی کاموں کیلئے جاتے تھے اور (اسی نہی عن المنکر کی وجہ سے) اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کو نجات دے دی تھی جو اصحابِ سبت کو شکار کرنے سے منع کرتے تھے تاکہ اپنے رب کے رُوبرو اپنا عذر پیش کرسکیں اور اس لئے کہ اس طرح شائد اصحابِ سبت غلط کام سے باز آجائیں۔ صدقہ وزکوۃ کا حکم امتوں میں ہمیشہ رہا ہے۔ اللہ تعالٰی کا یہ قول گزرچکا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔ تو در حقیقت مراد یہ ہے کہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) اس طرح باقی انبیاء کو نہیں دیں جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔ مثلًا جہاد میں حاصل ہونے والی غنیمت رسول اللہ کیلئے حلال کردی گئی، حالانکہ اس سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کی گئی تھی۔ اسی طرح صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور فقراء کو دیا جاتا ہے (حالانکہ اس سے پہلے اس کو آگ جلادیا کرتی تھی یونہی ہمارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اعلٰی درجے کا ہے یعنی جہاد کے ذریعے سے۔ کیونکہ جہاد کا معاملہ ہماری شریعت میں بنسبت باقی شریعتوں کے زیادہ قوی ہے، یہ بات رازی نے قفال سے نقل کی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ہمیں نماز میں بھی بعض اشیاء کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو ہم سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں یعنی اذان اقامت وغیرہ (ولله الحمد ت) امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میں نے توریت مقدس کے کسی مقام میں پڑھا

---

[1] القرآن ۱۹/۵۵

عنه قال: قرأت فی بعض ما انزل الله تعالٰی علٰی موسٰی علیه الصلٰوة والسلام یامُوسٰی! رکعتان یصلیهما احمد وامته، وهی صلاة الغداة، من یصلیهما غفرت له ماأصاب من الذنوب من لیله ویومه ذلك ویکون فی ذمتی۔ یامُوسٰی! اربع رکعات یصلیها احمد وامته، وهی صلاة الظهر، اعطیهم باول رکعة منها المغفرة، وبالثانیة اثقل میزانهم، وبالثالثة اوکل علیهم الملئکة یسبحون ویستغفرون لهم، و بالرابعة افتح لهم ابواب السماء ویشرفن علیهم الحور العین۔ یاموسٰی! اربع رکعات یصلیها احمد وامته، وهی صلاة العصر، فلا یبقی ملك فی السّمٰوات والارض الا استغفر لهم، ومن استغفر له الملئکة لم اعذبه۔ یامُوسٰی! ثلاث رکعات یصلیها احمد وامته حین تغرب الشمس، افتح لهم ابواب السماء۔ لایسألون من حاجة الاقضیتها لهم۔ یاموسٰی! اربع رکعات یصلیها احمد وامته حین یغیب الشفق، هی خیرلهم من الدنیا ومافیها یخرجون من ذنوبهم کیوم ولدتهم امهم۔ یاموسٰی! یتوضؤ احمد وامته کما امرتهم، اعطیتهم بکل قطرة تقطر من الماء جنة عرضها کعرض السماء والارض۔ یاموسٰی! یصوم احمد واُمته شهرا فی کل سنة، وهو شهر رمضان،

اے مُوسٰی! فجر کی دو۲ رکعتیں احمد اور اس کی اُمت ادا کرے گی جو انہیں پڑھے گا اُس دن رات کے سارے گناہ اُس کے بخش دُوں گا اور وہ میرے ذمّہ میں ہوگا۔ اے موسٰی! ظہر کی چار۴ رکعتیں احمد اور اس کی اُمّت پڑھے گی انہیں پہلی رکعت کے عوض بخش دُوں گا اور دوسری کے بدلے ان کا پلّہ بھاری کردوں گا اور تیسری کیلئے فرشتے موکل کروں گا کہ تسبیح کریں گے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے، اور چوتھی کے بدلے اُن کیلئے آسمان کے دروازے کشادہ کردُوں گا، بڑی بڑی آنکھوں والی حُوریں اُن پر مشتاقانہ نظر ڈالیں گی۔ اے مُوسٰی! عصر کی چار۴ رکعتیں احمد اور ان کی اُمت ادا کرے گی تو ہفت آسمان وزمین میں کوئی فرشتہ باقی نہ بچے گا سب ہی ان کی مغفرت چاہیں گے اور ملائکہ جس کی مغفرت چاہیں میں اسے ہرگز عذاب نہ دُوں گا۔ اے موسٰی! مغرب کی تین رکعت ہیں انہیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی آسمان کے سارے دروازے ان کیلئے کھول دُوں گا، جس حاجت کا سوال کرینگے اسے پُورا ہی کردوں گا۔ اے موسٰی! شفق ڈوب جانے کے وقت یعنی عشاء کی چار رکعتیں ہیں پڑھیں گے انہیں احمد اور ان کی اُمت، وہ دنیا ومافیہا سے اُن کیلئے بہتر ہیں، وہ انہیں گناہوں سے ایسا نکال دیں گی جیسے اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اے موسٰی! وضو کرے گا احمد اور اسکی اُمت جیسا کہ میرا حکم ہے میں انہیں عطا فرماؤں گا ہر قطرے کے عوض کہ آسمان سے ٹپکے ایک جنت جس کا عرض آسمان و

اعطیھم بصیام کل یوم مدینة فی الجنة، و اعطیھم بکل خیر یعملون فیه من التطوع اجر فریضة، واجعل فیه لیلة القدر، من استغفر منھم فیھا مرة واحدة نادما صادقا من قلبه، ان مات من لیله اوشھره اعطیته اجر ثلثین شھیدا۔ یاموسٰی! ان فی امة محمد رجالا یقومون علی کل شرف یشھدون بشھادة ان لاالٰه الّا اللّٰه، فجزاؤھم بذلك جزاء الانبیاء علیھم الصلٰوة والسلام، ورحمتی علیھم واجبة، وغضبی بعید منھم، ولااحجب باب التوبة عن واحد منھم ماداموا یشھدون ان لاالٰه الا اللّٰه[1] اھ۔ سردناھاتماما، حبالما فیھا من النفائس رزقنا اللّٰه تعالٰی الحظ الاوفی منھا بمنه وکرمه* وجاه حبیبه قاسم نعمه* صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، اٰمین۔

اقول: ان تم الاحتجاج به علی الاختصاص، دل علی خصوص کل من الخمس، لاکل الخمس، فانه قال فی کل، یصلیھا احمد وامته صلی اللّٰه تعالٰی

زمین کی چوڑائی کے برابر ہوگا۔ اے موسٰی! ایک مہینے کے ہر سال روزے رکھے گا احمد اور اس کی اُمت اور وہ ماہِ رمضان ہے عطا فرماؤں گا اسکے ہر دن کے روزے کے عوض جنت میں ایک شہر اور عطا کروں گا اس میں نفل کے بدلے فرض کا ثواب اور اس میں لیلۃ القدر کروں گا جو اس مہینے میں شرمساری وصدق سے ایک بار استغفار کریگا اگر اسی شب یا اس مہینے بھر میں مرگیا اسے تیس ۳۰ شہیدوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اے موسٰی! امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ ہر شرف پر قائم ہیں لاالٰہ الااللہ کی شہادت دیتے ہیں تو ان کی جزا اس کے عوض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب ہے اور میری رحمت ان پر واجب اور میرا غضب ان سے دور، اور ان میں سے کسی پر بابِ توبہ بند نہ کروں گا جب تک وہ لا الٰہ الّااللہ کی گواہی دیتے رہیں گے اھ (فقیر محمد حامد رضا غفرلہ) اس روایت میں ذکر کئے گئے نفیس انعامات سے محبت کی بنا پر ہم نے اس کو بتمامہ بیان کردیا ہے، اللہ تعالٰی اپنے احسان وکرم سے اور نعمتیں تقسیم کرنے والے اپنے محبوب کی عزت کے صدقے ہمیں ان انعامات سے کامل حصّہ نصیب فرمائے۔ آمین! (ت) **میں کہتا ہوں:** اگر اس روایت سے اختصاص پر استدلال مکمل مان لیا جائے تو یہ اس پر دلالت کرے گا کہ پانچ میں سے ہر ایک نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے، نہ کہ پانچ کا مجموعہ، کیونکہ اس روایت میں

---

[1] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۴۰۴

علیه وسلم، وقد ذکر فیها الوضوء، وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم، هذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبلی[1]، فلیکن المقصود بالذکر عطاؤهم مارتب علیها من الفضائل۔

ومنها۴ اثر الامام العیشی، مروی الامام الطحاوی، وسیأتی الکلام علیه۔ ونحوه ماذکر فی الحلیة عن بعضهم، قال: هذه الصلوات تفرقت فی الانبیاء علیهم الصلاة والسلام وجمعت فی هذه الامة، فذکر الفجر لاٰدم والظهر لابرٰهیم والعصر لسلیمٰن والمغرب لعیسٰی علیهم الصلاة والسلام، ثم قال: واما العشاء فخصصت بها هذه الامة[2] اھ۔

اقول: توجیه الاستدلال انه وان ذکر اختصاص هذه الامة: لکن لم یقل من بین سائر الامم، ولم یذکران نبیا صلاها، کماذکر فی سائرها،

ہر نماز کے ساتھ یہ آیا ہوا ہے کہ اس کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ادا کرے گی، نیز اس روایت میں وضو کا بھی ذکر ہے حالانکہ وضو کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کے مذکورہ فضائل صرف امتِ محمدیہ کو عطا کئے جائیں گے۔ (ت) اور ان میں سے امام عیشی کا وہ اثر ہے جسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس پر کلام عنقریب آرہا ہے، اسی اثر کے مطابق ہے وہ جو حلیہ میں بعض علماء سے مذکور ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ نمازیں باقی انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر ملی تھیں اور اس امت کیلئے جمع کردی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید ذکر کیا ہے کہ فجر آدم علیہ السلام کیلئے تھی، ظُہر ابراہیم علیہ السلام کے لئے، عصر سلیمان علیہ السلام کیلئے، اور مغرب عیسٰی علیہ السلام کیلئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ جہاں تک عشاء کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ یہ اُمت مخصوص کی گئی ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں:** (بعض علماء کی اس عبارت سے) استدلال کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے اگرچہ ذکر تو اتنا ہی کیا ہے کہ نمازِ عشاء اس امت کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ نہیں کہا کہ "باقی اُمتوں میں سے"

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء فصل ثالث، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی ای الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰، شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع فیما فضل اللہ بہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۴

فالظاهر التخصيص بهذه الامة مطلقا، اعنى بالنظر الى الامم والانبياء جميعا، وقد بدا الكلام ايضا بذكر الانبياء عليهم الصلاة والسلام وهذه الامة فهو المتبادر ههنا ايضاء لاقصر المقابلة على الامم دون الانبياء عليهم الصلاۃ والسلام۔

اقول: ويغنى عن الكلام عليه مايأتى فى كلام ابن عائشة رحمه الله تعالٰى۔

ومنها٥ حديث سيدنا معاذ، الصحيح المارفى العشاء، انكم فضلتكم بها على سائر الامم.[1] احتج به الامام الجليل الجلال السيوطى رحمه الله تعالٰى فى الخصائص الكبرى على كون العشاء لم يصلها احد قبله[2] صلى الله تعالٰى عليه وسلم۔

اقول: سبحٰن من لايزل المقابلة ههنا بيننا وبين سائر الامم، فكيف دل على انتفائها عن سائر الانبياء سوى نبينا صلى الله تعالٰى عليه وعليهم وسلم، واعجب منه ان ذكر العلامة الزرقانى

نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ یہ نماز کسی اور نبی نے بھی پڑھی تھی، جیسا کہ باقی نمازوں میں یہ بیان کیا ہے تو اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ یہ اُمت مطلقاً اس نماز کے ساتھ مخصوص ہے بنسبت باقی اُمتوں کے بھی اور انبیاء کے بھی (یعنی یہ نماز اس سے پہلے نہ کسی اُمت نے پڑھی نہ کسی نبی نے) نیز اس عبارت کی ابتداء میں اس امت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر ہے تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے (کہ اس امت کا عشاء کے ساتھ اختصاص بنسبت باقی انبیاء کے بھی ہے) یہ نہیں کہ صرف اُمتوں کی بنسبت ہو اور انبیاء کی بنسبت نہ ہو۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس پر جرح کیلئے وہ بحث کافی ہے جو عنقریب ابنِ عائشہ رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام میں آرہی ہے۔ اور ان میں سے حضرت معاذ کی صحیح حدیث ہے جو گزر چکی ہے، اس میں عشاء کے بارے میں ہے کہ تمہیں اس کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس حدیث سے امامِ جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے نہیں پڑھی۔ (ت)

میں کہتا ہوں: پاک ہے وہ ذات جس سے لغزش نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں تقابل، ہمارے اور باقی اُمتوں کے درمیان ہے۔ اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی نے بھی نہیں پڑھی۔ اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

تحت قول العیشی الاٰتی، اول من صلی العشاء الاٰخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مانصہ: وعورض بمافی شرح المسند (ای للامام الرافعی الشافعی) ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام اھ۔ ثم استدرك بقولہ، لکن یؤید خبر الطحاوی (ای اثر العیشی) حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] اھ۔

اقول: لیت شعری، من این جاء التأیید، و لاتعرض فیہ بذکر الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام؟ قال: فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فضلتم بھا، یعارض روایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام۔[2]

اقول: انما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بھا علی سائر الامم، وای تعارض بین النفی عنھم والثبوت لبعض الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام۔

ومنھا۷ قال الامام السیوطی فی

کہ عنقریب علّامہ عیشی کا جو قول آرہا ہے کہ پچھلی عشاء سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے، اس کے ذیل میں علّامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ اس قول کا معارضہ کیا گیا ہے اس روایت سے جو مسند کی شرح میں ہے (یہ شرح امام رافعی شافعی کی ہے) کہ عشاء یونس علیہ السلام کے لئے تھی اھ۔ پھر علّامہ زرقانی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے کہا ہے: "لیکن طحاوی کی خبر (یعنی عیشی کے اثر) کی تائید کرتی ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث۔ (ت)

میں کہتا ہوں کاش میری سمجھ میں آسکے کہ تائید کس طرح کرتی ہے جبکہ حدیثِ معاذ میں انبیاء کا سِرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ زرقانی نے مزید کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اس کے ذریعے سے تم کو فضیلت دی گئی ہے، معارض ہے اس روایت سے کہ عشاء یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تھی۔ (ت)

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو باقی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اگر باقی اُمتوں کیلئے یہ نماز ثابت نہ ہو (جیسا کہ حدیثِ معاذ کا تقاضا ہے) اور بعض انبیاء کیلئے ثابت ہو (جیسا کہ شرح مسند میں ہے) تو اس میں کیا تعارض ہے؟ (ت) اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۵

[2] شرح الزرقانی علی المواہب خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۶

الباب المزبور اخرج البخاری عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال: اعتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء حتی ابھار اللیل، ثم خرج فصلی، فلما قضی صلاتہ قال لمن حضرہ، ابشروا من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ غیرکم۔ اوقال ماصلی ھذہ الساعۃ احد غیرکم[1]۔ اھ قلت: واخرجہ مسلم ایضا[2]۔

ومنھا قال رحمہ اللہ تعالٰی، واخرج احمد والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال: اخّر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلاۃ العشاء، ثم خرج الی المسجد فاذا الناس ینتظرون الصلاۃ، فقال: اما انہ لیس من اھل ھذہ الادیان احد یذکر اللہ تعالٰی ھذہ الساعۃ غیرکم[3] اھ۔

اقول: وانت تعلم ان لیس فی شیئ منھا مایدل علی مدعاہ، من ان العشاء لم یصلھا نبی قبل نبینا صلی اللہ

اسی باب مذکور میں کہا ہے کہ بخاری نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کیلئے اتنا اندھیرا کیا کہ رات اچھی طرح تاریک ہوگئی پھر آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا: "تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالٰی کی تم پر یہ نعمت ہے کہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس وقت نماز پڑھ رہا ہو"۔ یا آپ نے یوں فرمایا: "تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے اس وقت نماز پڑھی ہو"۔ اھ میں نے کہا: یہ روایت مسلم نے بھی بیان کی ہے۔ (ت) اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احمد اور نسائی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء میں تاخیر کی، پھر مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز کا انتظار کررہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "سُنو! موجودہ ادیان کے پیروکاروں میں سے تمہارے سوا کوئی بھی نہیں ہے جو اس وقت اللہ تعالٰی کو یاد کررہا ہو" اھ (ت)

میں کہتا ہوں: تم جانتے ہی ہو کہ ان حدیثوں میں ایسی کوئی بات نہیں جو امام سیوطی کے اس مدعٰی کیلئے دلیل بن سکے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ

---

[1] الخصائص الکبرٰی، باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

[2] صحیح لمسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹

[3] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

تعالٰی علیه وعلی الانبیاء وبارك وسلم، بل لاتصریح فیه بنفی ان صلاها احد ممن قبلنا من سائر الامم؛ بل ولانفی ان صلاها اللیلة احد سوانا؛ انما فیه نفی صلاة غیرنا تلك الساعة، فیجوز ان یکون الناس صلوا عاجلین، فانما نفی الانتظار لانفس الصلاة ومثله ما للبخاری ومسلم عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما، لیس احد من اهل الارض، زاد مسلم، اللیلة، ینتظر الصلاة غیرکم [1]۔ ولهما عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها، وفیه، ماینتظرها احد من اهل الارض غیرکم [2]۔

بل اخرجه احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجة عن انس رضی الله تعالٰی عنه، وفیه قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، قد صلی الناس وناموا، وانکم فی صلاة ماانتظرتموها [3]۔ ونحوه لاحمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجة من حدیث ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه۔ فهذا وجه **والثانی**: ان یکون المراد نفی ان یصلیها غیرنا من اهل الزمان مطلقا، ویؤیده ماللبخاری

علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی، بلکہ اس میں تو یہ بھی نہیں کہ ہمارے علاوہ سابقہ اُمتوں میں سے کسی نے نہیں پڑھی، بلکہ اس میں یہ بھی نہیں کہ آج رات ہمارے سوا کسی نے نہیں پڑھی، اس روایت میں تو صرف اتنا ہے کہ ہمارے سوا کسی نے اس وقت نہیں پڑھی۔ ہوسکتا ہے باقی لوگوں نے اس سے پہلے پڑھ لی ہو۔ اسی کے مطابق بخاری ومسلم کی وہ روایت ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے جو مسلم نے "آج رات" کا اضافہ کیا ہے نماز کا انتظار کررہا ہو۔ اور بخاری ومسلم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یوں روایت کی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں سے تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کررہا ہو۔ اور بخاری ومسلم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یوں روایت کی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں سے تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کررہا ہو، بلکہ احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے جو روایت بیان کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سوچکے ہیں اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے ہو نماز میں ہی ہوتے ہو۔ اسی طرح کی روایت احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی کی ہے۔ یہ تو ایک توجیہ ہوئی (کہ تخصیص "اس وقت" کے اعتبار سے ہے)۔ دُوسری توجیہ یہ ہے کہ تخصیص اس زمانے کے تمام لوگوں کے اعتبار سے ہے۔ اور حدیث کی

---

[1] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹

[2] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹

[3] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹

والنسائی عن المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها۔ ولاتصلی یومئذ الابالمدینة[1]، فان الیهود کانوا بخیبر والشام وغیرهما اکثر مماکانوا بالمدینة الکریمة، فلوکانت عندهم لصلیت بغیرها ایضا۔

اقول: ولاتخالف بین الوجهین، فان الکافر لاصلاۃ له، فانما اثبت صلی الله تعالٰی علیه وسلم لهم الصورۃ اذ قال، صلی الناس وناموا، وام المؤمنین نفت المعنی۔

والثالث: ان المراد لم تفرض علی غیرنا فلاینتظرها ولایصلیها احد غیرنا، لامن اهل الزمان ولامن امم مضت، وهو الذی صرح به فی حدیث معاذ رضی الله تعالٰی عنه۔ فهذا قصوی مایستفاد منه، ولیس له ملحظ اصلا الی نفیها عن سائر الانبیاء علیهم الصلاۃ والسلام۔

مراد یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے تمہارے سوا ایسے لوگ کہیں نہیں پائے جاتے جو عشاء کی نماز پڑھتے ہوں۔ اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری ونسائی نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ ان دنوں یہ نماز صرف مدینے میں پڑھی جاتی تھی۔ اگر یہودی یہ نماز پڑھتے ہوتے تو مدینہ کی بنسبت خیبر اور شام وغیرہ میں یہودیوں کی تعداد زیادہ تھی تو چاہئے تھا کہ اِن مقامات میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی (حالانکہ مدینہ کے سوا کہیں نہیں پڑھی جاتی تھی) (ت)

میں کہتا ہوں: دونوں توجیہوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ کافر (اگر صورۃً نماز پڑھے بھی تو حقیقۃً اس) کی نماز نہیں ہوتی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سوچکے ہیں، صوری نماز کے لحاظ سے ہے جبکہ ام المومنین حقیقی نماز کی نفی کررہی ہیں۔ (ت) **تیسری توجیہ** یہ ہے کہ (تخصیص باعتبار فرضیت کے ہے) چونکہ یہ نماز ہمارے علاوہ کسی پر فرض نہیں کی گئی، نہ موجودہ زمانے کے لوگوں پر، نہ سابقہ اُمتوں پر، اس لئے ہمارے سوا اس کا کوئی انتظار بھی نہیں کرتا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی کی تصریح کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی کچھ اُس سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ رہا باقی انبیاء سے اس نماز کی نفی کرنا تو اس کی طرف اس حدیث میں کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ (ت)

بعض احادیث میں صاف تصریح آئی کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلاۃ والتسلیم نے منٰی میں پانچوں نمازیں پڑھیں،

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۳

فقد اخرج ابن سعد ان ابرٰھیم واسمٰعیل اتیا منی فصلیا بھا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والصبح[1]۔	ابن سعد نے تخریج کی ہے کہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام منٰی کو آئے تو وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں پڑھیں۔ (ت)

اگر اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہو جب تو قول تخصیص ضعیف ہو ہی جائے گا ورنہ قیام دلیل کی حاجت ضرور،

فان الخصائص لاتثبت الابنص صحیح کمانصوا علیہ قاطبۃ، منھم خاتم الحفاظ فی فتح الباری، والقسطلانی فی المواھب، والزرقانی فی شرحہ، وغیرھم فی غیرھا۔	کیونکہ خصوصیات، نص صحیح کے بغیر ثابت نہیں ہوتیں، جیسا کہ سب نے تصریح کی ہے۔ مثال کے طور پر خاتم الحفاظ نے فتح الباری میں، قسطلانی نے مواہب میں، زرقانی نے اس کی شرح میں اور دیگر علماء نے دوسری کتابوں میں۔ (ت)

ہاں اگر یہ کسی صحیح حدیث صریح بے معارض سے ثابت ہو جائے کہ عشاء جس طرح ہمارے سوا کسی امت نے نہ پڑھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے بھی نہ پڑھی تو بیشک اختصاص مجموعہ پنجگانہ بھی ثابت ہو جائیگا بعض علمانے اس کی بھی تصریح فرمائی، امام جلال الدین سیوطی نے باب مذکور خصائص میں بعد عبارت مسطورہ فرمایا:

وبانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلی العشاء ولم یصلھا نبی قبلہ[2]	اور اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور آپ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی۔ (ت)

امام ابن حجرِ مکّی و شیخ محقق کے اقوال گزرے کہ انبیائے سابقین میں نمازیں منقسم ہونے سے عشاء کو استثناء کرلیا **اقول**: مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس پر بھی کوئی دلیل نہ پائی سوا اُس اثر مقطوع کے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام عبیداللہ بن محمد ابن عائشہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اول من صلی العشاء الاخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔ وکل ماتمسکوا بہ سوی ذلک، اعنی الاحادیث الثلثۃ الاخیرۃ فلامساس لہ بماھنالك	سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھی۔ اور آخری تین حدیثوں کے علاوہ علماء نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے تو ان کا زیرِ بحث مسئلے سے

---

[1] شرح الزرقانی المواہب بحوالہ ابن سعد المقصد الرابع خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ المصر ۴۲۶/۵

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۰۴/۲

[3] شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۰/۱

کماعلمت۔	کچھ تعلق نہیں ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ (ت)

یہ امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع سے بلکہ طبقہ عاشرہ میں اتباعِ تبع تابعین سے ہیں ۲۲۸ھ میں انتقال فرمایا **کمافی الحلیۃ والتقریب**[1] **وغیرھما** (جیسا کہ حلیہ اور تقریب وغیرہ میں ہے۔ت) اور خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وہ حدیثِ صحیح کہ جبریل امین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دو۲ روز حضور کی امامت کی ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت، دوسرے دن آخر وقت پڑھیں، پھر حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ سے عرض کی:

ھذا وقت الانبیاء من قبلك[2]۔ رواہ ابوداؤد وسکت علیه، والترمذی وحسنه، واحمد وابن خزیمة والدارقطنی والحاکم، وصححه ابن عبدالبر وابوبکر بن العربی۔	یہی وقت حضور سے پہلے انبیاء کے تھے۔ اس کو ابوداؤد نے بیان کرکے سکوت اختیار کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ احمد، ابن خزیمہ، دار قطنی اور حاکم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ابنِ عبدالبر اور ابوبکر بن عربی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (ت)

اس کے صاف معارض ہے کہ اُس سے روشن طور پر مستفاد کہ یہ پانچوں وقت اگلے انبیا کے تھے اگرچہ متفرق ہوں نہ مجموع۔ کسی وقت کے استثناء کی اُس میں بُو بھی نہیں، نہ ایسا استثناء بے دلیل مساوی قابل احتمال۔

اقول: والعجب من ابن حجر، کیف یقول بالتوزیع ثم یستثنی العشاء، فانی یصح التوزیع للجمیع۔	اور ابن حجر پر حیرت ہے کہ وہ ایک طرف تو سب نمازوں کی تقسیم کے قائل ہیں۔ پھر ان سے عشاء کی استثناء بھی کرتے ہیں، تو سب کی تقسیم کیسے ہُوئی؟ (ت)

ظاہراً اسی لئے شیخ محقق قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں اُس سے رجوع فرماکر ترک کیا حیث قال (چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ت):

ایں وقت نماز پیغمبران ست کہ پیش از تو بودہ اند کہ ہر کدام از ایشاں بعضے اوقات داشتند اگرچہ مجموع اوقات مخصوص ایں امت است[3] فافھم انتھی۔	یہ وقت ان پیغمبروں کی نماز کے ہیں جو آپ سے پہلے گزرے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو، ان میں سے بعض اوقات ملے تھے، اگرچہ پانچ کا مجموعہ اس امّت کے ساتھ خاص ہے۔ اسکو سمجھو۔ (ت)

---

[1] تقریب التہذیب مطبوعہ دار نشر کتب اسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۲۷

[2] سُنن ابی داؤد اول کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/۵۶

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷

بلکہ بعض روایات واحادیث میں حضرت یونس وحضرت موسٰی کلیم اللہ علٰی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسّلام کا نمازِ عشاء پڑھنا صراحۃً منقول کماسیأتی ذکرہ (جیسا کہ اس کا ذکر آرہا ہے۔ت) اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلاۃ والسلام کا پڑھنا اوپر گزرا بلکہ امام ابواللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں بروایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، ناقل کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واما صلاۃ العتمۃ فانہا الصلاۃ التی صلاھا عـہ المرسلون قبلی[1]۔ صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلیہم اجمعین۔	نمازِ عشاء وہ نماز ہے کہ مجھ سے پہلے پیغمبروں نے پڑھی۔(ت)

لاجرم امام قاضی ناصرالدین بیضاوی شرح مصابیح میں فرماتے ہیں:

ان العشاء کانت تصلیہا الرسل نافلۃ لہم ولم تکتب علی امہم کالتہجد وجب علی نبینا دوننا[2]۔	پہلے رسول عشاء کی نماز اضافی طور پر پڑھتے تھے مگر ان کی اُمتوں پر فرض نہیں تھی، جس طرح تہجد کی نماز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی مگر ہم پر واجب نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح علامہ زرقانی امام ہروی وغیرہ سے ناقل:

اذقال بعد ماقدمنا عنہ، من معارضۃ اثر العیشی بخبر الرافعی، ثم الاستدراک بحدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ، مانصہ "وجمع الہروی وغیرہ بان المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلاھا مؤخرالہا	زرقانی سے ہم پہلے نقل کرچکے ہیں کہ انہوں نے عیشی کے اثر کو رافعی کی خبر سے معارض قرار دیا ہے۔ پھر اس پر حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ سے استدراک کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ ہروی وغیرہ نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عشاء کو

عـہ: ھکذا ھو مثبت فی نسختی التنبیہ فاللہ تعالٰی اعلم ولتراجع النسخ ۱۲ منہ (م)	میرے پاس موجود تنبیہ الغافلین کے نسخہ میں عبارت اسی طرح ہے اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے دوسرے نسخوں کو دیکھ لینا چاہئے ۱۲منہ (ت)

---

[1] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۴۰۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۶

الی ثلث اللیل أونحوہ، اما الرسل فکانوا یصلونہا عند اول مغیب الشفق [1] اھ"وغرضنا فیما سلموا من ثبوت العشاء لغیر نبینا من الانبیاء علیہ وعلیہم الصّلاۃ والثناء اما ما حاول من الجمع، **فاقول اولا:** ان کان المراد الجمع بین حدیث فضلتم بہا وروایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلوٰۃ والسلام، کمایدل علیہ ذکرہ بعد ماقال ان قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بہا یعارض روایۃ ان العشاء لیونس، فقد علمت ان لاتعارض بینہما حتی یحتاج الی الجمع۔ اوبین الروایۃ واثر العیشی، کمایدل علیہ زیادۃ لفظ "نفسہ" بعد لفظ اثر الطحاوی فیما یأتی، فمابعدہ جمعا، فان الاثر صریح فی نفی المطلق دون المقید بالتاخیر فانہ فی سیاق بیان من صلی الصلوات غیر معترض لاقسام الاوقات، فذکر لکل من الاربع من صلاھا، وقال فی العشاء: اول من صلاھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فاین ھذا مماتریدون!

تہائی رات یا اس کے لگ بھگ تک مؤخر کرکے پڑھا ہے۔ جبکہ پہلے گزر جانے والے رسول شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیا کرتے تھے اور اس نقل سے ہماری غرض صرف یہ بتانا ہے کہ ہروی وغیرہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء کے لئے بھی عشاء تسلیم کرلی ہے، وہی ان کی تطبیق، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ تطبیق اگر اُن روایتوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کے ذریعے تمہیں فضیلت دی گئی ہے۔ اور دوسری میں ہے کہ عشاء یونس علیہ السلام کیلئے تھی، جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تطبیق زرقانی نے مذکورہ دو۲ روایتوں کے بعد بیان کی ہے تو (یہ تطبیق فضول ہے کیونکہ) تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ ان دو۲ روایتوں میں تعارض ہی نہیں ہے کہ تطبیق کی ضرورت پڑے۔ اگر یہ تطبیق روایت اور عیشی کے اثر کے درمیان ہے جیسا کہ طحاوی کے عنقریب آنے والے اثر میں طحاوی کے ساتھ "نفسہ" کا لفظ بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے تو یہ فہم سے بہت بعید تطبیق ہے کیونکہ اثر میں صراحتًا مطلق عشاء کی نفی ہے نہ کہ (تہائی رات تک) تاخیر سے مقید عشاء کی، کیونکہ اثر کے سیاق کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ نمازیں کس کس نبی نے پڑھی تھیں، قطع نظر اس سے کہ پہلے وقت میں پڑھی تھیں یا مؤخر کرکے، چنانچہ اثر میں چار نمازوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انہیں ہمارے نبی کے علاوہ باقی انبیاء نے بھی پڑھا ہے۔ کہاں یہ بات اور کہاں وہ جو تم لوگ چاہتے ہو (کہ مراد تہائی رات تک مؤخر کرکے پڑھنا ہے)۔ (ت)

---

[1] شرح المواہب اللدنیہ ومنہا مجموع الصلوات الخمس المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۶/۵

وثانیا: کیفما کان، ھذا حامل للوحی الامین علیه الصلوٰۃ والسلام صلی الخمس یومین، فعجل مرۃ واخر اخری، ثم قال: ھذا وقت الانبیاء من قبلك [1]، فمن این ان اول من اخرھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم؟ قال: ویدل لذلك (ای لما ادعی من الجمع) بل یصرح به قوله اثر الطحاوی نفسه العشاء الأخرۃ [2] اھ۔

اقول: یاسبحٰن اللہ! بل لادلالۃ فیه اصلا، فضلا عن التصریح، فان العشاء الأخرۃ ھی العشاء مطلقا دون التی اخرت۔ تسمی الأخرۃ نظرا الی العشاء الاولی وھی المغرب، علیه تظافر محاورات الحدیث۔ وفصل القول مالاحمد ومسلم والنسائی عن جابر جبن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یؤخر العشاء الأخرۃ [3]۔ واعظم منه ماللترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو صورت بھی ہو، بہر حال حامل وحی جبریل امین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ۲ دن پانچ پانچ نمازیں پڑھائیں، پہلے دن ہر وقت کے بالکل ابتدائی حصّے میں اور دوسرے دن ہر وقت کے انتہائی حصّے میں، پھر کہا کہ یہ آپ سے پہلے انبیاء کا بھی وقت ہے (پھر یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنے سے مختص تھے) زرقانی نے کہا کہ اِس پر یعنی اس تطبیق پر کہ تہائی رات تک مؤخر کرنا مراد ہے دلالت کرتی ہے، بلکہ صراحت کرتی ہے، یہ چیز کہ طحاوی نے خود اپنے اثر میں العشاء الآخرۃ (آخری عشاء) ترکیب استعمال کی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کا آخری حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے مختص ہے)۔ (ت)

میں کہتا ہوں: اے سبحان اللہ! صراحت تو کیا، یہ ترکیب اس پر دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ "عشاء آخرۃ" مطلق عشاء کو کہتے ہیں نہ کہ اس عشا کو جو مؤخر کی گئی ہو۔ اس کو آخرہ اس بناء پر کہتے ہیں کہ عشاءِ اولٰی مغرب کو کہتے ہیں۔ اس پر حدیث کے بہت سے محاورات شاہد ہیں۔ اور احمد، مسلم، نسائی کی یہ روایت تو اس میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے کہ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ آخری عشاء کو مؤخر کیا کرتے تھے"۔ اس سے بھی زیادہ اصح وہ روایت ہے جو ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] سنن ابی داؤد اول کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۵۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب ومنہا مجموع الصلوات الخمس مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۶

[3] سنن نسائی کتاب المواقیت مایستحب من تاخیر العشاء مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۳

عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، ان اول وقت العشاء الاٰخرۃ حین یغیب الافق[1]۔ فالمقطوع به ان لااثر لھذہ الدلالة فی الکلام، ولواراده لقال"اول من اخر العشاء" و ھذا ظاھر جدا۔	نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخری عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے"۔ بہر حال اس کلام میں "عشاء آخرہ" کا تاخیرِ عشاء پر دلالت کرنا قطعی طور پر بے نشان ہے اگر یہ مراد ہوتی تو اثر کے الفاظ یہ ہوتے "سب سے پہلے جس نے عشاء مؤخر کی" اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔ (ت)

بالجملہ اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نمازِ عشاء ہم سے پہلے کسی اُمّت نے نہ پڑھی نہ کسی کو پانچوں نمازیں ملیں اور انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ظاہرًا راجح یہی ہے کہ عشاء ان میں بھی بعض نے پڑھی تو اثر مذکور امام طحاوی سے اجتماع خمس کو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہمارے حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ثابت کرنا جس کا مدار اسی نفی عشاء عن سائر الانبیاء علیہم الصّلوٰۃ والثناء پر تھا تام التقریب نہیں کہ جب ہر نماز کسی نہ کسی نبی سے ثابت تو ممکن کہ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے کبھی یا ہمیشہ پانچوں بھی پڑھی ہوں اگرچہ کسی اُمّت نے نہ پڑھیں یہاں تک کہ مغرب کی اولیت سیدنا عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے لئے مانے جیسا کہ قول دوم وسوم میں آتا ہے جب بھی وہ احتمال مندفع نہیں ممکن کہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے پانچوں پڑھی ہوں اور اس میں حکمت یہ ہو کہ وہ دنیا کی نظر ظاہر میں بھی صاحب صلوات خمس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُمتی ہو کر زمین پر تشریف لانے والے ہیں اگرچہ حقیقۃً تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے حضور نبی الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُمتی ہیں انہیں نبوت دی ہی اس وقت ہے جب انہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُمتی بنالیا ہے جس پر قرآن عظیم ناطق اور ہمارے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں اُس کی تفصیل فائق وللہ الحمد۔ غرض یہاں دو ۲ مطلب تھے ایک یہ کہ اجتماع خمس ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا یہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں خود ارشاد اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت دوسرے یہ کہ پانچوں نمازوں کا اجتماع انبیاء میں بھی صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ باعتماد علمائے کرام مانا جائے گا اگرچہ ہم اُس پر دلیل نہ پائیں کہ آخر کلمات علماء کا اطباق واتفاق بے چیزے نیست ہمارا دلیل نہ پانا دلیل نہ ہونے پر دلیل نہیں۔

اقول: شاید نظرِ علما اس طرف ہو کہ جب حدیث صحیح سے ثابت کہ اللہ عزوجل نے اس نعمتِ جلیلہ وفضیلتِ جلیلہ سے اس اُمتِ مرحومہ کو تمام اُمم پر تفضیل دی اور قطعًا ہمارے جس قدر فضل ہیں سب ہمارے آقا و مولٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ میں ہیں تو مستبعد ہے کہ ہم تواس خصوص نعمت سے سب اُمتوں پر فضیلت پائیں اور ہمارے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰت باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰت مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۲

مولیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر یہ تخصیص واختصاص نہ ہو اس تقدیر پر یہی حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ دلالۃً اس دعوے کی بھی مثبت ہوگی۔

اما حدیث السیدین ابرٰهیم واسمٰعیل، علی ابنهما الکریم ثم علیهم الصلاة و التسلیم، فلعله لم یثبت اذ لوثبت لمارأینا تظافر کلماتهم علٰی خلافه، علی انی **اقول:** الاختصاص بجهة الافتراض، اماهما صلی الله تعالٰی علی ابنهما ثم علیهما وبارك وسلّم، فصلیا بمنی ماکتب الله تعالٰی علیهما وتنفلافی بقیة الاوقات، فمن قبل وقوعها فی هذه الاوقات، عبر عنها باسماء هذه الصلوات، والله تعالٰی اعلم بالخفیات۔ هذا غایة ما عندی فی توجیه المرام۔	رہی دو سرداروں یعنی ابراہیم و اسمٰعیل ان کے کریم بیٹے پر پھر ان دونوں پر صلوٰۃ وسلام ہو والی حدیث، تو شاید وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کیونکہ اگر ثابت ہوتی تو اتنی کثرت سے علماء کے اقوال اس کے خلاف نہ ہوتے علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ خصوصیت، فرضیت کے اعتبار سے ہے (یعنی پانچ نمازیں فرض صرف رسول اللہ پر ہوئیں) ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام پر اُن میں سے جو فرض ہوں گی وہ انہوں نے بطور فرض مِنٰی میں پڑھی ہوں گی اور باقی اوقات میں نفل ادا کیے ہوں گے، لیکن وہ نفل چونکہ واقع انہی پانچ اوقات میں ہوئے تھے، اس لئے ان کی تعبیر نمازوں کے ناموں سے کردی گئی۔ اور اللہ ہی پوشیدہ باتوں کو بہتر جاننے والا ہے اس مقصد کی زیادہ سے زیادہ توجیہ میرے خیال میں یہی ہوسکتی ہے۔ (ت)

اقول: مگر استبعاد مذکور کا جواب واضح ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ مولیٰ عزوجل بعض نعمتیں بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے اگلی اُمتوں میں نبی کے سوا کسی کو نہ ملتی ہوں مگر اس امت مرحومہ کیلئے اُنہیں عام فرمادے جیسے کتاب اللہ کا حافظ ہونا کہ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء تھا اس اُمت کے لئے رب عزوجل نے قرآن کریم حفظ کیلئے آسان فرمادیا کہ دس ۱۰ برس کے بچّے حافظ ہوتے ہیں اور ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فضل ظاہر ہے کہ اُن کی اُمت کو وہ ملا جو صرف انبیاء کو ملا کرتا تھا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ باقی رہا سوال کا دوسرا جُز کہ کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار ۴ قول ہیں:

اوّل: قول امام عبیداللہ بن عائشہ ممدوح کہ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہُوئی انہوں نے دو ۲ رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہُوئی۔ اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السّلام سو ۱۰۰ برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کئے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہُوئی۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہُوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری

پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

رواہ کماذکرنا الامام الطحاوی قال: حدثنا القاسم بن جعفر قال سمعت بحر بن الحکم الکیسانی قال سمعت ابا عبدالرحمٰن بن محمد ابن عائشۃ یقول، فذکرہ[1]۔	جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے مطابق اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے کہ قاسم ابن جعفر نے بحر ابن حکم کیسانی سے، اس نے ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن محمد ابن عائشہ سے سُنا اس کے بعد سابقہ روایت بیان کی ہے۔ (ت)

دوم قول امام ابوالفضل کہ سب سے پہلے فجر کو دو۲ رکعتیں حضرت آدم، ظہر کو چار رکعتیں حضرت ابرہیم، عصر حضرت یونس، مغرب حضرت عیسٰی، عشاء حضرت موسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔ ذکرہ الامام الزندوستی فی روضتہ قال سائت ابا الفضل فذکرہ (اس کو امام زندوستی نے اپنی روضہ میں ابوالفضل کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ کہا میں نے ابوالفضل سے پُوچھا تو انہوں نے یہ ذکر کیا۔ ت) یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہٰذا اُس کا خلاصہ لکھیں امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو۲ رکعتیں ظہر و عصر و عشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور ابھی افادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب جنّت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہُوئے، جب صبح چمکی دو۲ رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکی شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل۔ زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رضائے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہُوئیں کہ مولٰی ؏ تعالٰی ہمیں قتلِ نفس پر قدرت

؏ لفظ الکتاب فامرنا بذلك لانہ تعالٰی وفقنا علی ابلیس کماوفقہ لذبح الولد وانجانامن الغم کماانجاہ وفدانا من النار کمافداہ ورضی عنا	کتاب (یعنی روضہ) کی عبارت یوں ہے: "تو ہمیں ظہر کی چار رکعتوں کا حکم دیا گیا کیونکہ ہمیں بھی اللہ تعالٰی نے شیطان کے مقابلے کی توفیق عطا فرمائی جس طرح (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] شرح معانی الآثار باب الصّلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰

دے جیسی اُنہیں ذبحِ ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود و نصارٰی کو ہمارا فدیہ کرکے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔ نمازِ عصر سب سے پہلے یونس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پڑھی کہ اس وقت مولٰی تعالٰی نے انہیں چار ۴ ظلمتوں سے نجات دی: ظلمتِ لغزش، ظلمتِ غم عــہ۱، ظلمتِ دریا، ظلمتِ شکمِ ماہی۔ یہ اُن کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئی کہ ہمیں مولٰی تعالٰی ظلمتِ گناہ وظلمتِ قبر وظلمتِ قیامت وظلمتِ دوزخ سے پناہ دے۔ مغرب سب سے پہلے عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے پڑھی عــہ۲، پہلی اپنے سے نفی الوہیت، دوسری اپنی ماں سے نفی الوہیت، تیسری اللہ عزوجل کے لئے اثباتِ الوہیت کیلئے۔ یہ ان کے نفل ہم پر فرض ہُوئے کہ روزِ قیامت ہم پر حساب آسان ہو، نار سے نجات ہو، اُس بڑی گھبراہٹ سے پناہ ہو۔ **اقول:** اور مقام سے مناسب تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کمارضی عنہ[1] اھ **اقول:** وماذکرت احسن من ستۃ وجوہ لاتخفی علی المتأمل ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عــہ۱ الذی فی الکتاب وظلمۃ اللیل[2] **اقول:** ان کانت تذھب بالنھار فقدذھبت قبل العصر والافلا اثرلھا ولذا ابدلتھا منہ غفرلہ (م)

عــہ۲: الذی فی الکتاب اول من صلی المغرب تطوعا شکرا عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسلام حین خاطبہ اللہ تعالٰی بقولہ أأنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دُون اللہ وکان ذلک بعد غروب الشمس[3] الخ اقول المعروف ان ھذا الخطاب یوم الحساب الاتری الی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کی توفیق بخشی اور ہمیں بھی غم سے نجات دی جیسے ان کو دی تھی اور (یہود و نصارٰی کو جہنم میں) ہمارا فدیہ بنایا جس طرح ان کیلئے (جنتی دُنبے کو اسمٰعیل علیہ السلام کا) فدیہ بنایا اور ہم سے بھی اللہ تعالٰی راضی ہوا جیسے کہ ان سے ہوا اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان الفاظ کی بنسبت میری ذکر کردہ عبارت چھ ۶ وجوہ سے زیادہ عمدہ ہے اور یہ وجوہ سوچنے والے پر مخفی نہیں ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت) کتاب میں (ظلمتِ غم کی بجائے) "ظلمتِ لیل" مذکور ہے۔ **میں کہتا ہوں** اگر ظلمتِ لیل مراد ہو تو نہار کی وجہ سے ظلمتِ لیل ختم ہوجاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ رات کا اندھیرا وقت عصر سے پہلے ہی ختم ہوچکا ورنہ لازم آئیگا کہ نہار کا کوئی اثر ہی نہ ہو اسی لئے میں نے اس کو ظلمتِ غم سے بدلا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت) کتاب میں یوں ہے کہ سب سے پہلے مغرب کی نماز بطور شکرانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پڑھی جب ان کو اللہ تعالٰی نے یوں مخاطب کیا تھا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ اور یہ خطاب غروبِ شمس کے بعد ہوا تھا، میں کہتا ہوں مشہور تو یہ ہے کہ یہ خطاب بروزِ حساب ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے جواب میں عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ جب تُونے مجھے پُورے طور پر اٹھالیا تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] روضۃ العلماء للزندوستی

[2] روضۃ العلماء للزندوستی

[3] روضۃ العلماء للزندوستی

یہ تھا کہ یوں فرماتے کہ ہم اپنی خودی اور فخرِ آبا سے باہر آکر اللہ عزّوجل کے لئے خاص متواضع ہوں۔

سب سے پہلے عشاء موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بُھول گئے۔ بی بی کا غم، اولاد کی فکر، بھائی پر اندیشہ، فرعون سے خوف، جب وادیِ ایمن میں رات کے وقت مولیٰ تعالٰی نے اِن سب فکروں سے انہیں نجات بخشی، چار نفل شکرانے کے پڑھے ہم پر فرض ہُوئی کہ اللہ تعالٰی ہمیں بھی راہ دکھائے ہمارے بھی کام بنائے ہمیں اپنے محبوبوں سے ملائے دشمنوں پر فتح دے آمین!

سوم قول بعض علماء کہ فجر آدم، ظہر ابراہیم، عصر سلیمان، مغرب عیسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی اور عشا خاص اس اُمّت کو ملی کما تقدم عن الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ت)

چہارم وہ حدیث کہ امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم، ظہر داؤد، عصر سلیمٰن، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے **ذکرہ عنه الزرقانی فی شرح المواھب والحلبی تماما فی الحلیة قال واورد فی ذلك خبرا**[1] (اس کو زرقانی نے شرح مواہب میں رافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور حلبی نے حلیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، حلبی نے کہا کہ رافعی نے اس سلسلے میں ایک روایت پیش کی ہے۔ت) غرض نماز صبح میں چاروں متفق ہیں باقی چار میں اختلاف۔

اقول: فقیر کی نظر میں ظاہراً قول اخیر کو سب پر ترجیح کہ اوّل تو وہ حدیث ہے لا اقل اثر صحابی یا تابعی سہی اقوال علمائے مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی خصوصًا ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

بل **اقول:** عسی ان یکون ماذکر الامام ابو الفضل بمعزل عما نحن فیه، فانه انما ذکر التطوعات، والکلام فی المکتوبات، لا ایقاع نفل فی هذه الاوقات، فانه ثابت فی جمیع الساعات فی المعالم عن جعفر بن سلیمٰن قال سمعت ثابتا یقول: کان داؤد نبی الله علیه الصلاة والسلام قد جزأ ساعات اللیل والنهار علی اهله، فلم تکن تأتی ساعة من ساعات اللیل والنهار	**لیکن میں کہتا ہوں:** ایسے لگتا ہے کہ امام ابوالفضل نے جو کچھ کہا ہے وہ زیر بحث مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے نوافل کا ذکر کیا ہے جبکہ بحث فرائض سے ہو رہی ہے۔ ان اوقات میں نوافل ادا کرنا بحث سے خارج ہے کیونکہ نوافل تو ان اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت ادا کیے جاسکتے ہیں۔ معالم میں جعفر ابن سلیمٰن سے منقول ہے کہ میں نے ثابت کو کہتے سنا ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے رات اور دن کی گھڑیوں کو اپنے اہلِ خانہ پر نماز کے لئے تقسیم کر رکھا تھا

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الا و انسان من اٰل داؤد قائم یصلی[1] اھ۔	تورات اور دن کی گھڑیوں میں کوئی ایسی گھڑی نہیں ہوتی تھی جس میں آلِ داؤد کا کوئی فرد نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ (ت)

معہذا اُن سب اقوال میں کہیں کہیں گرفت ضرور ہے اوّل نے صاف تصریح کی کہ عشاء انبیائے سابقین علیہم الصّلاۃ والتسلیم میں کسی نے نہ پڑھی اور سوم کا بھی یہی مفاد کہ صدر کلام میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کیا ہے اور اُمتوں سے موازنہ مقصود نہیں کما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ت) تو یہ اطلاق تخصیص اپنے عموم پر ہے جس طرح اشعہ وغیرہا کی عبارتوں میں تھا نہ بلحاظ امم۔ اور ہم اوپر بیان کرچکے کہ یہ ظاہر دلائل کے خلاف وقول مرجوح ہے۔ اول ودوم نے عصر کو عزیر ویونس علیہما الصّلاۃ والسلام کی طرف نسبت کیا حالانکہ حضرت سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا عصر پڑھنا روشن ثبوت سے ثابت۔ قال تعالٰی:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾[2] اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ۙ[3] فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ قف[4]	اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھا بندہ ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، جب اس کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اچھی چیز کی محبّت نے اپنے رب کی یاد سے غافل کردیا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں یہ نماز نمازِ عصر تھی، جلالین میں ہے:

عن ذکر ربی ای صلاۃ العصر[5]۔	(اپنے رب کی یاد سے مراد نمازِ عصر ہے۔ت)

مدارک میں ہے:

غفل عن العصر وکانت فرضا فاغتم[6]۔	عصر سے غافل ہوگئے تھے اور وہ ان پر فرض تھی اس لئے غمزدہ ہوگئے۔ (ت)

اور سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ یونس وعزیر علیہم الصّلاۃ والسلام سے مقدم ہے تو اولیت صلاۃ عصران دونوں صاحبوں کیلئے کیونکر ہوسکتی ہے۔ نسیم الریاض میں زیرِ حدیث ماینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن زیر آیۃ ''وقلیل من عبادی الشکور'' مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲۸۵/۵

[2] القرآن ۳۰/۳۸

[3] القرآن ۳۱/۳۸

[4] القرآن ۳۲/۳۸

[5] تفسیر جلالین زیر ایت مذکور مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۸۰

[6] تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت مذکور مطبوعہ دارالکتاب العربی البیروت ۴۱/۴

کسی کیلئے یہ کہنا روانہیں کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۔ت) ہے:

هو من ولد بنيامين بن يعقوب عليهم الصلاة و السلام، وكان بعد سليمٰن عليه الصلاة والسلام[1] اھ وفيه فى فصل حكم عقد قلب النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم، يونس صلى الله تعالٰى عليه وسلم، كمافى مرأة الزمان، كان بعد سليمٰن نبى الله، عليه الصلاة والسلام[2]۔	یونس، بنیامین ابن یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے بعد تھے اھ نسیم الریاض ہی کی اس فصل میں، جس کا عنوان ہے حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مرأۃ الزمان کے حوالے سے مذکور ہے کہ یونس علیہ السلام اللہ کے نبی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تھے۔ (ت)

یہ تو یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت تصریح تھی اور حضرت عزیر کا سیدنا سلیمان علیہما الصلاۃ والسلام کے بعد ہونا خود ظاہر کہ اُن کا واقعہ موت وحیات کہ قرآن عظیم میں مذکور بعد اس کے ہوا کہ بخت نصربیت المقدس کو ویران کرگیا تھا اور احادیث سے ثابت کہ بیت المقدس کی بناء داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے شروع اور سلیمان علیہ الصّلاۃ نے ختم فرمائی تو سلیمان وعزیر علیہما الصلاۃ والسلام میں صدہا سال کا فاصلہ تھا، معالم التنزیل میں ہے:

قال الذى قال ان المارکان عزيرا: ان بختنصر لماخرب بيت المقدس واقدم سبى بنى اسرائيل ببابل، كان فيهم عزير ودانيال وسبعة الاف من اهل بيت داؤد عليهم الصلاة والسلام، فلما نجاعزير من بابل ارتحل على حمارله[3] ۔الخ	جس نے کہا ہے کہ گزرنے والے عزیر تھے، اس نے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو برباد کردیا اور بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے آیا تو ان میں عزیر اور دانیال کے علاوہ داؤد علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھنے والے سات ہزار افراد بھی تھے۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے عزیر کو نجات دی اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر سفر کے لئے نکلے۔ الخ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۳

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۳

[3] تفسیر معالم التنزیل زیر آیت اوکالذی مر علی قریۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۷

اُسی میں ہے:

یعملون له مایشاء من محاریب کان مماعملوا له بیت المقدس، ابتدأه داؤد علیه الصلوة والسلام، فلما توفاه الله تعالٰی استخلف سلیمٰن علیه الصلٰوة والسلام، فبنی المسجد بالرخام والجواهر واللاٰلیئ والیواقیت، فلم یزل بیت المقدس علی مابناه سلیمٰن علیه الصلوة والسلام، حتی غزاه بخت نصر، فخرب المدینة ونقض المسجد[1] اھ ملتقطا۔	(بناتے تھے اس کے لئے جو وہ چاہتا تھا یعنی محراب وغیرہ) جِنوں نے جو کُچھ ان کے لئے بنایا ان میں ایک بیت المقدس بھی تھی جس کی ابتداء داؤد علیہ السلام نے کی تھی، ان کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے مسجد کو سنگ رخام، ہیروں موتیوں، اور یاقوتوں سے بنوایا، یہ مسجد مدتوں اسی طرح برقرار رہی جس طرح سلیمان علیہ السلام نے بنوائی تھی تا آنکہ بخت نصر اس پر حملہ آور ہوا، اس نے شہر برباد کردیا اور مسجد گرادی اھ ملتقطا (ت)

بخلاف قول چہارم کہ اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں توظاہرًا وہی مرجح وقرین قیاس اور حقیقتِ حال کا علم مولٰی سبحٰنہ کے پاس والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم۔

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن آیت یعملون له مایشاء الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ص ۲۸۴۔۲۸۵

جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ

(تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۵۰: از ریاست رام پور. بزریہ ملا ظریف گھیر عبدالرحمٰن خان مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خان ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

بگرامی خدمت فیض درجت جناب مولٰنا بحر العلوم صاحب زاد کرمہ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نبوت قبل شبِ معراج جو دو۲ وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے۔ **بینوا توجروا۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفٰی* وسلام علی عبادہ الذین اصطفی* لاسیما علی صاحب المعراج	اللہ ہی کی حمد ہے اور وہ کافی ہے اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، مصطفٰی پر اور ان کے آل واصحاب

المصطفٰی واٰلہٖ وصحبہ المقیمین الصلاۃ والعدل والوفاء*	پر جنہوں نے نماز کو اور عدل ووفا کو قائم کیا۔ (ت)

الجواب:

پیش از اسراء دووقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔

فی الدرالمختار اول کتاب الصلٰوۃ الصلاۃ فرضت فی الاسراء، وکانت قبلہ صلاتین، قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ شمنی[1] اھ۔ وفی المواھب، من المقصد الاول، قبیل ذکر اول من امن، قال مقاتل: کانت الصلاۃ اول فرضھا رکعتین بالغداوۃ و رکعتین بالعشی، لقولہ تعالٰی وسبح بحمد ربك بالعشی والابکار۔ قال فی فتح الباری: کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء یصلی قطعًا، وکذلك اصحابہ ؛ ولکن اختلف ھل افترض قبل الخمس شیئ من الصلاۃ ام لا ؟ فقیل ان الفرض کان صلاۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ والحجۃ فیہ قولہ تعالٰی وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا انتھی[2]۔ **وقال النووی:** اوّل ماوجب الانذار والدعاء الی التوحید، ثم فرض اللہ تعالٰی	درمختار کی کتاب الصلٰوۃ کے آغاز میں ہے کہ نماز (باقاعدہ طور پر) معراج میں فرض ہوئی تھی، اس سے پہلے صرف دو۲ نمازیں تھیں، ایک طلوع سے پہلے دُوسری غروب سے پہلے۔ شمنی اھ (ت) اور مواہب کی فصل اوّل میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے، اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو۲ رکعتیں صبح کو اور دو۲ رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقیناً پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔ (ت) اور **نووی** نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ڈر سنانا اور توحید کی طرف بلانا فرض کیا گیا، پھر اللہ تعالٰی

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۴

من قیام اللیل ماذکرہ فی اول سورة المزمل ثم نسخه بمافی آخرها ثم نسخه بایجاب الخ بایجاب الصلوٰ ة والخمس لیلة الاسراء بمکه ۔اھ[1] مافی المواهب وفی شرحها للعلامة الزرقانی من المقصد التاسع، ذهب جماعة الی انه لم تکن قبل الاسراء صلاة مفروضة الاماوقع الامر به من صلاة اللیل بلا تحدید۔ وذهب الحربی الی ان الصلاة کانت مفروضة، رکعتین بالغداة و رکعتین بالعشی۔ و ردہ جماعة من اهل العلم ۔اھ[2]

وفیهما من المقصد الخامس فی الاسراء، عند ذکر صلاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالانبیاء بیت المقدس، (قداختلف فی هذہ الصلاة) هل هی الشرعیة المعروفة او اللغویة؟ وصوّب الاول لان النص یحمل علٰی حقیقة الشرعیة، مالم یتعذر۔ وعلی هذا اختلف (هل هی فرض) ویدل علیه کماقال النعمانی حدیث انس عند ابی حاتم المتقدم قریبا للمصنّف۔ (اونفل؟ واذا قلنا انها فرض، فای صلاة هی؟ قال بعضهم الاقرب انها الصبح،

نے قیام لیل فرض کردیا جس کا سورہ مزمل کی ابتداء میں ذکر ہے پھر اس کو منسوخ کردیا اس حکم سے جو سورہ مزمل کے آخر میں ہے، پھر اس کو بھی منسوخ کردیا اور اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ نمازیں فرض کردیں۔ اھ مواہب کی عبارت ختم ہُوئی۔ (ت) اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی نے نویں مقصد میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہیں تھی، صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھا مگر اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔ اور حربی کی رائے یہ ہے کہ نماز معراج سے پہلے بھی فرض تھی۔ دو ۲ رکعتیں صبح کو اور دو ۲ رکعتیں رات کو۔ لیکن حربی کی رائے کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے رَد کیا ہے۔ (ت) اور مواہب و زرقانی کے پانچویں مقصد میں جو کہ معراج کے بیان میں ہے جہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باقی انبیاء کو نماز پڑھانا مذکور ہے، وہاں لکھا ہے (اس نماز میں اختلاف پایا جاتا ہے) کہ آیا اس کی مشروعیت وہی معروف مشروعیت ہے یا لغوی مشروعیت مراد ہے؟ پہلا قول درست قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ممکن ہو نص کو اپنی شرعی حقیقت پر حمل کیا جاتا ہے۔ مشروعیّت معروفہ مراد لینے کے بعد اس میں اختلاف ہے (کہ کیا یہ فرض ہے) اور جیسا کہ نعمانی نے کہا ہے اس پر انس کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم کے ہاں پائی جاتی ہے اور

---

[1] المواہب اللدنیہ مقصد اول اول امر الصلوٰۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۲، ۱۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہٖ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۷/ ۳۲۳

ویحتمل ان تکون العشاء) والاحتمالان، کماقال الشامی، لیسابشیئ؛ سواء قلنا صلی بھم قبل العروج اوبعدہ لان اول صلاۃ صلاھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الخمس مطلقا، الظھر بمکۃ باتفاق۔ ومن حمل الاولیۃ علی مکۃ فعلیہ الدلیل۔ قال: والذی یظھر انھا کانت من النفل المطلق، اوکانت من الصلاۃ المفروضۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل لیلۃ الاسراء۔ وفی فتاوی النووی مایؤید الثانی اھ[1] باختصار۔

اقول: وفی الاستدلال بقولہ عز اسمہ وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا[2] نظر۔ فان تتمۃ الاٰیۃ

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾[3] فان حمل التسبیح علی الصلاۃ لقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما کل تسبیح فی القراٰن صلاۃ[4] اخرجہ الفریابی عن

تھوڑا سا پہلے مصنف نے بھی ذکر کی ہے (یا نفل ہے؟ اگر ہم کہیں کہ فرض ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہو) اور دونوں احتمال جیسا کہ شامی نے کہا ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ نماز آسمانوں پر جانے سے پہلے پڑھائی تھی یا بعد میں، کیونکہ پانچ نمازوں میں مطلقًا پہلی نماز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی وہ بالاتفاق ظہر کی نماز تھی جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی تھی۔ اور جو شخص اس روایت کو مکّہ کے ساتھ مختص کرے تو اس پر دلیل لازم ہے۔ شامی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی نفلی نماز تھی یا ان نمازوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر شبِ معراج سے پہلے فرض تھیں اور فتاوٰی نووی سے دوسری شق کی تائید ہوتی ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں: اللہ عزّاسمہ کے اس فرمان سے استدلال کرنا کہ تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے، محلِ نظر ہے۔ کیونکہ آیت مکمل اس طرح ہوتی ہے "اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کہو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم راضی ہو جاؤ"۔ اب اگر تسبیح سے مراد نماز لی جائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قرآن

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۶۳

[2] القرآن سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۰

[3] القرآن سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۰

[4]

سعید بن جبیر وان کان ربما یفید الاستثناء من کلیته علی ما **اقول:** قوله جل ذکرہ، کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِیۡحَهٗ ؕ[1]، وقوله تعالٰی فَلَوۡلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِهٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾[2] فان الظاھر ان المراد به ماذکر عنه ربه عزوجل بقوله فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ٭ۖ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾[3] به فسرہ سعید بن جبیر، ارشد تلامذہ ابن عباس، الراوی عنه تلك الکلیة وقد قال الحسن البصری، کمافی المعالم: ماکانت له صلاۃ فی بطن الحوت؛ ولکنه قدم عملا صالحا[4] ۔اھ بیدان ابن عباس ھھنا ایضا مشی علی اصله فقال رضی اللہ تعالٰی عنه، من المسبحین، من المصلین[5] ۔ویکون المعنی حینئذ ماقال الضحاک، انه شکر اللہ تعالٰی له طاعته القدیمة[6]، کمافی المعالم ایضا۔ فعلٰی ھذا الحمل واخذ الامر للوجوب، تدل الاٰیة بأخرھا علی فرضیة اکثر من

میں تسبیح سے ہر جگہ نماز مراد ہے۔ابن عباس کا یہ قول فریابی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔اگرچہ ابن عباس کے اس کلیے سے استثناء کا فائدہ دیتی ہیں وہ آیات جو میں بیان کررہا ہوں، اللہ جل ذکرہ فرماتا ہے: "ہر (پرندہ) اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے"۔اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اگر وہ (یونس) تسبیح کہنے والوں میں سے نہ ہوتا تو یومِ بعث تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس تسبیح سے مراد وہی تسبیح ہے جو اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام سے یوں حکایت کی ہے: "پس پکارا اس نے اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں ہے تیرے سوا، تُو پاک ہے بیشک میں ظلم کرنیوالوں میں تھا"۔سعید ابن جبیر جو کہ ابن عباس کے بہترین شاگردوں میں سے ہیں اور ان سے مندرجہ بالا کلیہ کے راوی ہیں انہوں نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔حسن بصری نے کہا ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ اس سے پہلے ایک صالح عمل تھا اھ البتہ ابن عباس یہاں بھی اپنے اصول پر رواں رہے ہیں اور تسبیح کہنے والوں میں سے ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نماز پڑھنے والوں میں سے ہونا۔اس صورت میں جیسا کہ ضحاک نے کہا ہے اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام کو اسی اطاعت

---

[1] القرآن سورہ النور ۲۴ آیت ۴۱

[2] القرآن سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۴۳

[3] القرآن سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۸۷

[4] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انه کان من المسبحّین (تفسیر سورہ صافات) مصطفٰی البابی مصر ۶/ ۳۷

[5] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انه کان من المسبحّین (تفسیر سورہ صافات) مصطفٰی البابی مصر ۶/ ۳۷

[6] معالم التنزیل مع الخازن زیرِ آیت فلولاان کان من المسبحین الخ مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۳۷

صلاتین؟ الا ان یقال: لم یقصد الحصر، بدلیل ان قیام اللیل کان فریضة من قبل قطعاً؛ ولکن یبقی قوله تعالٰی واطراف النهار؛ وحمله علی المذکورتین یستلزم التکرار۔

اما استدلال مقاتل بقوله تعالٰی وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِيِّ وَالۡاِبۡكَارِ۝۵۵[1]، **فاقول:** اضعف، واضعف؛ بل لیس بشیئ اصلا، فان الأیة من سورة حم المؤمن، وقدتأخر نزولها عن سورة بنی اسرائیل النازلة بخبر الاسراء، بزمان طویل، فقد روی ابن الضریس فی فضائل القراٰن عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما، فی حدیث ترتیب نزول السور، قال: کان اول مانزل من القراٰن اقرأ باسم ربک، ثم ن، فذکر الحدیث الی ان قال: ثم بنی اسرائیل، ثم یونس، ثم هود، ثم یوسف، ثم الحجر، ثم الانعام، ثم الصفت، ثم لقمان، ثم سبا، ثم الزمر، ثم حم المؤمن[2] ۔الحدیث۔ فکیف یستدل بها علی ایجاب صلاة قبل الاسراء؟ لاجرم ان

(اور نماز وغیرہ) کے صلے میں نجات دی تھی جو وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے کرتے رہے تھے۔ معالم میں بھی اسی طرح ہے۔ بہر حال اگر فسبّح بحمد ربک" میں تسبیح سے مراد نماز لی جائے اور امر کو وجوب کے لئے قرار دیا جائے تو آیت کا آخری حصّہ دو۲ سے زیادہ نمازوں کے فرض ہونے پر دلالت کرے گا۔ اس کا یہ جواب تو دیا جاسکتا ہے کہ دو۲ میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ رات کی نماز بھی بالیقین پہلے سے فرض تھی، لیکن اس صورت میں اللہ تعالٰی کا یہ فرمان "اور دن کے اطراف میں" بغیر کسی مفہوم کے رہ جاتا ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے والی دو نمازیں لی جائیں تو تکرار لازم آئے گی (کیونکہ ان کا ذکر آیت کی ابتداء میں ہوچکا ہے)۔ (ت) رہا مقاتل کا استدلال اللہ تعالٰی کے اس فرمان سے "اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور صبح سویرے"۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ضعیف ہے اور بہت ہی ضعیف ہے، بلکہ سرے سے بیکار ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ حم مومن کی ہے اور اس کا نزول سورہ بنی اسرائیل سے، جس میں معراج کا ذکر ہے، طویل زمانے کے بعد ہوا ہے۔ چنانچہ ابن ضریس نے فضائل قرآن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سُورتیں نازل ہونے کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ "قرآن میں سب سے پہلے سورہ اقرإ باسم ربک نازل ہوئی، پھر نٓ۔ ابن ضریس نے یہ روایت پوری بیان کی ہے یہاں تک کہ کہا ہے" پھر بنی اسرائیل، پھر یونس، پھر ہود، پھر یوسف، پھر حجر، پھر انعام، پھر صٰفّٰت، پھر لقمان، پھر سبا، پھر زمر، پھر حم مومن آخر تک۔ تو پھر حم مومن کی آیت سے۔

---

[1] القرآن سورہ مؤمن ۴۰/ آیت ۵۵

[2] فضائل القرآن لابن الضریس

فسرها ترجمان القرآن رضی الله تعالٰی عنه بالصلوات الخمس[1]، کمافی المعالم۔ وقد یستدل بماروی ابن ابی حاتم فی تفسیره عن انس رضی الله تعالٰی عنه فی حدیث الاسراء واتیانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بیت المقدس "لم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر، ثم اذن مؤذن واقیمت الصلاۃ" قال: فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبریل علیه الصلاۃ والسلام بیدی فقدّمنی فصلیت بهم، فلما انصرفت، قال لی جبریل: اتدری من صلی خلفک؟ قلت: لا، قال: صلی خلفك کل نبی بعثه الله[2]۔ وهو الحدیث المشار الیه فی کلام الزرقانی عن الامام النعمانی۔

اقول: ولعل مطمح نظر المستدل وقوع الاذان والاقامة فانهما من خصائص الفرائض **اوّلًا** فلان الاذان والاقامة المعروفین ماشرعا الابالمدینة، والاسراء قبل الهجرة ولذاقال الزرقانیؒ فی تفسیر الحدیث، اذن مؤذن، ای اعلم بطلب الصلاۃ، فاقیمت الصلوۃ، ای تهیئو لها

کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی نماز فرض تھی (جبکہ اس وقت تک وہ سورۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی) اسی لئے ترجمان القرآن رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر پانچ نمازوں سے کی ہے۔ جیسا کہ معالم میں ہے۔ اور کبھی استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث سے جو ابن ابی حاتم نے انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ معراج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں آنے کے بارے میں روایت کی ہے (اس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا) ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ ہمارا امام کون بنتا ہے، تو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نے سلام پھیرا تو جبریل نے مجھ سے کہا: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں جبریل نے کہا آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالٰی نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف زرقانی کے کلام میں نعمانی کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ شاید دلیل پیش کرنے والے کا مطمح نظر یہ ہو کہ اس نماز میں اذان واقامت ہوئی تھی اور یہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لیکن اس پر اعتراض ظاہر ہے۔ **اوّلًا** اس لئے کہ معروف اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہُوئی تھی، جبکہ معراج ہجرت سے پہلے ہُوا تھا۔ اسی لئے زرقانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "ایک مؤذن نے اذان کہی" کے یہ معنی

---

[1] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶/۹۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۶۲

وَشَرعوا فیها. فلایردان الاذان والاقامة انماشرعا بالمدینة والاسراء کان بمکة [1] اھ ماثانیًا فلان تخصیصهما بالفرائض انما عرف بعد ماشرعا للامة. اماقبل ذلك فایُّ دلیل علیه؟ واما **ثالثًا**، وهو القاطع، فلان الاسراء انما کان باللیل، وقدعلمنا ان صلاۃ اللیل کانت فریضة قبل فرض الخمس، فمایدریك لعلها هی۔ وبه یظهر الجواب عما عسی ان یتعلق به متعلق، ممار وی مسلم عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فی حدیث الاسراء "وحانت الصلاۃ فامتهم"[2]۔	بیان کیے ہیں کہ اس نے نماز کے لئے طلب کیے جانے سے ان کو آگاہ کیا، "اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس کیلئے تیار ہوگئے اور اس میں شروع ہوگئے، اس لئے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکّہ میں ہُوا تھا۔ ثانیًا، اس لئے کہ اذان واقامت کا فرائض کے ساتھ مخصوص ہونا تو اُمّت کیلئے ان کے مشروع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے۔ مشروعیت سے پہلے تخصیص پر کون سی دلیل ہے؟ ثالثًا، اس لئے اور یہ اعتراض استدلال کی جڑ کاٹنے والا ہے کہ معراج رات کو ہوئی تھی اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ رات کی نماز، پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی فرض تھی، تو کیا پتا، ہوسکتا ہے یہ وہی رات کی نماز ہو! اسی سے اس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا ہے جس کو ہوسکتا ہے کوئی متدل بطور دلیل پیش کرے یعنی مسلم کی وہ روایت جو ابوہریرہ سے حدیثِ معراج میں مروی ہے (کہ رسول اللہ نے فرمایا) اور نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ (ت)

تاہم اس قدر یقینا معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازیں پڑھتے۔ نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورہ مزمل شریف سے ثابت اور اُس کے سوااوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل، حدیث میں ہے:

کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحٰی والعصر، فکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واصحابه اذا صلوا اٰخر النهار، تفرقوا فی الشعاب فصلوها فرادی[3]۔	فرضیت پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام جب آخر روز کی نماز پڑھتے گھاٹیوں میں متفرق ہوکر تنہا پڑھتے۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۵۷

[2] الصحیح لمسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۶

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ حدیث ۷۲۳ ترجمہ عزیزہ بنت ابی تجراۃ مطبوعہ دار صادر بیروت لبنان ۴/ ۳۶۴

رواہ ابن سعد وغیرہ عن عزیزۃ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ذکرہ فی ترجمتہا من الاصابۃ۔	اس کو ابن سعد وغیرہ نے عزیزہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ بات اصابہ میں عزیزہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں مذکور ہے۔ (ت)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں اور ان کی جمع و تلفیق کی حاجت نہیں بلکہ نماز شروع روز شریفہ سے مقرر ومشروع ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اوّل بار جس وقت وحی اُتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہوئی اُسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اُسی دن بہ تعلیمِ اقدس حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے پڑھی، دُوسرے دن امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورہ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔

فقد اخرج احمد وابن ماجۃ والحارث فی مسندہ وغیرہم عن اسامۃ بن زید عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فی اول ماأوحی الیہ، فاراہ الوضوء والصلاۃ، فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفۃ من ماء فنضح بہا فرجہ[1]۔ وفی سیرۃ ابن اسحٰق، وسیرۃ ابن ہشام، و المواہب اللدنیۃ من المقصد الاول، وکتاب الخمیس، وافضل القرٰی لقراء ام القرٰی، للامام ابن حجر المکی، ثم حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید ابی السعود الازہری، ثم حاشیۃ الدر للعلامۃ السید احمد الطحطاوی، وھذا لفظ القسطلانی، مزیدا من الزرقانی، (قد روی) مرّضہ لان لہ طرقا لا تخلو من مقال؛ لکنہا متعددۃ یحصل باجتماعہا	تخریج کی ہے احمد اور ابن ماجہ نے اور حارث نے اپنی مُسند میں اور دیگر محدثین نے اسامہ ابن زید سے، وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، جب وضو سے فارغ ہُوئے تو چُلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔ سیرت ابنِ اسحٰق میں، سیرت ابنِ ہشام میں، مواہب لدنیہ کے کتاب الخمس میں، ابن حجر مکی کی افضل القرٰی لقراء ام القرٰی میں، سید ابوالسعود ازہری کے حاشیہ کنز میں، سید احمد طحطاوی کے حاشیہ درمختار میں مذکور ہے اور الفاظ قسطلانی کے ہیں جن میں اس کی شرح زرقانی سے اضافہ کیا گیا ہے (روایت کی گئی ہے) بصیغہ مجہول اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے جتنے طریقے بھی ہیں وہ اعتراض سے خالی نہیں ہیں، لیکن چونکہ متعدد ہیں اس لئے ان کے اجتماع سے قوت

---

[1] مُسند امام احمد بن حنبل حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۶۱/۴

القوۃ (ان جبریل بدا له صلی الله تعالٰی علیه وسلم) وھو باعلٰی مکۃ، کماعند ابن اسحٰق، ای بجبل الحراء، کمافی الخمیس (فی احسن صورۃ و اطیب رائحۃ فقال: یامحمد! ان الله یقرئك السلام ویقول لک: انت رسولی الی الجن والانس فادعھم الٰی قول لاالٰه الاالله، ثم ضرب برجله الارض فنبعت عین ماء فتوضأ منھا جبریل) زاد ابن اسحٰق، ورسول الله ینظر الیه، لیریه کیف الطھور الی الصلاۃ (ثم امرہ ان یتوضأ، وقام جبریل یصلی، وامرہ ان یصلی معه) زاد فی روایۃ ابی نعیم عن عائشۃ رضی الله تعالٰی عنھا، فصلی رکعتین نحوا الکعبۃ (فعلمه الوضوء والصلاۃ، ثم عرج الی السماء ورجع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، لایمر بحجر ولامدر ولاشجر الا وھو یقول: السلام علیك یارسول الله! حتی اتی خدیجۃ، فاخبرھا فغشی علیھا من الفرح، ثم امرھا فتوضأت، وصلی بھا کماصلی به جبرئیل) زاد فی روایۃ، وکانت اول من صلی (فکان ذلك اول فرضھا) ای تقدیرھا (رکعتین) [1]اھ وله تمام سیأتی۔ واخرج الطبرانی عن ابی رافع رضی الله تعالٰی عنه، قال: صلی النبی صلی الله تعالٰی علیه

حاصل ہوجاتی ہے (کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے) جبکہ آپ مکّہ کے بالائی حصّہ میں تھے جیسا کہ سیرت ابن اسحٰق میں ہے، یعنی کوہِ حرا پر تھے جیسا کہ خمیس میں ہے (اچھی صورۃ اور عمدہ خوشبو میں اور کہا: "اے محمد! اللہ تعالٰی آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ انسانوں اور جنّوں کی طرف میرے رسول ہیں اس لئے انہیں دعوت دیں کہ وہ لَااِلٰہ اِلااللہ کہیں۔ پھر جبریل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور جبریل نے اس سے وضو کیا) ابن اسحٰق نے اضافہ کیا ہے کہ "اور رسول اللہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو نماز کیلئے طہارت کا طریقہ بتائے (پھر آپ سے کہا کہ آپ بھی وضو کریں۔ پھر جبریل نماز پڑھنے لگے اور رسول اللہ کو کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں) ابونعیم نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جبریل نے قبلہ رُخ ہو کر دو ۲ رکعتیں پڑھیں (چنانچہ وضو اور نماز سکھانے کے بعد جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور رسول اللہ گھر کی طرف واپس ہوئے تو راستے میں جس پتھر، ڈھیلے یا درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ کہتا "السلام علیك یارسول الله"۔ یہاں تک کہ آپ خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہیں فرطِ مسرت سے غشی آگئی پھر رسول اللہ نے انہیں بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ نے اُن کو بھی اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے

---

[1] شرح الزرقانی المقصد الاوّل فی تشریف اللہ تعالٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۲۷۳

وسلم، اول یوم الاثنین، وصلت خدیجۃ اٰخرہ، وصلی علی یوم الثلثاء[1]۔	آپ کو پڑھائی تھی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خدیجہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والی ہیں (تو یہ نماز کی پہلی فرضیت تھی) یعنی اس کا اندازہ تھا (دو رکعتیں) اھ اس روایت کا باقی حصہ عنقریب آئے گا۔ اور طبرانی نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے ابتدائی حصّے میں پہلی نماز پڑھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے آخری حصے میں اور علی رضی اللہ عنہ نے منگل کے دن۔ (ت)

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، اقول ملاحظہ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی اُس میں طہارتِ ثوب بھی تھی قال تعالٰی فی سورۃ المدثر، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ [2] (اللہ تعالٰی نے سورہ مدثر میں فرمایا ہے "اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو"۔ ت) وضو بھی تھا کما تقدم اٰنفا (جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ ت) **استقبالِ قبلہ** بھی تھا،

کمامر من حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، و روی ابن اسحٰق فی سیرتہ قال: حدثنی عبداللہ ابن نجیح المکی عن اصحابہ، عطاء ومجاھد وعمن روی ذٰلک، فساق حدیث اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفیہ، فجعلت امشی رویدا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یصلی یقرؤ القراٰن، حتی قمت فی قبلتہ مستقبلہ، مابینی وبینہ الاثیاب الکعبۃ۔ قال: فلما سمعت القراٰن رق لہ قلبی[3]۔ الحدیث۔	جیسا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے۔ اور ابنِ اسحٰق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ ابن نجیح مکی نے اپنے ساتھیوں عطا اور مجاہد سے اور کچھ لوگوں سے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کے بعد ابنِ اسحٰق نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں آہستہ آہستہ چلتا جارہا تھا اور رسول اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی تلاوت کررہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کے سامنے آپ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہوگیا، میرے اور آپ کے درمیان کعبے کے غلاف کے سوا کوئی حائل نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن سُنا تو میرا دل اس کے لئے نرم ہوگیا۔ الحدیث (ت)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبیداللہ ابن ابی رافع حدیث ۹۵۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۳۲۰

[2] القرآن سورہ المدثر ۷۴/ آیت ۴

[3] سیرت ابن اسحٰق

تکبیر تحریمہ بھی تھی قال تعالٰی: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۳ [1] اور اپنے رب کی تکبیر کہہ۔ت) وقال عز اسمه فی سورة الاعلٰی النازلة قدما، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۱۵ [2] (اور اللہ تعالٰی نے سورہ اعلٰی میں، جو پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے، کہا ہے "اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی"۔ت) **قیام** بھی تھا، قال تعالٰی:

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ۲ [3] الاٰیات الٰی قوله جل ذکره اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ [4]۔	اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو" اور اس سے بعد کی آیتیں، اس آیت تک "بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کبھی دو تہائی رات سے کم قیام کرتا ہے کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات۔ اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہے۔ (ت)

قرأت بھی تھی۔

قال تعالٰی فی سورة المزمل فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط [5] وقال الزرقانی تحت ماتقدم من قول مقاتل رکعتین بالغداة ورکعتین بالعشی، یحتمل انه کان یقرؤ فیھما بما اٰتاہ من سورة اقرء، حتی نزلت الفاتحة [6]۔	اللہ تعالٰی نے سورہ مزمل میں فرمایا ہے: "پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہوسکے"۔ اور مقاتل کا جو قول پہلے گزرا ہے کہ دو ۲ رکعتیں صبح کی اور دو ۲ رکعتیں رات کی فرض تھیں، اس کے تحت زرقانی نے کہا ہے "ممکن ہے کہ نزولِ فاتحہ سے پہلے رسول اللہ ان رکعتوں میں سورۃ اقرا کی وہ آیات پڑھتے ہوں جو نازل ہوچکی تھیں۔ (ت)

رکوع بھی تھا:

علی خلف فیه، کماسیأتی، وقد تظافرت الاحادیث الحاکیة عماقبل الاسراء بصلاة	لیکن اس میں اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ اور جن احادیث میں معراج سے پہلے نماز پڑھنے کا

---

[1] القرآن سورہ مدثر ۷۴ آیت ۳

[2] القرآن سورۃ الاعلٰی ۸۷/آیت ۱۵

[3] القرآن، سورہ مزمل ۷۳

[4] القرآن ۷۳/ ۲۰

[5] القرآن ۷۳/ ۲۰

[6] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۲۷۴

رکعات او رکعتین، منها ما تقدم اٰنفا من حدیث ابی نعیم فصلی رکعتین، ومن حدیث غیره فکان ذٰلك اول فرضها رکعتین، وانما سمیت رکعة للرکوع۔	بیان ہے، ان میں بکثرت رکعات یا دو ۲ رکعتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ابھی ابو نعیم کے حوالے سے گزری تھی کہ نماز پڑھی دو رکعتیں۔ اور ابو نعیم کے علاوہ ایک دوسرے محدث کی روایت کہ ابتدا میں صرف دو ۲ رکعتیں فرض تھیں۔ اور رکعت کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس میں رکوع پایا جاتا ہے۔ ت)

سجود بھی تھا:

کما فی حدیث ایذاء ابی جهل وغیره من الکفرة، لعنهم الله تعالٰی، حین صلی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند الکعبة، فرمقوا سجوده، فالقوا علیه ماأُلقُوا به فی قلیب بدر ملعونین۔ والحمدلله رب العٰلمین۔ والحدیث معروف فی الصحیحین وغیرهما عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، وفیه من قول الکفار "یجیئ به ثم یمهله حتی اذاسجد وضع بین کتفیه؛ قال: فانبعث اشقاهم فلما سجد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وضعه بین کتفیه، وثبت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ساجدا[1]۔ الحدیث۔ وقدقال تعالٰی فی سورة اقرأ، وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾	جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابو جہل اور دیگر کفار لعنھم اللہ کی ایذا رسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑیاں وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کرکے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ کوئی جاکر اوجھڑیاں لائے پھر محمد کو اتنی مہلت دے کہ وہ سجدے میں چلا جائے، اس وقت اس کے شانوں کے درمیان اوجھڑیاں رکھ دے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں سے جو بہت بدبخت تھا وہ اس کام کیلئے تیار ہوگیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑیاں آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدے میں پڑے رہے۔ الحدیث۔ اور اللہ تعالٰی نے سورۃ اقرأ میں فرمایا ہے: "اور سجدہ کرو اور قُرب حاصل کرو"۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب المرأۃ تطرح علی المصلی شیئا من الاذٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۴

جماعت بھی تھی:

کماتقدم من حدیث المبعث، ولفظه عن ابن اسحٰق، ثم قام به جبرئیل فصلی به، وصلی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بصلاته، (الی ان قال فی خدیجة) صلی بها رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کماصلی به جبرئیل، فصلت بصلاته[1] ۔ اھ وقد قال تعالٰی وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ[2] واخرج الشیخان عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فی حدیث مجیئ الجن الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اول البعث، انهم اتوه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو یصلی باصحابه صلاة الفجر[3]، قال الزرقانی المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیها قبل طلوع الشمس[4] الخ۔	جیسا کہ بعث والی حدیث گزری ہے اور اس کے الفاظ ابنِ اسحٰق کے ہاں اس طرح ہیں "پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اور آپ کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی (یہاں تک کہ خدیجہ کے بارے میں کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے رسول اللہ کو پڑھائی تھی چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نماز پڑھی۔ اھ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہے" بخاری و مسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتداءِ وحی کے دوران رسول اللہ کے پاس جنّات کے آنے کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ جب جنّات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ زرقانی نے کہا ہے کہ فجر کی نماز سے مراد وہ دو ۲ رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے الخ۔ (ت)

جہر بھی تھا:

قال تعالٰی قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ① یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ[5]، وقد کانوا سمعوه صلی الله تعالٰی	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سُنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف

---

[1] سیرت ابن اسحٰق

[2] القرآن ۲۰/۷۳

[3] صحیح البخاری زیر آیت قل اوحی الی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۳۲/۲

[4] شرح الزرقانی علی المواھب المقصد الاول ذکر الجن مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ مصر ۳۴۹/۱

[5] القرآن ۷۲/۱۔۲

علیه وسلم فی صلاة الفجر، کماتقدم، ومرّ حدیث ابن اسحٰق فی اسلام امیر المؤمنین عمر رضی الله تعالٰی عنه، وروی ابن سنجر فی مسنده عنه رضی الله تعالٰی عنه "خرجت اتعرض رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قبل ان اسلم، فوجدته قدسبقنی الی المسجد، فقمت خلفه، فاستفتح سورة الحاقة، فجعلتُ اتعجّب من تألیف القراٰن، **فقلت**: هوشاعر کماقالت قریش، فقرأ

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ **فقلت**: کاهن، علم مافی نفسی، فقرأ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ الی آخر السورة، فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع[1]۔

اقول: لکن ذکر ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فی حدیثه المذکور نزول الحاقة بعد بنی اسرائیل بسبع وعشرین سورة، وجعلها من اواخر ما نزل بمکة، ولایظهر الجمع بان بعضها نزل قدیما فسمعه عمر قبل ان یسلم وتأخر نزول الباقی، واعتبر ابن عباس بالاکثر، فان امیر المؤمنین یقول فی هٰذا الحدیث، ان صح: فاستفتح سورة الحاقة، ویذکر الاٰیات من اواخرها، ثم یقول الی اٰخر السورة، فالله

رہنمائی کرتا ہے "اور جنّات نے رسول اللہ کی یہ قراءت نمازِ فجر میں سُنی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اور ابن اسحٰق کی روایت بھی گزرچکی ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنے مسند میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں "اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ کا سامنا کرنے کے لئے گھر سے نکلا تو آپ اُس وقت مسجد کو جاچکے تھے میں جاکر ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، انہوں نے سورۃ الحاقہ شروع کی تو میں قرآن کی تالیف وترتیب پر حیران رہ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص شاعر ہے، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی "اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو"۔ میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہے کہ اس کو میرے دل کی بات معلوم ہوگئی، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی "نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو سورۃ کے آخر تک۔ چنانچہ اسلام میرے دل میں پُوری طرح گھر گیا۔

اقول: (میں کہتا ہوں: لیکن ابن عباس نے اپنی مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ الحاقہ کا نزول اس وقت ہُوا جب سورہ بنی اسرائیل کے بعد ستائیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں اور ابن عباس نے الحاقہ کو ان سورتوں میں شمار کیا ہے جو مکّہ کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں (پھر حضرت عمر نے الحاقہ کی آیات اسلام لانے سے پہلے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مقصد اول اسلامِ عمرِ فاروق مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۳۲۲

تعالٰی اعلم؛ بل قال مجاھد فی قوله تعالٰی فاصدع بماتؤمر ھو الجھر بالقراٰن[1]۔ حکاہ فی المواھب من المقصد الاول، قال: قالوا وکان ذلك بعد ثلث سنین من النبوۃ، قال الزرقانی: تبرأ منه لجزم الحافظ فی سیرته بان نزول الاٰیة کان فی السنة الثالثة[2]۔	کس طرح سُن لی تھیں، جبکہ وہ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور اس وقت یہ سورت نازل ہی نہیں ہُوئی تھی) اور یہ تطبیق کرنا غیر ظاہر ہے کہ ہو سکتا ہے اس کا کچھ حصّہ پہلے نازل ہوا ہو اور حضرت عمر نے اس کو سُن لیا ہو اور باقیماندہ زیادہ تر حصّہ بعد میں نازل ہوا ہو اور حضرت ابن عباس نے اکثر باقیماندہ حصے کے نزول کو ملحوظ رکھا ہو۔ غیر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اسلامِ عمر والی) یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "پس شروع کی رسول اللہ نے سورۃ الحاقہ، پھر سورۃ کے آخری حصّے کی چند آیات ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "سورت کے آخر تک" (یعنی اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سورت شروع سے آخر تک اس وقت نازل ہوچکی تھی پھر مندرجہ بالا تطبیق کیسے ظاہر ہو سکتی ہے؟) پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بلکہ مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا "(اے نبی!) جس چیز کا تمھیں حکم دیا جارہا ہے اس کا اعلان کرو: "اس سے مراد قرآن کو جہراً پڑھنا ہے۔ یہ بات مواہب کے مقصدِ اول میں مذکور ہے۔ صاحبِ مواہب نے کہا: "کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال گزرنے کے بعد نازل ہوئی"۔ اس کی شرح میں زرقانی نے کہا ہے کہ ("کہتے ہیں" کہہ کر) ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حافظ نے اپنی سیرت میں یقین ظاہر کیا ہے کہ یہ آیت نبوت کے تیسرے سال کے دوران نازل ہُوئی تھی۔ (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول وارکان میں اسی نماز مستقر کے موافق نظر آتی ہے بلکہ حدیث مذکور بلفظ مواہب میں بعد **فکان ذلك اول فرضھا رکعتین** (ابتدا میں نماز کی دو۲ رکعتیں فرض ہُوئی تھیں۔ ت) کے فرمایا:

ثم ان اللہ تعالٰی اقرھا فی السفر کذلك واتمھا فی الحضر[3]۔	پھر اللہ تعالٰی نے سفر میں دو۲ رکعتیں برقرار رکھیں اور حضر میں (چار) مکمل کردیں۔ (ت)

شرح زرقانی میں ہے:

اقرھا ای شرعھا علی ھیأۃ ماکان	"برقرار رکھیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو۲ رکعتوں کو

---

[1] المواہب اللدنیہ الجہر بالدعوۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۲۲ و ۲۲۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی از مقصد اول مطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۸۷

[3] المواہب اللدنیہ اول امر الصلٰوۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۱

یصلیها[1] قبل۔	اسی طرح مشروع قرار دے دیا جس طرح آپ پہلے سے پڑھتے تھے۔(ت)

قبل اس سے ظاہر یہ کہ پیش از معراج دو۲ رکعتیں اسی طرح کی تھیں جیسی اب ہیں مگر بعض علماء فرماتے ہیں معراج سے پہلے رکوع اصلًا نہ تھا نہ اس شریعت میں نہ اگلے شرائع میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمتِ مرحومہ کے خصائص سے ہے کہ بعد اسرا عطا ہُوا بلکہ معراج مبارک کی صبح کو جو پہلی نمازِ ظہر پڑھی گئی اُس تک رکوع نہ تھا اُس کے بعد عصر میں اُس کا حکم آیا اور حضور وصحابہ نے ادا فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسند بزار ومعجم اوسط طبرانی میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث اس معنی کو مفید امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

باب اختصاصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالركوع فی الصلاۃ۔ ذكر جماعة من المفسرين فی قوله تعالٰی واركعوا مع الراكعين، ان مشروعية الركوع فی الصلاۃ خاص بهذه الملة، وانه لاركوع فی صلاۃ بنی اسرائيل، ولذا امرهم بالركوع مع امة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، قلت: وقد يستدل له بما اخرجه البزار والطبرانی فی الاوسط عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه، قال: اول صلاۃ ركعنا فيها صلوٰۃ العصر، فقلت يارسول اللہ ماهذا؟ قال: بهذا امرت۔ ووجه الاستدلال انه صلی قبل ذلك صلاۃ الظهر، وصلی قبل فرض الصلوات الخمس قيام الليل وغير ذلک، فكون الصلاۃ السابقة بلاركوع قرينة لخلو صلاۃ الامم السابقة منه[2] اھ۔	باب، اس بیان میں کہ رسول اللہ نماز میں رکوع کے ساتھ مختص ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اللہ تعالٰی کے فرمان "اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نماز میں رکوع کا ہونا اس اُمت کے ساتھ خاص ہے، اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اسی لئے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع کریں۔ اور اس پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی، تو ہم نے کہا: "یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے"۔ استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تھی، اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے قیام لیل بھی کرتے تھے، کچھ اور نوافل بھی پڑھتے تھے، تو ان تمام نمازوں میں رکوع کا نہ ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اھ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۷۴۔ ۲۷۳

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرکوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

شرح زرقانی مقصد خامس میں ہے:

الرکوع من خصائص الامۃ، وماصلاہ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء لارکوع فیہ؛ وکذاظھر عقب الاسراء، واول صلاۃ برکوع، العصر بعدھا[1]۔	رکوع اس اُمّت کی خصوصیات میں سے ہے اور مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے جو نمازیں پڑھا کرتے تھے ان میں رکوع نہ تھا، اسی طرح معراج کے بعد جو ظہر پڑھی (اس میں بھی رکوع نہ تھا) اس ظہر کے بعد آپ نے جو عصر پڑھی تو وہ پہلی نماز تھی جس میں رکوع کیا گیا۔ (ت)

اقول: یہ حدیثِ طبرانی اگر صحیح یا حسن ہے تو استناد صحیح وحسن ہے ورنہ اس کا صریح معارض حدیث عفیف کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موجود کہ وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ معظّمہ میں آئے کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے دن خوب چڑھ گیا تھا کہ ایک جوان تشریف لائے اور آسمان کو دیکھ کر رُوبکعبہ کھڑے ہوگئے ذرا دیر میں ایک لڑکے تشریف لائے وہ اُن کے دہنے ہاتھ پر قائم ہوئے تھوڑی دیر میں ایک بی بی تشریف لائیں وہ پیچھے کھڑی ہُوئیں پھر جوان نے رکوع فرمایا تو یہ دونوں رکوع میں گئے پھر جوان نے سر مبارک اُٹھایا تو ان دونوں نے اُٹھایا جوان سجدے میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حال پُوچھا کہا یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی اور یہ بی بی خدیجۃ الکبرٰی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، میرے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے اور اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہُوئے ہیں۔

اخرج ابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی التاریخ عن عفیف الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال: جئت فی الجاھلیۃ الٰی مکۃ، وانا ارید ان ابتاع لاھلی من ثیابھا وعطرھا، فاتیت العباس، وکان رجلا تاجرا، فانی عندہ جالس انظر الی الکعبۃ، وقدکلفت الشمس وارتفعت فی السماء فذھبت اذ اقبل شاب فنظر الی السماء ثم قام مستقبل الکعبۃ، فلم البث الا یسیرا حتی	ابنِ عدی نے کامل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں عفیف کندی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا، میں مکہ کے کپڑے اور عطر خریدنا چاہتا تھا اس لئے عباس کے پاس آیا کیونکہ وہ تجارت کیا کرتے تھے ابھی میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور سُورج خوب روشن تھا اور آسمان پر بلند ہوچکا تھا کہ اچانک ایک نوجوان آئے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر قبلہ رُو ہو کر کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکے آئے اور جوان کے دائیں طرف کھڑے ہوگئے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۵۷

جاء غلام فقام عن يمينه. ثم لم يلبث الا يسيرا حتى جاء ت امرأة فقامت خلفهما، فركع الشاب فركع الغلام والمرأة، فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأة، فسجد الشاب فسجد الغلام والمرأة، فقلت: ياعباس! امر عظيم، فقال: امرعظيم، تدرى من هذا الشاب؟ هذا محمد بن عبدالله، ابن اخى، تدرى من هذا الغلام؟ هذا على ابن اخى، تدرى من هذه المرأة؟ هذه خديجة بنت خويلد، زوجته۔ ان ابن اخى هذا حدثنى ان ربه، رب السمٰوٰت والارض، امره بهذا الدين۔ ولم يسلم معه غيره هؤلاء الثلثة[1]۔

فيه سعيد بن خيثم الهلالى، قال الازدى منكر الحديث عن اسد بن عبدالله العسرى عـه۔ قال البخارى:

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک خاتون آئیں اور دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئیں، جوان نے رکوع کیا تو لڑکے اور خاتون نے بھی رکوع کیا، وہ جوان رکوع سے کھڑے ہوئے تو وہ دونوں بھی کھڑے ہوگئے، جوان سجدے میں گئے تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ میں نے کہا: "اے عباس! یہ تو کوئی بڑا معاملہ ہے"۔ عباس نے کہا: "ہاں، بڑا معاملہ ہے، جانتے ہو یہ جوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے۔ جانتے ہو یہ لڑکا کون ہے؟ یہ علی ہے میرا بھتیجا۔ جانتے ہو یہ خاتون کون ہے؟ یہ خدیجہ بنتِ خویلد ہے، جوان کی بیوی۔ میرے اس بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے رب نے، جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، اس کو اِس دین کا حکم دیا ہے، اور ابھی ان تین کے علاوہ کسی نے اس دین سے اتفاق نہیں کیا ہے۔

اس میں ابن خثیم ہلالی ہے۔ ازدی نے کہا ہے کہ سعید، اسد ابن عبداللہ العسری سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے بخاری نے کہا:

عـه هكذا فى الاصل بخط الناسخ وكتب عليه بعض المصححين لعله العنبرى اقول الصحيح القسرى والعسرى ليس بشيئ عثرنا عليه قط فى الانساب وهو اسد بن عبدالله بن يزيد بن البجلى اخو خالد القسرى بفتح القاف وسكون المهملة فى حديثه لين

اصل کتاب میں کاتب کا لکھا ہُوا اسی طرح ہے، **بعض** تصحیح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ شاید العنبری ہو **اقول:** (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک یہ لفظ القسری ہے العسری کوئی لفظ نہیں۔ انساب میں ہم اس پر اصلاً مطلع نہ ہوسکے، یہ اسد بن عبداللہ بن یزید بن البجلی خالد القسری کے بھائی ہیں قاف پر زبر اور سین (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ایاس بن عفیف الکندی مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ شیخوپورہ ۴۱۰/۱

لایتابع علی حدیثه۔	اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

اور دعوی اختصاص امت پر آیہ کریمہ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩﴿۲۴﴾[1] (اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے تو اس نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور رکوع میں گرگیا اور انابت اختیار کی۔ت) کے ورود میں اگر تامل بھی ہو فان کثیرا منهم فسروا ههنا الرکوع بالسجود وان قال الحسین بن الفضل ان معناه خر بعد ماکان راکعا ای سجد (کیونکہ بہت سے علماء نے یہاں رکوع سے سجود مراد لیا ہے، اگرچہ حسین ابن فضل نے کہا ہے کہ "گرگیا" کا معنٰی یہ ہے کہ رکوع کے بعد گرگیا یعنی سجدے میں چلاگیا۔ت) تو آیہ کریمہ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾[2] (اے مریم! عاجزی اختیار کرو اپنے رب کے رُوبرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ت) ظاہرۃ الورود ہے۔ معالم میں ہے:

انما قدم السجود علی الرکوع لانه کذلك کان فی شریعتهم، وقیل: بل کان الرکوع قبل السجود فی الشرائع کلها، ولیس الواو للترتیب	کہا گیا ہے کہ یہاں سجدے کا ذکر رکوع سے پہلے اس لئے ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا اور بعض نے کہا ہے کہ رکوع تمام شریعتوں میں سجدے سے پہلے تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من الخامسة مات سنة مائة وعشرین روی عن ابیه وعن یحیی بن عفیف وروی عنه سعید بن خیثم وسلم بن قیتبة وسلیمان بن صالح سلمویه وکان امیر اعلی خراسان جوادا ممدوحا قال البخاری یتابع فی حدیثه کذافی التقریب وتهذیب التهذیب ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرله	پر جزم ہے اس کی حدیث میں کمزوری ہے پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ایک سو بیس ۱۲۰ ہجری میں ان کا وصال ہوا انہوں نے اپنے والد اور یحیٰی بن عفیف الکندی سے روایت کی ہے اور ان سے سعید بن خیثم وسلم بن قتیبہ اور سلیمان بن صالح سلمویہ نے روایت کی ہے یہ خراسان کے امیر تھے بڑے سخی اور لائقِ تعریف تھے۔ بخاری کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت کی گئی جیسا کہ التقریب والتہذیب میں ہے ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن ۳۸/ ۲۴

[2] القرآن سورۃ آل عمران ۳ آیت ۴۳

بل للجمع[1]۔	اور واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ جمع کیلئے ہے۔ (ت)

اقول یہاں اگرچہ تاویل رکوع بخشوع ممکن مگر حدیثِ شبِ معراج:

ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین مابین قائم و راکع وساجد[2] رواہ الحسن بن عرفة وابونعیم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے نبیوں کو جانا کہ کچھ قیام میں ہیں کچھ رکوع میں اور کچھ سجود میں۔ اس کو حسن ابن عرفہ اور ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

جس میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مسجدِ اقصٰی میں تشریف فرما ہُوئے انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام کو ملاحظہ فرمایا کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجود میں نص مفسر غیر قابل التاویل ہے۔

فانه یفید التقسیم، ولایجوز ان یکون الخشوع قسیما للقیام والسجود۔ فاندفع ماذکر العلامة الزرقانی ھٰهنا حیث قال تحت قوله مابین قائم وراکع، ای خاشع کخشوع الراکع، فلایرد ان الرکوع من خصائص الامة[3] الٰی اٰخر ماقدمنا نقله ورأیتنی، کتبت علی ھامشه، ماحاصله ان فیه مثل ماقدمنا عن الزرقانی نفسه ان النص یحمل علی حقیقته الشرعیة مهما امکن، وقد امکن، و اختصاص ھذہ الامة من بین الامم، لاینفی صدور الرکوع من الانبیاء علیهم الصّلاۃ والسلام، لاسیما بعد الوفاۃ؛ لاسیما بعد ماظهرت شریعة نبی الانبیاء صلی اللّٰه	کیونکہ یہ تقسیم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ خشوع، قیام اور سجود کے بالمقابل ایک قسم ہو۔ اس سے مسترد ہوگئی وہ بات جو علّامہ زرقانی نے یہاں ذکر کی ہے۔ انہوں نے "کچھ قیام میں" "کچھ رکوع میں" کی شرح کرتے ہُوئے کہا ہے "یعنی اس طرح خشوع کرنے والے جس طرح رکوع کرنے والا کرتا ہے" اب یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا کہ رکوع اس امت کی خصوصیات سے ہے...... آخر تک، جیسا کہ ہم پہلے زرقانی سے نقل کرچکے ہیں۔ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں بھی وہی خامی ہے جو ہم زرقانی ہی سے نقل کرچکے ہیں کہ نص جہاں تک ہوسکے اپنی شرعی حقیقت پر حمل کی جائے گی، اور (یہاں شرعی حقیقت

---

[1] تفسیر معالم التنزیل تفسیر سورہ آل عمران مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۷
[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۶/ ۵۶
[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۶/ ۵۷

تعالٰی علیه وعلیهم وسلم ونسخت شرائعهم عن اٰخرها۔ وقِرانه بقیام وسجود ادلُ دلیل علی ان المراد الرکوع الشرعی۔ وکیف یحمل علی اللغوی وهو الخشوع، مع انه قسم بینهم القیام والرکوع والسجود، اَفَتَری قائمهم وساجدهم غیر خاشع؟ اهـ ما کتبت علیه۔

ثمّ اقول: الحدیث ان دلّ علی خلوصلاة بنی اسرائیل عن الرکوع، کان ادل علی خلوصلاة الامة الابرهیمیة عنه، فان ملتنا هذه هی الملة الابرهیمیة، مع ان الله تعالٰی یقول

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ
طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾[1]

وقال تعالٰی

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ
بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

[2]۔ وادعاء ان المراد بالرکع الامة المحمدیة خاصة واضح البعد۔ صلی الله تعالٰی علی الجیب واٰله وامته و

مراد لینا) ممکن ہے۔ اور باقی امتوں میں سے اس امت کا رکوع کے ساتھ خاص ہونا، اس بات کے منافی نہیں ہے کہ انبیاء سے رکوع کا صدور ہوتا رہا ہے، خصوصًا ان انبیاء کے وصال کے بعد، خصوصًا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ظاہر ہونے اور باقی انبیاء کی شریعتیں یکسر منسوخ ہونے کے بعد۔ اور حدیث میں رکوع کا قیام اور سجود کے ساتھ مذکور ہونا، واضح دلیل ہے کہ یہاں شرعی رکوع مراد ہے۔ لغوی رکوع یعنی خشوع مراد ہو بھی کیسے ہوسکتا ہے جبکہ انبیاء کیلئے تین ۳ قسم کی عبادات مذکور ہیں یعنی قیام، رکوع اور سجود۔ کیا تمہارے خیال میں جو انبیاء قائم یا ساجد تھے وہ خشوع کرنے والے نہیں تھے؟ میں نے جو کچھ حاشیہ میں لکھا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں کہ (حضرت علی والی) حدیث اگر اس پر دال ہے کہ بنی اسرائیل کی نمازیں رکوع سے خالی تھیں تو ملتِ ابراہیمیہ کی نمازوں کے رکوع سے خالی ہونے پر بطریقِ اولٰی دال ہوگی کیونکہ ہماری ملّت تو ملتِ ابراہیمی ہی ہے باوجودیکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور عہد کیا ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کی طرف کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھو"۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے "اور جب ٹھکانا بنادیا ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ کو کہ نہ شریک ٹھہراؤ میرے ساتھ کسی کو اور میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لئے،

---

[1] القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۲۵

[2] القرآن سورہ الحج ۲۲ آیت ۲۶

بارك وسلّم۔	قیام کرنے والوں کیلئے اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے۔ اور یہ دعوٰی کرنا کہ رکوع کرنے والوں سے مراد صرف امتِ محمدیہ ہے واضح طور پر بعید ہے صلی اللہ علی الحبیب وآلہٖ وامتہٖ وبارک وسلم۔ (ت)

بالجملہ مدارکار صحت حدیث مذکور طبرانی وبزار پر ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ معراج شریف سے پہلے کی نمازیں بلکہ ایک نماز بعد کی بھی بے رکوع تھی ورنہ ظاہر احادیث یہی ہے کہ نماز سابق ولاحق باہم یکساں ومتوافق ہیں۔

هذا كله ماظهر لی، والعلم بالحق عند ربی، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم، وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	یہ سب کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور حق کا علم میرے رب کو ہے، اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر علم رکھنے والا ہے اور اسی کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ (۲۵۱) اس بنارس محلّہ کتواپورہ۔ مرسلہ مولوی حاجی محمد رضا علی صاحب ماہِ رمضان ۱۳۰۸ھ

سوال:

خلاصہ فتوائے مولوی صاحب موصوف کہ بطلب تصدیق نزد فقیر فرستادند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک اشتہار جو چھاپا گیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ نامی بماہ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ شبِ جمعہ روضہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بیٹھے تھے اُن کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونگھ میں باتیں کیں جب آنکھ کھلی سب مضمون اشتہار کاغذ پر لکھا قبر شریف پر دھرا تھا اور بہت باتیں اُس میں مکتوب میں درباب اس اشتہار کے کیا ارشاد ہے۔ **بینوا ایها العلماء رحمکم الله۔**

الجواب وھو العلیم:

کہتا ہے فقیر محمد رضا علی البنارسی الحنفی اُس میں جو علامات قیامت لکھے ہیں بے شک علامات صغرٰی سب اس زمانہ میں موجود ہیں اور اسلام میں ضعف خصوصًا ہندوستان میں اللہ تعالٰی سب مسلمانوں کو اور فقیر کو توبہ نصیب کرے مگر اشتہار میں جو لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب یا اونگھ

میں فرمایا علماء کتب معتبرہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی کہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں ایسا فرمایا اگر قائل فاسق ہے تو بلاشک کاذب ہے اور متقی ہے تو دیکھیں گے کہ یہ حکم جو یہ شخص پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتا ہے اگر برابر ہے قرآن وحدیث اور نصوص قطعیہ شرعیہ اور فقہ کے تو یہ قول بھی واجب الاذعان اور واجب الاتباع ہے اور اگر مخالف ہے ہرگز معتبر اور واجب الاتباع نہیں کیونکہ جو کلمہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیداری میں صحابہ کرام سے فرمایا اور متواتر منقول ہے اُسی کا اعتبار کریں گے مخالف کو اَضغاث احلام شمار کریں گے ورنہ تعارض آپ کے کلام میں لازم آئے گا۔

کذا ذکرہ الملا علی قاری فی المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ وفی الحرز الثمین والعارف بن ابی جمرۃ الاندلسی المالکی فی بھجۃ النفوس شرح مختصر صحیح البخاری والشھاب احمد الخفاجی الحنفی فی نسیم الریاض وغیرھم فی کتبھم۔	اسی طرح ذکر کیا ہے ملّا علی قاری نے "المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمہ" اور "الحرز الثمین" میں۔ اور عارف ابن ابی جمرہ اندلسی نے "بہجۃ النفوس" میں جو کہ مختصر صحیح بخاری کی شرح ہے اور شہاب احمد خفاجی حنفی نے "نسیم الریاض" میں، اور دیگر علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں۔ (ت)

اور بھی فرمایا اللہ تعالٰی نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ [1]۔ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے) کلامِ الٰہی اور کلام رسالت پناہی بعد اکمال کے اب منسوخ نہیں ہوسکتا الغرض کذب اس اشتہار کا کئی طور سے معلوم ہوتا ہے واللہ العلیم الخبیر (اور اللہ علم اور خبر والا ہے) اُس میں لکھا ہے تارک الصلاۃ پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں، غسل نہ دیں، قبرستانِ اہلِ اسلام میں نہ دفن کریں، اُس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، عیادت نہ کریں۔ یہ سب مسائل خلافِ قرآن اور حدیث اور فقہ کے ہیں، خلاف اہلِ سنّت کے ہیں، خوارج سے ملتے ہوئے ہیں، ہمارے مذہب اہل سنّت میں ترک نماز گناہِ کبیرہ ہے اور ترک فرض اور ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوسکتا، ہاں کبیرہ کو کبیرہ نہ جانے تو بلاشک کافر ہے، منکر نصوصِ قطعیہ کا بلاشک کافر ہے، اور کلمہ گو کو غسل نہ دینا، نمازِ جنازہ نہ پڑھنا، مقابرِ اہلِ اسلام میں دفن نہ کرنا نہایت مذموم اور بڑے فساد اور بڑی اہانت کی بات ہے۔ اور تارک الصلاۃ کے کفر واسلام کا بحث درمیان ائمہ اربعہ کے معلوم ہے ہمارے امام اعظم تارک الصلاۃ کو کافر نہیں کہتے فاسق کہتے ہیں اور اس کو ادلہ شرعیہ سے ثابت کرتے ہیں اور مراد کُفر سے تعذیب مثل کفار کے ہے۔

کذا فی شرح الفقہ الاکبر [2] لملّا علی قاری	ملّا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں،

---

[1] القرآن سورۃ المائدۃ ۵ آیت ۳

[2] شرح الفقہ الاکبر لملّا علی قاری المعاصی تضر مرتکبہا الخ مصطفی البابی مصر ص ۷۷

ومیزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ وشرح الشیخ عبدالحق للمشکٰوۃ وغیرھا من الکتب المعتبرات۔	امام شعرانی کی میزان میں، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ میں، شیخ عبدالحق کی شرح مشکٰوۃ میں اور دوسری معتبر کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے۔ (ت)

اور نماز جنازہ تارک الصلاۃ پر چاہیے۔ قال اللہ تعالٰی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا[1] (اور نہ نماز پڑھئے ان میں سے کسی ایک پر جو مر جائے، کبھی بھی۔) اس آیت میں منع صلاۃ اُوپر کافر کے ہے نہ مومن کے اور تارک الصلوٰہ کو قبرستان مسلمانوں میں دفن کرنا چاہئے کذافی شرح المشکٰوۃ لعبد الحق الدھلوی وتکمیل الایمان (عبدالحق دہلوی کی شرح مشکٰوۃ میں اور تکمیل الایمان میں اسی طرح ہے) اور تارک الصلاۃ نجس نہیں اُس کے ساتھ بیٹھ کر دوسرے برتن میں کھانے میں کیا قباحت ہے، اور عیادت تارک الصلاۃ کی کیسے ممنوع ہوگی جبکہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیادت یہود کی کی ہے خصوصًا واسطے تالیف قلوب کے بلاشک جائز ہے کذافی الحدیث وتحقیق ھذہ المسئلۃ فی المشکٰوۃ[2] والصحاح الستۃ وشروحھا (حدیث میں اسی طرح ہے، اور اس مسئلے کی تحقیق صحاح ستّہ اور ان کی شروح میں ہے) بالجملہ نزدیک فقیر کے کل وصیت نامہ پر لوگ عمل کریں اور اللہ سے ڈریں مگر جو مسائل مخالف فقہ اور نصوص قطعیہ کے ہیں اُس پر ہرگز عمل نہ کریں ورنہ ثواب کے عوض میں عذاب ہاتھ آوے گا۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اھدنا الصراط المستقیم الٰی اٰخر السورۃ۔ ۲۰ شعبان ۱۳۰۸ھ	اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے۔ تُو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے، ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے کی۔ آخر سورۃ تک۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الفقیر عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالٰی لہ ولاسلافہ وبارك فیہ	کہتا ہے فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، بریلوی، اللہ تعالٰی اس کو اور اس کے اسلاف کو بخشے اور اس کو اور اس کے

---

[1] القرآن سورہ التوبہ ۹ آیت ۸۴

[2] مشکٰوۃ المصابیح باب عیادۃ المریض الفصل الاول مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۳۴

وفی اخلافه۔ اٰمین!	اخلاف کو برکت عطا فرمائے۔ آمین!

حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا اگرچہ بلاشبہہ حق ہوتا ہے یہ خواب کبھی اضغاث احلام سے نہیں ہوتی۔ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لایتمثل بی[1]۔ رواہ احمد والبخاری والترمذی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھی کو دیکھا کہ شیطان میری مثال بن کر نہیں آسکتا۔ (م) اس کو احمد، بخاری اور ترمذی نے انس ابن مالک سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم:

من رأنی فقدرأی الحق فان الشیطان لایتریأبی[2]۔ رواہ احمد والشیخان عن ابی قتادة رضی الله تعالٰی عنه والاحادیث فی هذا المعنی متواترة۔	جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری وضع نہ بنائے گا۔ (م) اس کو احمد اور بخاری ومسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس مفہوم کی احادیث متواتر ہیں۔ (ت)

مگر ازانجا کہ حالتِ خواب میں ہوش وحواس عالم بیداری کی طرح ضبط وتیقظ پر نہیں ہوتے، لہٰذا خواب میں جو ارشاد سُنے مثل سماع بیداری مورث یقین نہیں ہوتا اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جو ارشادات بیداری میں ثابت ہوچکے اُن پر عرض کریں اگر اُن سے مخالف نہیں فبها سواء وجد مطابقة الصریح اولا (خواہ صراحۃً مطابقت ہو یا نہ۔ ت) ایسی حالت میں اس کا ارشاد ماننا چاہئے اور مخالف ہے تو یقین کریں گے کہ صاحبِ خواب کے سُننے میں فرق ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حق فرمایا اور بوجہ تکدر حواس کہ اثرِ خواب ہے اُس کے سُننے میں غلط آیا جیسے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے میکشی کا حکم دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا حضور نے میکشی سے نہی فرمائی تیرے سُننے میں اُلٹی آئی، اس امر میں فاسق ومتقی برابر ہیں، نہ متقی کا سماع واجب الصحۃ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رأنی فی المنام الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۵۲/۲

[2] صحیح البخاری باب من رای النبی فی المنام، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۳۶/۲

نہ فاسق کا بیان یقینی الکذب بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا پھر کافہ اہلسنت وجماعت کا اجماع قطعی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں۔

قال الله عزوجل وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا[1]۔ وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر[2]۔ وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شفاعتی لاهل الکبائر من امتی[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "اور اگر مؤمنوں کی دو ۲ جماعتیں لڑ پڑیں"۔(ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگرچہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے، خواہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہوجائے"۔(ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں"۔(ت)

بلکہ مذہبِ معتمد و محقق میں استحلال بھی علی الاطلاق کفر نہیں جب تک زنا یا شربِ خمر یا ترک صلاۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے نہ ہو غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کماحققه العلماء المحققون من الائمة المتکلمین (جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے۔ت) ولہذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت وقد فصل القول فی ذلك سیدنا العلامة الوالد رضی الله تعالٰی عنه فی بعض فتاوٰه (اس موضوع پر سیدنا علامہ والد ماجد رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض فتاوٰی میں مفصل گفتگو کی ہے۔ت) بالجملہ اس قدر پر تو اجماعِ اہلِ سنّت ہے کہ ارتکابِ کبیرہ کفر نہیں بااینہمہ تارک الصلاۃ کا کفر واسلام سے ہمارے ائمہ کرام میں مختلف فیہ **اقول**: وبالله التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اگرچہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بعض ماجاء بہ من عندربہ جل وعلا کا نام ہے اور تکذیب صفت قلب مگر جس طرح

---

[1] القرآن سورۃ الحجرات ۴۹ آیت ۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الاول مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۴

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۱۳

اقوالِ مُکفرہ اس تکذیب پر علامت ہوتے اور اُن کی بنا پر حکمِ کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اُس کی امارت اور حکمِ تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔

كالقاء المصحف فی القاذورات والسجود للصنم وقتل النبی والزنا بحضرته وکشف العورة عند الاذان وقراء ة القراٰن علی جهة الاستخفاف وکل مادل علی الاستهزاء بالشرع اوالازدراء به۔	جیسا کہ قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا، بُت کے لئے سجدہ کرنا، نبی کو قتل کرنا، اس کے رُوبرو زنا کرنا، اذان سُن کر شرمگاہ کو ننگا کرنا، قرآن کو تحقیر کے انداز میں پڑھنا، اس کے علاوہ ہر وہ عمل جو شریعت کے ساتھ استہزاء واہانت پر دلالت کرے۔ (ت)

یہ حکم اُس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفسِ فعل من حیث ہو مبنائے تکفیر نہیں بلکہ **من حیث کونه علما علی الجحود الباطنی والتکذیب القلبی، والعیاذ باللّٰه تعالٰی منه** (اس لحاظ سے کہ یہ باطنی انکار اور قلبی تکذیب کی علامت ہے **والعیاذ باللّٰه**۔ ت) صدرِ اول میں ترکِ نماز بمعنے کف بھی کہ حقیقةً فعل من الافعال ہے اسی قبیل سے گنا جاتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

كان اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لایرون شیئا من الاعمال ترکه کفرًا غیر الصّلاة[1]۔ رواه الترمذی والحاکم وقال صحیح علی شرطهما وروی الترمذی عن عبداللّٰه بن شقیق العضلی مثله۔	اصحابِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے۔ (م) اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی، اور کہا ہے کہ یہ بخاری ومسلم کی شروط کے مطابق ہے، اور ترمذی نے عبداللہ ابن شقیق عضلی سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ (ت)

ولہٰذا بہت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تارک الصلاۃ کو کافر کہتے سیدنا امیر المومنین علی مرتضٰی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں: **من لم یصل فهو کافر**[2] (جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ م) رواہ ابن ابی شیبة والبخاری فی التاریخ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: **من ترك الصلاة فقد کفر**[3] (جس نے نماز چھوڑی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلاۃ الفصل الثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۹

[2] الترغیب والترہیب من ترک الصلاۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵

[3] الترغیب والترہیب من ترک الصلاۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۶

وہ بیشک کافر ہوگیا۔م) رواہ محمد بن نصر المروزی و ابو عمر بن عبدالبر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: من ترك الصلاۃ فلادین له [1] (جس نے نماز ترک کی وہ بے دین ہے۔م) رواہ المروزی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: من لم یصل فھو کافر [2] (بے نماز کافر ہے۔م) رواہ ابو عمر۔ ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: لا ایمان لمن لاصلاۃ له [3] (بے نماز کیلئے ایمان نہیں۔م) رواہ ابن عبدالبر۔ ایضًا امام اسحٰق فرماتے ہیں:

صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تارك الصلاۃ کافر وکذلك کان رأی اھل العلم من لدن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تارك الصلاۃ عمدا من غیر عذر حتی یذھب وقتھا کافر [4]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہُوا کہ حضور نے تارک الصلاۃ کو کافر فرمایا اور زمانہ اقدس سے علما کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصدًا بے عذر نماز ترک کرے یہاں تک کہ وقت نکل جائے وہ کافر ہے۔(م)

اسی طرح امام ایوب سختیانی سے مروی ہوا کہ ترك الصلاۃ کفر لایختلف فیه [5] (ترک نماز بے خلاف کفر ہے۔م)

ابن حزم کہتا ہے:

قدجاء عن عمرو عبدالرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی ھریرۃ وغیرھم من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم ان من ترك صلاۃ فرض	امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرہ وحضرت معاذ بن جبل امام العلماء وحضرت ابوہریرہ حافظ الصحابہ وغیرہم اصحاب سید المرسلین

---

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۸۵

[2] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۸۵

[3] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۸۶

[4] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۸۶

[5] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۸۶

واحد متعمدا حتی یخرج وقتھا فھو کافر مرتد، ولایعلم لھؤلاء مخالف[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم اجمعین سے وارد ہوا کہ جو شخص ایک نمازِ فرض قصداً چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے وہ کافر مرتد ہے۔ ابنِ حزم کہتا ہے اس حکم میں ان صحابہ کا خلاف کسی صحابی سے معلوم نہیں۔ م) انتہی۔

اور یہی مذہب حکم بن عتیبہ وابوداؤد طیالسی وابوبکر بن ابی شیبہ وزہیر بن حرب اور ائمہ اربعہ سے حضرت سیف السنۃ امام احمد بن حنبل اور ہمارے ائمہ حنفیّہ سے امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ حضرت امام اعظم اور ہمارے امام کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعی وغیرہم ائمہ دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

ذکر کل ذلك الامام الحافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیه۔	یہ سب امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

اور اسی کو جمہور ائمہ حنبلیہ نے مختار ومرجح رکھا، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

عند احمد فی الروایۃ المکفرۃ انه یقتل کفرا، وھی المختارۃ عند جمھور اصحابه، علی ماذکرہ ابن ھبیرۃ[2]۔	امام احمد اپنی تکفیر والی روایت کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ یہی روایت ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے بیان کیا ہے۔ (ت)

اور بیشک بہت ظواہر نصوص شرعیہ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ علٰی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ اس مذہب کی مؤید،

کمافصل جملۃ منھا خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی الکتاب المستطاب، الکلام الاوضح فی تفسیرا لم نشرح، وفی سرور القلوب فی ذکر المحبوب، وفی جواھر البیان فی اسرار الارکان وغیرھا من تصانیفه النقیۃ العلیۃ الرفیعۃ الشان، اعلی اللہ تعالٰی درجاته فی غرفات الجنان، اٰمین!	جیسا کہ ان میں سے کچھ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، خاتم المحققین سیدنا والد ماجد نے اپنی عمدہ کتاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح میں، اور اسرار القلوب فی ذکر المحبوب میں، اور جواھر البیان فی اسرار الارکان میں اور اپنی دیگر ستھری، بلند مرتبہ وعالی شان کتابوں میں۔ اللہ تعالٰی جنت کے بالا خانوں میں ان کے درجے بلند فرمائے، آمین!

---

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۹۳

[2] حلیۃ المحلی

بالجملہ اس قول کو مذاہب اہلسنت سے کسی طرح خارج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک جِم غفیر قدمائے اہلسنت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مذہب ہے اور بلاشبہہ وہ اُس وقت وحالت کے لحاظ سے ایک بڑا قوی مذہب تھا صدر اول کے بعد جب اسلام میں ضعف آیا اور بعض عوام کے قلب میں سُستی وکسل نے جگہ پائی، نماز میں کامل چُستی ومستعدی کہ صدر اول میں مطلقًا ہر مسلمان کا شعار دائم تھی اب بعض لوگوں سے چھُوٹ چلی وہ امارت مطلقہ وعلامت فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی لہٰذا جمہور ائمہ نے اُسی اصل اجماعی مؤید بدلائل قاہرہ آیات متکاثرہ واحادیث متواترہ پر عمل واجب جانا کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیّہ وائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ اور ایک جماعت ائمہ حنبلیہ وغیرہم جماہیر علمائے دین وائمہ معتمدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے کہ اگرچہ تارک نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے اس کی رُو سے یہ مذہب مہذب حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مجمع علیہ ہے، حلیہ میں فرمایا:

ذھب الجمھور، منھم اصحابنا ومالك والشافعی واحمد فی روایة، الی انه لایکفر۔ ثم اختلفوا فی انه ھل یقتل بھذا الترک؟ فقال الائمة الثلاثة، نعم، ثم ھل یکون حدًا اوکفرًا؟ فالمشھور من مذھب مالک، وبه قال الشافعی، انه حد۔ وکذا عند احمد فی ھٰذہ الروایة الموافقة للجمھور فی عدم الکفر[1]۔	جمہور، جن میں ہمارے علماء بھی شامل ہیں اور مالک وشافعی اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی، کی رائے یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائیگا۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو تین اماموں نے کہا ہے کہ ہاں (قتل کیا جائے گا) پھر یہ قتل بطور حد ہوگا یا کفر کی وجہ سے؟ تو مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بطور حد ہوگا۔ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور احمد بھی، اپنی اس روایت کے مطابق جو جمہور کے موافق ہے، یعنی عدمِ کفر والی روایت۔ (ت)

اور اس طرف بحمد اللہ نصوص شرعیہ سے وہ دلائل ہیں جن میں اصلًا تاویل کو گنجائش نہیں بخلاف دلائل مذہب اول کہ اپنے نظائر کثیرہ کی طرح استحلال واستخفاف وجحود وکفران وفعل مثل فعل کفار وغیرہا تاویلات کو اچھی طرح جگہ دے رہے ہیں یعنی فرضیتِ نماز کا انکار کرے یا اُسے ہلکا اور بے قدر جانے یا اُس کا ترک

---

[1] حلیۃ المحلی

حلال سمجھے توکافر ہے یا یہ کہ ترک نماز سخت کفرانِ نعمت وناشکری ہے۔

کماقال سیدنا سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ۭ[1]۔	جیسا کہ سیدنا سلیمٰن علیہ السلام نے فرمایا "تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزار بنتا ہوں یا ناشکرا"

یا یہ کہ اُس نے کافروں کاساکام کیا،

الی غیر ذلك مماعرف فی موضعه۔ومن الجادة المعروفة ردالمحتمل الی المحکم، لاعکسه، کمالایخفی، فیجب القول بالاسلام۔	اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں جن کی تفصیل ان کے مقام پر ملے گی، اور معروف راستہ یہی ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف لوٹایا جائے، نہ کہ اس کا اُلٹ، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لئے اسلام کاہی قول کرناپڑے گا۔(ت)

ادھر کے بعض دلائل حلیہ وغیرہا میں ذکر فرمائے ازانجملہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد** (پانچ نمازیں خدا نے بندوں پر فرض کیں) **الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یأت بھن فلیس له عندالله عهد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة**[2] (جو اُنہیں نہ پڑھے اس کے لئے خدا کے پاس کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اُسے عذاب فرمائے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے) رواہ الامام مالك وابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحه (اسے امام مالک، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ت) یہ حدیث اُس کے اسلام پر نص قاطع ہے کہ اگر معاذاللہ کافر ہوتا تو اس کے کہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ دوسری حدیث میں ہے حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدواوین ثلثة، فدیوان لایغفرالله منه شیأ، ودیوان لایعبؤ الله به شیأ، ودیوان لایترك الله منه شیأ، فاما الدیوان الذی لایغفرالله منه شیئا فالاشراك بالله، واما الدیوان الذی لایعبؤ الله به	دفتر تین[3] ہیں، ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تبارک وتعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا، وہ دفتر جس میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گا دفتر کفر ہے اور وہ جس کی اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کو کچھ پرواہ نہیں

---

[1] القرآن، سورہ النمل ۲۷، آیت ۴۰

[2] سنن النسائی باب المحاقظة علی الصلوات الخمس نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/ ۸۰

شیئاً فظلم العبد نفسه فیما بینه وبین ربه، من صوم یوم ترکه اوصلاة ترکها، فان الله تعالٰی یغفر ذلك ان شاء متجاوز، واما الدیوان الذی لایترك الله منه شیئاً فمظالم العباد، بینهم القصاص لامحالة[1]۔ رواہ الامام احمد والحاکم عن اُم المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں مثلاً کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی کہ اللہ تعالٰی چاہے تو اُسے معاف کردے گا اور در گزر فرمائے گا، اور وہ دفتر جس میں سے کچھ نہ چھوڑے گا وہ حقوق العباد ہیں اُس کا حکم یہ ہے ضرور بدلہ ہونا ہے۔ (م) اسے امام احمد اور حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا (ت)

بالجملہ وہ فاسق ہے اور سخت فاسق مگر کافر نہیں وہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے ائمہ ثلٰثہ مالک وشافعی واحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں اُسے قتل کیا جائے۔ ہمارے ائمہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک فاسق فاجر مرتکب کبیرہ ہے اُسے دائم الحبس کریں یہاں تک کہ توبہ کرے یا قید میں مرجائے امام محبوبی وغیرہ مشایخ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ اتنا ماریں کہ خُون بہادیں پھر قید کریں یہ تعزیرات یہاں جاری نہیں لہٰذا اُس کے ساتھ کھانا پینا میل جول سلام کلام وغیرہ معاملات ہی ترک کریں کہ یونہی زجر ہو اسی طرح بنظر زجر ترک عیادت میں مضائقہ نہیں یہودی کی عیادت فرمانی بنظرِ تالیف وہدایت تھی یہاں اس کی عیادت نہ کرنی بنظر زجر ہے، دونوں مقاصد شرعیہ ہیں۔ رہی نماز جنازہ وہ اگرچہ ہر مسلمان غیر ساعی فی الارض بالفساد کے لئے فرض ہے۔

وهذا منه، کقاتل نفسه، بل اولی فان قتل نفسه اشد من قتل مؤمن غیره، وقتل المؤمن اکبر عندالله من ترك الصلاة۔ وقد قال فی الدر: من قتل نفسه، ولو عمدا، یغسل ویصلی علیه، به یفتی، وان کان اعظم وزرًا من قاتل غیره[2]، قال فی	اور یہ انہی میں سے ہے جس طرح خود کشی کرنے والا۔ بلکہ بطریقِ اولٰی، کیونکہ خود کشی کرنا دوسرے مومن کو قتل کرنے سے زیادہ شدید جرم ہے اور مومن کو قتل کرنا نماز چھوڑنے سے بڑا گناہ ہے۔ اور درمختار میں کہا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کردے، خواہ جان بوجھ کر ہی، اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی،

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۲۴۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

ردالمحتار: به یفتی: لانه فاسق غیر ساعٍ فی الارض بالفساد، وان کان باغیا علی نفسه، کسائر فساق المسلمین۔ زیلعی[1]۔	اسی پر فتوٰی ہے، اگرچہ اس کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے والے سے بڑا ہے۔ شامی میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ یہ فاسق تو ہے مگر زمین میں فساد پھیلانے والا نہیں، اگرچہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، جس طرح باقی فاسق مسلمان۔ زیلعی۔ (ت)

مگر فرضِ عین نہیں فرض کفایہ ہے پس اگر علما وفضلا باقتدائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المدیون وفی قاتل نفسہ بغرض زجر وتنبیہ نماز جنازہ بے نماز سے خود جُدا رہیں کوئی حرج نہیں، ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ اصلاً کوئی نہ پڑھے یوں سب آثم وگنہگار رہیں گے، مسلمان اگرچہ فاسق ہو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے **الامن استثنی ولیس ھذا منھم** (مگر جو مستثنٰی ہیں، اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ت) نماز پڑھنا اس پر فرض تھا اور جنازہ کی نماز ہم پر فرض ہے اگر اُس نے اپنا فرض ترک کیا ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں

ھی فرض علی کل مسلم مات، خلا اربعة، بغاة، وقطاع طریق اذاقتلوا فی الحرب، ومکابر فی مصر لیلا، وخناق خنق غیر مرة[2]۔	نماز جنازہ ہر مسلمان کی فرض ہے، جبکہ وہ مرجائے۔ سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ لڑائی میں مارے جائیں، رات کو شہر میں غنڈہ گردی کرنیوالا اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کارروائی کی ہو۔ (ت)

اسی طرح غسل دینا، مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا **اماتنا اللہ تعالٰی علی الاسلام الصادق، انه رؤف رحیم، اٰمین۔ وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۵۲): ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۲ ہجریہ مقدسہ۔

جناب مولوی صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام علیک کے ملتمس ہُوں کہ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز کو چھوڑا اُس میں اور مشرک میں کچھ فرق نہیں، تو عرض یہ ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو اکثر لوگ بے نماز ہیں کیا وہ سب لوگ شرک میں داخل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جو کچھ آیت وحدیث کا اس بارہ میں حکم ہو تحریر فرمائیے تاکہ معلوم ہو۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبوعہ مجتبائی مصر ۱/۶۴۳

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی دہلی ۱/۱۲۲

الجواب:

بلاشبہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم میں اور مشرکوں میں فرق نماز کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو نماز کا تارک ہے وہ مشرکوں کے فعل میں اُن کا شریک ہے پھر اگر دل سے بھی نماز کو فرض نہ جانے یا ہلکا سمجھے جب تو سچّا مشرک پورا کافر ہے ورنہ اُس کا یہ کام کافروں مشرکوں کا سا ہے اگرچہ وہ حقیقۃً کافر مشرک نہ ٹھہرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۵۳): از جُوناگڑھ سرکل مدارالمہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۲۰ رجب ۱۳۱۶ھ

ایک واعظ برسرِ مجلس بیان کرتا ہے کہ جس شخص نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کی اس نے ستّر مرتبہ بیت اللہ میں اپنی ماں سے زنا کیا، مستفتی خوب جانتا ہے کہ بے نمازی سے بُرا اللہ کے نزدیک کوئی نہیں اور شرع شریف میں اس کیلئے وعید بھی سخت آئی ہے مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ الفاظ مذکورہ کتاب وسنّت واختلافِ ائمہ سے ثابت ہیں یا نہیں، بر تقدیر ثبوت نہ ہونے کے قائل کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

معاذاللہ کسی وقت کی نماز قصداً ترک کرنا سخت کبیرہ شدیدہ وجریمہ عظیمہ ہے جس پر سخت ہولناک جانگزا وعیدیں قرآنِ عظیم واحادیث صحیحہ میں وارد، مگر بدمذہب اگرچہ کیسا ہی نمازی ہو اللہ عزّوجل کے نزدیک سنی بے نماز سے بدرجہا بُرا ہے کہ فسقِ عقیدہ فسقِ عمل سے سخت تر ہے اور صرف گناہانِ جوارح میں کلام کیجئے تو مسلمان کو عمداً ناحق قتل کرنا ترک نماز سے سخت تر ہے اُس پر اگر احادیث میں حکم کفر ہے اس پر خود قرآن عظیم میں حکم **خلود فی النار** ہے[1] **والعیاذ باللہ تعالٰی۔** واعظ نے جو مضمون بیان کیا اس کے قریب قریب دربارہ سُور خوار احادیث مرفوعہ حضرت ابوہریرہ وحضرت اسود زہری خال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت براء بن عازب وحضرت عبداللہ بن سلام وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وآثار موقوفہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ابن ماجہ وابن ابی الدنیا وابن جریر وبیہقی وابن مندہ وابو نعیم وطبرانی وحاکم وابنِ عساکر وبغوی وعبدالرزاق کے یہاں مروی **وقد ذکرناھا بتخاریجھا فی کتاب البیوع من فتاوٰنا** (اس کو ہم نے تمام تخریجوں کے ساتھ اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں بیان کیا ہے۔ ت) مگر ان میں سے کسی میں بیت اللہ کا ذکر نہیں، البتہ ایک حدیثِ صحیح میں حطیم کعبہ کا ذکر ہے کہ ظنّاً زمینِ کعبہ ہے نہ یقیناً، اُس میں ماں کا لفظ نہیں۔ امام احمد وطبرانی عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] القرآن ۹۳/۴

بسندِ صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

درھم ربا یاکله الرجل، وھو یعلم، اشد عندالله من ستة وثلثین زنیة فی الحطیم[1]۔	ایک درم سُود کا کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیمِ کعبہ میں چھتیس ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔ (م)

اور دربارہ ترک نماز اگرچہ اس سے سخت تر مذمت ارشاد ہوئی یہاں تک کہ احادیثِ مرفوعہ حضرت جابر بن عبداللہ وحضرت بریدہ اسلمی وحضرت عبادہ بن صامت وحضرت ثوبان وحضرت ابوہریرہ وحضرت عبداللہ بن عمرو حضرت انس بن مالک وحضرت عبداللہ بن عباس وآثار موقوفہ حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی وحضرت عبداللہ بن عباس وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت ابوالدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم میں احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وابنِ حبان وحاکم وطبرانی ومحمد بن نصر مروزی وہروی وبزار وابویعلٰی وابوبکر بن ابی شیبہ وتاریخ بخاری وابن عبدالبر وغیرہم کے یہاں ترک نماز پر صراحةً حکم کفر وبے دینی مروی **كما فصله الامام المنذری فی الترغیب** (جیسا کہ امام منذری نے ترغیب میں پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ت) مگر اس بارہ میں وہ الفاظ کہ واعظ نے ذکر کیے اصلاً نظر سے نہ گزرے، واعظ سے سند مانگی جائے اگر سند معتبر پیش نہ کرسکے تو بے ثبوت ایسے ادعا جہل فاضح ہیں اور گناہ واضح **والعیاذ بالله رب العٰلمین والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۵۴): از غازی پور محلّہ میاں پُورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک وقت کی نماز قضا کرنے سے بھی آدمی فاسق کہا جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جو ایک وقت کی نماز بھی قصداً بلاعذر شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرے فاسق ومرتکب کبیرہ ومستحق جہنم ہے والعیاذ باللہ تعالٰی **والله تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۵۵): از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث ۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بکر نے ایک عالم کے فرمانے سے مسلمانوں کے رُوبرو یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اُس کو حقّہ پانی نہ دیا جائے اور جتنے وقت کی نماز نہ پڑھے ایک پیسہ جرمانہ ہونا چاہئے۔ زید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طور کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

نماز پڑھوانی زینہ دوزخ کا ہے اس بارہ میں حکمِ شریعت کیا ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حقّہ پانی نہ دینے کی تجویز ٹھیک ہے اور مالی جرمانہ جائز نہیں۔ **لانه شیئ کان ونسخ کمابینه الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه الله تعالٰی** (کیونکہ یہ چیز پہلے تھی لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی تھی جیسا کہ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا ہے۔ت) مگر زید کا وہ کلمہ بہت بُرا اور سخت بیجا ہے **فان المصادرۃ المالیة تجوز عند الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه** (کیونکہ مالی جرمانہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ت) نماز پڑھوانا زینہ دوزخ نہیں بلکہ نہ پڑھنا۔ زید توبہ کرے **والله تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶: از علی گڑھ کالج کمرہ نمبر ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خان یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک مسلمانوں کے مدرسہ میں جہاں انگریزی تعلیم ہوتی ہے پنجگانہ نماز کی سخت تاکید ہے مسجد میں بعد ہر نماز کے ہر طالب علم کی حاضری ایک رجسٹر میں درج ہوتی ہے اور جو غیر حاضر پائے جاتے ہیں اُن پر جُرمانہ ہوتا ہے اس تشریح کے ساتھ کہ فجر، ظہر، عصر اور عشا کی غیر حاضری میں فی نماز دو۲ پیسے فی کس جرمانہ اور مغرب کی غیر حاضری میں فی کس ۲/ جرمانہ ہوگا، آیا یہ طریقہ نماز کی حاضری لینے اور جرمانہ کرنے کا کہاں تک ازروئے شرع جائز ہے اس لحاظ سے کہ طالب علم خصوصاً انگریزی کے نماز کی طرف شاید بوجہ اثر نئی روشنی کے رجوع نہ ہوں لہٰذا ضرورۃً اس قسم کی کارروائی مناسب ہے اور ایسا کیا جاسکنے میں چنداں حرج نہیں ہے آیا یوں صحیح ہے۔ فقط

الجواب:

تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاباخذ مال فی المذهب[1] **بحر۔**	مال لینے کا جرمانہ مذہب کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ بحر (ت)

اُسی میں ہے:

وفی المجتبٰی انه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2] **۔**	اور مجتبٰی میں ہے کہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ کردیا گیا۔ (ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[2] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

وافاد فی البزازیۃ، ان معنی التعزیر باخذ المال، علی القول بہ، امساك شیئ من مالہ عندہ مدۃ لینزجر، ثم یعیدہ الحاکم الیہ، لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ اولبیت المال، کمایتوھمہ الظلمۃ، اذلایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]	اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدّت کے لئے روک لینا تاکہ وہ باز آجائے، اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹادے، نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیت المال کیلئے، جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ شرعی بسبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے لئے روا نہیں۔ (ت)

ہاں وہ طلبہ جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے اُن کے وظیفہ سے وضع کرلینا جائز ہے **فانہ لیس اخذ شیئ من ملکھم بل امتناع تملیك شیئ منھم** (کیونکہ یہ ان کی ملکیت سے کوئی چیز لینا نہیں ہے بلکہ اس چیز کو ان کے ملک میں جانے سے روکنا ہے۔ ت) یا جو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہوں دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے جماعت قضا کی آج بغیر اتنی فیس دیے تم کو سبق نہ دیا جائیگا اور جو ماہوار فیس دیتے ہیں اُس مہینے تو اُن سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، دوسرے مہینے کے شروع پر اُن سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے میں تم نے اتنی جماعتیں قضا کیں آئندہ مہینے تمہیں تعلیم نہ دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو **وذلك لان الاجارۃ تنعقد شیئا فشیئا** (اور یہ اس لئے کہ اجارہ بتدریج منعقد ہوتا ہے۔ ت) یا یہ صورت ممکن ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم یا تھوڑی سی روشنائی یا کاغذ تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطور بیع ہو اُس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ قضائے جماعت کا اُن کے ذمّے ہوسکے مثلاً یہ قلم سات روپے کو ہم نے تمہارے ہاتھ بیع کیا اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہم اس سے جدا ایک وعدہ احسانی تم سے کرتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے میں بلاعذر صحیح شرعی کوئی جماعت قضا نہ کی تو سرماہ پر یہ زرِ ثمن تمام وکمال تمہیں معاف کردیں گے اس صورت میں بھی قضائے جماعت کی حالت میں وہ ثمن کل یا بعض اُن سے وصول کرلینا جائز ہوگا۔

ولایلزم فساد البیع بالشرط المعھود القائم مقام الملفوظ، لتقدم التصریح بنفیہ، و الصریح یفوق الدلالۃ[2]، کماافادہ الامام	اور شرط معہود سے، جو کہ ملفوظ کے قائم مقام ہو، بیع کا فاسد ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پہلے اس کی صراحۃً نفی ہوچکی ہے اور صراحت کو دلالت پر ترجیح حاصل ہے

---

[1] ردالمحتار باب التعزیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۱۹۵

[2] درمختار باب المہر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

قاضیخان فی فتاواہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ امام قاضیخان نے اپنے فتاوٰی میں افادہ کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از بشارت گنج مرسلہ فتح محمد صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا جہاز پر یا چلتی ریل گاڑی میں نماز کی بابت کیا حکم ہے اگر سنّت وفرض ونفل ادا کیے جائیں تو ہوتے ہیں یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

چلتے جہاز خواہ لنگر کیے ہوئے اور کنارے سے میلوں دُور ہو اُس پر نماز جائز ہے اور ناؤ اگر کنارے پر ٹھہری ہے اور جہاز کی طرح زمین پر نہیں بلکہ پانی پر ہے اور یہ اُتر کر کنارے پر نماز پڑھ سکتا ہے تو ٹھہری ہُوئی ناؤ میں بھی فرض اور وتر اور صبح کی سُنتیں نہ ہوسکیں گے اور چلتی ہوئی میں بدرجہ اولٰی نہ ہوں گے جیسے سیر دریا کے بجرے کنارے کنارے جاتے ہیں اور انہیں روک کر زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر اُتر کر کنارے پر نماز نہ پڑھ سکنا اپنی ذاتی معذوری سے ہے تو ہر نماز ہو جائے گی اور اگر کسی کی ممانعت کے سبب ہے تو پڑھ لے اور پھر پھیرے یہی حکم ریل کا ہے ٹھہری ہُوئی ریل میں سب نمازیں جائز ہیں اور چلتی ہوئی میں سنّتِ صبح کے سوا سب سنّت ونفل جائز ہیں مگر فرض ووتر یا صبح کی سنّتیں نہیں ہوسکتیں اہتمام کرے کہ ٹھہری میں پڑھے اور دیکھے کہ وقت جاتا ہے پڑھ لے اور جب ٹھہرے پھر پھیرے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۷تا۲۵۹: از گوری ڈاج نہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

زید پیکر اشیاءِ مسکرہ حالت حواس خمسہ وطہارت جسم وجامہ وعدم موجودگی بدبو کے مسجد میں نماز ادا کرتا ہے پس ان صورتوں میں نماز مقبول ہُوئی یا نہیں وحکم سکر کہاں تک مذہب امام ابو حنیفہ میں ہے۔

(۲) ایک شخص نے چار پیالے تاڑی پی اُسے نشہ نہیں ہُوا اور بدبُو بھی باقی نہیں نماز ادا کی ہوئی یا نہیں۔

(۳) نمازِ ظالم وربٰو خوار مقبول ہے یا نہیں؟ معاصیِ ربٰو خوار وشراب خور میں کسی قدر فرق ہے ونماز جنازہ ربٰو خوار، شراب خور وظالم مومنین کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

طبرانی نے بسند حسن سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شرب مسکرا ماکان لم تقبل له صلاة اربعین یوما[1]۔	جو کوئی نشہ کی چیز پیئے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔ (م)

مگر وعیدات سب مقید مشیت ہیں وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ[2] (اس سے (یعنی شرک سے) کم تر گناہ، جس کے چاہے بخش دے۔ ت) صورت مذکورہ میں صحتِ نماز واداے فرض میں شبہہ نہیں رہا قبول محلِ عدل میں اُس کی شرط عظیم ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾[3] (اللہ تعالٰی متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔ ت) اور مقامِ فضل حدث عن البحر بما شئت ولاحرج (سمندر کے جُود وسخا کے بارے میں جو چاہو بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ت) ہے، یہاں رب العزۃ نے حدیہ مقرر فرمائی ہے حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ[4] (یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ کہہ رہے ہو۔ ت) جب حالت یہ ہو اور شرائط مجتمع، تو زید سے عدمِ قبول پر جزم جہل وجرات علی اللہ ہے جیسے عمرو غیر شارب سے قبول پر اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾[5] (کیا تم اللہ پر افترا کرتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ ت) ہاں اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ شارب کی نماز چالیس ۴۰ دن قبول نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا، خالص زید پر حکم باطل ہی ہے جیسے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾[6] (گواہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ت) یوں کہنا جائز کہ ظالم ملعون ہیں اور یہ کہنا حرام کہ زید پر لعنت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ دوم:

نماز بلاشبہہ ہو گئی استجماع شرائط وارتفاع موانع کے بعد جواز پر دلیل طلب کرنا جہالت ہے، جو کہے نہ ہُوئی وہ دلیل دے۔ یہ جہل ومکابرہ وہابیہ کا شیوہ ہے کہ قائلِ جواز سے دلیل طلب کریں اور حرام کہنے کے لئے دلیل کی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ سوم: قبولِ نماز کا جواب جواب اوّل اور فرضیت عـــہ۱ نماز جواب عـــہ۲ سوم سے واضح ربا وشراب دونوں حرام وگناہِ کبیرہ ہیں خمر اُم الخبائث ہے کہ اسے پی کر جو بھی ہو تھوڑا ہے تو ربا میں حق العبد بھی ہے

عـــہ۱: یعنی اس کے جنازہ کی نماز کی فرضیت ۱۲ (م) عـــہ۲: یہ سائل کے سوال کے اعتبار سے سوم ہے جو ذبائح میں منقول ہوا ہے۔ (م) ط

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۶۷۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۵۴/۷

[2] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۸

[3] القرآن، سورہ المائدہ ۵، آیت ۲۷

[4] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۳

[5] القرآن، سورہ الاعراف ۷، آیت ۲۸

[6] القرآن، سورہ ہود ۱۱، آیت ۱۸

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[1] (باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۰: مدرسہ اہل سنّت منظرِ اسلام بریلی مسؤلہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ

شخص یک نماز را از وقت تاخیر کند یعنی سستی کند و ادا نیز کند قضائے ہفتاد ہزار سال در دوزخ میماند ایں مسئلہ صحیح است یانہ۔	کوئی شخص اگر ایک نماز میں وقت سے تاخیر کرے یعنی سُستی کرے، اگرچہ بعد میں ادا کرلے تو اس کو دوزخ میں اتنا رہنا پڑے گا کہ ستّر ہزار سالوں کی نماز اس دوران قضا کی جاسکے کیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟۔ (ت)

الجواب:

تاخیر آنچناں کہ بلاعذر شرعی از وقت برآرد و قضا کند بلاشبہہ حرام و فسق و کبیرہ است عذاب و مغفرتش مفوض بمشیت است و ہیچ مسلمان بیش از عمر دنیا کہ ہفت ہزار سال ست در دوزخ نماند، واللہ تعالٰی اعلم۔	عذر شرعی کے بغیر اتنی تاخیر کہ وقت چلا جائے اور قضا کرنی پڑے، بے شک حرام، فسق اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کو عذاب دینا یا بخش دینا اللہ کی مشیت کے سپرد ہے اور کوئی مسلمان دوزخ میں دنیا کی عمر یعنی سات ہزار سال سے زیادہ نہیں رہے گا۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۱: حافظ نجم الدین صاحب گندہ نالہ شہر بانس بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگادینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ضرور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۲: از فتح گڈہ محلّہ سنگت ضلع فرخ آباد مسؤلہ شہاب الدین صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں چند پنچایتی قومیں بتعداد کثیر بلحاظ اپنے گروہ کے تعداد کے آباد ہیں اور ہر ایک جمعیت وہی مشہور نظام اپنی برادری کا رکھتی ہے جو قریب قریب ہر ایک مقام پر ایسی جمعیتوں میں رائج ہیں یعنی کسی سے کوئی امر خلاف پیش آنے پر جو متعلق برادری ہو اپنے چودھری کے نوٹس میں لاکر بصورت اجتماعی اس درجہ سزا کا استحقاق واقتدار رکھتی ہے کہ کلام وسلام اور طعام نیز ہر ایک تعلق دُنیوی اُس اختلاف کرنے والے شخص سے ترک کرکے اس کو ہی نہیں بلکہ جو اس کا ہم نوایا جو ہم خیال ہو تاوقتیکہ بعد ادا گی

---

[1] القرآن سورہ البقرہ ۲ آیت ۱۸۸

تاوان مقرر شدہ قومی آئندہ کے لئے قابلِ قبول ضمانت نہ پیش کردے یہی زندگی جو حیات کی بدترین نمونہ ہے گزارنے پر مجبور ہوگا، پس جو پنچائتیں ایسا احسن نظام امورات دنیوی میں رکھتی ہوں کیا ازروئے شرع شریف متعلق احکامات دینی بالخصوص صوم وصلوٰۃ بعض افراد اپنے اپنے گروہ کو محض موجودہ حالت اسلام سے جو نکبت وادبار کا رُوح فرسا دور ہے متاثر ہوکر (یہ امر منجانب اللہ ہے کہ ایک وقت میں ہر جمعیت کی بعض خداترس ہستیوں کو ایسا خیال پیدا ہوا) اگر انہیں قدیمی قواعد وضوابط برادری سے کام لے کر اپنے وابستگان کو پابند صوم وصلوٰۃ ونیز اور کھلے ہوئے نازیبا طرز سے جو سراسر خلافِ اسلام ہی نہیں بلکہ تضحیک کا باعث ہیں۔ مثلاً شرابخواری وجُوا وتاش اور داڑھی منڈوانا حسبِ تعلیم فرقان حمید وفرمودہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم درست کرنے کا مضطرب کُن رجحان ہو تو ان کو یہ اختیارات مرقومہ بالاقدیمہ کا استعمال جبکہ امورات دنیوی میں ہمیشہ سے ہر طرح حاصل ہوگیا حسب تعلیم اسلام اپنے افراد کو حقیقی وسچّا مسلمان بنانے میں جائز ہوگا ونیز بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہ؟ اور حکم تہدیدی اس میں کیا ہے؟

الجواب:

جو تنبیہ وتہدید وتادیب وتشدید اپنے امور دُنیویہ میں کرتے ہیں امور دینیہ میں بدرجہ اولٰی ضروری ہے اگر دنیا کے طالب اور دین سے غافل ہیں اس وجہ سے اس کے تارک اور اُس کے عامل ہیں کیا اچھا ہو کہ اللہ تعالٰی اُن میں بیداری پیدا کرے اور اپنی دنیا سے بڑھ کر دین کا انتظام کریں، جو امور تادیبی اوپر مذکور ہوئے سب جائز ہیں، مگر مالی جرمانہ لینا حرام۔ مسلمان کے جنازہ کی نماز فرض ہے اگرچہ وہ نماز نہ پڑھتا ہو، اس میں حکم تہدیدی صرف اتنا ہے کہ علما وصلحا جن کے پڑھنے سے اُمیدِ برکت ہوتی ہے بے نماز کا جنازہ خود نہ پڑھیں عوام سے پڑھوادیں۔ لیکن یہ کہ کوئی نہ پڑھے اور اُسے بے نماز دفن کردیں یہ جائز نہیں، ایسا کریں گے تو جتنوں کو اطلاع ہوگی سب گنہگار ہوں گے عالم ہوں خواہ جاہل، اور اُس کی قبر پر نماز پڑھنی واجب ہوگی جب تک اُس کا بدن سلامت رہنا مظنون ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۲۶۳و۲۶۴) محمد رضاخان محلّہ ربڑی ٹولہ از انجمن خادم الساجدین مورخہ ۱۶ محرم ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وہادیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کچھ غریب مسلمان انجمن خادم الساجدین کے بغرضِ تبلیغ صلوٰۃ شہر سے باہر مواضعات میں ایسی جگہ پر پیدل اور دھوپ اور پیاس کی تکلیف اور بلا کسی نفع ذاتی کے فی سبیل اللہ آدھی رات سے اُٹھ کر گئے اور دوسرے دن واپس آئے، بعض لوگ ان میں بھُوکے پیاسے بھی شامل تھے تقریبًا ایک سو مسلمان مستعد نماز ہوگئے، اُن کے واسطے کیا اجر ہے تاکہ آگے کو ہمت بڑھے۔

(۲) ایک شخص انجمن سے باہر کا سوال کرتا ہے یکّہ میں چلو اور اُن سے کرایہ لو، کُل خرچہ کھانے پینے کا لو، اور اس میں رکھا ہی کیا ہے کوئی اپنے لئے نماز پڑھے گا تم کیوں کوشش کررہے ہو، وہ شخص کیسا ہے اور جو لوگوں کو ہمت شکستہ

کرے وہ کیسا ہے۔

الجواب:

پہلے لوگوں کیلئے ان کی نیتِ نیک پر اجر عظیم ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بك رجلا خیرلك مماطلعت علیه الشمس[1] وغربت۔	اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تیرے ذریعہ سے ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے تمام رُوئے زمین کی سلطنت ملنے سے بہتر ہے۔ (م)

ہدایت کو جانے کیلئے آتے جاتے جتنے قدم ان کے پڑیں ہر قدم پر دس نیکیاں ہیں، **قال اللہ تعالیٰ:**

وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ[2]۔ ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشان پیچھے چھوڑ گئے (م) اور جو بغیر سواری نہ جاسکتا ہو اُس کا سواری مانگنا کچھ جُرم نہیں، یوں ہی خرچ راہ بھی لے سکتا ہے مگر یہ کہنا کہ تم کیوں کوشش کرتے ہو شیطانی قول ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے، فرض سے روکنا شیطانی کام ہے۔ بنی اسرائیل میں جنہوں نے مچھلی کا شکار کیا تھا وہ بھی بندر کردئے گئے اور جنہوں نے انہیں نصیحت کرنے کو منع کیا تھا کہ **لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا**[3] (کیوں ایسوں کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب دے گا۔ م) یہ بھی تباہ ہوئے اور نصیحت کرنے والوں نے نجات پائی، اور یہ کہنا کہ "اس میں رکھا ہی کیا ہے" سب سے سخت کلمہ ہے، اس کہنے والے کو تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہئے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۵) از بریلی محلّہ ملوک پور مسؤلہ شفیق احمد خان صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن کا یہ پاس کردہ قانون کہ جو مسجد میں ایک وقت کی نماز کو نہ آوے اور نہ آنے کا کوئی قابلِ اطمینان عذر بھی نہ ہو تو اس کو مسجد میں ایک لوٹا رکھنا پڑے گا۔ یہ حکم شرعی سے ناجائز تو نہیں ہے؟

الجواب: اگر وہ شخص اپنی خوشی سے ہر غیر حاضری کے جرمانہ میں سو'' لوٹے یا سو'' روپے دے تو بہت اچھا ہے اور اُن روپوں کو مسجد میں صرف کیا جائے لیکن جبراً ایک لوٹا یہ ایک کوڑی نہیں لے سکتا۔ **فان المصادرۃ بالمال منسوخ**

---

[1] جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۵/۲۵۹

[2] القرآن سورہ یٰس ۳۶ آیت ۱۲

[3] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۶۴

بالمنسوخ حرام (کیونکہ مالی جرمانہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۶)　سید عرفان علی صاحب رُکن انجمن خادم الساجدین رہٹری ٹولہ بریلی　۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جبکہ عشرہ محرم میں نماز کا انتظام منجانب انجمن کیا گیا تھا تو اب اس موقع پر کہ محمد علی وشوکت علی بریلی میں آرہے ہیں اور ۳ بجے سے ۶ بجے تک شہر میں گشت کریں گے اور پھر جوبلی باغ میں تقریر کریں گے پبلک عام کثیر التعداد اُن کے جلوس میں جوبلی باغ میں ہوگی اور اس اثنا میں نمازِ عصر ونمازِ مغرب ونمازِ عشا کاوقت ہوگا پس ایسی حالت میں منجانب انجمن مسلمانوں کوتنبیہ کرنا اور ان کو نماز کے واسطے آمادہ کرنا کوئی نقص شرعی تو نہیں پیدا کرتا ہے، اور نماز کی ترغیب ایسے مواقع پر دلانا موجبِ ثوابِ دارین ہے یا نہیں؟

الجواب:

نماز کی ترغیب ہر وقت وہر حال میں ہونی چاہئے اگرچہ ناچ کی مجلس ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۷) از شہر (بریلی) محلّہ سوداگران مسؤلہ مولوی محمد رضاخان صاحب عرف ننّھے میاں صاحب ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چند شخصوں کی طرح طرح خوشامدانہ انداز پیار محبت کے طریقے سے نماز باجماعت کی تاکید کی اُن لوگوں کو جب اُس پر کاربند نہ پایا بلکہ اُن میں سے ایک شخص نے دو ۲ مرتبہ ترک نماز کا اقرار زید کے سامنے کیا عشاء کی جبکہ صلاۃ ہوچکی زید اُنہیں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا سب سے نماز کے واسطے کہا ایک شخص نے جواب دیا ہم ابھی آتے ہیں کوئی بیماری یا مجبوری نہ تھی جس نے کہا تھا ہم ابھی آتے ہیں وہ نہ آیا بعد فجر اس سے پُوچھا عشا کی نماز کہاں پڑھی؟ جواب دیا کہ میں نماز کے معاملہ میں جھُوٹ نہ بولوں گا مَیں نے نہیں پڑھی۔ صبح کی نماز کیلئے اکثر زید اِن سب صاحبوں کو جگایا کرتا بعض آتے اور بعض ہوشیار ہوکر اطمینان دلاکر پھر سوجاتے ان میں سے ایک شخص ایک یا دومرتبہ پاخانے گیا فارغ ہوکر پھر سورہا ایسا چند بار کا زید کا عینی مشاہدہ ہے ایک شہادت زید کو ملی کہ ہواخوری کو وقتِ مغرب اُن صاحبوں کا پورا مجمع جنگل میں گیا، یہ شاہد بھی ساتھ تھا، شاہد کے سوا سب نے ہنسی مذاق میں نماز کھودی ان کی متعدد مرتبہ ایسی حرکات دیکھ کر سمجھایا کہ تم لوگ اپنے وطنِ عزیز واقربا کو چھوڑ کر ہادی بننے کو آئے ہو ہرگز وہ شخص ہادی نہیں ہوسکتا جس کے دل میں عشقِ رسالت نہ ہو، اور نماز سب سے زیادہ حضور کو محبوب۔ نماز پڑھو یہ تمہارے ساتھ ہر جگہ بھلائی کرے گی۔ جب اس پر بھی کاربند نہ ہُوئے تو زید نے اُن سے اُنہوں نے زید سے ترک کلام کردیا پھر ایک مرتبہ زید نے کہا کہ **من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر**[1] کے تم مرتکب ہو اور یہ تین سو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مذہب ہے تم نماز کی توہین کرتے ہو اللہ تماری نماز جنازہ نہ ہونے دے میرے عقیدہ میں بارادہ ترک کرنے والا کافر ہے اس پر زید

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۸۰۸۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۶/۱۰۲

کی نسبت کیا حکم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب کریم تارک صلاۃ کی تکفیر میں سکوت ہے یا تارک صلاۃ اپنے دامنِ رحمت میں لے کر کفر سے بچاتے ہیں۔ جب زید پر اعتراض ہو کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تارک صلاۃ کافر نہیں تم امامِ برحق پر فتوٰی لگاؤ۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے باپ کا یہ حکم نہیں، نہ اس سے میری مراد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سرکار سے علیحدہ چلنا تھا بلکہ زجراً کہا تو اس کہنے والے پر کیا حکم ہوگا؟ اور اگر کوئی حنفی جبکہ امام برحق کا حکم تارک صلاۃ پر تکفیر کا نہ ہو یہ عقیدہ رکھے کہ تارک صلاۃ عمداً کافر ہے اور اس عقیدہ کو ظنی جانے تو اُس پر کیا حکم ہے۔ جنھوں نے زید کے اس قول پر یوں تعریضاً ایک دوسرے صاحب سے کہا لیجئے اب تو کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں مسلمانوں کو کافر کہا جاتا ہے ایسوں کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ صدہا صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وائمہ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارک صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾[1] نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔ (م) زمانہ سلف صالح خصوصاً صدر اول کے مناسب یہی حکم تھا اُس زمانہ میں ترک نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامت کفر ہے۔ جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترک نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے۔ حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلافِ تحقیق ونامنصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذاللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی نہیں اور اکابر صحابہ وائمہ کے موافق ہے۔ اور معترضین کا کہنا کہ تم امام برحق پر فتوٰی لگاؤ، محض جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔ کیا صدہا صحابہ وائمہ کا وہ فتوٰی معاذاللہ حضرات امام پر لگتا ہے۔ عمداً تارک صلاۃ پر لگتا ہے نہ کہ اُسے کافر نہ جاننے پر۔ معترضین اگر خوفِ خدا کرتے تو انہیں اس کی شکایت نہ ہوتی کہ کفر کے فتوے لگنے لگے بلکہ اس کا خوف ہوتا کہ صدہا صحابہ وائمہ اُن کے کفر پر فتوے دے رہے ہیں۔ کیا محال ہے کہ عنداللہ اُنہی کا فتوٰی حق ہو، مسائل اختلافیہ ائمہ میں حق دائر ہوتا ہے کسی کو یقیناً خطا پر نہیں کہہ سکتے۔

---

[1] القرآن سورہ الروم ۳۰ آیت ۳۱

غرض معترضین پر فرض ہے کہ توبہ کریں نماز کے پابند ہوں فتواے صدہا صحابہ وائمہ سے ڈریں اور آج اگر وہ نقد وقت نہ ہو تو سوء خاتمہ سے خوف کریں۔ زید نے اگر یہ الفاظ زجراً کہے حرج نہیں، محلِ زجر میں ایسا استعمال ہر قرن وطبقہ کے ائمہ وعلماء بلکہ خود سرکار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ سے بکثرت ثابت ہے اور اگر اعتقادِ تکفیر رکھتا ہے تو اس سے باز آئے قولِ صحیح امام اعظم اختیار کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۸) ازانجمن اسلامیہ قصبہ سانگوو ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۴/ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۵ھ

یہاں ایک مولوی صاحب آئے اور یہ بیان کیا کہ بے نمازی کے ہمراہ کھانا کھانا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا نیز وہ بیمار ہوجائے تو اس کے گھر جانا بہت بڑا ثواب ہے، بعضے علماء اس سے اجتناب اور اُس پر کفر اور قید کا فتوی دیتے ہیں محض غلطی پر ہیں۔

الجواب:

بے نماز کو ہمارے امام نے کافر نہ کہا مگر بہت صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام نے اُس کی تکفیر کی، اور خود صحیح حدیث میں ارشاد: **من ترك الصلاۃ متعمدا فقد کفر جھارا**[1]۔ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ علانیہ کافر ہوگیا۔ (م)

جو ائمہ اُس کی تکفیر کرتے ہیں اُن کے نزدیک اُس کی عیادت کو جانا بھی ناجائز ہوگا اُس کے جنازہ کی نماز بھی ناجائز ہوگی ہمارے امام کہ تکفیر نہیں فرماتے اُن کے نزدیک بھی اُسے ضرب شدید وقید مدید کا حکم ہے جس کا اختیار سلطانِ اسلام کو ہے اور کسی کی عیادت کو جانا واجب نہیں، بہ نظر زجر اگر بے نماز کی عیادت کو نہ جائیں تو کوئی الزام نہیں۔ ہاں جبکہ ہمارے نزدیک وہ کافر نہیں، فقط فاسق فاجر مرتکبِ کبائر ہے تو اُس کے جنازہ کی نماز ضرور ہے پھر بھی علما وپیشوایان قوم اگر اوروں کی عبرت کیلئے اُس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور بعض عوام سے پڑھوادیں تو یہ بھی مستحسن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۸۵۸۷ مطبوعہ دارالمعرفت، البیروت ۱۰۲/۶، معجم اوسط، حدیث نمبر ۳۳۷۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۲۱۱/۴

باب الاوقات

نماز کے وقتوں کا بیان

مسئلہ (۲۶۹) مرسلہ حاجی اللہ یار خان صاحب ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ نفل میں جو نیت کو قبل زوال کے کرنے کو لکھا ہے اور زوال کے وقت جو نماز مکروہ ہے تو اس وقت سے کیا مراد ہے اور بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سوال مع جوابِ مولوی گنگوہی صاحب پیش ہوا اس میں تین ۳ مسئلے ہیں، دو ۲ کا گنگوہی صاحب نے جواب ہی نہ دیا اور ایک کا کہ دیا محض غلط کہ نہ دینا اُس سے ہزار جگہ بہتر تھا وہ مسائل یہ ہیں:

مسئلہ اولیٰ: باب صیام میں وقت زوال جس تک نیتِ روزہ نفل ہو جانا چاہئے کیا ہے؟

اقول: فی الواقع روزہ ماہ مبارک ونذر معین وروزہ نفل جبکہ ادا ہو نہ قضا تو مذہب صحیح یہی ہے کہ ان کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے ہو جانی چاہئے جسے ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اُس کے بعد بلکہ خاص ضحوہ کبرٰی کے وقت بھی نیت کافی نہیں، درمختار میں ہے:

یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین	رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے اور

والنفل بنیتہ من اللیل الی الضحوۃ الکبرٰی، لابعدھا ولاعندھا، اعتبار الاکثر الیوم[1]۔	نفلی روزے کی ادا صحیح ہے اگر رات سے ضحوہ کبرٰی تک نیت کرلی جائے، ضحوہ کبرٰی کے بعد یا اس کے دوران نیت کرنے سے روزہ نہیں ہوگا کیونکہ دن کے بیشتر حصّے کا اعتبار ہے۔(ت)

اور نہار شرعی طلوعِ فجر صادق سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے، ردالمحتار میں ہے:

الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب[2]۔	شرعی دن، طلوعِ فجر سے غروب تک ہے۔(ت)

یہ ہمیشہ نہار عرفی سے کہ طلوعِ مرئی کنارہ بالائی شمس سے غروب مرئی کل جرم شمس تک ہے بمقدار مدت فجر زیادہ ہوتا ہے یعنی جس جگہ، جس فصل جس مہینے بلکہ جس دن میں طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس بمعنی مذکور تک جتنی مدت ہوگی اُس دن کا نہار شرعی اس کے نہارِ عرفی سے اُسی قدر بڑا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب دو بڑی چھوٹی چیزوں میں صرف ابتدا مختلف اور انتہا متفق ہو تو اکبر کا نصف اصغر کے نصف سے بقدر نصف زیادت کے پہلے ہوگا لہٰذا ہمیشہ نصف النہار شرعی نصف النہار عرفی حقیقی یعنی نصف النہار دائرہ ہندیہ سے بقدر نصف مقدار فجر کے پیشتر ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

اعلم، ان کل قطر نصف نہارہ قبل زوالہ بنصف حصۃ فجرہ[3]۔	جان لو کہ ہر علاقے کا نصف النہار، بقدر نصفِ حصّہ فجر، زوال سے پہلے ہوتا ہے۔(ت)

پس یہی حساب ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے آج کی فجر دریافت کرلی کہ کس مقدار کی ہُوئی اُس کی تنصیف میں جتنے منٹ سکنڈ آئے ٹھیک دوپہر یعنی کیلی کا سایہ دھوپ گھڑی میں خط نصف النہار پر منطبق ہونے سے پیشتر اُتنے ہی منٹ سکنڈ لے لئے وہی وقت حقیقی نصف النہار شرعی کا ہوا اُس سے پہلے نیت روزے کی ہو جانی چاہئے اور پُر ظاہر کہ نہ نہار عرفی دائمًا ایک حالت پر رہے نہ مقدار فجر دوامًا یکساں ہو بلکہ دونوں ہر روز گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ افق مستوی میں بھی کہ بوجہ میل عــہ وتزاید وتناقص میل تفاوت طوالع ومطالع ضروری ہے نہ کہ

عــہ نصف میل باعثِ اختلاف طوالع یا مطالع ہے اور اس کا تزاید وتناقص باعثِ اختلاف طوالع فی المطالع کمالایخفی علٰی ذی درایۃ ۱۲ (جیساکہ ذی فہم پر مخفی نہیں۔ت) (م)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۴۶

[2] درمختار، کتاب الصوم، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۲/۸۰

[3] درمختار کتاب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۸۵

آفاق مائلہ نہ کہ ہمارے بلاد جن میں سائل ومجیب کا کلام ہے جن کے مدارات کا دائرہ معدل النہار سے میل میل کلی پر بھی کئی درجے افزوں ہے کہ کمابیش عرض الخ رکھتے ہیں. بریلی جس کا عرض الح الح ہے یہاں نہار نجومی کہ افق حقیقی پر جانب انطباق مرکز شمس سے جانب غرب انطباق تک ہے روز انقلاب صیفی پونے چودہ گھنٹے سے زائد ۱۳ گھنٹے ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے اور روز انقلاب شتوی سوا دس ساعت سے بھی کم ۱۰ گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہوتا ہے اور مقدار فجر یعنی طلوعِ فجر سے طلوع نجومی شمس تک اواخر جوزا واوائل سرطان میں پونے دو گھنٹے کے قریب یعنی تقریبًا ایک گھنٹہ ۳۹ منٹ اور نزدیکی اعتدالین میں سوا گھنٹے سے کچھ زائد یعنی تخمینًا ایک گھنٹا ۲۲ منٹ تو نہار شرعی ہمیشہ ایک مقدار پر کیونکر رہ سکتا ہے نہ زنہار اس کا تفاوت ایسا قلیل ہے جسے بے مقدار ونا قابلِ اعتبار سمجھ کر ہمیشہ کیلئے ایک اندازہ مقرر کردیجئے بلکہ اس کی کمی بیشی سوا پہر کامل تک پہنچتی ہے انقلاب اول میں تخمینًا یہ ل یعنی ساڑھے پندرہ گھنٹے کا نہار شرعی ہوتا ہے کہ پانچ پہر سے بھی زائد ہوا کجا ساڑھے چار پہر اور انقلاب ثانی میں تقریبًا مامہ یعنی پونے بارہ گھنٹے کا کہ چار پہر سے بھی کم ہوا کہاں ساڑھے چار پہر پونے بارہ اور ساڑھے پندرہ کا تفاوت وہی سوا پہر کامل ہوا یا نہیں پھر ایسی شدید التفاوت چیز میں ایک مقدار کا تخمینہ کردینا کس قدر غلط وباعثِ مغالطہ مسلمین ہوگا مثلًا جب عوام نے یہ اندازہ جان لیا کہ ساڑھے چار پہر کا نہار شرعی ہوتا ہے اس کے اکثر حصّے میں نیت ہوجانی چاہئے یعنی غروبِ آفتاب تک اس کے نصف سے زیادہ باقی ہو اور اس کا نصف سوا دو پہر یعنی پونے سات گھنٹے تو اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ اگر شام تک ۰۶ گھنٹے سے کچھ بھی زیادہ وقت باقی ہے جب تو روزے کی نیت صحیح ہوجائے گی اور ۰۶ یا اس سے کم ہیں تو ہرگز صحیح نہ ہوگی اب ملاحظہ کیجئے جب آفتاب تحویل سرطان پر آیا اور ۷ بجے ڈوبا یعنی وقت حقیقی سے تقریبًا ڈیڑھ منٹ سات پر تو حقیقی بارہ بجے کے چند منٹ بعد بھی یہ بات صادق ہے کہ شام تک ۶ گھنٹے ۴۵ منٹ سے زیادہ وقت ہے تو لازم کہ اُس دن دوپہر ڈھلے پر بھی نیت روزہ ہوجائے حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے بلکہ اُس دن حقیقی سوا گیارہ بجے سے چند منٹ پہلے بھی نیت جائز نہیں کہ ۱۱ بج کر ۱۱ منٹ پر نصف النہار شرعی ہوچکا اور جب آفتاب تحویل جدی پر آیا اور سوا پانچ سے کچھ کم یعنی وقت حقیقی سے تقریبًا ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر ڈوبا تو لازم کہ اُس دن ساڑھے دس بجے بھی نیت جائز نہ ہو کہ اب شام تک ۰۶ گھنٹے باقی نہیں حالانکہ اُس دن ۱۱ کے بعد یعنی حقیقی وقت سے ۱۱ بج کر ۱۹ منٹ تک بھی نیت جائز ہے کہ نصف النہار شرعی اب ہوگا پس ثابت ہوا کہ ۰۴ پہر کا تخمینہ محض غلط وباعثِ تغلیط اور بنائے کار اُسی حساب پر واجب جو ہم بیان کر آئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رہا لفظ زوال کہ عبارت امام اجل ابوالحسن قدوری رحمہ اللہ تعالٰی میں واقع عندالتحقیق اُس سے دوپہر ڈھلے ہی کا وقت مراد ہے اس روایت پر نصف النہار عرفی تک اِن روزوں کی نیت جائز ہے مگر مختار ومعتمد وہی روایت سابقہ ہے کہ نصف النہار شرعی سے پہلے نیت ہوجانی ضرور ہے ہدایہ[1] وقایہ[2] وشرح وقایہ[3] وعتابیہ[4] و

جواہر[۵] الاخلاطی وشرح[۶] نقایہ برجندی وشرح[۷] علامہ اسمٰعیل ومتن[۸] نورالایضاح میں اسی کو اصح کہا اور شرح[۹] جامع صغیر للامام السرخسی وکافی[۱۰] شرح وافی وشرح[۱۱] کنز للزیلعی ومتن[۱۲] اصلاح میں اسی کو صحیح بتایا اور نقایہ[۱۳] وکنز[۱۴] وملتقی[۱۵] وتنویر[۱۶] ودرر[۱۷] واشباہ[۱۸] وغیرہا مرسلہ معتمدات میں اسی پر جزم کیا اور یہی من حیث الدلیل اقوی تو اسی پر عمل وفتوٰی اس سوال کا جواب اسی قدر ہے باقی اُس روایت کو غلط کہنا ائمہ کے ساتھ گنگوہی صاحب کا سوءِ ادب ہے کہ قدوری[۱] ومجمع[۲] وفتاوٰی[۳] خانیہ وفتاوٰی[۴] خلاصہ وشرح[۵] طحاوی وخزانۃ[۶] المفتین وغیرہا معتبرات میں کہ اجلہ متون وشروح وفتاوٰی مذہب سے ہیں اُسی پر جزم واعتماد کیا۔

اما المجمع فنقل عنہ فی ردالمحتار واما شرح الطحاوی فرمزلہ فی خزانۃ المفتین، واما الاربعۃ البواقی فرأیت فیہا بعینی۔	مجمع سے ردالمحتار نے نقل کیا ہے، شرح طحاوی کی طرف خزانۃ المفتین میں اشارہ کیا گیا ہے اور باقی چاروں میں، مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (ت)

بلکہ خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الصوم میں وہی قول زوال ارشاد کیا،

کمانص علیہ الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح الجامع الصغیر، ورأیت النقل عنہ فی الایضاح شرح الاصلاح للعلامۃ ابن کمال الوزیر۔	جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے اور علامہ ابن کمال وزیر کی ایضاح شرح اصلاح میں، میں نے اس کی نقل دیکھی ہے۔ (ت)

تو ایسی جگہ ارسال زبان نازیبا وزیان اور زوال سے زوال نہار شرعی مراد لے کر قصد توفیق بھی خلاف تحقیق کی مرسلہ ائمہ یہاں ابقائے خلاف کرتے ہیں اور خود ایک جانب کو اصح وصحیح کہنے کا یہی مفاد عبارت ہدایہ یوں ہے:

قال فی المختصر (یعنی القدوری) مابینہ وبین الزوال، وفی الجامع الصغیر قبل نصف النہار وھو الاصح[1] الخ۔	کہا مختصر میں (یعنی قدوری میں) "اس کے اور زوال کے درمیان"۔ اور جامع صغیر میں ہے "نصف النہار سے پہلے"۔ اور یہ اصح ہے الخ (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

فی الجامع الصغیر بنیۃ قبل نصف النہار ای قبل نصف النہار الشرعی، وفی مختصر	جامع الصغیر میں ہے "اگر نصف نہار سے پہلے نیت کرے" یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے، اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الصوم مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۲

القدوری الی الزوال، والاول اصح[1]۔	مختصر قدوری میں ہے کہ زوال تک صحیح ہے، لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ (ت)

کافی للامام النسفی میں ہے:

ذکر فی المختصر، وبینه وبین الزوال، وفی الجامع الصغیر، قبل نصف النهار، وهو الصحیح[2]۔	مختصر میں مذکور ہے "اس کے اور زوال کے درمیان" اور جامع صغیر میں ہے "نصف نہار سے پہلے" اور یہ صحیح ہے الخ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال فی المختصر (یعنی الکنز) الی ماقبل نصف النهار، وهو المذکور فی الجامع الصغیر، وذکر القدوری مابینه وبین الزوال، والصحیح الاول[3]۔	کہا مختصر میں (یعنی کنز میں) "نصف نہار سے پہلے تک"۔ یہی جامع صغیر میں بھی مذکور ہے۔ اور قدوری نے کہا ہے "اس کے اور زوال کے درمیان" اور صحیح پہلا قول ہے۔ (ت)

برجندی میں ہے:

اشار القدوری انه تجوز النیة فیما بین الصبح والزوال، وفی الهدایة الاول[4]۔	قدوری نے اشارہ کیا ہے کہ نیت صبح اور زوال کے درمیان صحیح ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ پہلا قول اصح ہے۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

اجزائه النیة مابینه وبین الزوال اوقبل انتصاف النهار، وهو الاصح[5]۔	اس کے لئے نیت کافی ہے، اگر صبح اور زوال کے درمیان کرے، یا نصف نہار سے پہلے، اور یہ اصح ہے (ت)

اور نص قاطع وہ ہے کہ تاتارخانیہ میں محیط سے نقل فرمایا:

یظهر ثمرة الاختلاف فیما اذا نوی عند	اختلاف کا نتیجہ تب ظاہر ہوگا جب زوال کے قریب

---

[1] شرح الوقایۃ کتاب الصوم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰۶

[2] کافی شرح وافی

[3] تبیین الحقائق کتاب الصوم المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/۳۱۵۹

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الصوم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۱

[5] جواہر الاخلاطی، کتاب الصوم قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۱/۴۸

قرب الزوال[1] اھ۔	نیت کرے اھ (ت)

اقول: بلکہ بعد اس عنایت کے بھی توفیق عہ۱ نہ ہُوئی (انتصاف پر بھی مابینہ وبین الزوال و قبل الزوال وقرب الزوال صادق حالانکہ مذہب صحیح پر خاص وقت ضحوہ کبرٰی بھی نیت کافی نہیں **کما قدمنا عن الدر وغیرہ** (جس طرح ہم نے در وغیرہ سے پہلے نقل کیا ہے) (ص-۱۲۲) پھر اس تکلیف بے حاصل سے کیا حاصل۔ غرض نہ تغلیط مقبول نہ توفیق معقول بلکہ جواب وہی ہے جو فقیر نے ذکر کیا **وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۰ ثانیہ: وقت زوال جس میں نماز ممنوع کیا وقت ہے۔

اقول: گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب نہ دیا پیشتر بھی فقیر سے یہ سوال ہوا تھا بقدر ضرورت جواب لکھا گیا یہاں اس کی نقل پر اقتصار ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوال کا وقت جس میں نماز ناجائز ہے کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوال تو سُورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وقت وہ ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا **کما صرح بہ فی البحر**[2] **عن الحلیۃ۔** (جیسا کہ بحرالرائق میں حلیہ سے اسکی تصریح کی گئی ہے) تو وقت ممانعت کو زوال کہنا صریح مسامحت ہے اور غایت تاویل مجاز مجاورت بلکہ اسے وقت استوا کہنا چاہئے یعنی نصف النہار کا وقت، اب علما کو اختلاف ہے کہ اس سے نہار عرفی کا نصف حقیقی عہ۲ مراد ہے یعنی دوپہر جس وقت مرکز آفتاب بالائے افق دائرہ نصف النہار پر

عہ۱ نعم لو اول بالمنتصف کان توفیقا وان لم یکن تحقیقا ۱۲ منہ (م)	ہاں اگر (اس قول کی) تاویل نصف النہار کے ساتھ کر دی جاتی تو ان میں تطبیق ہو جاتی اگرچہ اس میں بھی تسامح ہے۔ (ت)

عہ۲ احتراز ہے نصف النہار عرفی سے کہ ۱۲ بجے کے وقت کو کہتے ہیں، یہ سال میں چار[۴] دن یعنی ۱۵/ اپریل ۱۴ جون، ۳۱/ اگست، ۲۴ دسمبر کے سوا ہمیشہ نصف النہار حقیقی سے آگے پیچھے ہوتا ہے جس کا تقدم تاخر تقریبًا پاؤ گھنٹے تک پہنچتا ہے یعنی زیادت میں تقریبًا ۱۴ منٹ اور کمی میں ۱۶، پھر یہ بھی اُس وقت ہے کہ گھڑیاں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الفتاوٰی التاتارخانیۃ الفصل الثالث فی النیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۵۷

[2] البحرالرائق کتاب الصوم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی دہلی ۱/ ۲۵۱

پہنچتا اور سایہ اپنی مقدار اصلی پر آکر اُس کے بعد جانبِ مشرق پلٹتا اور گھٹنے کی انتہا ہو کر پھر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے یہ قول ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب یا نہار شرعی کا نصف مراد ہے جسے ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہار عرفی طلوع کنارہ شمس سے غروب کل قرص شمس تک ہے۔

والمراد بالطلوع، المبتنی علیه احکام الشرع، تجاوز اول حاجب الشمس فی جهة الشرق عن دائرة الافق الحسی بالمعنی الاعم، المسمّٰی فی کلام البعض بالافق الترسی، بحرکة الکل، وبالغروب تجاوز کل قرصها فی جهة الغرب عن الدائرة المذکورة بالحرکة المزبورة، فوضح امتیاز النهار العرفی عن النهار النجومی، فانه من انطباق مرکز الشمس علی دائرة الافق الحقیقی من قبل المشرق، الی انطباقه علیها فی جهة المغرب، فان اتحد الافقان یکون العرفی اکبر من النجومی، بقدر مایطلع نصف کرة الشمس ویغرب النصف، وان انحط الترسی من التحقیق، وهو الاکثر،	جس طلوع پر شرعی احکام مبنی ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ شرقی جانب جو دائرہ افق حسی ہے اُفقِ حِسی کا عام معنی مراد ہے جس کو بعض نے اُفقِ ترسی کا نام دیا ہے۔ اس دائرے سے پُورے سورج کی حرکت کے ساتھ، سورج کا پہلا کنارہ گزر جائے۔ اور غروب سے مراد یہ ہے کہ سورج کی پوری ٹکیہ، اسی دائرے سے، اسی حرکت کے ساتھ، غربی جانب سے گزر جائے۔ اس سے نہار عرفی اور نہار نجومی کا امتیاز بھی واضح ہوگیا، کیونکہ نہار نجومی شروع اس وقت ہوتی ہے جب شرقی جانب سورج کا مرکز، افق حقیقی کے دائرے پر منطبق ہو جائے، اور ختم اس وقت ہوتی ہے جب غربی جانب سورج کا مرکز افقِ حقیقی کے دائرے پر منطبق ہو جائے۔ اب اگر دونوں افق (حقیقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اصل تعدیل الایام بلدی پر جاری کی جائیں اور اگر دوسرے مقام کے وقت پر اجرا ہو جیسے ہندوستان میں وقت مدراس کو اختلاف طول سے یہ دن متبدل ہو جائیں گے، مثلاً بریلی جس کا وقت مدراس سے ۳ منٹ ۱۹ سیکنڈ زائد ہے یہاں تقریبی مساوات یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے پر ٹھیک دوپہر ہونا ان چار تاریخوں پر ہوگا ۴ و ۲۵ مئی و ۱۱ ستمبر و ۱۸ دسمبر ۱۲ منہ۔ یہ بھی اس وقت تک تھا اب کہ جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراس ٹائم منسوخ اور وسط ہند کے وقت پر گھڑیاں جاری کی گئی ہیں یعنی جہاں طول ۸۲ درجے ہے جس کے ۰۵ گھنٹے ہوئے، اس اختلاف نے بریلی میں صرف دو۲ ہی دن مساوات کے رکھے ۱۸ اکتوبر اور ۲۸ نومبر، اور کمی کی مقدار یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے سے نصف النہار حقیقی کا پہلے ہونا صرف ۴ منٹ رہ گئی، اور زیادت یعنی جیبی کے ۱۲ بجے سے ٹھیک دوپہر بعد کو ہونا ۲۶ منٹ تک پہنچ گئی ۱۲ منہ (م)

لاسیما من جهة دقائق الانکسار الافقی، فزیادة العرفی ازید۔ نعم، ان وقع فوقه بقدر نصف قطر الشمس مع دقائق الانکسار یستوی النهاران، اوازید من ذلك فیفضل النجومی، کمالایخفی وهذه فائدة سنحت للقلم حین التحریر فاحببنا ایرادها۔	اور ترسی) متحد ہوں تو نہار عرفی، نہار نجومی سے اتنی بڑی ہوگی جتنی دیر میں سورج کا آدھا کُرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے۔ اور اگر ترسی، حقیقی سے نیچے ہو، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے خصوصًا جب افقی انکسار کے دقیقوں کو ملحوظ رکھا جائے تو نہار عرفی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہاں، اگر ترسی، حقیقی سے، سورج کے نصف قطر جتنا اوپر ہو اور انکسار کے دقیقے بھی ملحوظ ہوں تو نہار عرفی اور نہار نجومی برابر ہوجائیں گی۔ اور اگر سورج کے نصف قطر کی مقدار سے زیادہ اُوپر ہو تو نہار نجومی بڑھ جائے گی، جیسا کہ مخفی نہیں ہے یہ فائدہ لکھتے وقت قلم کیلئے ظاہر ہوا تو ہم نے اس کو ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اُس کے نصف سے پہلے ہوگا، مثلًا فرض کیجئے آج تحویل حمل کا دن ہے آفتاب بریلی اور اُس کے قریب مواضع میں جیب گھڑی کے ۶ بج کر ۷ منٹ پر چمکا اور ۶ بج کر ۱۴ منٹ پر ڈوبا ۴ بج کر ۴۸ منٹ پر صبح ہوئی تو اس دن نہار شرعی ۱۳ گھنٹے ۲۶ منٹ کا ہے جس کا آدھا ۶ گھنٹے ۴۳ منٹ ہوا اسے ۴ گھنٹے ۴۸ منٹ پر بڑھایا تو ۱۱ گھنٹے ۳۱ منٹ کا وقت آیا اور نصف النہار شرعی وقت استوائے حقیقی سے ۴۰ منٹ پیشتر ہو الا لتسع وعشرین کمایتوھم فافھم واعرف ان کنت تفھم (نہ کہ انیس منٹ، جیسا کہ وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کو سمجھو اور جانو، اگر سمجھ رکھتے ہو۔ ت) اسی کو ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اسی وقت کے آنے تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزے کی نیت جائز ہے، اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار عرفی یعنی استوائے حقیقی تک کہ تحویل حمل کے دن ۱۲ بج کر ۱۱ منٹ پر ہوگا، سارا وقت کراہت کا ہے جس میں نماز ناجائز وممنوع اور پُر ظاہر کہ یہ مقدار اختلافِ موسم سے گھٹتی بڑھتی رہے گی یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوٰی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزافی القهستانی القول بان المراد انتصاف النهار العرفی ای ائمة ماوراء النهر وبان المراد انتصاف النهار الشرعی وهو الضحوة الکبرٰی الی الزوال الی ائمة خوارزم[1]۔	قہستانی میں اس قول کو ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد عُرفی نہار کا نصف ہونا ہے، اور اس قول کو ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد شرعی نہار کا نصف ہونا ہے یعنی ضحوہ کبرٰی زوال تک۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مطبوعہ المصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

اُسی میں ہے:

وفی القنیة، واختلف فی وقت الکراھة عند الزوال، فقیل من نصف النھار الی الزوال، لروایة ابی سعید رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه نھی عن الصلاة نصف النھار حتی تزول الشمس، قال رکن الدین الصباغی، وما احسن ھذا، لان النھی عن الصلاة فیه یعتمد تصورھا فیه[1] اھ ما فی الشامی، وھذا کماتری من الفاظ الافتاء۔	اور قنیہ میں ہے کہ زوال کے قریب مکروہ وقت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ نصف النہار سے زوال تک ہے، کیونکہ ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے نصف النہار سے زوال تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، رکن الدین صباغی نے کہا ہے کہ یہ کتنا ہی اچھا استدلال ہے کیونکہ اس وقت میں نماز سے منع کرنے کی ضرورت تب ہی پڑ سکتی ہے جب یہ وقت کم از کم اتنا ضرور ہو کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے، شامی کی عبارت ختم ہُوئی۔ اور جیساکہ تم دیکھ رہے ہو، یہ افتاء کے الفاظ ہیں۔ (ت)
اقول: ویؤیدہ مافی الشامی عن الطحطاوی عن ابی السعود عن الحموی عن البرجندی عن الملتقط، فی باب الکسوف، انھا اذا انکسفت بعد العصر اونصف النھار دعواولم یصلوا[2]، ای لکراھة النفل فی الوقتین، ووجه التأیید ظاھر لیس بخاف۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں): اسی کا مؤید ہے وہ جو شامی میں ہے۔ شامی نے طحطاوی سے، اس نے ابوالسعود سے، اس نے حموی سے، اس نے برجندی سے، اس نے ملتقط سے باب الکسوف میں نقل کیا ہے کہ اگر سورج گرہن عصر کے بعد یا نصف النہار کے وقت لگے تو لوگ دعا کریں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے، یعنی اس وجہ سے کہ ان دو ۲ وقتوں میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، تائید کی وجہ ظاہر ہے، مخفی نہیں۔ (ت)

غرض جب علماء میں اختلاف ہے اور ایک امام اجل نے اس قول کو ترجیح دی اور اُس کے خلاف ترجیح منقول نہ ہُوئی تو احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے۔

---

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

[2] ردالمحتار باب الکسوف مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۲۲

حتی یتبین خلافه اقول والمسئلة بعد تحتاج الٰی زیادة تحقیق وتحریر، وللعبد الضعیف ھھنا ابحاث سنوردھا ان شاء اللہ تعالٰی فی غیر ھذا التحریر، واللہ تعالٰی اعلم۔ انتھی ماکتبت فی الجواب۔ واللہ سبحٰنه اعلم بالصواب[1]۔	یہاں تک کہ اس کا خلاف ظاہر ہو جائے اقول (میں کہتا ہوں) ابھی مسئلہ مزید تحقیق و تحریر کا محتاج ہے اور عبد ضعیف کی، یہاں کچھ بحثیں ہیں جنہیں عنقریب ہم کسی اور تحریر میں پیش کریں گے، واللہ تعالٰی اعلم، جو کچھ میں نے جواب میں لکھا ہے وہ ختم ہوا۔ واللہ سبحٰنہ اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ (۲۷۱) ثالثہ: بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر ہے؟

اقول: گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب بھی قلم انداز کر دیا، اس کا جواب اجمالی یہ ہے کہ ہمارے بلاد میں انتہا درجہ یہ وقت ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے جبکہ آفتاب انقلاب صیفی میں ہوتا ہے یعنی ۲۲ جون کو ٹھیک دوپہر سے اتنے منٹ بیشتر نصف النہار شرعی ہو جاتا ہے اور تحویلِ حمل و میزان یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کو ۳۹ منٹ پہلے ہوتا ہے نہ اس سے گھٹے نہ اس سے بڑھے باقی ایام میں انہیں کے بیچ میں دورہ کرتا ہے **وتفصیل ذلك یطول جدا** (اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ت) اور ٹھیک دوپہر سے یہ مراد کہ جب دائرہ ہندیہ میں ظل ثانی خط الزوال پر پورا منطبق ہو یہی نہار عرفی کا گویا عــہ نصف حقیقی ہے اسی کو استوائے حقیقی کہئے اس وقت آفتاب بیچ آسمان میں ہونا سمجھئے احکام شرعیہ میں اسی وقت کا اعتبار ہے نصف النہار شرعی سے اسی وقت تک نماز مکروہ ہے اس کے بعد پھر وقتِ ممانعت نہیں رہتا اس وقت بارہ بجے فرض کیجئے اور اس سے گھنٹہ بھر پہلے گیارہ وعلٰی ہٰذا القیاس ان گھڑی گھنٹوں کے بارہ کا حکم زوال ونصف النہار وشروع وقت ظہر میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ نہایت صحیح ہوں کہ نظر عوام میں ان کا کمال صحت توپ سے مطابقت اور توپ قطع نظر اس سے کہ اکثر غلط چلتی ہے فقیر نے گیارہ منٹ تک کی غلطی اُس میں مشاہدہ کی ہے اگر پُوری صحیح بھی چلے تو خود اس حساب پر نہیں چلتی، فقیر نے بارہا بچشمِ خود مشاہدہ کیا ہے کہ دوپہر کی توپ صحیح چلی ہے اور اُس وقت آفتاب مرای العین میں صاف پلٹ چکا ہے یا ابھی وسط آسمان پر بھی نہ آیا ولہٰذا تحویل حوت کا شمس کہ بحساب دائرہ ہندیہ مع حصہ انکسار افقی ہمارے شہر میں ۵ بج کر ۳۹ منٹ پر ڈوبنا چاہئے توپ کے اعتبار سے قریب ۶ بجے کے ۵ بج کر ۵۶ منٹ پر ڈوبتا ہے تحویلِ قوس کا مہر کہ بحساب مذکور دائرہ ۶ بج کر ۴۲ منٹ پر چمکنا چاہئے توپ کے گھنٹوں پر ۶ سے ۳۱ منٹ

عــہ اس گویا اور کہیے اور سمجھی کی وجہ عالمِ ہیأت پر مخفی نہیں اور یہ بھی وہ جان سکتا ہے کہ یہ وقت وقت استوائے حقیقی تحقیقی کس صورت میں ہوگا ۱۲ منہ (م)

---

[1]

بعد طلوع کرآتا ہے اسی طرح ہر جگہ فرق پائیے گا یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے یہیں سے وہ عقدہ کھل گیا کہ ہم نے مسئلہ ثانیہ کے جواب میں نصف النہار شرعی ۱۱ پر ۳۱ منٹ آکر لکھا اور پھر اس سے استوائے حقیقی تک ۴۰ منٹ کا فاصلہ رکھا حالانکہ ۱۱ پر ۳۱ کے بعد ۱۲ بجنے تک صرف ۲۹ منٹ کا فصل ہے تو وجہ یہ کہ اُس مسئلہ میں انہیں رواجی مدراسی گھنٹوں کا حساب لیا تھا ولہٰذا طلوعِ شمس حمل ۶ پر ۷ منٹ آکر مانا۔ یہ ہے ان مسائل کا اجمالی تخمینی جواب اور تفصیل و تحقیق مفضی تطویل واطناب۔

وفیما ذکرنا کفایة لاولی الباب وصلی الله تعالٰی علی المولی الاواب سیدنا محمد والاٰل والاصحاب والله تعالٰی اعلم بالصواب۔	اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ عقلمندوں کے لئے کافی ہے، اور درود بھیجے اللہ تعالٰی بہت رجوع کرنے والے آقا سیدنا محمد پر اور ان کی آل واصحاب پر۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ (۲۷۲): از حیدرآباد دکن قریب دروازہ دبیر پورہ مدرسہ محمدیہ مرسلہ مولوی عبدالخالق صاحب اعظم گڑھی ۱۲ جمادی الاخرٰی ۱۳۱۷ھ

حضرت مولٰنا العلام والحبر القمقام حامی السنۃ قامع البدعۃ بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج المولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح رائے عالی متعالی ہو کہ ان دنوں یہاں کہ علما بلکہ چار پانچ علمائے ہند مثل حضرت مولانا مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھی وجناب مولوی محمد منصور علی خان صاحب مرادآبادی وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب اعظم گڑھی وغیر ہم نے مثلین سوی الزوال کا فتوٰی دیا بعدہ، مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری صدر مدرس مدرسہ نظامیہ نے سب علماء کے فتوے کو رَد کردیا اور لکھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی قول مثلین سے رجوع کرکے قول صاحبین کی طرف آگئے ہیں اب التماس ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خادم الطلبہ محمد عبدالخالق

الجواب:

مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، قول سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وہی مثلین بعد فیئ الزوال ہے اور وہی احوط وہی اصح وہی من حیث الدلیل ارجح اسی پر اجماع واطباق جملہ متون متین وہی مختار ومرضی جمہور محققین شارحین اُسی پر افتائے اکثر کبرائے ائمہ مفتین امام کا اس سے رجوع فرمانا ثابت نہیں اجماع متون مذہب موضوعہ لنقل المذہب کے حضور بعض حکایات شاذہ خاملہ غیر محفوظہ قابلِ لحاظ کب ہوئیں بلکہ قول یک مثل ہے مرجوع عنہ ہے۔

لماصرح بہ فی البحر والخیریة وردالمحتار	کیونکہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں تصریح ہے کہ

وغیرھا ان کل ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ[1]۔ ھذا ولکل وجھۃ ھو مولیھا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ[2]۔ وفقنا اللہ تعالٰی لھا وتقبلھا منا بالکرم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو اس سے رجوع کیا جاچکا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی ایک سمت ہے جس کی جانب وہ منہ کرتا ہے تو نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالٰی ہمیں نیکیوں کی توفیق دے اور اپنے کرم سے انہیں قبول فرمائے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ (۲۷۳) از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں آج کل آفتاب 2/61 بجے طلوع ہوتا ہے اور پونے چھ بجے غروب اور نمازِ عصر پونے چار بجے ادا کی جاتی ہے کہ اُس وقت سایہ سوائے سایہ اصلی کے دو مثل کسی طرح نہیں ہوتا اس صورت میں نماز مذہب مفتی بہ کے موافق ہوئی یا نہیں اور ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہونا چاہیئے یا جماعت کاترک اختیار کیا جائے صرف حکم چاہتا ہوں مجھے دلائل کی ضرورت نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہوجائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگرچہ بعض کتب فتاوٰی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیض کرکی ودرمختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قولِ امام ہی احوط واصح اور ازروئے دلیل ارجح ہے، عموماً متون مذہب قولِ امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اُسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایانِ مذہب نے اُسی کی تصحیح کی، امام ۱ ملک العلما ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام ۲ سرخسی نے محیط میں فرمایا: **ھو الصحیح**[3] (یہی صحیح ہے)۔ امام ۳ اجل قاضیخان نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الدرایۃ اور اشہر من حیث الروایۃ ہو[4]۔ کما

---

[1] ردالمحتار مطلب فی حدیث اختلاف امتی رحمۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰

[2] القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۴۸

[3] البحر الرائق بحوالہ بدائع کتاب الصّلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۲۴۵

[4] فتاوٰی قاضی خان مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۱/۲

نص علیه فی خطبة الخانیة (جیسا کہ خانیہ کے خطبہ میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے۔ت) اور وہی قول معتمد ہوتا ہے **کمافی الطحطاوی والشامی** (جیسا کہ شامی اور طحطاوی میں ہے۔ت) یونہی [۴] امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔ امام اجل [۵] برہان الدین صاحبِ ہدایۃ نے ہدایہ اور امام [۶] اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام [۷] زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کی دلیل مرجح رکھی، امام [۸] اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ امام [۹] صدرالشریعۃ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اعنی مصنفین برہان وفیض ودر مختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالتِ شان کو نہیں پہنچتے۔ فتاوٰی [۱۰] غیاثیہ وجواہر [۱۱] اخلاطی میں فرمایا: **هو المختار** یہی مختار ہے) علامہ [۱۲] قاسم نے تصحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی، امام [۱۳] سمعانی نے خزانۃ المفتین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا، امام [۱۴] محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی، ملتقی [۱۵] الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو کماذکر فی خطبتہ جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) اور وہی مختار للفتوٰی ہوتا ہے **کمافی شرحه** [1] مجمع الانھر (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے ت) مراقی [۱۶] الفلاح میں ہے **هو الصحیح وعلیه جل المشایخ والمتون** [2] (یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشائخ ومتون مذہب ہیں) طحطاوی [۱۷] علی المراقی میں ہے **صححه جمهور اهل المذهب** [3] (جمہور ائمہ مذہب نے اسی کی تصحیح فرمائی) نقایہ [۱۸] میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی شرح [۱۹] المجمع للمصنف میں ہے **انه المذهب واختاره اصحاب المتون وارتضاه الشارحون** [4] (مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحابِ متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی وپسندیدہ رکھا) ینابیع [۲۰] وعلمگیری [۲۱] میں ہے **هو الصحیح** [5] (یہی صحیح ہے) جامع [۲۲] الرموز میں اسی کو مفتٰی بہ بتایا، السراج [۲۳] المنیر میں ہے **علی قوله الفتوی** [6] (امام ہی کے قول پر فتوٰی ہے) بحر [۲۴] الرائق پھر ردالمحتار [۲۵] میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں اس مذہب مہذب پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث **باب الاذان للمسافر** [7] میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر خطبہ کتاب مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۹۴

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۹۴

[4] البحر الرائق بحوالہ شرح المجمع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

[5] الفتاوٰی الہندیۃ الباب الاول فی المواقیت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۱

[6] السراج المنیر

[7] صحیح البخاری باب الاذن للمسافر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۷

تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذانِ ظہر دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر)، دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: **ابرد** (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے **حتی ساوی الظل التلول** (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا) اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "گرمی کی شدّت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو"۔ مشاہدہ شاہد اور قواعد علم ہیأت گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصًا اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں۔ امام نووی، شافعی وامام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں توزوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقینا اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلاتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرمارہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصّے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کرو یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث امامت جبریل جس کے بھروسے پر برہان ودرمختار نے مثل اول اختیار کیا اصل حجت نہیں ہوسکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اسرا میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقتِ ظہر کو آکر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان اوقات کے لئے امامت کی تو جو حدیث اُس کے خلاف ہے اُس کے بعد اور اُس کی ناسخ ہے اور قول دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرمارہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کیلئے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے، غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور وماخوذ ہے۔ محیط میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے **کل ذلك فی البحر**[1] (یہ سب بحر میں ہے۔ ت) تو بعض نقول خاملہ مرجوحہ کی بنا پر زعم رجوع محض ناموجہ ہے بلکہ قول ایک مثل ہی ہے رجوع ثابت ہے کہ وہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے اور جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے **کمافی البحر والخیریۃ**

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۴۵/۱

وغیرہما (جیسا کہ بحر اور خیریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) تو یہ مذہب مہذب بوجوہ کثیرہ مذہب صاحبین پر مرجح ہوا۔

اوّلاً یہی مذہب امام ہے اور مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

ثانیاً اسی پر متون مذہب ہیں اور متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

ثالثاً اسی پر مرسلہ شروح ہیں اور شروح فتاوٰی پر مقدم۔

رابعاً اجلہ اکابر ائمہ تصحیح وفتوی مثل امام قاضی خان وایام برہان الدین صاحبِ ہدایہ وامام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحبِ بدائع وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کی ترجیح وتصحیح فرمائی اور جلالت شان مصححین باعث ترجیح ہے۔

خامساً جمہور مشائخِ مذہب نے اس کی تصحیح وترجیح کی اور عمل اسی پر چاہیے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

سادساً اسی میں احتیاط ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھی تو ایک مذہب جلیل پر فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا پڑھی بے پڑھی برابر رہی اور بعد مثل ثانی پڑھی تو بالاتفاق صحیح وکامل ادا ہُوئی۔

سابعاً رہیں حدیثیں بعض صاحبوں نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہب صاحبین میں نص ہیں بخلاف مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم، حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاح احادیث دونوں جانب موجود ہرگز کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ مذہب صاحبین پر کوئی حدیث صحیح صریح سالم عن المعارض ناطق ہے جسے دعوی ہو پیش کرے اور بامداد روحِ پُرفتوح حضرت سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ اس فقیر سے جواب لے اِن شاء اللہ تعالٰی یا تو ثابت ہوجائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد کیا صحیح نہ تھی یا صحیح تھی تو مذہب صاحبین میں صریح نہ تھی یا یہ بھی سہی تو اس کا معارض صحیح موجود ہے اور فقیر اِن شاء اللہ تعالٰی ثابت کردے گا کہ اس تعارض میں احادیث مذہب صاحبین کو منسوخ ماننا ہی مقتضائے اصول ہے اور اگر نہ مانیں تاہم تعارض قائم ہو کر تساقط ہوگا اور پھر وہی مذہب امام رنگ ثبوت پائے گا کہ جب بوجہ تعارض مثل ثانی میں شک واقع ہُوا کہ یہ وقت ظہر ہے یا وقت عصر اور اس سے پہلے وقت ظہر بالیقین ثابت تھا تو شک کے سبب خارج نہ ہوگا اور وقتِ عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہوگا والحمدللہ رب العٰلمین۔ **بالجملہ** عندالتحقیق مثل ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہوگی بلکہ فرض ذمہ پر باقی رہے گا ورنہ علی التنزل اُس وقت نماز مکروہ ہونے میں تو شک نہیں کہ جب بعض کتبِ فقہ میں اس وقت نماز ظہر میں کراہت گمان کی صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقت قضا ہوگیا حالانکہ فرض ظہر بالاجماع ساقط ہوجائیگا اگرچہ قضا ہی سہی تو اس وقت نمازِ عصر لاجرم سخت کراہت رکھے گی کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہوگا اُدھر خلاف صاحبین تھا یہاں خلاف امام وہاں قضاء ادا میں خلاف تھا اور صحت اجماعی ادھر

نفسِ صحت وبطلان ہی میں نزاع ہے جب وہاں کراہت زعم کی گئی تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہئے اور یہ تو بے شمار کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعت باطلہ یا کم از کم مکروہہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہوجائے اور تحصیل صحت متفق علیہا ورفع کراہت کیلئے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ (۲۷۴) شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب ووقت مکروہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نمازِ عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہوجائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا **لانھا تعصر** (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے) حاکم ودارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی: یا امیر المومنین نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کیلئے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتّا ہمیں سنّت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے **فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراھا**[1] (ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا)"۔ یعنی دیواریں اُس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں آفتاب ڈھلک گیا تھا بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اُتر چکا تھا گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا، مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہوجائے اُس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جبکہ غبارِ کثیر یا ابرِ رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولت کرۂ بخار کے سبب کہ اُفق کے قُرب میں نگاہ کو اُس کا کثیر حصّہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قرب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اُس سے اونچا ہوتا اور کرۂ بخار کا قلیل حصّہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہ جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق ومغرب دونوں میں یکساں ہے جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے اب کرۂ زمین ہے ا موضع

---

[1] سنن الدار قطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱

ناظر ہے یعنی سطحِ زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے ح ء زمین کے سب طرف کرۂ بخار ہے جسے عالمِ نسیم وعالمِ لیل ونہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطحِ زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر

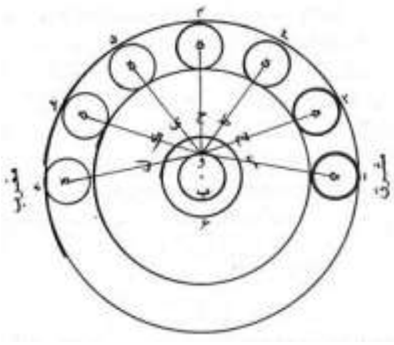

ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصّہ حاصل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ہ مرکز شمس ہے اہ ہر طرف وہ خطّہ ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افقِ شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خطہ ا ہ کا حصّہ ا ر کرۂ بخار میں گزرا اور دوسرے پر ا ح تیسرے پر ا ط چوتھے پر ا ح، اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں ا ر سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اُونچا ہوتا جاتا ہے ا ح ا ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں کہ یہاں تک کہ نصف النہار پر خط ا ح سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط ا ح یعنی دوپہر کے وقت کا خط پانسو اٹھانوے ۵۹۸ میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے وہ خطوط اسی نسبت پر بڑے ہوتے جاتے ہیں ا ی برابر ا ط کے پڑتا ہے اور ا ك برابر ا ح کے اور ا ل برابر ا ر کے ہے یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اُس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اُس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے یہاں تک کہ شرق وغرب میں ایک حد کے قرب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی مشرق میں جب تک اس حد سے آفتاب نکل کر اونچا نہ ہوجائے اُس وقت تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے اندر آجائے اُس وقت سے غروب تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے، تو اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہوگیا اور

یہ بھی کُھل گیا کہ مشرق و مغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے نہ یہ کہ مشرق کی طرف، تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ رہے جو تقریبًا ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مغرب میں ڈیڑھ دو گھنٹے ہو جائے جو اُس سے کئی نیزے زائد ہے تجربہ سے یہ وقت تقریبًا بیس منٹ ثابت ہُوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اُس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔ ہاں یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا مَیلا ہونا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں، جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالاجماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے یقینًا آفتاب بہت متغیر ہو جاتا ہے اور بین طور پر دُھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے تو چاہئے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقتِ کراہت آجائے اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل و محال ہے، ابوالسعود علی الکنز اور طحطاوی علی الدر میں ہے:

المراد ان یذھب الضوء فلایحصل للبصر به حیرة ولاعبرة لتغیر الضوء لان تغیر الضوء یحصل بعد الزوال[1]۔	یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اُس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اس سے خیرگی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو زوال کے بعد ہو جاتا ہے (ت)

بالجملہ سخن تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار و بحر الرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر و عصر وغیرہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو۲ حصّے کریں نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں، جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا اب تعیین وقت کے لئے مثل ثانی کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر و عصر کا اندازہ ہو سکے وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویلِ حمل اور ۲۳۔۲۴ ستمبر تحویل میزان میں ختم مثل ثانی یعنی شروع وقت عصر حنفی سے آفتاب کے غروب شرعی تک ان بلاد میں ایک گھنٹا ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں اور ۲۰۔۲۱۔ اپریل تحویل ثور اور ۲۳۔۲۴۔ اگست تحویل سنبلہ کو ایک گھنٹا ۵۰ منٹ ہوتے ہیں اور ۲۱۔۲۲ مئی تحویل جوزا اور ۲۳ جولائی تحویل اسد کو دو۲ گھنٹہ ایک منٹ اور ۲۳ جون تحویل سرطان کو دو۲ گھنٹے ۶ منٹ، اور یہ سال میں سب سے بڑا وقت عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا اور ۲۴۔ اکتوبر تحویل عقرب اور ۱۹ فروری تحویل حوت کو ایک گھنٹا ۳۶ منٹ اور ۲۲۔۲۳ نومبر تحویل قوس سے ۲۲ دسمبر تحویل جدی اور پھر ۲۰۔۲۱ جنوری تحویل دلو تک دو۲ مہینے برابر بلکہ اس سے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱/۱۷۸

بھی کچھ زائد ایک گھنٹا ۳۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقتِ عصر ہے کہ اس سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا، اسی حساب سے جس دن جتنا وقت عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقت مکروہ کے نکال کر باقی کے دو۲ حصّے کریں حصّہ اول چھوڑ کر حصّۂ دوم سے وقت مستحب ہے اور حصّہ اول میں بھی اصلاً کراہت نہیں، ہاں اتنی تعجیل کہ دو۲ مثل پُورے ہونے میں شک ہو ضرور سخت خلاف احتیاط ہے اُس سے بچنا چاہئے کہ اگر وہم وخدشہ ہے تو کراہت ہے اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہوگی ہی نہیں یونہی اتنی تاخیر نہ چاہئے کہ وقت کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے اصلاً کسی قسم کی کراہت کا نام ونشان نہیں، نہ وہ اللہ ورسول کے نزدیک کاہل ہے یہ محض غلط وباطل ہے جب شرع مطہر اُس وقت کو مستحب فرمارہی ہے تو کیا وقت مستحب میں ادا کرنا مکروہ اور فاعل کاہلی کے ساتھ منسوب ہوسکتا ہے یہ نری نادانی ہے پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل کی کہ وقتِ کراہت وسط نماز میں آگیا جب بھی اس پر اعتراض نہیں، نہ کہ وقت کراہت آنے سے پہلے ختم کردے اور اعتراض ہو، ردمختار میں ہے:

لوشرع فیہ قبل التغیر فمدہ الیہ لایکرہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	سورج میں تغیر آنے سے پہلے نماز شروع کی پھر تغیر تک لمبی کردی تو مکروہ نہیں ہوگی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۵و۲۷۶ شوال ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) فرض وسنّت ہر دو کا اولٰی وقت کیا ہے؟

(۲) امسال وقت صلاۃ عیدالفطر انتہا درجہ کب تک تھا جس نے بعد ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سنّت قبلیہ میں اولٰی اول وقت ہے بشرطیکہ فرض وسنّت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافی نماز نہ کرے اور سنّت بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آکر پڑھے تو فصل میں حرج نہیں لیکن اجنبی افعال سے فصل نہ چاہئے یہ فصل سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انہیں طریقہ مسنونہ سے خارج کرتا ہے اور فرضِ فجر وعصر وعشاء میں مطلقاً اور ظہر میں بموسم گرما۔ تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل۔ تاخیر کے یہ معنی کہ وقت غیر مکروہ کے دو۲ حصے کرکے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں کمانص

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

علیہ فی البحرائق وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی وقت اس کے قریب قریب ختم ہوچکا تھا مگر ایسی جگہ علما آسانی پر نظر فرماتے ہیں ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقت عید زوال تک ہے اس تقدیر پر جس نے بارہ بج کر چھ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہوگئی کہ اس دن بارہ بج کر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۷۷) از سندیلہ مرسلئ بعض علما بتوسط مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی۔ دوم ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معًا ہوجاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہوجاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے۔ بر تقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: اقول: وباللہ التوفیق (اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ ت) افق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہوجاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمسی کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہوجاتا ہے اُس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان وبیان وبرہان سب شاہد عدل ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس الخبر کالمعاینة**[1] (خبر مشاہدہ کی طرح نہیں۔ ت) جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جاکر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہُوا آنکھوں سے مشاہدہ ہوجائے گا الحمدللہ عجائبِ قرآن منتہی نہیں۔

کما فی حدیث الترمذی عن امیرالمؤمنین علی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتنقضی عجائبہ[2]۔	جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں امیرالمومنین علی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ (ت)

ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ[3] (تُو، رات کو دِن

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۵۷۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۳۵۷

[2] جامع الترمذی ماجاء فی فضل القرآن مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۴

[3] القرآن الحکیم ۳/ ۲۷

میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ ت) کے مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکیمِ قدیر عزجلالہ، دن میں داخل فرماتا ہے ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی،

فان ایلاج شیئ فی شیئ یقتضی وجودھما، لاان یعدم احدھما فیعقبه الأخر، واللیل والنھار بمعنی الملوین متضادان لایجتمعان، فلابد من التجوز۔ ومن اقرب وجوھه ماذکر العبد، من حمل اللیل علی السواد، فیبقی النھار علٰی حقیقته ویظھر الایلاج من دون کلفة، ولایتجاوز التجوز قدر الحاجة۔ ویمکن العکس ایضا، بان یحمل النھار علی الاشعة الشمسیة واللیل علی حقیقته، فیکون اشارۃ الی ظھور نور الشمس فی الافق الشرقی واللیل باق بعد، کمافی الصبح الاول۔ وان ارید اللیل العرفی فاظھرو اکمل۔ والی حصول اللیل مع بقاء الضوء الشمسی فی الافق الغربی من الشفقین الاحمر والابیض وان کان الامام الفخر الرازی رحمه الله تعالٰی لایرضی ان یجعل تلك الانوار من الشمس حتی الصبح الصادق ایضا، کمااطال الکلام فیه فی سورۃ الانعام، تحت قوله عزوجل فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ[1] ولیس الامر کماظن، واغتر بقوله العلامة الزرقانی فظن ان	کیونکہ ایک چیز دوسری میں تبھی داخل کی جاسکتی ہے جب دونوں موجود ہوں، نہ کہ ایک ختم ہوجائے اور اس کے بعد دوسری آئے۔ اور دلیل ونہار بمعنی رات دن، آپس میں متضاد ہیں، اکٹھے نہیں ہوسکتے، تو مجازی معنی مراد لینا ضروری ہے۔ اور اس کا اقرب طریقہ وہی ہے جو بندے نے بیان کیا ہے کہ لیل سے مراد تاریکی لی جائے اور نہار اپنے حقیقی معنی میں ہو۔ اس طرح داخل کرنے کا مفہوم بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہوجائے گا اور مجاز کی طرف ضرورت سے زیادہ نہیں جانا پڑے گا۔ اور اس کا عکس بھی ممکن ہے، یعنی نہار سے مراد سورج کی شعاعیں لی جائیں اور لیل اپنی حقیقی معنی میں ہو۔ اس صورت میں آیت کے اندر اشارہ ہوگا کہ مشرقی افق میں سورج کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے اور رات ابھی باقی ہوتی ہے جیسا کہ صبح کاذب کے وقت ہوتا ہے۔ اور اگر لیل سے مراد لیل عرفی لی جائے تو یہ مفہوم مزید واضح اور کامل ہوجاتا ہے۔ نیز اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوگا کہ مغربی افق میں شفق احمر اور ابیض کے دوران سورج کی روشنی باقی ہوتی ہے، اس کے باوجود رات ہوجاتی ہے اگرچہ امام فخر الرازی ان روشنیوں کو، حتی کہ صبح صادق کی روشنی کو بھی

---

[1] التفسیر الکبیر زیر آیت فالق الاصباح مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریۃ ۱۳/۹۵

هذا مذهب منقول، فنسبه لاهل السنة، مع انه لیس الامن توسعات الامام فی البحث والکلام ولم یستدل له الابحث عقلی، لاتام ولاجلی۔ ومن البدیهی عندکل احدان الشفق والصبح اختان، ومامرهما الاواحدا۔ وقداخرج ابی شیبة عن العوام بن حوشب قال: قلت لمجاهد، ماالشفق؟ قال: ان الشفق من الشمس[1]۔ ذکره فی الدر المنثور، تحت قوله تعالٰی فلااقسم بالشفق، بل فی التفسیر الکبیر تحت الکریمة، اتفق العلماء علی انه اسم للاثر الباق من الشمس فی الافق بعد غروبها[2]۔ اما دلیله العقلی فقدرده العبد الضعیف بکلام لطیف ذکرته علی هامشه وبالله التوفیق۔	سورج کی روشنی ماننے پر بھی راضی نہیں ہیں، جیسا کہ سورہئ انعام کی تفسیر میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ" کے تحت انہوں نے اس موضوع پر لمبی گفتگو کی ہے، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے سمجھا ہے۔ ان کی گفتگو سے علامہ زرقانی کو دھوکہ ہُوا اور انہوں نے رازی کی رائے کو مذہبِ منقول سمجھ کر اہل سنّت کی طرف منسوب کردیا حالانکہ یہ ان توسّعات میں سے ہے جو امام رازی بحث اور کلام میں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی صرف ایک عقلی بحث کی ہے، جو نہ تام ہے نہ واضح۔ اور یہ تو سب کے لئے بدیہی ہے کہ شفق اور صبح دونوں بہنیں ہیں اور ان کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے عوام ابن حوشب سے تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا: "شفق کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "شفق سورج سے ہے"۔ یہ روایت دُر منثور میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فلااقسم بالشفق" کے تحت مذکور ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ شفق سورج کے اس اثر کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد افق پر باقی رہتا ہے۔ رہی امام رازی کی عقلی دلیل، تو اس کو عبدِ ضعیف نے ایک لطیف کلام کے ساتھ رد کردیا ہے، جو تفسیر کبیر کے حاشیے پر مرقوم ہے، وباللہ التوفیق۔ (ت)

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام احمد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذااقبل اللیل من ھھنا وادبر النهار من	جب ادھر سے رات آئے اور اُدھر سے دن پیٹھ دکھائے

---

[1] الدرالمنثور زیر آیۃ فلااقسم بالشفق مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم، ایران ۳۳۰/۵

[2] التفسیر الکبیر، زیر آیۃ فلااقسم بالشفق مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریہ مصر، ۱۰۹/۳۱

ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم [1]۔	اور سورج پُورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پُورا ہوچکا۔ (ت)

لیل سے مراد سیاہی ہے اور نہار سے مقصود ضوء **فان الاقبال من ھھنا والادبار من ھھنا انما یکون لھما** (کیونکہ تاریکی اور روشنی ہی ادھر سے آتی ہیں اور اُدھر جاتی ہیں۔ت) تیسیر میں ہے: **اذا اقبل اللیل، یعنی ظلمتہ، وادبر النہار، ای ضوؤہ** [2]۔ جب کہ رات آئے، یعنی اس کی تاریکی، اور دن واپس جائے، یعنی اس کی روشنی۔ تعالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں لفظ اُسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب سے واقع ہوتے ہیں، پہلے سیاہی اُٹھتی ہے اُس وقت تک اگر اُفق صاف اور غبار وبخار سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی بلکہ قلل جبال واعالی اغصان شجر پر عکس ڈالتی ہے پھر جب قرص چھپنے پر آیا تکاثفِ ابخرہ افقیہ وکثرت بعد عن الابصار وطول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محتجب ہوجاتی ہے مگر ہنوز قدرے قرص بالائے افقِ مرئیِ شرعی باقی ہے اس کے بعد آفتاب ڈوبتا اور وقت افطار ونماز آتا ہے اس صاف ونفیس وبے تکلف معنی پر بحمد اللہ تعالٰی انتظام کلام اُسی اعلٰی جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان رفیع بلاغت بے مثل کو شایاں وبجا ہے کلماتِ علمائے کرام بھی ان نفیس معنی کے ایما سے خالی نہ رہے امام ابنِ حجر مکّی شرح مشکوٰۃ المصابیح میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ای وقد یقبل اللیل ولاتکون غربت حقیقۃ، فلابد من حقیقۃ الغروب [3]۔	یعنی کبھی رات آجاتی ہے اور ابھی حقیقۃً غروب نہیں ہوا ہوتا، اس لئے حقیقی غروب ضروری ہے (ت)

حفنی علی الجامع الصغیر میں ہے:

قولہ، وغربت الشمس، لم یکتف بماقبلہ عن ذلک، اشارۃ الی انہ قد یوجد اقبال الظلمۃ وادبار الضوء ولم یوجد غروب الشمس [4]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان "اور سورج ڈوب جائے" آپ نے سیاہی کے آنے اور روشنی کے جانے پر اکتفا نہیں کیا اور غروب کی تصریح فرمائی کیونکہ کبھی سیاہی آجاتی ہے اور روشنی چلی جاتی ہے مگر غروب آفتاب نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء اذا اقبل اللیل مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۸۸/۱

[2] التیسر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۷۶/۱

[3] مرقاۃ المفاتیح بحوالۂ ابن حجر باب من کتاب الصوم غسل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۵۲/۴

[4] الحنفی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر زیر حدیث اذا اقبل اللیل الخ مطبوعہ المطبعۃ الازہریۃ مصر ۹۷/۱

اور اگر حدیث میں لیل ونہار معنی حقیقی پر رکھئے تو اگرچہ اتنا ضرور ہے کہ مجاز مرسل کی جگہ مجاز عقلی ہوگا۔

لماعلمت ان اسناد الاقبال والادبار من ھھنا وھھنا لیس الیھما علی الحقیقۃ۔	کیونکہ تم جان چکے ہو کہ اِدھر سے اُدھر آنے جانے کی نسبت لیل ونہار کی طرف حقیقۃً نہیں ہے۔(ت)

مگراب تین ۳ الفاظ کریمہ کے جمع ہونے سے سوال متوجہ ہوگا شک نہیں کہ اس معنی پر امور ثلثہ متلازم ہیں اور ایک کاذکر باقی سے۔ مغنی،

وھذا ماقالہ الامام النووی فی المنھاج، قال العلماء، کل واحد من ھذہ الثلثۃ یتضمن الاٰخرین ویلازمھما[1]۔	یہ وہی بات ہے جو امام نووی نے منہاج میں کہی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک، باقی دو ۲ کو یا تو متضمن ہوتا ہے یا ان کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔(ت)

اس کی اطیب توجیہ وہ ہے کہ علّامہ طیبّی نے شرح مشکوٰۃ میں افادہ کی کہ:

انما قال وغربت الشمس، مع الاستغناء عنہ لبیان کمال الغروب؛ کیلا یظن انہ اذاغرب بعض الشمس جاز الافطار[2]۔	آپ نے فرمایا "اور سورج ڈوب جائے" حالانکہ بظاہر اس کی ضرورت نہیں تھی، تاکہ مکمل غروب کا بیان ہوجائے اور کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ سورج کا کچھ حصّہ غروب ہونے سے افطار جائز ہوجاتا ہے۔(ت)

علّامہ مناوی وغیرہ نے بھی اُن کی تبعیت کی۔ تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وزاد (وغربت الشمس) مع ان ماقبلہ کاف اشارۃ الی اشتراط تحقق کمال الغروب[3]۔	آپ نے فرمایا "اور سورج ڈوب جائے" فرمایا حالانکہ پہلے الفاظ کافی تھے، اس میں اشارہ ہے کہ کامل غروب کا پایا جانا شرط ہے۔(ت)

اقول: یہ توجیہ وجیہ صراحۃً ہمارے مدعائے مذکور کی طرف ناظر ہے نظر غائر میں بروجہ جلی اور قلّت تدبر میں من طرف خفی یعنی اگرچہ لیل ونہار حقیقی مراد ہونے پر ذکرِ غروب کی حاجت نہ تھی کہ رات جبھی آئے گی کہ سُورج ڈوب چکے گا مگر سواد وضیا پر اُن کا حمل بعید نہیں خصوصًا جبکہ اقبال من ھھنا وادبار من ھھنا اُس پر قرینہ ظاہرہ ہیں تو اگر اس قدر پر قناعت فرمائی جاتی احتمال تھا کہ مجرد اقبال سواد وادبار ضیا پر وقت افطار سمجھ لیا جاتا حالانکہ اقبال لیل درکنار ہنوز

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم زیرِ حدیث اذا قبل اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱

[2] شرح الطیبی باب فی مسائل متفرقۃ الفصل اول ادارۃ القرآن کراچی ۱۵۱/۴

[3] التیسیر شرح جامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ امام شافعی سعودیہ ۷٦/۱

بعض قرص غروب کو باقی ہوتا ہے کہ ضیا بھی معدوم ہو جاتی ہے لہٰذا **وغربت الشمس** (اور سورج ڈوب جائے۔ت) زائد فرمایا کہ کوئی غروب بعض قرص کو کافی نہ سمجھ لے پُر ظاہر کہ اگر یہ اقبال وادبار اُسی وقت ہوتے جب پُورا قرص ڈوب لیتا تو اس احتمال وظن کا کیا محل تھا ذکر غروب سے استغنا بدستور باقی رہتا اور جواب محض مہمل جاتا تو صاف ثابت ہوا کہ سیاہی اٹھنا اور شعاع چھپنا دونوں غروب شمس سے پہلے ہو لیتے علامہ علی قاری نے بھی اس کلام طیب طیبّی کو تحقیق بتایا اور حُسنِ قبول سے تلقی رمایا،

حیث قال بعد نقله، وقال بعض العلماء، انما ذکر هذین لیبین ان غروبها عن العیون لایکفی لانها قدتغیب ولاتکون غربت حقیقة، فلابدمن اقبال اللیل[1] ـ اھ ثم رده بقوله، فیه ان القید الثانی مستغن عنه حینئذ، وانما کان یتم کلامهم لوکان غربت مقدما[2] اھ ای انما کان یحتاج اذذاك الی دفع ذلك الوهم بذکر اقبال اللیل، اما اذاذکر اولا ما هو القاطع للوهم فای حاجة بعده الی ذکر الغروب الموهم؟ ثم قال: فیرجع الحکم الی ماحققه الطیبی[3] ـ اھ فقدرجع الی مایفید تحقیق کلام الامام ابن حجر کماعلمت، غیران المولی الفاضل رحمه الله تعالٰی شدید الایلاع بالرد علیه فی شرحیه للمشکوٰة والشمائل، حتی فی الواضحات الجلائل، مع انه من تلامذته، رحمة	چنانچہ علی قاری نے طیبّی کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے "بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اقبال لیل اور ادبار نہار کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ واضح کردیں کہ سورج کا آنکھوں سے غروب ہو جانا کافی نہیں ہے، کیونکہ کبھی آنکھوں سے تو غائب ہو جاتا ہے مگر حقیقۃً ڈوبا نہیں ہوتا"۔ پھر علی قاری نے اس کو یہ کہہ کر رَد کیا ہے کہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں دُوسری قید (یعنی وغربت الشمّس) کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علماء کی یہ بات تو تب تام ہو سکتی تھی جب "غَربت" (اقبال وادبار سے) پہلے مذکور ہوتا۔ علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ چونکہ آنکھوں سے غائب ہونا کافی نہیں ہے اس لئے اس توہّم کو دُور کرنے کیلئے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد میں اقبال لیل کا ذکر کیا ہے مگر جب توہّم کو قطع کرنے والی چیز (یعنی اقبال لیل) کا ذکر پہلے ہی ہو چکا تھا، تو پھر اس کے بعد توہّم پیدا کرنیوالی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۵۲/۴

[2] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۵۲/۴

[3] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۵۲/۴

اللہ تعالٰی علیہما وعلی سائر العلماء الکرام۔	چیز (یعنی غروب) کولانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر علی قاری نے کہا ہے کہ آخر کار بات ادھر ہی لوٹ جاتی ہے جس کی تحقیق طیبی نے کی ہے۔ اس طرح علی قاری اسی فائدے کی طرف لوٹ آئے جو امام ابن حجر کے کلام کی تحقیق سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ لیکن علی قاری مشکوٰۃ اور شمائل کی دونوں شرحوں میں ابنِ حجر کی ہر بات کی تردید کرنے سے خصوصی شغف رکھتے ہیں، حتی کہ انتہائی واضح باتوں میں بھی (ابن حجر کی تردید کردیتے ہیں) حالانکہ وہ ابن حجر کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالٰی ان دونوں پر اور تمام علماء کرام پر رحمت نازل فرمائے۔ (ت)

ہاں شہروں باغوں خصوصًا نخلستان وکوہستان کی آبادیوں جنگلوں میں جہاں اُفق نظروں سے دُور ہوتا ہے غالبًا یہ شرق سے اُٹھتی ہُوئی تاریکی خوب بلند ہو کر نظر آتی ہے اور یہ وقت خاص غروب کا ہوتا ہے بلکہ بہت جگہ اس سے بھی پہلے غروب ہوچکتا ہے کلمات علماء مثل قول امام ابوزکریا،

قال بعد مانقلنا سابقًا، وانما جمیع بینھما لانه قد یکون فی واد ونحوہ بحیث لایشاھد غروب الشمس فیعتمد اقبال الظلام وادبار الضیاء [1]۔	ابوزکریا نے، بعد اس کے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، کہا ہے کہ (اقبال لیل اور غروب کو) جمع اس لئے کیا ہے کہ کبھی روزہ دار کسی وادی وغیرہ میں ہوتا ہے جہاں غروب کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا تو تاریکیوں کے آنے اور روشنی کے جانے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے (ت)

وقول امام قاضی عیاض فی شرح صحیح مسلم:

قد لایتفق مشاھدۃ عین الغروب ویشاھد ھجوم الظلمة حتی یتیقن الغروب بذلک، فیحل الافطار [2]۔	کبھی غروب کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن تاریکی چھاجانے کا مشاہدہ ہوجاتا ہے جس سے غروب ہونے کا یقین ہوجاتا ہے، تو اس وقت افطار جائز ہے۔ (ت)

وقول امام عینی فی عمدۃ:

ثم بین مایعتبرہ من لم یتمکن من رؤیة جرم الشمس، وھو اقبال الظلمة من المشرق، فانھا لاتقبل منه	پھر اس چیز کو بیان کیا جس کو وہ آدمی بھی جان لیتا ہے جس کیلئے سورج کی ٹکیہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو، یعنی مشرق کی جانب تاریکی کا آجانا، کیونکہ وہ تب ہی آتی ہی

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم حدیث اقبل اللیل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ ۱/۳۵۱

[2] شرح صحیح مسلم للامام قاضی عیاض

الاقد سقط القرص[1]۔	جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوچکی ہوتی ہے۔ (ت)

وقول جامع الرموز:

ای وقت غیبة جرم الشمس کله اذا ظھر الغروب، والا فالی وقت اقبال الظلمة من المشرق، کمافی التحفة[2]	یعنی افطار اس وقت کرے جب سورج کی پُوری ٹکیہ غائب ہوجائے، اگر غروب اس کیلئے ظاہر ہو، ورنہ جب مشرق کی جانب تاریکی آجائے (تو افطار کرلے) جیسا کہ تحفہ میں ہے۔ (ت)

وامثال ذلک کہ صراحۃً اُنہیں مواضع سے متعلق ہیں جہاں افق ظاہر اور رؤیت مقدمہ ورنہ ہو ایسے ہی عدم تمکن پر محمول ورنہ جب باجماعِ اُمّت اور خود اُنہیں علماء اور اُن کے امثال کی تصریحات قطعیہ سے مدار حکم غروب جمیع جرم شمس ہے اور اصل اُفق سے ارتفاع سواد بشہادت مشاہدہ قبل غروب حاصل تو مجرد اقبال پر ادارت حکم کیونکر معقول اور حدیث مؤطا:

مالك عن ابن شھاب عن حمید بن عبدالرحمٰن ان عمر بن الخطاب وعثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنھما کانا یصلیان المغرب حین ینظر الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا، ثم یفطران بعد الصلاة، وذلك فی رمضان[3]۔	مالک، ابن شہاب سے، وہ حمید ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں کہ عمر ابن خطاب اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہما رمضان میں اس وقت مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے جب افطار سے پہلے سیاہ رات کو دیکھ لیتے تھے، پھر نماز کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔ (ت)

تو اُن عبارات سے بھی قریب تر ہے۔ شہر اور شہر کا بھی وسط اور وہ بھی نخلستان اور ملک کوہستان، پھر امامین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا حُسنِ احتیاط خود عبارتِ حدیث سے ظاہر کہ حین ینظر ان الی اللیل الاسود مجرد ذکر لیل یعنی سواد پر قناعت نہ کی بلکہ تاکیداً صفتِ اسود بڑھائی یعنی جب سیاہ سیاہی گہری ظلمت دیکھ لیتے اُس وقت نماز پڑھتے، حدیث صحیحین اذا رأیتم اللیل قداقبل من ھھنا فقد افطر الصائم[4] میں اقبال لیل پر اقتصار بعض رواہ کا اقتصار ہے کہ بکثرت معہود خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں صرف اذا غابت الشمس من ھھنا فقد افطر الصائم[5]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب الصّوم فی السفر والافطار مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۱/ ۴۳

[2] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصّلوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۱۳

[3] موطا الامام مالک ماجاء فی تعجیل الفطر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۲۸

[4] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱

[5] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱

(جب تم رات کو دیکھو کہ ادھر سے آگئی ہے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) (جب اِدھر سے سورج غائب ہوجائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے، تیسری میں **اذا غابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم**[1] (جب اِدھر سے سورج غائب ہوجائے اور اُدھر سے رات آجائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے **کلتاھما فی صحیح مسلم وغیرہ** (دونوں صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں ہیں۔ت) اور اگر نہ بھی ہوتا تو بعد ارادۂ لیل حقیقی اصلاً مفید متوہم نہ رہتی اور علی التنزیل یہ بھی نہ سہی تواُنہیں مواضع سے متعلق سمجھی جاتی بالجملہ خلاف پر اصلاً کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جسے صریح مفسر کہئے نہ کہ ایسا جس کے سبب مشاہدات وحسّیات کو باطل کردیجئے کہ اُن کے ابطال میں معاذاللہ ابطال شرائع ہے تلقی کتاب ورؤیت معجزات آخر بذریعہ حاسہ سمع وبصر ہی ہوں گے فقیر غفراللہ لہ نے اس مطلب پر برہان ہندسی قائم کی ہے اگرچہ بعد بیان سابق کسی دلیل عقلی کی حاجت نہیں مگر اُس سے زیادت تایید وتشیید کے علاوہ یہ مقدار معلوم ہوگی کہ غروبِ شمس سے کتنے پہلے سیاہی چمک آئیگی نیز اُس سے مقدار بلندی سیاہی وقت غروب کے حساب میں بھی مدد ملے گی جسے اُس پر اطلاع منظور ہو فقیہ کی کتاب "**زیج الاوقات للصوم والصلوات**" کی طرف رجوع کرے **وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۷۸) از شہر کُنہ مسئولہ خیاط وہابی ۲۹ ربیع الآخر شریف

تنگ وقت نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالٰی ویل فرماتا ہے اور آپ خود تنگ وقت ادا فرماتے ہیں اس کی تفصیل بیان فرمادے گا۔

الجواب:

تنگ وقت نماز ادا کرنے پر قرآن عظیم میں ویل کہیں نہ فرمایا ساھون کے لئے وَیل آیا ہے جو وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں حدیث میں اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ بزار وابویعلی وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم اور طبرانی اور ابن مردویہ تفسیر اور بیہقی سنن ومحی السنہ بغوی معالم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قول اللہ تعالٰی الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ ﴿۵﴾ **قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا**[2]۔	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزّوجل قرآنِ عظیم میں فرماتا ہے "خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں"۔ فرمایا وہ لوگ جو نماز وقت گزار کر پڑھیں۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الترغیب فی حفظ الصّلوٰۃ الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲۱۴/۲

بغوی کی روایت یوں ہے:

عن مصعب بن سعد عن ابیه رضی الله تعالٰی عنهما انه قال سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الذین هم فی صلوتهم ساهون، قال: اضاعة الوقت[1]۔	مصعب بن سعد سے انکے والد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: اس سے مراد وقت کھونا ہے۔ (ت)

کھونا ہے۔ بعینہٖ یہی معنی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس اور ابن ابی حاتم نے مسروق اور عبدالرزاق وابن المنذر نے بطریق مالک بن دینار امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیے روایت اخیرہ یوں ہے کہ ابو العالیہ نے کہا ساھون وہ لوگ ہیں جنہیں یاد نہ رہے کہ رکعتیں دو۲ پڑھیں یا تین۳۔ اس پر امام حسن نے فرمایا: **هو الذی یسهو عن میقاتها حتی تفوت** (ہائیں وہ وہ ہیں جو اُس وقت سے غافل رہیں یہاں تک کہ وقت نکل جائے۔ م) فقیر کے یہاں بحمداللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابق مذہب حنفی ہوتی ہے، عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں، مذہب حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اُس حد تک کہ وقتِ کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اُس وقت آتا ہے جب قرصِ آفتاب پر بے تکلّف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نماز عَصر اُس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقت مستحب ہے مثلاً آج کل تقریبًا سات۷ بجے غروب ہے اور قریب پانچ کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے تو وقت مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نمازِ عصر پڑھیں اور عشا میں وقتِ کراہت آدھی رات کے بعد ہے یہ حالتیں بحمداللہ تعالٰی میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی دارقطنی سنن اور حاکم صحیح مستدرک میں بطریق عباس بن ذریح، زیاد بن عبداللہ نخعی سے راوی:

قال کنا جلوسا مع علی رضی الله تعالٰی عنه فی المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال: یاامیر المؤمنین! فقال: اجلس، فجلس، ثم عاد فقال له ذلک، فقال رضی الله تعالٰی	ہم کُوفہ کی جامع مسجد میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے، مؤذن آیا اور عرض کی: یاامیرالمومنین (یعنی نمازِ عصر کو تشریف لے چلیے) امیرالمومنین نے فرمایا: بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر دوبارہ حاضر ہُوا اور

---

[1] تفسیر البغوی مع تفسیر الخازن، زیر آیۃ الذین ھم عن صلٰوتھم ساھون ، مطبوعہ مکتبۃ المصطفیٰ البابی مصر ۷/۲۹۹

عنه. هذا الكلب يعلمنا السنة. فقام على فصلى بنا العصر. ثمّ انصرفنا. فرجعنا الى المكان الذى كنافيه جلوسا. فجثونا للركب لنزول الشمس للغروب نتراأها[1]۔	وہی عرض کی۔ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، نے فرمایا: یہ کُتّا ہمیں سُنّت سکھاتا ہے۔ بعدہ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھُٹنوں کے بل کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے اس لئے کہ وہ ڈوبنے کو اُتر گیا تھا۔

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے

اما ان زیاد المریروعنه غیر العباس[2]، قاله الدارقطنی. **فاقول:** عباس ثقة. وغايته جهالة عين. فلا تضر عندنا. لاسيما فى اكابر التابعين۔ قال فى المسلّم. لاجرح بان له راويا فقط وهومجهول العين باصطلاح[3]۔ قال فى الفواتح. وقيل لايقبل عند المحدثين. وهو تحكم[4]۔	رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی، جیسا کہ دار قطنی نے کہا ہے، **تو میں کہتا ہوں:** عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصًا اکابر تابعین میں۔ مسلّم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر "مجہول العین" ہے، فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔ (ت)

اگر یہ مولٰی علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتارہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرمارہے ہیں، اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ، سے نمازِ صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں:

قال كان على ابن ابى طالب رضى الله تعالٰى عنه يصلى بناالفجر ونحن	مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس

---

[1] سُنن الدار قطنی، باب ذکر بیان المواقیت الخ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، ۱/۲۵۱

[2] سُنن الدار قطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱

[3] مسلّم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم، ایران ۲/۱۴۹

[4] فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت مسئلہ مجہول الحال الخ ۲/۱۴۹

نترا ای الشمس مخافة ان تکون قد طلعت[1]۔	خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے:

ذکر الامام الدیلمی عن زھیر ابن کیسان قال صلیت مع الرصافی العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتّٰی خفتُ فوات الوقت ثم انطلقت الٰی مسجد سفین فاذاھو لم یصل العصر فقلت رحم اللہ اباحنیفة ما اخرھا مثل اخر سفین[2]	یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہُوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفیٰن ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ اُنہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفیٰن نے۔

فقیر کے یہاں سَوا گھنٹا دن رہے اذانِ عصر ہوتی ہے اور گھنٹا بھر دن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹا دن رہے سے پہلے ہوچکی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۷۹) از ریاست رام پور متصل تالاب کنڈا محلّہ میاں نگاناں مکان جناب سید غلام چشتی صاحب مرسلۂ جناب مولٰنا مولوی محمد یحیٰی صاحب ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قطع نظر شفق سُرخ وسپید کے باتفاق علمائے حنفیّہ بعد غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹے بیس منٹ کے بعد ہمیشہ وقت عشاء کا آجاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عشائے متفق علیہ کا وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد ہوجانے کا جبروتی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافًا لکھ دیا اور گنگوہ ودیوبند کے جاہل وناواقف مُلّاؤں نے اُس کی تصدیق وتوثیق کی۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہان پور، مراد آباد، بجنور، بلند شہر، پیلی بھیت، دہلی، میرٹھ، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ وغیرہا بلاد شمالیہ بلکہ عامہ مواضع واضلاع ممالک مغربی وشمالی واودھ وپنجاب وبنگال ووسط ہندو راجپوتانہ غرض معظم آبادی ہندوستان میں محض غلط وباطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاری وعاطل ہے ہمارے بلاد اور اُن کے قریب العرض شہروں میں عشا کا اجماعی وقت غروب شرعی شمس کے ایک گھنٹا اُنیس منٹ بعد سے ایک گھنٹا

---

[1] شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۳

[2] مناقب امام اعظم ابو حنیفہ للکُردری الفصل الثانی فی اصول بنی علیہ مذہب مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱/ ۱۵۲

پنتیس^{۳۵} منٹ بعد تک ہوتا ہے پھر جس قدر شمال کو جایئے وقت بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اقصائے شمالی ہند میں تحویل سرطان کے آس پاس بعد غروب شمس پونے دو^{۲} گھنٹے سے بھی زائد ایک گھنٹا اڑتالیس^{۴۸} منٹ تک پہنچتا ہے، دو^{۲} منٹ کم آدھے گھنٹے کی غلطی ہے کہ شفق احمر وابیض میں اختلافِ ائمہ بھی اُس کی جھونک نہیں اٹھاسکتا ہم اپنے بلاد میں سب سے جلد آنے والے عشا کہ حوالی اعتدالین یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کے ارد گرد ہوتی ہے اور سب سے دیر میں ہونے والی عشا کہ تحویلِ سرطان ۲۲ جُون پر ہوتی ہے حساب ہندسی سے پیش کریں جس سے واضح ہوجائے گا کہ اُن بے علم مفتیوں نے شرعِ الٰہی پر جاہلانہ حکم لگادینے میں کس قدر جرأت کی **تحویل حمل** غروب نجومی وہات انکسار افقی تقریبًا قہ تعدیل الایام زائد قہ ح فرق طول شرقی مدارح قہ ح مجموع وت یہ یعنی ۲۱ مارچ کو یہاں غروب شمس تقریبًا سواچھ بجے ہے العشاء (جیب غایۃ الانخفاص ساحہ لر مثل تمام العرض لعدم المیل = نت حہ مرح نخ) = (جیب انخفاض الوقت لح حہ = لح حہ لب الرم) = لد حہ مد موتح ۔(جیب اوسط = جیب تام العرض لعدم المیل = نت قہ مر مد منحطا) = لح حہ نہ لب سہم قوسہ سط حہ الولح فضل الدائر x ء = ء ت لر مہ تمامہ الی رت نہ الب نہ + (تعدیل الایام وفرق طول زائدین = ماقہ) رت لح ہہ یعنی اُس تاریخ سات بج کر سوا تینتیس منٹ پر وقتِ عشا آیا اس میں سے سواچھ گھنٹے تفریق کیے تو ایک گھنٹا سوا اٹھارہ منٹ رہے **تحویل سرطان** غروب نجومی وت مذح انکسار قہ ء تعدیل الایام وفرق طول زائدین قہ مجموع رت ح یعنی ۲۲ جون کو یہاں غروب شمس سات بج کر تین منٹ پر ہے **وبروجہ ادق** تمام العرض حہ سالر۔ میل اعظم الح حہ الر = لح ح ی غایۃ الانحطاط جیبہ لرء حہ لرالو نصف قطرہ مو + انکسار معدل لب قہ نا = مع قہ لرانحطاط الوقت جیبہ قہ مذنۃ تفاضل الجیبین لو صہ ح مب نا جیب تمام المیل سوحہ لح = نہ حہ م ء x جیب تمام العرض نب حہ مرح نخ منحط = مح حہ الہ لح لح جیب اوسط پس تفاضل جیبین ÷ جیب اوسط منحط = مد حہ نخ ط مہ سہم قوسہ عہ حہ الدلوہ فضل الدائر x قہ ء = ہ ت الح تمام وت نخ الب + تعدیل الایام انہ لب + فصل شرقی ح قہ ما = رت ح ہ یوں بھی وہی سات پر تین منٹ آئے۔

العشاء لرحہء لرالو۔ح حہ لب الرم = ح حہ لب ط مو ÷ مح قہ الہ لح لح = الب حہ نر سو سہم قوسہ ناحہ نخ و فضل الدائر x ء قہ = ح ت الرلب تمامہ ح ت لب الح + الب قہ + قح ما = ح ت لر ما یعنی اُس تاریخ ۸ بج کر سوا سینتیس منٹ پر عشا ہُوئی تفریق وقت غروب کرنے پر ایک گھنٹے چونتیس منٹ سے قدرے زائد وقت ہُوا بعینہٖ یہی مقداریں وقت صبح کی ہیں ہاں ہمارے بلاد میں صرف بقدر ثلث سال بھر یعنی تقریبًا نصف دلو سے نصف حمل اور نصف سنبلہ سے نصف عقرب تک یہ اوقات ایک گھنٹا بیس منٹ کے قریب قریب رہتے ہیں باقی تمام سال میں اُس سے زائد تو دہلی، رامپور، میرٹھ، مظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، سہارن پور میں کہ سب بریلی سے شمال کو ہیں اور باہم ہر پچھلا پہلے سے زیادہ شمالی ہے ہمیشہ ایک گھنٹا بیس منٹ کیونکر معقول ہے اگرچہ مفتیان جاہل ومخطیان غافل اپنی بیخبردی سے تصدیقیں کریں شہادتیں دیں اُس کو اپنے بے بصر بے خبر عمائد کا معمول یہ بتائیں وہ بھی نہ فقط عشا بلکہ وقت صبح میں بھی جس کا حاصل

یہ کہ سال کے دو۲ تہائی حصّے میں اُن کبراواذ باب سب کے روزے نذر جہل بے حساب اور اُن کی سحری کے ختم بلکہ کبھی شروع سے بھی پہلے جلوہ صبح صادق بے حجاب نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۲۸۰) از اترولی ضلع علی گڈھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا عصر کا مغرب وعشاوفجر کا کب تک رہتا ہے خصوص مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب:

وقت ظہر کا اُس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ سواسایہ اصلی کے جو اُس روز ٹھیک دوپہر کو پڑا ہو دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک یعنی جب سورج کی کوئی کرن بالائے اُفق نہ رہے اور اُس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرص آفتاب پر جمنے لگی وقتِ کراہت آگیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اُس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس۲۰ منٹ رہ جاتے ہیں مغرب کا وقت سپیدی ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوباً شمالاً پھیلی ہوتی اور بعد سُرخی غائب ہونے کے تادیر باقی رہتی ہے جب وہ نہ رہی وقتِ مغرب گیا اور عشا آئی دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقاً غرباً ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ بعد غروبِ آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ وآخر ستمبر میں، اور زیادہ سے ایک گھنٹا ۳۵ منٹ ہوتا ہے آخر جون میں، اور موسم سرما میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹا چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں، اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہوجائیں، اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے۔ عشا کا وقت طلوعِ فجر صادق تک ہے اور وقتِ مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے۔ یہ تمام اوقات درجات شمس ودرجات عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے ایک وقتِ معین بتانا ممکن نہیں۔ مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا اُس کیلئے وہ قریب تخمینہ کو ان شہروں میں ہے گزارش ہُوا یہی تخمینہ مقدار صبح صادق کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۸۱) از رانی کھیت:

ماہِ جون وجولائی واگست میں نمازِ ظہر کا وقتِ مستحب کے بجے سے شروع ہوتا ہے اور کَے بجے تک رہتا ہے؟

الجواب:

بحکمِ حدیث وفقہ ایامِ گرما میں تاخیرِ ظہر مستحب ومسنون ہے اور تاخیر کے یہ معنی کہ وقت کے دو۲ حصّے

کیے جائیں نصف اوّل چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں [1] **کما افادہ فی البحر الرائق عن الاسرار وغیرہ** (جیسا کہ بحر الرائق میں اسرار وغیرہ سے اس کا افادہ کیا ہے) اور صیف یعنی ایامِ گرما سے مراد زمان اشتداد گرمی ہے۔ خلاصہ و بحر وغیرہما میں ہے:

الشتاء مااشتد فیه البرد علی الدوام، والصیف مایشتد فیه الحر علی الدوام [2]۔	شتاء اس موسم کو کہتے ہیں جس میں مستقل طور پر شدید سردی رہے اور صیف اس موسم کو کہتے ہیں جس میں ہر وقت سخت گرمی رہے (ت)

اور یہ باختلاف بلاد مختلف ہوتا ہے فلکیوں کی تقسیم کہ تحویلِ حمل سے آخر جوزا تک ربیع، آخرِ سنبلہ تک صیف، آخر قوس تک خریف، آخرِ حوت تک شتا ہے اُن کے بلاد کے موافق ہوگی، ہمارے بلاد میں ہر فصل ایک بُرج پہلے شروع ہوجاتی ہے مثلاً جاڑا تحویل جدی یعنی ۲۲ دسمبر سے شروع نہیں ہوتا بلکہ دسمبر کا سارا مہینہ اور اواخر نومبر یقیناً اشتداد سرما کا وقت ہے، یونہی درختوں مشاہدہ شہادت دیتا ہے کہ اواخر فروری تحویل حوت سے بہار شروع ہوجاتی ہے اور بیشک جون کا پورا مہینہ اور اواخر مئی شدّتِ گرما کا وقت ہے تو ہمارے یہاں تقسیم فصول یوں ہے حوت حمل ثور بہار، جوزا سرطان اسد گرمی، سنبلہ میزان عقرب خریف، قوس جدی دلو جاڑا، تو زمانہ استحباب تاخیر ظہر ۲۲ مئی سے ۲۴ اگست تک ہے اوقات نماز کا آغاز وانجام ہر روز بدلتا ہے ایک وقت معین کی تعین ناممکن ہے لہٰذا ہم صرف ایام تحویلات ثور تا سنبلہ کا حساب بیان کریں کہ اُس سے ایام مابین کا تقریبی قیاس کرسکیں اور زیادت افادت کیلئے ان ایام کا طلوع و غروب بھی لکھ دیں کہ اگرچہ مئی جُون گزرگئے جولائی اگست باقی ہیں صحیح گھڑی سے مقابلہ کرسکتے ہیں اگر دھوپ گھڑی موجود ہو تو جس وقت اس میں کیلی کا سایہ خطِ نصف النہار پر منطبق ہو جیبی گھڑی میں وہ وقت کردیں جو خانہ شروع وقت ظہر میں ہم نے لکھا ہے یہ گھڑی نہایت کافی وجہ پر صحیح ہوگی ورنہ شام کے چار ۴ بجے جو مدراس سے تار آتا ہے جس وقت وہ سولہ ۱۶ کا گھنٹا بتائے گھڑی میں فوراً چار بجائیں ورنہ ریل تار کی گھڑیوں بلکہ توپ کا بھی کچھ اعتبار نہیں میں نے توپ میں گیارہ منٹ تک کی غلطی مشاہدہ کی ہے اور تین چار منٹ کی غلطی تو صدہا بار پائی ہے ہم اس نقشہ میں ریلوے کا وقت دیں گے اور ازانجا کہ یہ تقریب سالہاسال تک کام دے سکنڈوں کی تدقیق نہ کریں گے رانی کھیت کے لئے جس کا عرض شمالی ۲۹ درجے ۳۸ دقیقے اور طول مشرقی ۷۹ درجے ۲۸ دقیقے ہے۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

اوقات بعض تحویلات کا نقشہ

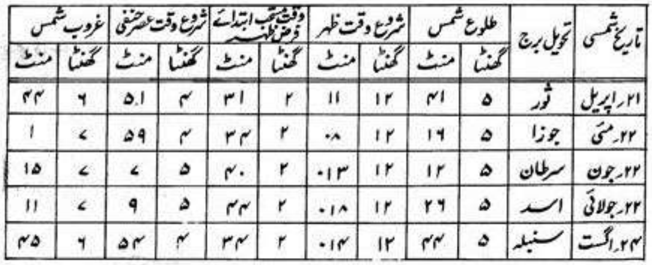

تاریخ شمسی	تحویل برج	طلوع شمس		شروع وقت ظہر		وقت مستحب ابتدائے فرض ظہر		شروع وقت عصر حنفی		غروب شمس	
		گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ
۲۱ر اپریل	ثور	۵	۴۱	۱۲	۱۱	۲	۳۱	۴	۵.۱	۶	۴۴
۲۲ر مئی	جوزا	۵	۱۶	۱۲	۰۸	۲	۳۴	۴	۵۹	۷	۱
۲۲ر جون	سرطان	۵	۱۲	۱۲	۰۱۳	۲	۴۰	۵	۷	۷	۱۵
۲۲ر جولائی	اسد	۵	۲۶	۱۲	۰۱۸	۲	۴۴	۵	۹	۷	۱۱
۲۴ر اگست	سنبلہ	۵	۴۴	۱۲	۰۱۴	۲	۳۴	۴	۵۴	۶	۴۵

بعض عوام کو اپنی ناواقفی سے وقت ظہر پانچ بجے تک رہنے کا بھی تعجب ہوتا ہے نہ کہ پانچ سے بھی کچھ منٹ زائد تک لہٰذا ایامِ خمسہ میں سب سے بڑا وقت کہ ۲۴ جولائی کا آیا ہم اس کی برہان ہندسی ذکر کردیں کہ آج کل بہت مدعیانِ علم بھی فنِ توقیت سے محض ناواقف ہیں اُنہیں اطمینان ہو کہ یہ بیانات جزافی نہیں تحقیقی ہیں جو نہ جانتا ہو جاننے والوں کا اتباع کرے، اور جو نہ خود جانے نہ جاننے والوں کی مانے اس کا مرض لاعلاج ہے **البرھان** تحویل مفروض بوقت مطلوب راس الاسد بہت ساعۃ درجہ سابقہ ب قہ الح ب x وقت تخمینی ء ت مط لو = ماقہ لاما تقویم نصف النہار حقیقی ج ح الط مح الط میلک حہ ہاا + تمام العرض سہ ح الب + نصف قطربہ قہ مو = ف حہ مط مو تمامہ ط حہ ی مد بعد سمتی حقیقی حاجی وقت ظہیرہ تحویلش بمرئی ط حہ ی ہ ظلش ط حہ ما اما ظل وقت عصر حنفی ع ط ما اما قوسہ حہ سہ + نصف قطر = حہ سہ الرنط الب بعد سمتی حقیقی مرکزی وقت مطلوب عرض البلد الط حہ لح میل راس الاسد ک حہ ط لح نر = ط حہ الح الوح + بعد سمتی = عدحہ نوالہ الہ نصفہ لرحہ الح مح جیبہ ۲۶ ۷۸۴۱۵ء ۹ وبعد سمتی۔ نصف مذکور = الرحہ نط موط جیبہ ۶۷۱۵۵۶۴ء ۹ قاطع عرض ۶۶ ۰۶۰۸۷ئ ۰ قاطع میل ۰۲۷۴۵۶۰ء جمیع الاربعہ ۹۵۴۴۰۲۲ء ۹ تقویسش درجدول وقت ۶ء ۹ ۵۴ ت + فصل طول وسط الہندی ۱۲ + تعدیل الایام ۱۶ً ۲َ = ۶ یً ۳۳ً ۸َ ۵ ت یعنی پانچ بج کر آٹھ منٹ ۳۴ سکنڈ پر وقتِ ظہر ختم ہُوا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۲ و ۲۸۳) از شہر۔ سنہری مسجد مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب یکے از طلبائے مدرسہ اہل سنّت وجماعت بریلی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد نالہ میں ظہر کی نماز وقت ۲ ۱/۲ پر باجماعت ہوتی ہے اور عصر کی نماز ۴ ۱/۲ پر باجماعت ہوتی ہے یہ وقت نماز کے ایامِ سرما میں تنگ سمجھے جائیں گے یا کچھ کمی بیشی ان اوقات میں کی جائے۔ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ ظہر ۲ بجے اور عصر ۴ بجے ہونی چاہئے ان دو۲ وقتوں میں اوّل کی پابندی کی جائے یا ثانی کی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں ہر جماعت یعنی ایک ہی وقت کی کئی جماعت کے واسطے تکبیر اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعت اوّل ہی میں اور محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانی میں تکبیر اور اذان ہونی چاہئے یا نہیں اور بازاری مسجد میں ہر جماعت اولیٰ کا ثواب ہے یا نہیں۔

الجواب:

اگر یہ صحیح وقت ہوں تو کسی موسم میں ظہر اور عصر کیلئے تنگ وقت نہیں سب میں جلد وقت مغرب نومبر کے آخر اور دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں ہوتا ہے جب ریلوے وقت سے آفتاب سوا پانچ بجے ڈوبتا ہے اور کراہت کا وقت غروب سے صرف بیس منٹ پہلے ہے تو چار بج کر پچپن ۵۵ منٹ پر وقتِ کراہت آجائے گا نماز اگر ٹھیک ساڑھے چار بجے شروع ہُوئی تو غایت درجہ دس ۱۰ بارہ ۱۲ منٹ میں ختم ہوجائیگی جب بھی وقت کراہت سے تقریبًا پاؤ گھنٹے پہلے ہوچکے گی، ہاں اُن دنوں میں پونے پانچ بجے شروع جماعت میں خطرہ ہے کہ اگر جماعت ۸ منٹ میں ادا کی اور شروع میں پونے پانچ بجے سے دو۲ تین۳ منٹ بھی دیر ہوگئی تو سلام سے پہلے وقت کراہت آجائے گا اتنی تاخیر وہ کرے جس وقت صحیح معلوم ہوں اور تصحیح ساعات جانتا ہو کہ عصر میں جتنی تاخیر ہو افضل ہے جبکہ وقتِ کراہت سے پہلے پہلے ختم ہوجائے، پھر جو وقت مقرر ہوتا ہے اکثر چند منٹ اس سے تاخیر بھی ہوجاتی ہے اور گھڑی کبھی چند منٹ سُست ہوجاتی ہے و من رتع حول الحمی اوشک ان یقع فیہ (اور جو چراگاہ کے ارد گرد چرے، تو ہوسکتا ہے کہ اس میں گھُس پڑے۔ت) لہٰذا اُن ایام میں عام کو عصر سوا چار بجے مناسب تر ہے اور گھڑی کی تحقیق صحیح ہو تو ایام سرما میں ساڑھے چار بجے شروع نماز میں اصلًا حرج نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں کہ اہلِ بازار کے لئے بنی اسی طرح سَرا اور اسٹیشن کی مسجد اور مسجد جامع ان سب میں افضل یہی ہے کہ جو گروہ آئے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے وہ سب جماعت اولیٰ ہوں گی اور مسجدِ محلّہ میں جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان منع ہے تکبیر میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۴و۲۸۵): از موضع سرنیاں ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بعض اشخاص ذی علم اور مولوی سوال کرتے ہیں کہ آپ کے اعلیحضرت مولٰنا مولوی حاجی مفتی قاری صاحب کیوں نمازِ جمعہ وقت کھو کر پڑھتے ہیں وقت قطعی نہیں رہتا ہے اور دیگر نمازیں بھی اخیر وقت پر پڑھتے ہیں، سائل نے اس کے جواب میں یوں کہا کہ وقت کھونا نہیں ہے بلکہ درمیان وقت جمعہ ادا ہوتا ہے اور کُل نمازیں بھی درمیان وقت میں پڑھتے ہیں کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ طریق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درمیان وقت میں پڑھتے تھے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے روز اوّل وقت اور دوسرے روز اخیر وقت پڑھا اور کہا کہ وقت اِن دونوں نمازوں کے درمیان ہے اس پر وہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ اکثر ہم لوگ دُور دُور تک سَیر کو گئے ہیں بمبئی، مکّہ شریف، مدینہ شریف اور ہندوستان کے کل شہروں میں مولوی اول وقت ادا کرتے ہیں کیا وہ حنفی مذہب نہیں ہیں دیگر دیہات میں مولوی جمعہ کی نماز جائز کرتے ہیں اور اعلٰحضرت منع کرتے ہیں حنفی مذہب سے خلاف ہے ہر قسم کے سوال کرتے ہیں خیر ان کا لکھنا مناسب نہ جانا حضور جو کچھ تحریر فرماویں جواب دیا جائے گا۔

الجواب:

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًاؕ [1]	یونہی ہم نے ہر نبی کے دشمن کردیے آدمیوں اور جن میں کے شیطان کہ اُن میں ایک دوسرے کے دل میں جھُوٹی بات ڈالتا ہے دھوکے کی۔

جب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ یہ برتاؤ رہا تو اُن کے ادنٰی غلام کیوں اپنے آقایان کرام کے ترکہ سے محروم رہیں، جائے ہزاروں ہزار شکر ہے کہ ہم سے نالائقوں کو اُن کریموں کے ترکہ سے حصّہ ملے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ [2] (جاہلوں سے منہ پھیر لو) اور فرماتا ہے جاہلوں کے جواب میں یوں کہو: لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾ [3] (جاہلوں کے مُنہ لگنا ہم نہیں چاہتے) نہ کہ وہ حضرات کہ جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی اور مفتری بے حجاب بھی اور معاند تعصب مآب بھی، ایسوں کیلئے یہ مناسب ہے کہ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ

---

[1] القرآن سورہ الانعام ۶ آیت ۱۱۲

[2] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۹۹

[3] القرآن سورہ القصص ۲۸/۱ آیت ۵۵

يَعْمَهُوْنَ۝۱۱۰ ع [1] (ہم اُنہیں چھوڑتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں) ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں موجود ہیں مگر متعصب معاند کو علم دینا بے سُود اور کذب وافترا کا علاج مفقود، سائل ان کو ذی علم مولوی کہتا ہے اور جو باتیں اُن کی بیان کیں وہ تو ایسے جاہلوں کی ہیں جن کو کسی عالم کی صحبت بھی نصیب نہ ہوئی۔ سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بیہودہ باتیں پیش نہ کیا کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۶/۱۱۰

رسالہ

حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ

دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو۲ نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا

مسئلہ (۲۸۶) از بریلی محلّہ قراولان یکم رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو۲ نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی جعل الصلاۃ علی المؤمنین کتابا موقوتا، وامرھم ان یحافظوا علیھا فیحفظوھا ارکانا وشروطا ووقوتا، مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾، وافضل الصلوات، واکمل التحیات، علی من عین الاوقات وبین العلامات، وحرم علی امتہ اضاعۃ الصلوات، وعلی اٰلہ الکرام، وصحبہ العظام، ومجتھدی شرعہ الغر الفخام، لاسیما

الامام الاقدم، والھمام الاعظم، امام الائمة، مالك الازمة، کاشف الغمة، سراج الامة، نائل علم الشرع الحنفی من اوج الثریا، ناشر علم الدین الحنیفی نشرا جلیا، نصر اللہ اتباعه ورضی اتباعه متبوعا تابعیا، وعلینا معھم، یاارحم الراحمین، الی یوم الدین۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نماز فرض کاایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت، ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوادو۲ نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم واحادیث صحاح سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ یہی مذہب ہے حضرت ناطق بالحق والصواب موافق الرائے بالوحی والکتاب امیرالمومنین عمرفاروق اعظم وحضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ وحضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ وحضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت سیدتنا امّ المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق **اعاظم صحابہ کرام** وخلیفہ راشد امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز وامام سالم بن عبداللہ بن عمرو امام علقمہ بن قیس وامام اسود بن یزید نخعی وامام حسن بصری وامام ابن سیرین وامام ابراہیم نخعی وامام مکحول شامی وامام جابر بن زید وامام عمرو بن دینار وامام حماد بن ابی سلیمان وامام اجل ابوحنیفہ اجلہ ائمہ تابعین وامام سفٰین ثوری وامام لیث بن سعد وامام قاضی الشرق والغرب ابویوسف وامام ابوعبداللہ محمد الشیبانی وامام زفر بن الہذیل وامام حسن بن زیاد وامام دارالہجرۃ عالم المدینۃ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابر **تبع تابعین** وامام عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک وامام عیسٰی بن ابان وامام ابوجعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمہ دین کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو۲ نمازیں ملاکر پڑھنا دو۲ قسم ہے: **جمع فعلی** جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آگیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہُوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہوگیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

للمسافر والمریض تاخیر المغرب للجمع بینها وبین العشاء فعلاً، کمافی الحلیة وغیرها، ای ان تصلی فی اٰخر وقتها	مسافراور مریض مغرب میں تاخیر کرسکتے ہیں تاکہ اس کو اور عشاء کو فعلاً اکٹھا کرلیں، جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں ہے، یعنی مغرب آخری وقت میں پڑھی جائے

والعشاء فی اول وقتها[1]۔	اور عشاء اوّل وقت ہیں۔ (ت)

اقول: تاخیر مغرب کا تو یہ خاص جزئیہ ہے اور اسی طرح تاخیر ظہر کہ عصر سے مل جائے بلکہ یہ بدرجہ اولٰی کہ ظہر میں تو کوئی وقت کراہت نہیں[2] کماصرح به فی البحر الرائق وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔ (جیسا کہ بحرالرائق میں تصریح ہے اور ردالمحتار کے حاشیے پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) بخلاف مغرب کہ اُس کی اتنی تاخیر بے عذر مکروہ شدید ہے[3] کمافی البحر والدر وغیرھما، ونطقت بکراھة ذلك احادیث۔ (جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، اور اس کی کراہت پر کوئی احادیث ناطق ہیں۔ت) پھر جزئیہ ظہرین بھی کتاب الحج میں نظر فقیر سے گزرا اس کتاب جلی الصواب حلی الخطاب رفیع النصاب میں کلام کلام امام ہمام محرر المذہب سیدنا محمد بن الحسن تلمیذ سید الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ اور تالیف رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه: الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظهر والعصر، والمغرب والعشاء سواءٌ یؤخر الظهر الٰی اٰخر وقتها ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتها فیصلی فی اول وقتها، وکذلك المغرب والعشاء یؤخر المغرب الٰی اٰخر وقتها فیصلی قبل ان یغیب الشفق وذلك اٰخر وقتها، ویصلی العشاء فی اول وقتها حین یغیب الشفق، فهذا الجمع بینهما[4]۔	امام فقیہ محدث عیسٰی بن ابان تلمیذ امام محمد ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سفر میں دو۲ نمازوں کا جمع کرنا، خواہ ظہر اور عصر ہوں یا مغرب اور عشاء ہوں، یکساں ہے۔ یعنی ظہر کو آخر وقت مؤخر کرکے پڑھے اور عصر میں تعجیل کرکے اس کو اول وقت میں پڑھ لے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ اس کے آخری وقت میں، یعنی شفق غائب ہونے سے تھوڑا پہلے پڑھے اور عشاء میں جلدی کرکے اس کو اول میں پڑھ لے، یعنی شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی، یہ طریقہ ہے ان کو جمع کرنے کا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی: من اراد	ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بارش،

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ المصطفٰی البابی مصر ۱/۲۷۱

[2] البحرالرائق کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۹

[3] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[4] کتاب الحجۃ باب جمع الصلاۃ فی السفر مطبوعہ دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۷۴

ان یجمع بین الصلاتین بمطر اوسفر اوغیرہ، فلیؤخر الاولی منھما حتی تکون فی اٰخر وقتھا، ویعجل الثانیۃ حتی یصلیھا فی اول وقتھا فیجمع بینھما، فتکون کل واحدۃ منھما فی وقتھا[1] الخ۔	سفر یا کسی اور وجہ سے دو۲ نمازوں کو جمع کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخر کردے اور دوسری میں جلدی کرکے اول وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں کو جمع کرلے، تاہم ہوگی ہر نماز اپنے وقت میں الخ (ت)

اس کلام برکت نظام امام کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم سے ظاہر ہوا کہ جواز جمع صوری صرف مرض وسفر پر متصور نہیں بضرورت شدت بارش بھی اجازت ہے مثلاً ظہر کے وقت مینہ برستا ہو تو انتظار کرکے آخر وقت حاضر مسجد ہوں جماعت ظہر ادا کریں اور وقت عصر پر تیقن ہوتے ہی جماعت عصر کرلیں کہ شاید شدتِ مطر بڑھ جائے اور حضور مسجد سے مانع آئے، مطر شدید میں تنہا گھر پڑھ لینے کی بھی اجازت ہے تو اُس صورت میں تو دونوں نمازوں کے لئے جماعت ومسجد کی محافظت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔ **اقول:** یعنی بمعنی مصطلح قائلان جمع کہ جو معنی جمع اُن کا مذہب ہے وہ حقیقۃً اسی صورت میں ہے ورنہ جمع اپنے اصل معنی پر دونوں جگہ حقیقی ہے **کمالایخفی**، اور اسی لحاظ سے جمع فعلی کو صوری کہتے ہیں ورنہ حقیقۃً فرائض میں یہ جمع بھی جمع صوری ہی ہے اُن میں تداخل محال تو جب ملیں گے صورۃً ملیں گے اور معنیً جدا **افافھم فانہ نفیس جدا** (اس کو سمجھو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے۔ت) اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دو۲ صورتیں ہیں:

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلا بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں، اور **جمع تاخیر** کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے، یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکّہ ومنٰی وغیرہما مواضع قریبہ کی وہ بوجہ نسک ہے نہ بوجہ سفر اور بحالت اضطرار وعدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدّتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب موخر رہیں گی اور وقت قدرت بحالت عدم سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے غزوہ خندق میں ظہر وعصر ومغرب وعشا کے وقت پڑھیں ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نماز اخیر

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۵۹

محض باطل وناکارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئیگا فرض ہوگی نہ پڑھے گی ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمدًا نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔ یہ **تفصیل** مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن وحدیث ناطق بلکہ توقیت صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کردینا بلاشبہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصدًا نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرام قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمدًا نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کرلیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت در کنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعًا نہ ہوگی، یونہی جو ظُہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹالے اس کا بھی نہ ہونا واجب، احادیث میں کہ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے جمع منقول اُس میں صراحةً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل ومحتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلًا کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے جمع تاخیر میں احادیث کثیرہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عندالتحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کرکے نظرِ انصاف کی جائے فورًا حق ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ بھی وجوبًا یا امکانًا اُسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں غرض جمع وقتی پر شرع مطہر سے کوئی دلیل واجب القبول اصلًا قائم نہیں بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں اور قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اور اصول شرع کی واضح دلیلیں اُس کی نفی پر حجت مبین، یہ اجمال کلام ودلائل مذہب ہے۔ لہٰذا یہ مختصر کلم چار۴ فصل پر منقسم:

فصل ۱ میں جمع صوری کا اثبات جمیل،

فصل ۲ میں شبہات جمع تقدیم کا ابطال جلیل،

فصل ۳ میں جمع تاخیر کی تضعیف واضح البینات،

فصل ۴ میں دلائل نفی جمع وہدایت التزام اوقات۔

اس مسئلے میں ہمارے زمانے کے امامِ لامذہباں مجتہد نامقلداں مخترع طرز نوی مبتدع آزادروی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہداہ اللہ الی الصراط السوی نے کتاب عجب العجاب معیار الحق کے آخر میں اپنی چلتی حد بھر کا کلام مشبع کیا مباحث مسئلہ میں اگلے پچھلے مالکیوں شافعیوں وغیرہم کا اُلٹا پُلٹا اُلجھا سُلجھا جیسا کلام حنفیّہ کے خلاف جہاں کہیں ملا سب جمع کرلیا اور کھلے خزانے احادیثِ صحاح کو رَد فرمانے رواۃ صحیحین کو مردود بتانے بخاری ومسلم کی صدہا حدیثوں کو واہیات بتانے محدثی کا بھرم عمل بالحدیث کا دھرم دن دہاڑے دھڑی دھڑی کرکے لٹانے میں رنگ رنگ سے اپنی نئی ابکار افکار کو جلوہ دیا تو بعون قدیر اُس تحریر عدیم التحریر حائز ہر غث ویابس ونقیر وقطمیر کے رد میں تمام مساعی نووکہن کا جواب اور مُلّا جی کے ادعاے باطل عمل بالحدیث ولیاقت اجتہاد وعلم حدیث کے روئے نہانی سے کشف حجاب

بعض علمائے عصر عہ۱ وعظمائے وقت غفر اللہ تعالٰی لنا ولہ وشکر فی انتصارنا للحق سعینا وسعیہ نے ملاجی پر تعقبات کثیرہ بسیط کیے مگر **اِن شاء اللہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ العلی العظیم**، یہ افاضات تازہ چیزے دیگر ہوں گے جنہیں دیکھ کر ہر منصف حق پسند بے ساختہ پکار اُٹھے کہ: ع

کم ترك الاول للاٰخر

(بہت سی چیزیں پہلوں نے پچھلوں کیلئے چھوڑ دی ہیں۔ ت)

فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تمام تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر اُن کے ماورا میں بھی جن کا عدد بعونہ تعالٰی اس عہ۲ وقت تک ایک سو چالیس سے متجاوز ہے ہمیشہ التزام رہا ہے کہ محل خاص نقل واستناد کے سوا محض جمع وتلفیق کلمات سابقین سے کم کام لیا جائے، حتی الوسع بحول وقوت ربانی اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے: ع

کہ حلوا چو یکبار خورند وبس

اگر اقامت دلائل یا ازاحت اقوال مخالف میں وہ امور مذکور بھی ہوتے ہیں کہ اور متکلمین فی المسئلہ ذکر کر گئے تو غالبًا وہ وہی واضحات متبادرہ الی الفہم ہیں کہ ذہن بے اعانت دیگرے اُن کی طرف سبقت کرے۔ انصافًا ان میں سابق ولاحق دونوں کا استحقاق یکساں مگر ازانجا کہ کلمات متقدمہ میں اُن کا ذکر نظر سے گزرا اپنی طرف نسبت نہیں کیا جاتا پھر ان میں بھی بعونہ تعالٰی تلخیص وتہذیب وترصیب وتقریب وحذف زوائد وزیادت فوائد سے جدّت جگہ پائے گی اور کُچھ نہ ہو تو اِن شاء اللہ تعالٰی طرزِ بیان ہی احلی ووقع فی القلب نظر آئے گی اس وقت تو یہ اپنا بیان ہے جس سے **بحمداللہ تعالٰی تحدیث بنعمۃ اللہ عزّوجل مقصود والحمدللہ الغفور الودود**، اہلِ حسد جس معنے پر چاہیں محمول کریں مگر اربابِ انصاف اگر تصانیف فقیر کو موازنہ فرمائیں گے بعونہ تعالٰی عیان موافق بیان پائیں گے بااینہمہ اس اعتراف سے چارہ نہیں کہ الفضل للمتقدم (پہل کرنے والے کو فضیلت حاصل ہوتی ہے) خصوصًا علمائے سلف رضی اللہ تعالٰی عنا باکرامھم وحشرنا فی زمرۃ خدامھم کہ جو کچھ ہے اُنہیں کی خدمت کلمات برکت آیات کا نتیجہ اور اُنہیں کی بارگاہ دولت کا حصہ رسد بٹتا ہوا صدقہ: ع

اے بادِ صبا! اینہمہ آوردہ تست

ہاں ہاں یہ کفش برادری خدام درگاہ فضائل پناہ اعلٰحضرت عظیم البرکت اعلم العلماء الربانین افضل

عہ۱: یعنی جناب مستطاب حامی السنن ماحی الفتن مولٰنا مولوی حافظ الحاج محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

عہ۲: یہ اُس وقت تھا اب کہ ۱۳۱۹ھ ہے بحمد اللہ تعالٰی عدد تصانیف ایک سو نوے ۱۹۰ سے متجاوز ہے ۱۲ اور اب تو بحمدہ تعالٰی اگر احصا کیا جائے تو پانسو سے متجاوز ہوگا ۱۲ (م)

الفضلاء الحقانیین حامی السنن السنیہ ماحی الفتن الدنیہ بقیہ السلف المصلحین حجۃ الخلف المفلحین آیۃ من آیات رب العٰلمین معجزۃ من معجزات سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك وسلم اجمعین ذی التصنیفات الرائقہ والتحقیقات الفائقہ والتدقیقات الشائقہ تاج المحققین سراج المدققین اکمل الفقہاء المحدثین حضرت سیدنا الواجد امجد الاماجد اطیب الاطائب **مولانا مولوی محمد نقی علی خان صاحب** محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس اللہ سرہ، وعم برّہ وثم نورہ واعظم اجرہ واکرم نزلہ وانعم منزلہ ولاحرمنا سعدہ ولم یفتنا بعدہ والحمدللہ دہرالداہرین ہاں ہاں یہ ادنٰی خاکبوسی آستان رفیع غلمان منیع بندگان بارگاہ عرفان پناہ اقدس حضرت آقائے نعمت دریائے رحمت اعرف العرفاء الکرام مرجع الاولیاء العظام السحاب الھامر بفیض القادر والعباب الزاخر بالفضل الباھر ذوالقرب الزاہر والعلو الظاہر والنسب الطاہر ملحق الاصاغر بالجلۃ الاکابر معدن **البرکات** مخزن الحسنات من **آل محمد** سید الکائنات علیہ وعلیہم افضل الصلوات وارث النجدات من **حمزۃ** الحمزات القمر المستبین بالنور المبین من **شمس الدین ابی الفضل** العظیم والشرف الکریم سیدنا ومولٰنا وملجانا وماوانا شیخی ومرشدی کنزی وذخری لیومی وغدی اعلٰحضرت **سیدنا السید الشاہ آل رسول الاحمدی** فاطمی حسینی قادری برکاتی واسطی بلجرامی مارہری رضی اللہ تعالٰی عنہ واجل واعظم قربہ منہ واشرق علینا من نورہ التام وافاض علینا من بحرہ الطام وجعلنا من خدمہ فی دارالسلام بفضل رحمۃ علیہ وعلٰی آبائہ الکرام والحمدللہ ابدالآبدین؎

عہد ما بالب شیریں دہنان بست خدا ے
ماہمہ بندہ وایں قوم خداوند انند

(خدانے شیریں دہنوں کے لبوں سے ہمارا عہد باندھ دیا ہے، ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ ہمارے آقا ہیں۔ت)

خیر کہنا یہ تھا کہ یہاں بھی اِن شاء اللہ تعالٰی یہی طریقہ رعایت[عہ] پائے گا ولہذا ایک آدھ بحث کہ بقدر کافی طے کردی گئی اس سے تعرض اطناب سمجھا جائے گا کہ مقصود اظہار احقاق ہے نہ اکثار اوراق۔ ان چار فصل میں ملّا جی کے ادعائی بول یکسر برعکس ہیں سایہ بخت سے سب قابل نکس ہیں جابجا ثابت کو ناثابت ناثابت کو ثابت ساکت کو ناطق ناطق کو ساکت ضعیف کو صحیح صحیح کو ضعیف تحریف کو توجیہ توجیہ کو تحریف مؤول کو مفسر مفسر کو مؤول محتمل کو صریح صریح کو محتمل کہا اول تا آخر کوئی دقیقہ تحکم ومکابرہ وتعصب مدابرہ کا نامرعی نہ رہا یہاں بعونہٖ تعالٰی عزمجدہ ہر فصل میں قول فصل وحق اصل بدلائل قاہرہ وبیانات باہرہ ظاہر کیجئے کہ اگر زبان انصاف سالم وصاف

[عہ]: لاسیما اذاکان فیئی لاترتضیہ لوھن اوضعف نعلم فیہ ۱۲۔(م) (حاشیہ کی اس عبارت سے غالبًا اعلٰحضرت کی اپنی عبارت گزشتہ صفحہ ۱۶۴ کی طرف اشارہ ہے: فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر ان کے ماورا میں بھی حتی الوسع اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے، ملحصًا (نذیر احمد سعیدی)

ہو تو مکالف منکر مدعی مُصر کو بھی معترف و مقر لیجئے۔

وماذلك علی اللہ بعزیز. ان ذلك علی اللہ یسیر. ان اللہ علٰی کل شیئ قدیر۔	اور یہ اللہ کیلئے مشکل نہیں ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، اللہ ہر شیئ پر قادر ہے۔ (ت)

یہ معارک جلیلہ تو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں رسالہ آپ کے پیشِ نظر ہے ملاحظہ کیجئے داد انصاف دیجئے ع فی طلعۃ الشمّس مایغنیک عن خبر (سُورج طلوع ہو جائے تو اس کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ت)

اس کے سوا نفس مسئلہ میں ملّا جی نے اپنے موافق کہیں چودہ ۱۴ کہیں پندرہ ۱۵ صحابیوں سے روایات آنا بیان کیا اور خود ہی اُسے بگاڑ کر کمی کی طرف پلٹے اور چار سے زیادہ ظاہر نہ کرسکے اُن میں بھی عندالانصاف اگر کُچھ لگتی ہوئی بات ہے تو صرف ایک سے۔ میں بعونہٖ تعالٰی اپنے موافق روایات تیئیس ۲۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لاؤں گا، ملّا جی صرف چار حدیثیں پیش خویش اپنے مفیدِ دکھاسکے جن میں حقیقۃً کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو اُن کی طرف نام بھی نہیں، میں بحول اللہ تعالٰی اُن سے دُونی آیتیں اور دس گنی حدیثیں اپنی طرف دکھاؤں گا، میں یہ بھی روشن کردوں گا کہ حنفیّہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنہ زنی ایسی پوچ ولچر بے بنیاد ہوتی ہے، میں یہ بھی بتادُوں گا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت اتنی ہے، میں یہ بھی دکھادوں گا کہ ملّا جی صاحب جو آج کل مجتھد العصر اور تمام طائفہ کے استاد مانے گئے ہیں اُن کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے بھی گرے درجہ کی ہے کل ذلك بعون الملك العزیز القریب المجیب وماتوفیقی الاّ باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب وھذا اوان الشروع فی المقصود متوکلا علی واھب الفیض والجود والحمدللہ العلی الودود والصّلاۃ والسلام علٰی احمد محمود محمد واٰلہ الکرام السعود امین۔

فصل اول طلوع فجر نوری بہ اثبات جمع صوری:

حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جمع صوری کا ثبوت اصلاً محل کلام نہیں اور وہی مذہب مہذب ائمہ حنفیّہ ہے اس میں صاف صریح جلیل و صحیح احادیث مروی مگر ملّا جی تو انکارِ آفتاب کے عادی، بکمال شوخ چشمی بے نقط سُنادی کہ کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت عــہ جمع صوری سفر میں کیا کرتے تھے [1]، بہت اچھا ذرا نگاہ رُو برُو۔

عــہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہ وبارک وکرم ۱۲ منہ (م)

---

[1] معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلٰوۃ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۴۰۱

حدیث ۱: جلیل و عظیم حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ اُس جناب سے مشہور و مستفیض ہے جسے امام بخاری وابوداؤد ونسائی نے اپنی صحاح اور امام عیسٰی بن ابان نے کتاب الحجج علٰی اہلِ مدینہ اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار اور ذہلی نے زہریات اور اسمٰعیل نے مستخرج صحیح بخاری میں بطرق عدیدہ کثیرہ روایت کیا:

فالبخاری والاسمعیلی والذھلی من طریق اللیث بن سعد عن یونس عن الزھری، والنسائی من طریقی یزید بن زریع والنضربن شمیل عن کثیر بن قاروندا کلاھما عن سالم۔ والنسائی عن قتیبۃ والطحاوی عن ابی عامر العقدی والفقیہ فی الحجج ثلثتھم عن العطاف، وابوداؤد عن فضیل بن غزوان، وعن عبداللہ بن العلاء، وایضا ھوعیسٰی والنسائی عن الولید والطحاوی عن بشر بن بکر، ھؤلاء الثلثۃ عن ابن جابر، والطحاوی عن اسامۃ بن زید، خمستھم اعنی العطاف وفضیلا وابن العلاء وجابر واسامۃ عن **نافع**۔ وابوداؤد عن **عبداللہ** بن واقد۔ والطحاوی عن **اسمٰعیل** بن عبدالرحمٰن اربعتھم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما۔	بخاری، اسمٰعیل اور ذہلی نے لیث ابن سعد کے طریقے سے یونس سے، اس نے زہری سے روایت کی ہے۔ اور نسائی نے یزید ابن زریع اور نضر ابن شمیل کے دو ۲ طریقوں سے کثیر ابن قاروندا سے روایت کی ہے۔ دونوں (زہری اور کثیر) سالم سے راوی ہیں۔ نسائی نے قتیبہ سے، طحاوی نے ابوعامر عقدی سے اور فقیہ نے حجج میں یہ تینوں عطاف سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوداؤد نے فضیل ابن غزوان سے اور عبداللہ ابن علاء سے روایت کی ہے۔ اور ابوداؤد نے ہی عیسٰی سے، نسائی نے ولید سے، طحاوی نے بشر ابن بکر سے، یہ تینوں (عیسٰی، ولید، بشر) جابر سے روایت کرتے ہیں۔ اور طحاوی نے اسامہ ابن زید سے روایت کی ہے۔ یہ پانچوں یعنی عطاف، فضیل، عبداللہ، جابر اور اسامہ نافع سے راوی ہیں، نیز ابوداؤد عبداللہ ابن واقد سے راوی ہیں اور طحاوی اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں۔ چاروں (سالم، نافع، عبداللہ ابن واقد، اسمٰعیل) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے (ناقل ہیں) (ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی نے جس طرح یہاں جمع و تلخیص طرق کی اکمال المحجہ وایضاح الحجہ کیلئے اُن کے اکثر نصوص والفاظ بھی وارد کرے وباللہ التوفیق، سنن **ابوداؤد** میں بسند صحیح ہے:

حدثنا محمد بن عبید المحاربی نامحمد بن فضیل عن ابیہ عن نافع وعبداللہ بن واقد ان مؤذن ابن عمر	یعنی نافع وعبداللہ بن واقد دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا چلو

قال: الصلاۃ، قال: سر، حتی اذاکان قبل غیوب الشفق نزل۔ فصلی المغرب، ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء، ثم قال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلك الیوم واللیلۃ مسیرۃ ثلث[1]۔	یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی (م)

ابوداود نے فرمایا:

رواہ ابن جابر عن نافع نحو ھذا باسنادہ حدثنا ابراھیم بن موسٰی الرازی انا عیسٰی ابن جابر بھذا المعنی ورواہ عبداللہ بن العلاء عن نافع، قال: حتی اذاکان عندذھاب الشفق نزل فجمع بینھما[2]۔	اس کو ابن جابر نے نافع سے اسی طرح روایت کیا ہے مع اسناد کے حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم ابن موسٰی رازی نے، اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں عیسٰی ابن جابر نے اس مفہوم کے ساتھ اور روایت کیا ہے اسکو عبداللہ بن علاء نے نافع سے کہ انہوں نے کہا: جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہُوئی اتر کر دونوں نمازیں جمع کیں۔ (ت)

نسائی کی روایت بسند صحیح یوں ہے:

اخبرنا محمود بن خالدثنا الولید ثنا ابن جابر ثنی نافع قال: خرجت مع عبداللہ بن عمر فی سفر، یرید ارضالہ، فاتاہ	یعنی نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آکر کہا آپ کی زوجہ صفیہ[عـہ] بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی

عـہ: ھی اخت مختار الکذاب المشھور، وابوھا ابوعبید رضی اللہ تعالٰی عنہ من الصحابۃ، استشھد فی خلافۃ امیرالمؤمنین، اما	صفیہ، مشہور مختار کذاب کی بہن تھیں۔ ان کے والد ابوعبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابہ میں سے تھے، امیرالمومنین کی خلافت کے دوران شہید ہوگئے تھے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۱

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۱

آتٍ فقال: ان صفیة بنت ابی عبید لمابها، فانظران تدرکها۔ فخرج مسرعا، ومعه رجل من قریش یسایره، وغابت الشمس فلم یصل الصلاة، وکان عهدی به وهو یحافظ علی الصلاة، فلما ابطاء **قلت:** الصلاة، یرحمك الله، فالتفت الی ومضی، حتی اذاکان فی اٰخر الشفق نزل فصلی المغرب، ثم اقام العشاء وقد تواری الشفق فصلی بنا، ثم اقبل علینا، فقال: ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذاعجل به السیر صنع هکذا[1]۔

آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بہ سُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سُورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا نماز خدا آپ پر رحم فرمائے میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہُوئے جب شفق کا اخیر حصّہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کرکے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔ (م)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هی، ففی عمدة القاری، ادرکت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وسمعت منه۔ اھ وفی ارشاد الساری، الصحابیة الثقفیة اخت المختار، وکانت من العابدات۔ اھ لکن قال الحافظ فی التقریب: قیل لها ادراک، وانکره الدارقطنی، وقال العجلی: ثقه فهی من الثانیة۔ اھ وحقق فی الاصابة نفی السماع واثبات الادراك ظنا، فراجعه۔ وقدحدث عن ازواج النبی صلی الله تعالٰی علیه وعلیهن وسلم ۱۲ منه (م)

صفیہ کے بارے میں عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔ اور ارشاد الساری میں ہے کہ یہ بنی ثقیف سے تعلق رکھنے والی صحابیہ تھیں اور مختار کی بہن تھیں، عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔ لیکن حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا لیکن دار قطنی نے اس کا انکار کیا ہے اور عجلی نے کہا ہے کہ ثقہ تھیں۔ اس لحاظ سے یہ طبقہ ثانیہ میں ہوں گی (یعنی تابعیات سے) اصابہ میں ثابت کیا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو نہیں سنا البتہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا زمانہ پایا ہو۔ اس سلسلے میں اصابہ کی طرف رجوع کرو۔ صفیہ نے ازواج مطہرات سے احادیث بیان کی ہیں۔ (ت)

---

[1] سنن نسائی الوقت الذی یجمع فیه المسافر الخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

اسی طرح امام طحاوی نے روایت کی فقال حدثنا ربیع المؤذن ثنا بشر بن بکر ثنی ابن جابر ثنی نافع فذکرہ[1]۔ نیز نسائی نے بسند حسن بطریق اخبرنا قتیبة بن سعید حدثنا العطاف[2] اور ابو جعفر نے بطریق حدثنا یزید بن سنان ثنا ابو عامر العقدی ثنا العطاف بن خالد المخزومی[3] اور امام فقیہ نے حجج میں بلاواسطہ روایت کی کہ اخبرنا عطاف بن خالد المخزومی المدینی قال اخبرنا نافع قال اقبلنا مع ابن عمر من مکة، حتی اذاکان ببعض الطریق استصرخ علی زوجته، فقیل له انها فی الموت، فاسرع السیر، وکان اذا نودی بالمغرب نزل مکانه فصلی، فلما کان تلك اللیلة نودی بالمغرب فسار حتی امسینا فظننا انه نسی، فقلنا: الصلاة، فسار حتی اذاکان الشفق قرب ان یغیب نزل فصلی المغرب، وغاب الشفق فصلی العشاء ثم اقبل علینا فقال: هکذا کنا نصنع مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجدبنا السیر۔ (یعنی امام نافع فرماتے ہیں راہِ مکّہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب شفق ڈوبنے کے قریب ہُوئی اُتر کر مغرب پڑھی اور شفق ڈوب گئی اب عشاء پڑھی پھر ہماری طرف مُنہ کرکے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے جب چلنے میں کوشش ہوتی تھی) امام عیسٰی بن ابان نے اسے روایت کرکے فرمایا: وهکذا قال ابو حنیفة فی الجمع بین الصلاتین ان یصلی الاول منهما فی اٰخر وقتها، والاخری فی اول وقتها، کما فعل عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما، ورواہ عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم[4] (یعنی دو۲ نمازیں جمع کرنے میں یہی طریقہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے کہ پہلی کو اس کے آخر وقت اور پچھلی کو اُس کے اوّل وقت میں پڑھے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خود کیا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا) نیز امام طحاوی نے اور طریق سے یوں روایت کی: حدثنا فحدثنا الحمانی ثنا عبدالله بن المبارك عن اسامه بن زید اخبرنی نافع، وفیه حتی اذاکان عند غیبوبة الشفق فجمع بینهما وقال رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصنع هکذا اذاجدبه السیر[5] (یعنی جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہوئی اُتر کر دونوں نمازیں جمع کیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے دیکھا جب حضور کو سفر میں

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۷۰

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

[4] کتاب الحجة باب الجمع الصلوٰۃ فی السفر دار المعارف نعمانیہ لاہور ۱/۱۷۴، ۱۷۵

[5] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

جلدی ہوتی) یہ طرق حدیث نافع عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تھے، اور صحیح بخاری ابواب التقصیر باب ھل یؤذن اویقیم اذاجمع بین المغرب والعشاء میں یوں ہے: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی سالم عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلاۃ المغرب حتی یجمع بینھا وبین العشاء۔ قال سالم، وکان عبداللہ یفعلہ اذاعجلہ السیر، ویقیم المغرب فیصلیھا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیھا رکعتین[1]۔ الحدیث۔ اُسی کے باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر میں بطریق مذکور وکان عبداللہ یفعلہ اذاعجلہ السیر تک روایت کرکے فرمایا[2] وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شھاب قال سالم کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما یجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ۔ قال سالم: واخر ابن عمر المغرب، وکان استصرخ علٰی امرأتہ صفیۃ بنت ابی عبید، فقلت لہ: الصلاۃ، فقال: سر، فقلت لہ: الصلاۃ، فقال: سر، حتی سار میلین اوثلثۃ، ثمّ نزل فصلی، ثم قال: ھکذا رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاعجلہ السیر یؤخر المغرب فیصلیھا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیھا رکعتین[3] الحدیث۔ (ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ایامِ حج میں ذی الحجہ کی دسویں رات مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع کرکے پڑھتے اور جب اپنی بی بی کی خبر گیری کو تشریف لے گئے تھے تو یوں کیا کہ مغرب کو آخر کیا، میں نے کہا نماز، فرمایا چلو، میں نے پھر کہا نماز۔ فرمایا چلو، دو۲ تین۳ میل چل کر اُترے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے، مغرب اخیر کرکے تین۳ رکعت پڑھتے پھر سلام پھیر کر تھوڑی دیر انتظار فرماتے پھر عشا کی اقامت فرما کر دو۲ رکعت پڑھتے) نسائی کے یہاں یوں ہے: اخبرنی محمد بن عبداللہ بن بزیع حدثنا یزید بن ذریع حدثنا کثیر بن قارَوَنْدا قال: سألت سالم بن عبداللہ عن صلاۃ ابیہ فی السفر وسألناہ ھل کان یجمع بین شیئ من صلاتہ فی سفرہ؟ فذکر ان صفیۃ بنت ابی عبید کانت تحتہ فکتبت الیہ، وھو فی زراعۃ لہ، انی فی اٰخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من

---

[1] جامع صحیح البخاری باب ھل یؤذّن اویقیم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۹/۱

[2] جامع صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثانی السفر ۱۴۸/۱

[3] جامع صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثانی السفر ۱۴۸/۱

الاخرۃ، فرکب فاسرع السیر الیھا، حتی اذاحانت صلاۃ الظھر قال لہ المؤذن: الصلاۃ یااباعبدالرحمٰن! فلم یلتفت، حتی اذاکان بین الصلاتین نزل، فقال: اقم، فاذا سلمت فاقم، فصلی ثم رکب حتی اذاغابت الشمس، قال لہ المؤذن: الصلاۃ، فقال: کفعلک فی صلاۃ الظھر والعصر، ثم سار حتی اذا اشتبکت النجوم نزل، ثم قال المؤذن: اقم فاذاسلمت فاقم، فصلی ثم انصرف فالتفت الینا فقال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاحضر احدکم الامر الذی یخاف فوتہ فلیصل ھذہ الصلاۃ [1]۔ (خلاصہ یہ کہ جب صفیہ کا خط پہنچا کہ اب میرا دمِ واپسیں ہے ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شتاباں چلے، نماز کیلئے ایسے وقت اُترے کہ ظُہر کا وقت جانے کو تھا اور عصر کا وقت آنے کو، اُس وقت ظہر پڑھ کر عصر پڑھی اور مغرب کے لئے اُس وقت اُترے جب تارے خُوب کِھل آئے تھے (جس وقت تک بلاعذر مغرب میں دیر لگانی مکروہ ہے، اُسے پڑھ کر عشاء پڑھی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کسی کو ایسی ضرورت پیش آئے جس کے فوت کا اندیشہ ہو تو اس طرح نماز پڑھے) نیز اسی حدیث میں دوسرے طریق سے یوں زائد کیا: اخبرنا عبدۃ بن عبدالرحیم ثنا ابن شمیل ثنا کثیر بن قارَوَندا قال سألنا سالم بن عبداللہ عن الصلاۃ فی السفر، فقلنا اکان عبداللہ یجمع بین شیئ من الصلاۃ فی السفر؟ فقال لا الا یجمع [2] یعنی ہم نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سوال کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سفر میں کسی نماز کو دُوسری کے ساتھ جمع فرماتے تھے کہا نہ سوامزدلفہ کے) (جہاں کا ملانا سب کے نزدیک بالاتفاق ہے) پھر وہی حدیث بیان کی کہ اُس سفر میں اُس طریق سے نمازیں پڑھی تھیں۔ اس حدیث جلیل کے اتنے طُرق کثیرہ ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سفر میں بحال شتاب وضرورت جمع صوری فرمائی ہے اور یہی ہمارے ائمہ کرام کامذہب ہے۔

حدیث ۲: امام اجل احمد بن حنبل مسند اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم مصنف میں بسند حسن بطریق اپنے شیخ وکیل بن الجراح کے اور امام طحاوی معانی الآثار میں بطریق حدثنا فھد ثنا الحسن بن البشیر ثنا المعافی بن عمران کلاھما عن مغیرہ بن زیاد الموصلی عن عطاء بن

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافرالخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۸

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافرالخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

ابی رباح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر یؤخر الظھر ویقدم العصر، ویؤخر المغرب ویقدم العشاء[1] (حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر فرماتے عصر کو اول وقت پڑھتے مغرب کی تاخیر فرماتے عشاء کو اوّل وقت پڑھتے)

حدیث ۳: ابوداؤد اپنی سنن باب متی یتم المسافر اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں بسند حسن جید متصل حضرت عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب وہ اپنے والد ماجد محمد بن عمر بن علی وہ اپنے والد ماجد عمر بن علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، سے روایت کرتے ہیں: ان علیًا کان اذاسافر سار بعد ما تغرب الشمس حتی تکاد ان تظلم، ثم ینزل فیصلی المغرب، ثم یدعو بعشائہ فیتعشی، ثم یصلی العشاء، ثم یرتحل۔ ویقول: ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصنع[2]۔ (یعنی امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی جب سفر فرماتے سورج ڈوبے پر چلتے رہتے یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ تاریکی ہوجائے پھر اُتر کر مغرب پڑھتے پھر کھانا منگا کر تناول فرماتے پھر عشا پڑھ کر کُوچ کرتے اور کہتے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے تھے)۔ امام عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی سند کو فرمایا: لاباس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں)۔

حدیث ۴: طحاوی بطریق ابی خثیمہ عن عاصم الاحول عن ابی عثمٰن راوی قال وفدت انا وسعد بن مالك ونحن نبادر للحج، فکنا نجمع بین الظھر والعصر، نقدم من ھذہ ونؤخر من ھذہ، ونجمع بین المغرب والعشاء، نقدم من ھذہ ونؤخر من ھذہ، حتی قدمنا مکۃ[3] (یعنی میں اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ حج کی جلدی میں مکہ معظّمہ تک ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو یوں جمع کرتے گئے کہ ظہر ومغرب دیر کرکے پڑھتے اور عصر وعشا جلد)

حدیث ۵: نیز امام ممدوح عبدالرحمٰن بن یزید سے راوی صحبت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حجۃ فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر، ویؤخذ المغرب ویعجل العشاء، ویسفر بصلاۃ الغداۃ[4]۔ (میں حج میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ رکاب تھا ظہر میں دیر فرماتے

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] سنن ابی داؤد باب متی تیم المسافر مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/ ۱۷۳

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۴

[4] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۴)

اور عصر میں تعجیل مغرب میں تاخیر کرتے عشاء میں جلدی اور صبح روشن کرکے پڑھتے) امام مدوح ان احادیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں:

وجمیع ماذھبنا الیه من کیفیة الجمع بین الصلاتین قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمھم الله تعالٰی [1]۔	نمازیں جمع کرنے کا یہ طریقہ جو ہم نے اس باب میں اختیار فرمایا یہ سب امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد کا مذہب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (م)

الحمدللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت مولی علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک وعبداللہ بن عمرو غیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا اور امام لامذہبان کا وہ جبروتی ادعا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ بانگ بے معنی کہ یہ روایات جن سے جمع صوری کرنی ابن عمر کی واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں اور بشدت حیایہ خاص جحود وافترا کہ ابن عمر نے اس کیفیت سے ہر گز نمازیں جمع نہیں کیں جیسا کہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے [2] اپنی سزائے کردار کو پہنچا اب ایضاح مرام وازاحت اوہام کو چند افادات کا استماع کیجئے۔

افادہ اولٰی: لامذہب ملّا کو جب کہ انکار جمع صوری میں چاند پر خاک اُڑانی تھی اور احادیث مذکورہ صحاح مشہورہ میں موجود و متداول تو بے رَد صحاح چارہ کار کیا تھا لہٰذا بایں پیرانہ سالی حضرت کے رقص جملی ملاحظہ ہوں:

لطیفہ ا: ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث جلیل وعظیم کے پہلے طریق صحیح مروی سنن ابی داود کو محمد بن فضیل کے سبب ضعیف کیا۔

اقول اوّلاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لاباس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں۔ت) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔ **ثالثاً:** یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوی کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملّاجی کو بایں سالخوردی ودعوی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاوراتِ سلف و

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۴

[2] معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلوٰتین مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۹۶

اصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا عـہ فرق ہے۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلہم اللہ تعالٰی جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلّاجی کے خیال میں اپنی مُلّائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کیلئے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفّاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا و بس۔

حیث قال: محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علماء ھذا الشان، و ثقہ یحیٰی بن مَعین، وقال احمد: حسن الحدیث، شیعی۔ **قلت:** کان متوالیا فقط[1]۔	چنانچہ ذہبی نے کہا ہے کہ محمد ابن غزوان، جو کہ محدّث اور حافظ ہے، حدیث کے علماء میں سے تھا یحیٰی ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا "صرف اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا"۔ (ت)

رابعًا: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری و مسلم سے بھی

عـہ: کماصرحوا بہ وتدل علیہ محاوراتھم، منھا مافی المیزان فی ترجمۃ الحاکم بعد ماحکی القول برفضہ، اللہ یحب الانصاف، ماالرجل برافضی بل شیعی فقط اھ ۱۲ منہ (م)	جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور ان کے محاورات سے بھی واضح ہے۔ مثلًا میزان میں حاکم کے حالات میں کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔ اس کے بعد کہا ہے "اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے، یہ آدمی رافضی نہیں ہے، صرف شیعہ ہے"۔ (ت)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ محمد بن فضیل مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱/ ۲۹۰

ہاتھ دھونا ہے ان کے رواۃ عــه میں تیس ۳۰ سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیّع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا کتاب مسلم ملاٰن من الشیعة [1] (مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ت) دُور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذاللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامسًا: اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ۲ ثقات عدول ابن جابر وعبداللہ بن العلا سے ابوداود نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجهلة لایعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں۔ت) اور یہ تو ادنٰی نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا مُلّاجی نے نقل میں عارف اُڑادیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

لطیفہ ۲: طرفہ تماشا کہ متابعت ابن جابر جو امام داؤد نے ذکر کی آپ اسے یوں کہہ کر ٹال گئے کہ وہ تعلیق ہے اور تعلیق حجت نہیں اب کون کہے کہ کسی سے آنکھیں قرض ہی لے کر دیکھیے کہ ابوداؤد نے رواہ ابن جابر عن نافع کہہ کر اُسے یوں ہی معلق چھوڑدیا یا وہیں حدثنا ابرھیم بن موسٰی الرازی انا عیسی عن ابن جابر [2] فرماکر موصول کردیا ہے ولکن النجدیة لایبصرون

لطیفہ ۳: امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن کیا کہ وہ ف غریب الحدیث ہے

عــه: مثلًا ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان ورّاق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یھم، بکیر بن عبداللہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیئع بن انس صدوق له اوھام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ھمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عبادبن عوام کلابی، عبداللہ بن عمر مشکدانه، عبداللہ بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق، صاحبِ مصنّف، عبدالملك بن اعین، عبیداللہ بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن ھاشم بن البرید، فضل بن دُکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطربن خلیفة، مالك بن اسمٰعیل نھدی، محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی، محمد بن جحادہ اور یھی محمد بن فضیل، ھشام بن سعد، یحیی بن الجزار وغیرھم ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

---

[1] تدریب الرادی شرح تقریب النواوی روایۃ المبتدع مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۳۲۵

[2] سنن ابوداؤد باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۱

ف۔ معیار الحق ص ۳۹۶

ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف **قاله الحافظ فی التقریب**۔

اقول اولاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رَد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا[1] تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں **ثقة یغرب**[2] ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھولیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں عـه کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہ **اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فیه**[3] (یعنی بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں) کیوں شرمائے تو نہ ہوگے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکادیا کرتے ہو کہ حنفیّہ کی حدیثیں ضعیف ہیں ع

شرم بادت از خدا واز رسول

عـه: **مثلاً ابرهیم بن طهمان، بشر بن خالد، ابرهیم بن سوید بن حبان، بشیر بن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم وغیرهم** کہ سب ثقہ یغرب ہیں۔ احمد بن صباح حکام بن مسلم وغیرهما ثقة له غرائب خصوصا ازهر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراهیم بن اسحٰق وغیرهم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۴۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۴۴

[3] میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر ۱۱۸۶ مطبوعہ دار المعرفت بیروت لبنان ۱/۳۱۴

لطیفہ ۴: طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی حدیث کو ولید بن قاسم سے رَد کیا کہ روایت میں اُس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اقول اولا: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ **اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث**[1]۔ مّلاجی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمداللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرمارہے ہیں۔ میزان میں ہے:

الولیدبن مسلم ابوالعباس الدمشقی، احد الاعلام وعالم اھل الشام۔ لہ مصنفات حسنۃ، قال احمد: مارأیت فی الشامیین اعقل منہ۔ وقال ابن المدینی: عندہ علم کثیر۔ قال ابو مسھر: الولید مدلس، قلت: اذاقال الولید: عن ابن جریج اوعن الاوزاعی، فلیس بمعتمد لانہ یدلس عن کذابین، فاذاقال: حدثنا فھو حجۃ[2] اھ ملخصًا۔	ولید ابن مسلم ابوالعباس دمشقی۔ بلند مرتبہ لوگوں میں سے ایک، شام کا عالم، اس کی تصنیفات عمدہ ہیں احمد نے کہا ہے کہ میں نے شامیوں میں اس سے زیادہ عقل مند آدمی نہیں دیکھا۔ ابن مدینی نے کہا کہ اس کے پاس بہت علم ہے۔ ابو مسہر نے کہا ہے کہ ولید مدلّس ہے۔ میں نے کہا: جب ولید عن ابن جریج یا عن الاوزاعی کہے تو قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن جب حدثنا کہے تو مستند ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مُلّاجی!

در بساط نکتہ داناں خودفروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گوا ے مرد غافل یا خموش

(نکتہ دانوں کی مجلس میں اپنے آپ کو بیچ دینا ضروری نہیں ہے اے مردِ غافل! یا توسوچ سمجھ کر بات کر یا خاموش رہ)

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۹۹/۱

[2] میزان الاعتدال فی ترجمۃ ولید بن مسلم ۹۴۰۵ دارالمعرفت بیروت، ۴/۷ ۳۴ ۳۔۳۴۸

تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتائیے تاکہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اوّل تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پُوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہٖ تعالٰی بہت کچھ سکھادیں وہ قواعد بتادیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔

ثانیا: بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: **اذا روی عن ثقة فلا باس به**[1] (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں) اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثا: ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں عــہ کی نسبت تقریب میں یہی صدوق

عــہ: مثلاً اسمٰعیل بن مجالد، اشهل بن حاتم، بشر بن عبیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرهیم، حسان بن حسان بصری، حسان بن عبدالله کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان ورمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمٰن السلمی، شریك بن عبدالله بن ابی بر، عبدالرحمٰن بن عبدالله بن دینار، عبدالمجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیدالله وغیرهم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطئ لگایا ہے خلیفة بن خیاط، عبدالله بن عمر نمیری، عبدالرحمن بن حرمله اسلمی، عبدالرحمن بن عبدالله بن عبید، یحیٰی بن ابی اسحٰق حضرمی وغیرهم صدوق ربما اخطأ ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجئے حجاج بن ارطاة صدوق کثیر الخطاء والتدلیس، شریك بن عبدالله نخعی صدوق یخطئ کثیرا تغیر حفظه، صالح بن رستم المزنی صدوق کثیر الخطاء، عبدالله بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابه وکانت فیه غفلة، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیر الخطاء وحدیثه عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطئ کثیرا ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

---

[1] الکامل لابن عدی فی ترجمۃ ولید ابن قاسم مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۷/ ۴۵، ۲۵

يخطئ بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کارَد ہی کردوگے!

رابعًا: صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں **صدوق يخطئ**[1] پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا **خلطه ابن مندة بالذی قبل فوهم. وھذا ضعیف**[2] (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملادیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔ ت) دیکھو صاف بتادیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّاجی اپنی جہالت سے مردود واہیات گارہے ہیں۔

لطیفہ ۵: حدیث صحیح نسائی وطحاوی وعیسٰی بن ابان بطریق عطاف عن نافع کو عطاف سے معلول کیا ف کہ وہ وہمی ہے کہا تقریب میں **صدوق یھم**۔

اقول اوّلا: عطاف کو امام احمد وامام ابن معین نے ثقہ کہا وکفی بھما قدوۃ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسّر منقول نہیں۔

ثانیًا: کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یھم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثًا: صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی عــہ اُن میں کس قدر ہیں۔

رابعًا: بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین اُن میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدّد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے **ولکن الوھابیة قوم یجھلون** (لیکن وہابی جاہل لوگ ہیں۔ ت)

عــہ: مثل ابرھیم بن یوسف بن اسحاق، اسامه بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبربن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیه، حرمی بن عماره، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمیدبن زیاد، ربیعه بن کلثوم، عبدالله بن عبدالله بن اویس وغیرھم سب صدوق یھم ہیں احوص بن جواب، حمزه بن جیب زیات امام قراء ت، معاذ بن ھشام، عاصم بن علی بن عاصم وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطاء بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

---

[1] تقریب التہذیب فی ترجمہ ابن حسان الواسطی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ٦٨

[2] تقریب التہذیب فی ترجمہ ابن حسان الواسطی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ٦٨ ف، معیار الحق ص ٣٩٦

لطیفہ ۶: آپ کے امتحان علم کو پُوچھا جاتا ہے کہ روایت طحاوی **حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن المبارك عن اسامۃ بن زید اخبرنی نافع** میں آپ نے کہاں سے معین کرلیا کہ یہ اُسامہ بن زید عدوی مدنی ضعیف الحافظ ہے، اسی طبقہ سے اسامہ بن زید لیثی مدنی بھی تو ہے کہ رجال صحیح مسلم و سُنن اربعہ وتعلیقات بخاری سے ہے جسے یحیٰی بن معین نے کہا: ثقہ [1] ہے۔ ثقہ صالح ہے ثقہ حجت ہے دونوں ایک طبقہ ایک شہر ایک نام کے ہیں اور دونوں نافع کے شاگرد، پھر منشاء تعیین کیا ہے اور آپ کی تو شاید اس سوال میں بھی وقت پڑے کہ کہاں سے مان لیا کہ یہ حمانی حافظ کبیر یحیٰی بن عبدالحمید صاحب مسند ہے جس کی جرح آپ نے نقل کی اور امام یحیٰی بن معین وغیرہ کا ثقہ اور ابن عدی کا **ارجو انہ لاباس** [2] **بہ** (مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) اور ابن نمیر کا **ھوا کبر من ھؤلاء کلھم، فاکتب عنہ** (وہ ان سب سے بڑا ہے، اس لئے میں اس سے حدیث لکھتا ہوں۔ت) کہنا چھوڑ دیا اسی طبقہ تاسعہ سے اُس کا والد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بھی تو ہے کہ رجال صحیحین سے ہے اور دونوں حمانی کہلائے جاتے ہیں کمافی التقریب۔

لطیفہ ۷: روایات نسائی بطریق کثیر بن قاروَندا عن سالم عن ابیہ میں جھُوٹ کو بھی کچھ گنجائش نہ ملی تو اُسے یوں کہہ کر ٹالا کہ وہ شاذ ہے ف اس لئے کہ مخالف ہے روایات شیخین وغیرہما کے وہ ارجح ہیں سب سے بالاتفاق اور مقدم ہوتی ہیں سب پر جب کہ موافقت اور نسخ نہ بن سکے۔

اقول اوّلا: شیخین کا نام کس مُنہ سے لیتے اور اُن کی احادیث کو ارجح کہتے ہو یہ وہی شیخین تو ہیں جو محمد بن فضیل سے حدیثیں لاتے ہیں جسے تمہارے نزدیک رافضی کہا گیا اور حدیثوں کا پلٹ دینے والا اور موقوف کو مرفوع کر دینے کا عادی تھا۔

ثانیا ثالثا رابعا: یہ وہی شیخین تو ہیں جن کے یہاں سب کے خلاف حدیثیں لانے والے حدیثوں میں خطا کرنے والے وہمی کئی درجن بھرے ہُوئے ہیں۔

خامسًا: مخالف شیخین کا دعوی محض باطل ہے جیساکہ بعونہٖ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔

لطیفہ ۸: اس حدیث جلیل صحیح کے رَد میں مُلّاجی نے جو جو چالاکیاں بیباکیاں برتیں اُن کا پردہ تو فاش ہوچکا، جابجا ثقات کو مجروح فرمایا، رواۃ بخاری ومسلم کو مردود ٹھہرایا، حدیث موصول کو معلق بنایا، متابعات سے آنکھیں بند کرلیں، نقلِ عبارت میں خیانتیں کیں، معانی میں تحریف کی راہیں لیں، راوی کو کچھ سے کچھ

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ اسامہ بن زید اللیثی ۷۰۵ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ یحیٰی بن عبدالحمید الحمانی ۹۵۶۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۹۲، ف معیار الحق ص ۳۹۷

بنالیا، مشترک کو جزافاً معین کردیا جہاں کچھ نہ بن پڑا مخالفتِ شیخین کا اعادہ کیا، اب خود حدیث صحیح بخاری شریف کو کیا کریں رجال بخاری کو رَد کردینا اور بات تھی کہ عوام کو ان کی کیا خبر، مگر خود حدیث بخاری کا نام لیکر رَد کرنے میں سخت مشکل پیش نظر، لہٰذا یہ چال چلے کہ لاؤ اسے بزورِ زبان وزورِ بہتان اپنے موافق بنالیجئے اس لئے حدیث مذکور باب ھَل یوذن اویقیم کا ایک ٹکڑا جس میں وہ تین میل چل کر مغرب پڑھنے کا ذکر تھا اپنے ثبوت کی احادیث میں نقل کرکے فرمایا فیہ بات ادنٰی عاقل بھی جانتا ہے کہ بعد دخول وقت مغرب کے دو تین کوس مسافت چلیں تو اتنے میں شفق غائب ہوجاتی ہے اور وقت عشا کا داخل ہوجاتا ہے۔

اوّلاً: میل کا کوس بنایا کہ کچھ دیر۔بڑے دو۲ میل کا تو سوا ہی کوس ہوا، اور تین ہی لیجئے جب بھی دو۲ کوس پُورے نہیں پڑتے۔

ثانیًا اقول: فریبِ عوام کو چالاکی یہ کی کہ حدیث کا ترجمہ نہ کیا دو تین کوس مسافت چلیں لکھ دیا کہ جاہل سمجھیں غروب کے بعد پیادہ تین کوس چلے ہوں ترجمہ کرتے تو کُھلتا کہ سوار تھے اور کیسی سخت جلدی کی حالت میں تھے ہم نے حدیث ابوداؤد سے نقل کیا کہ اُنہوں نے اُس دن سہ۳ منزلہ فرمایا تو صرف میل بھر یا اُس سے بھی کم چلنے کی دیر رہ گئی اگر پیادہ ہی چلئے تو اتنی دیر میں ہرگز وقتِ عشاء نہیں آتا تو حدیث سے مغرب کا وقت مغرب ہی میں پڑھنا پیدا تھا جسے صاف کایا پلٹ کردیا مکہ معظّمہ اور اُس کے حوالی میں جن کا عرض مابین کاحہ ا-لت حہ ہے غروبِ شمس سے انحطاط حہ (کچھ لکھنا ہے) تک ہر موسم میں ایک ساعت فلکیہ سے زیادہ وقت رہتا ہے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف جتنے بڑھیے وقت بڑھتا جائے گا **کمالایخفی علی العارف بالھیأۃ** (جیسا کہ علمِ ہیئت جاننے والے پر ظاہر ہے۔ت) تو غروب سے گھنٹے بھر بعد بھی نمازِ مغرب وقت میں ممکن، آپ کے نزدیک جبکہ دو۲ میل چلنے میں عشاء آجاتی ہے تو لازم کہ اتنی مسافت میں ایک گھنٹے سے زیادہ صرف ہونا واجب ہو، اور امام مالک مؤطا میں روایت فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر سوار ہوئے اور موضع ملَل میں عصر کیلئے اُترے۔

مالك عن عمروبن یحیٰی المازنی عن ابن ابی سلیط ان عثمٰن بن عفان صلی الجمعة بالمدینة وصلی العصر بملل[1]۔	مالک، عمرو بن یحیٰی المازنی سے، وہ ابن سلیط سے راوی کہ عثمان ابن عفان نے جمعہ مدینہ میں پڑھا اور عصر ملَل میں۔(ت)

ملَل مدینہ طیبہ سے سترہ۱۷ میل ہے **کمافی النھایة**[2] (جیسا کہ نہایۃ میں ہے۔ت) بعض نے کہا اٹھارہ۱۸ میل

---

[1] مؤطا امام مالک وقوت الصلوٰۃ، وقت الجمعۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶

[2] النہایۃ لابن اثیر المیم مع اللام لفظ ملَل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۶۲، ف۔ معیار الحق ص ۳۷۵

کماحکاہ الزرقانی (جیسا کہ زرقانی نے بیان کیا ہے۔ت) ابن وضاح نے کہا بائیس ٢٢ میل **کمانقلہ ابن رشیق عن ابن وضاح**[1] (جیسا کہ ابن رشیق نے ابن وضاح سے نقل کیا ہے۔ت)

بلکہ بعض نسخِ مؤطا میں خود امام مالک سے اسی کی تصریح ہے **قال مالک وبینھما اثنان وعشرون میلا** (مالک نے کہا ہے کہ دونوں کے درمیان بائیس ٢٢ میل کا فاصلہ ہے۔ت) وہ سترہ ١/٢ ہی میل سہی آپ کے طور پر کوئی رات کے نو دس بجے تک عصر کا وقت رہا ہوگا کہ جمعہ پڑھنے سے آٹھ نو گھنٹے بعد امیر المومنین نے عصر ادا کی کہ مدینہ طیبہ اور اس کے حوالی میں جن کا عرض الہ حہ سے زائد نہیں مقدار نہار روز تحویل سرطان بھی صرف ح ت لح وّ ہے **کمالایخفی علی من یعلم استخراج طول النھار من عرض البلاد** (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں ہے جو عرض بلاد سے دن کی لمبائی کا استخراج کرسکتا ہو۔ت)

ثالثاً اقول: اسی لئے خود آخر حدیث بخاری میں مذکور تھا کہ مغرب کے بعد کچھ دیر انتظار کرکے عشاء پڑھی اگر خود عشاء ہی کے وقت میں مغرب پڑھتے تو ایسی جلدی واضطراب شدید کی حالت میں اب عشاء کیلئے انتظار کس بات کا تھا یہ ٹکڑا حدیث کا ہضم کرگیا کہ بھرم کھُلتا۔

رابعاً اقول: آپ تو اسی بحث میں فرماچکے کہ تعلیقات حجت نہیں صحیح بخاری میں یہ ٹکڑا جو آپ اپنی سند بناکر نقل کررہے ہیں تعلیقاً ہی مذکور تھا اصل حدیث بطریق **حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری** ذکر کی جس میں آپ کے اس مطلب کا کُچھ پتانہ تھا اس کے بعد یہ ٹکڑا تعلیقاً بڑھایا کہ **وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شہاب**، اب تعلیق کیوں حجت ہوگئی، وہاں تو آخر حدیث کو ہضم کیا تھا یہاں اول کلام تناول فرمایا کہ اپنا عیب نہ ظاہر ہو۔

خامساً اقول: آپ تو راوی کو اس کے وہم وخطا بلکہ صرف اغراب پر رَد فرماتے ہیں اگرچہ رجال بخاری ومسلم سے ہو، اب یہ تعلیق کیونکر مقبول ہوگئی اس میں زہری سے راوی یونس بن یزید ہیں جنہیں اسی تقریب میں فرمایا:

ثقۃ الا ان فی روایتہ عن الزھری وھما قلیلا وفی غیرالزھری خطأ[2]۔	ہیں تو ثقہ مگر زہری سے ان کی روایت میں کچھ وہم ہے اور غیر زہری سے روایت میں خطا۔

اثرم نے کہا: **ضعف احمد امر یونس** (امام احمد نے یونس کا کام ضعیف بتایا) امام ابن سعد

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا لامام مالک زیرِ حدیث مذکور مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ٢٦/١

[2] تقریب التھذیب حرف الیاء مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ٢٨٧

نے کہا: **لیس بحجة** (یونس قابل احتجاج نہیں) امام وکیع بن الجراح نے کہا: **سیئ الحفظ** (یونس کا حافظہ بُرا ہے) یوں ہی امام احمد نے ان کی کئی حدیثوں کو منکر بتایا **کل ذٰلك فی المیزان**[1] (یہ سب میزان میں ہے۔ ت)

تنبیہ: یہ ہم نے آپ کا ظلم وتعصب ثابت کرنے کو آپ کی طرح کلام کیا ورنہ ہمارے نزدیک نہ تعلیق مطلقاً مردود نہ یونس ساقط نہ وہم وخطا جب تک فاحش نہ ہوں موجب رد نہ یہ حدیث بخاری اصلاً تمہارے موافق بلکہ صراحۃً ہمارے مؤید وباللہ التوفیق چند اوہام یا کُچھ خطائیں محدّث سے صادر ہونا نہ اُسے ضعیف کردیتا ہے نہ اُس کی حدیث کو مردود نہ وہ کہتے ہیں جو بالکل پاک صاف گزرگئے ہیں، یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیٰن بن عیینہ جنھوں نے زہری سے روایت میں بیس ۲۰ سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت ترکون ہے، علی نے کہا سفیٰن بن عیینہ، میں نے کہا امام مالک کہ ان کی خطا سفیٰن کی خطاؤں سے کم ہے قریب بیس ۲۰ حدیثوں کے ہیں جن میں سفیٰن نے خطا کی پھر میں نے اٹھارہ گِنادیں اور اُن سے کہا آپ مالک کی خطائیں بتائیں وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیٰن نے بیس ۲۰ سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے[2] **ذکرہ فی المیزان** (اسے میزان میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) بااینہمہ امام سفیٰن کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔

لطیفہ ۹: مُلّاجی کی یہ ساری کار گزاریاں حیاداریاں حدیث صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے متعلق تھیں حدیث ام المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی امام طحاوی ونیز امام احمد وابن ابی شیبہ استاذان بخاری ومسلم کے رَد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا **قالہ الحافظ التقریب**۔

اقول اوّلا: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیا: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثا: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال عـہ بخاری ومسلم کو یہی صدوق لہ

عـہ: **صدوق یھم وصدوق ربماوھم** کی بکثرت مثالیں اوپر گزرچکیں مگر باتباع لفظ خاص امثلہ سُنیے احمد بن بشیر، حسن بن خلف، خالد بن یزید بن زیاد، (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] میزان الاعتدال حرف الیاء ۹۹۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/۴۸۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ سفیان بن عیینہ ۳۳۲۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۷۰

ف معیار الحق ص ۴۰۱

اوھام (سچّا ہے، اس کے اوہام ہیں ت) کہا ہے۔

رابعا: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین وامام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا: **لیس بہ باس** (اس میں کوئی بُرائی نہیں) زاد یحیٰی لہ حدیث واحد منکر (اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے) لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے **عندی لاباس بہ**[1] (میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ت) کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی (اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔ت) ابو احمد حاکم نے **لیس بمتین عندھم**[2] (اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے نزدیک۔ت) کہا لا **انہ لیس بقوی لیس بمتین وشتان مابین العبارتین** (نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔ت) حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

لطیفہ ۱۰: حدیث مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم مروی سنن ابی داؤد کے رد کو طرفہ تماشا کیا مسند ابی داؤد میں یوں تھا:

قال اخبرنی عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ ان علیا کان اذا سافر الحدیث[3]۔

جس کا صاف صریح حاصل یہ تھا کہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی اپنے والد محمد سے راوی ہیں اور وہ ان کے دادا یعنی اپنے والد عمر سے کہ ان کے والد ماجد مولٰی علی نے جمع صوری خود بھی کی اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رباح بن ابی معروف، ربیع بن انس ورمی بالتشیع، ربیع بن یحیٰی، ربیعہ بن عثمان، زکریا بن یحیٰی بن عمر، سعید بن زید بن درھم، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، شجاع بن الولید، مسلمہ بن علقمہ، مصعب بن المقدام، معاویہ بن صالح، معاویہ بن ہشام، ہشام بن حجیر، ہشام بن سعد ورمی بالتشیع اور ان کے سوا اور کہ سب صدوق لہ اوھام ہیں احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی ۸۷۰۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۶۰/۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی ۸۷۰۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۶۰/۴

[3] سنن ابی داؤد باب یتم المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس۔ لاہور ۱۷۳/۱

سے بھی روایت فرمائی۔ ابیہ اور جدّہ دونوں ضمیریں عبداللہ کی طرف تھیں حضرت نے بزور زبان ایک ضمیر عبداللہ دوسری محمد کی طرف قرار دے کر یہ معنی ٹھہرائے[1] کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد سے اور وہ محمد اپنے دادا علی سے۔ اور اب اس پر اعتراض جڑ دیا کہ محمد کو اپنے دادا علی سے ملاقات نہیں تو مرسل ہُوئی اور مرسل حجت نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مرسل ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے ایمان سے کہنا کہ ان ڈھٹائیوں سے صحیح وثابت حدیثوں کو رَد کرنا کون سی دیانت ہے، میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حدیثوں کو رَد کرنا کون سی دیانت ہے، میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حیاودیانت کی ایک ادنٰی جھلک میں بھی باطل وموضوع ہوئی جاتی تھی اور بات بھی مدلل ہوتی کہ ضمیر اقرب کی طرف پھرتی ہے اور ابیہ سے اقرب ابوطالب اور جدّہ سے اقرب ابیہ تو معنی یوں کہے ہوتے کہ عبداللہ نے روایت کی ابوطالب کے باپ حضرت عبدالمطلب سے اور عبدالمطلب نے اپنے دادا عبد مناف سے کہ مولا علی نے جمع صوری کی، اب ارسال بھی دیکھئے کتنا بڑھ گیا کہ مولا علی کے پرپوتے مولا علی کے دادا سے روایت کریں اور حدیث صراحۃً موضوع بھی ہوگئی کہ کہاں عبدالمطلب وعبد مناف اور کہاں مولٰی علی سے روایت حدیث مفید احناف ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یہ عمل بالحدیث کا جھُوٹا دعوی کرنے والے جب صحیح حدیثوں کے رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسی ایسی بددیانتیوں بے غیرتیوں بیباکیوں چالاکیوں سے صحیح بخاری کو بھی پسِ پشت ڈال کر ایک ہانک بولتے ہیں کہ سب واہیات اور مردود[2] ہیں انّاللہ وانّا الیہ راجعون۔

افادہ ثانیہ: احادیث وطرق پر نظرِ انصاف فرمایئے تو ارادہ جمع صوری پر متعدد قرائن پایئے مثلا:

(۱) یہ کہ احادیث جمع بین الصلاتین کے راویوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کماسیأتی فی الحدیث التاسع من الافادۃ الرابعۃ (جیساکہ افادہ رابعہ کی نویں حدیث میں آرہا ہے۔ت) حالانکہ یہی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرفات ومزدلفہ کے سوا کبھی نہ دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو نمازیں جمع فرمائی ہوں کماسیأتی تحقیقہ فی الفصل الرابع ان شاء اللہ تعالٰی (اس کی تحقیق اِن شاء اللہ تعالٰی چوتھی فصل میں آئے گی۔ت) تو ضرور ہے کہ روایت جمع سے جمع صوری مراد ہو۔

(۲) اقول: خود حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی جمع کرنا مروی ہوا حالانکہ ان کا مذہب معلوم کہ جمع حقیقی کو منسک حج کے سوا ناجائز جانتے۔

(۳) اقول: مُلّاجی نے اُن پندرہ ۱۵ صحابیوں میں جن کی نسبت دعوی کیا کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین

---

[1] ف۱ معیار الحق ص ۴۰۰، ۴۰۱

[2] ف۲ معیار الحق ص ۳۹۶

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی گِنا حالانکہ اُن کا بھی مذہب وہی منع جمع ہے ان دونوں صحابی جلیل الشان کا یہ مذہب ہونا خود امام شافعی المذہب امام ابوالعزیز یوسف بن رافع اسدی حلبی شہیر بابن شداد متوفی ۶۳۱ھ نے کتاب دلائل الاحکام میں ذکر فرمایا:

کمافی عمدۃ القاری للامام البدر العینی عن التلویح شرح الجامع الصحیح للامام علاء الدین المغلطائی عن دلائل الاحکام لابن شداد۔	جیسے کہ امام بدرالدین عینی نے تلویح سے نقل کیا جو کہ امام علاء الدین المغلطائی کی کتاب الجامع الصحیح کی شرح ہے اور انہوں نے ابن شداد کی (کتاب) دلائل الاحکام سے نقل کیا ہے۔(ت)

تو مراد وہی جمع صوری ہوگی جیسا کہ خود اُن کے فعل سے مروی ہوا کماتقدم فی الحدیث الرابع (جیسا کہ حدیث ۴ میں گزرا۔ت)

(۴) **اقول:** بہت زور شور سے جمع کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما گنے جاتے ہیں وسیأتی بعض روایاتہ فی الحدیث الاول والباقی فی الفصل الثالث اِن شاء اللہ تعالٰی (عنقریب حدیث اول کے تحت ان سے بعض مرویات کا ذکر آئے گا اور بقیہ کا ذکر فصل ثالث میں آئے گا اِن شاء اللہ تعالٰی۔ت) حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشا کو سفر میں ایک بار کے سوا کبھی جمع نہ فرمایا کماسیأتی فی اٰخر الفصل الرابع اِن شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ چوتھی فصل کے آخر میں آرہا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ت) ظاہر ہے کہ وہ بار حجۃ الوداع کی شب مزدلفہ تھی تو ضرور وہی جمع صوری منظور جیسا کہ اُن کی روایاتِ صحیحہ نے واضح کردیا جس کا بسط حدیث اوّل میں گزرا۔

(۵) **اقول:** لُطف یہ کہ ان عبداللہ بن عمر سے قصہ صفیہ بنت ابی عبید میں عشائین کا جمع جو مروی ہوا اُس کے جمع حقیقی ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے حالانکہ خود اُن کے صاحبزادے سالم کو اُس شب بھی اُن کے ہمراہ تھے صراحۃً فرماچکے کہ حضرت عبداللہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ کی جیسا کہ حدیث نسائی سے گزرا اور سالم کا اُس رات ساتھ ہونا وہیں حدیث بخاری سے ظاہر ہوچکا قلت لہ: الصلاۃ. قال: سر[1]۔ الحدیث (میں نے ان سے نماز کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا: سفر جاری رکھو۔ الحدیث۔ت) تو قطعًا یقینًا جمع صوری ہی مراد ہے لاجرم روایات مفسرہ نے تصریح فرمادی یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہ تعالٰی بہت سے خیالات مخالفین کا علاج کافی ہوگا۔

---

[1] صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

(۶) رواۃ جمع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں کما یأتی فی الحدیث الثانی (جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ت) اور ان کی حدیث اِن شاء اللہ آخر رسالہ میں آئے گی کہ دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلی فوت ہوجاتی ہے۔

(۷) یوں ہی حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی جمع ہیں کما یجیئ فی الحدیث الخامس (جیسا کہ پانچویں حدیث میں آئے گا۔ت) اور ان کی حدیث بھی بمشیۃ اللہ تعالٰی آنے والی ہے کہ نماز میں تفریط یہ ہے کہ دوسری کا وقت آنے تک پہلی کی تاخیر کرے افاد ھذین الامام الطحاوی فی شرح معانی الاٰثار (یہ دونوں فائدے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بیان کئے۔ت)

افادہ ثالثہ: اب کہ ملّاجی نے پیٹ بھر کر رَدِ احادیث سے فراغت پائی عقل پر عنایت کی باری آئی فرماتے ہیں:ف

جمع صوری سفر میں از راہ عقل کے بھی واہی ہے کہ جمع رخصت ہے اور جمع صوری مصیبت کہ آخر جز اور اوّل جز نماز کا پہچاننا اکثر خواص کو نہیں ممکن چہ جائے عوام۔

اقول: ملّاجی بیچارے جو شامتِ ایام سے مقابلہ شیران حنفیّہ میں آپھنسے وہ چوکڑی بھُولے ہیں کہ اپنی اجتہادی آزادی بھی یاد نہیں یا تو وہ جوش تھے کہ ابوحنیفہ وشافعی کی تقلید حرام بدعت شرک یا اب جابجا ایک ایک مقلد مالکی شافعی کے ٹھیٹ مقلد بنے ہیں رطب یا بس جہاں جو کچھ کلام کسی مقلد کا مل جاتا ہے اگرچہ کیسا ہی پوچ اور ضعیف ہو اللہ بسم اللہ کہہ کر اُسے آنکھوں سے لگاتے سر پر رکھتے بے سمجھے بُوجھے ایمان لے آتے ہیں یہ اعتراض بھی حضرت نے بعض مالکیہ وشافعیہ کی تقلید جامد کے صدقہ میں پایا ہے مگر شوخ چشمی یہ کہ علمائے حنفیّہ جو طرح طرح اس کی دھجیاں اُڑا چکے اُن سے ایک کان گونگا ایک بہرا کرلیا اور پھر اسی رَد شدہ بات باطل وبے ثبات کو پیش کردیا بہادری تو جب تھی کہ اُن قاہر جوابوں کے جواب دیتے پھر واہی تباہی جو چاہتے فرمالیتے خیر اب بعض جوابات مع تازہ افاضات لیجئے وباللہ التوفیق۔

اوّلاً: اللہ عزوجل نے نماز خواص وعوام سب پر یکساں فرض کی اور اُس کے لئے اوقات مقرر فرمائے اور اُن کے لئے اول وآخر بتائے اور ان پر واضح وعام فہم نشان بنائے کہ اُن کا ادراک ہر خاص وعام کو آسان ہوجائے ہمارے دین میں کوئی تنگی نہ رکھی اور ہم پر کسی طرح دشواری نہ چاہی ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ[1] (اس نے دین کے معاملہ میں تم پر تنگی نہیں فرمائی، اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن ۲/۱۸۵

ف معیار الحق ص ۴۰۱،

تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ت) تو ہر وقت کے اول وآخر شرعی کا پہچاننا خواص وعوام سب کو آسان خصوصًا سفر میں جہاں اُفق سامنے اور صاف میدان جو نہ سیکھے یا توجہ نہ کرے الزام اُس پر ہے نہ شرع مطہر پر، ہاں فصل مشترک حقیقی کہ آنِ واحد وجزء لایتجزی ہے اُس کا علم بے طرق مخصوصہ انبیاء واولیاء عامہ بشر کی طاقت سے وراء ہے مگر نہ اس کے ادراک کی تکلیف نہ اس پر جمع صوری کی توقیف۔

ثانیًا اقول: اول وآخر کا پہچاننا تو شاید تم بھی فرض جانتے ہو کہ تقدیم وتاخیر بے عذر بالاجماع مبطل وحرام ہے کیا اللہ عزوجل نے امر محال کی تکلیف دی لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ[1] (اللہ تعالٰی کسی کو اس بات کا حکم نہیں دیتا جو اس کی طاقت میں نہ ہو۔ت) **فافھم۔**

ثالثًا اقول: تحقیق تام یہ ہے کہ اوقات متصلہ میں عامہ کے لئے پانچ حالتیں ہیں: وقتِ اوّل پر یقین، اُس پر ظن، دونوں میں شک، آخر کا ظن، اُس کا یقین، فقہیات میں ظن ملتحق بیقین ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا تو بین الوقتین حکمًا بھی اصلًا فاصل نہیں مسئلہ تسحر ومسئلہ صلاۃ الفجر فی آخر الوقت وغیرہما میں تصریحاتِ علماء دیکھیے۔

رابعًا اقول: کس نے کہا کہ جمع صوری میں وصل حقیقی بے فصل آنی لازم ہے حدیث مذکور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بروایت صحیح بخاری وحدیث امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بروایت ابی داؤد دیکھیے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحمت پر نثار حضور نے عوام ہی کے ارشاد کو یہ طرز ملحوظ رکھی کہ مغرب آخر شفق میں پڑھ کر قدرے انتظار فرمایا پھر عشا پڑھی یا بین الصلاتین کھانا ملاحظہ فرمایا اور لطف الٰہی یہ کہ تمام احادیث جمع میں اگر منقول ہے تو حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل۔ اُس کے ساتھ اُمت کو بھی ارشاد کہ جسے ضرورت ہو ایسا ہی کرلے اسی حدیث ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے جس میں بروایت صحیح بخاری ثابت کہ دو۲ نمازوں کے بیچ میں قدر انتظار فرمایا تو آپ کے جہل کا خود رخصت عطا فرمانے والے رؤف رحیم خبیر علیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لحاظ کرلیا تھا مگر افسوس کہ اب بھی آپ شکایت اور رحمت کا نام معاذاللہ مصیبت ہے ہر عاقل جانتا ہے کہ مسافر کو بار بار اُترنے چڑھنے وضو نماز کا جُدا جُدا سامان کرنے سے یہ بہت آسان ہے کہ ایک بار اُتر کر دفعۃً دونوں نمازوں سے فارغ ہولے اول قریب آخر پڑھے اور ایک لطیف انتظار کے بعد آکر اپنے اول میں اس کا انکار صریح مکابرہ ہے ہاں یہ کہئے کہ وقت گزار کر پڑھنے کی اجازت ملے تو اور آسانی ہے۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

اقول: دن ٹال کر گھر پہنچ کر اکٹھی پڑھ لینے کی رخصت ہو تو اور آسانی ہے اور بالکل معاف ہو جائے تو پُوری چھٹی رخصت میں آسانی درکار ہے پُوری آسانی کس نے مانی!

خامسًا: احمد بخاری مسلم ابوداؤد ونسائی طحاوی وغیرہم بطریق عمرو بن دینار عن جابر بن زید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وھذا لفظ مسلم، قال: صلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا، قلت: یااباالشعثاء! اظنہ اخر الظھر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء، قال: وانا اظن ذلک[1]۔	اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں، کہا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور اکٹھی سات رکعتیں بھی۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا "اے ابوالشعثاء! میرا خیال ہے کہ انہوں نے ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھا ہوگا"۔ ابوالشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے"۔ (ت)

مالک احمد، مسلم، ابوداؤد ترمذی نسائی طحاوی وغیرہم اُسی جناب سے بطرق شتّی والفاظ عدیدہ راوی:

وھذا حدیث مسلم بطریق زھیرنا ابوالزبیر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر والعصر جمیعا بالمدینۃ فی غیر خوف ولاسفر، قال ابوالزبیر: فسألت سعیدا لم فعل ذلک؟ فقال: سألت ابن عباس کماسألتنی، فقال: اراد ان لایحرج احد من اُمتہ[2]۔	اور یہ حدیث مسلم کی بواسطہ ابوالزبیر ہے کہ ہم سے بیان کیا سعید ابن جبیر نے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور سفر کے مدینہ میں ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں، ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے سعید سے پُوچھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا ہے اسی طرح میں نے ابن عباس سے پُوچھا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت پر کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] الصحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

وفی اخری له وللترمذی بطریق جیب ابن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، قال: جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بین الظهر والعصر، وبین المغرب والعشاء بالمدینة فی غیر خوف ولامطر[1]۔ وللطحاوی عن صالح مولی التوأمه عن ابن عباس، فی غیر سفر ولامطر[2]۔ وفی لفظ للنسائی اخبرنا قتیبة ثنا سفیٰن عن عمرو وعن جابر بن زید عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال: صلیت مع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالمدینة، ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا، اخر الظهر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء[3]۔ وفی لفظ له عن عمروبن هرم عن جابر بن زید عن ابن عباس انه صلی بالبصرة، الاولی والعصر، لیس بینهما شیئ، والمغرب والعشاء، لیس بینهما شیئ، فعل ذلك من شغل۔	مسلم نے ایک اور روایت میں اور ترمذی نے بواسطہ جیب ابن ابی ثابت، سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور بارش کے مدینہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔ (ت) اور طحاوی نے صالح مولی التوامہ کے واسطے سے ابن عباس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "بغیر سفر اور بارش کے"۔ (ت) اور نسائی کے الفاظ یوں ہیں: خبر دی ہمیں قتیبہ نے کہ حدیث بیان کی ہم سے سفیٰن نے عمرو سے، اس نے جابر سے کہ ابن عباس نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور سات رکعتیں بھی، آپ نے ظہر کو مؤخر کیا تھا اور عصر میں جلدی کی تھی، اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا تھا اور عشاء میں جلدی کی تھی۔ (ت) نسائی کی اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ عمروابن ہرم، جابر ابن زید سے راوی ہیں کہ ابن عباس نے بصرہ میں ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا، ان کے درمیان کوئی شَے حائل نہ تھی، اور مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھا ان کے درمیان کوئی شیئ حائل نہ تھی۔ اس طرح

---

[1] جامع الترمذی ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ امین کمپنی اردو بازار دہلی ۱/۲۶

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین کیف ہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

[3] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

و زعم ابن عباس انه صلی مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالمدینة الاولی والعصر، ثمان سجدات لیس بینهما شیئ [1]۔ ولمسلم بطریق الزبیر بن الخرّیت عن عبدالله بن شقیق ان التاخیر کان لاجل خطبة خطبها [2]۔ وله بطریق عمران بن حُدیر عن عبدالله المذکور عن ابن عباس، فی القصة، قال: کنا نجمع بین الصلاتین علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [3]۔ وللطحاوی من هذا الوجه، قدکان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ربما جمع بینهما بالمدینة [4]۔	انہوں نے ایک مصروفیت کی وجہ سے کیا تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بھی ظہر وعصر اکٹھی پڑھی تھیں یہ آٹھ رکعتیں تھیں اور ان دو کے درمیان اور کوئی شے نہ تھی۔ مسلم نے زبیر ابن خرّیت کے واسطہ سے عبداللہ ابن شقیق سے روایت کی کہ یہ تاخیر ایک خطبہ دینے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اور مسلم نے بطریقہ عمران ابن حدیر، عبداللہ ابن شقیق سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے مذکورہ واقعے میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں ہم دو۲ نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ اور طحاوی اسی سند سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا دو نمازوں کو مدینہ میں اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ان روایاتِ صحاح سے واضح کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی حالت میں کہ نہ خوف تھا نہ سفر نہ مرض نہ مطر محض بلاعذر خاص مدینہ طیبہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا بجماعت جمع فرمائیں سفر وخطر ومطر کی نفی تو خود احادیث میں مذکور اور مرض بلکہ ہر عذر ملجی کی نفی سوق بیان سے صاف مستفاد معہذا جب نمازیں جماعت سے تھیں تو سب کا مریض ومعذور ہونا مستبعد پھر راوی حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اسی بناء پر صرف طول خطبہ کے سبب تاخیر مغرب واستناد بجمع مذکور انتفائے اعذار پر صریح دلیل حالانکہ مقیم کیلئے

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

[2] صحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[3] صحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[4] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

بے عذر جمع وقتی ملّاجی بھی حرام جانتے ہیں، حدیثِ مسلم **انما التفریط علی من لم یصل الصلاۃ حتی یجیئ وقت الصلاۃ الاخری**[1] گناہ اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت ہوجائے۔ت) کے جواب میں کیا فرمائیں گے ف۱ یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلاعذر نماز میں تاخیر کرے۔ حدیث امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ **ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر**[2] (ایک وقت میں دو۲ نمازوں کو جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ت) کے جواب میں کہہ چکے ہیں ف۲ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جمع بین الصلاتین سے منع کرنا حالتِ اقامت میں بلاعذر تھا جیسا کہ شاہد ہے اس تاویل پر اتفاق جمہور صحابہ و من بعد ہم کا اوپر عدم جواز بلاعذر کے، تو اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں جمع فعلی مراد لینے سے چارہ نہیں اور خود ملّاجی نے امام ابنِ حجر شافعی اور اُن کے توسط سے امام قرطبی وامام الحرمین وابن الماجشون وابن سید الناس وغیرہم سے یہاں ارادہ جمع فعلی کی تقویت وترجیح نقل کی معہذا قطع نظر اس سے کہ روایت صحیحین میں حضرت ابن عباس کے تلامذہ وراویانِ حدیث جابر بن زید و عمرو بن دینار نے ظنًّا حدیث کا یہی محمل مانا **قال ابن سیدالناس: وراوی الحدیث ادری بالمراد من غیرہ** (ابن سیدالناس نے کہا ہے کہ حدیث کا راوی، دوسرے شخص کی نسبت حدیث کی مراد سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ت) روایت نسائی میں خود ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس جمع کے جمع فعلی ہونے کی تصریح فرمادی کہ ظہر و مغرب میں دیر کی اور عصر و عشاء میں جلدی یہ خاص جمع صوری ہے اب کسی کو محل سخن نہ رہا تمہارے امام شوکانی غیر مقلد نے نیل الاوطار میں کہا:

ممایدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری، ماأخرجہ النسائی عن ابن عباس (وذکر لفظہ قال) فھذا ابن عباس، راوی حدیث الباب، قدصرح بان مارواہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری[3]۔	جو چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس باب سے متعلق حدیث کا جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہے، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو نسائی نے ابن عباس سے نقل کی ہے (اس کے بعد شوکانی نے مذکورہ روایت بیان کی ہے اور کہا ہے) یہ ابن عباس، جو اس موضوع سے متعلق حدیث کے (اولین) راوی ہیں خود تصریح کررہے ہیں کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین کی جو روایت بیان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۹

[2] موطا امام محمد باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۹

[3] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب جمع المقیم لمطر اوغیرہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳۲

ف۱ معیار الحق ص ۴۱۷ ف۲ معیار الحق ص ۴۰۰

شوکانی نے اس ارادہ کے اور چند مؤیدات بھی بیان کیے اور انکار جمع صوری اور آپ کے زعم باطل مصیبت کی اپنی بساط بھر خوب خوب خبریں لی ہیں جی میں آئے تو ملاحظہ کر لیجئے بالجملہ شک نہیں کہ حدیث میں مراد صوری ہے اب اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تصریح موجود ہے کہ جمع حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنظرِ رحمت وآسانی اُمّت کی تھی، مُلّاجی! اب اپنی مصیبت کی خبریں کہیے۔ **سادسًا:** عجب تر یہ کہ یہی صاحب جنھوں نے جمع صوری کو باعثِ مشقت ومنافی رخصت مانا خود اسی حدیثِ ابن عباس کو جمع صوری سے تاویل کر گئے **کما افاد الامام الزیلعی وغیرہ** (جیسا کہ امام زیلعی وغیرہ نے اس کا افادہ کیا ہے۔ ت) یہ صریح منافقت ہے۔ **اقول:** مُلّاجی تو تقلید جامد کا جامہ پہنے بیٹھے ہیں اس تناقض میں بھی تقلید کر گئے حدیث طبرانی مفید جمع صوری کہ عنقریب آتی ہے حضرت اس کے جواب میں اَن کہی بولتے[ف۱] ہیں کہ اس میں کیفیت اُس جمع کی ہے جو حالتِ قیام میں بلاعذر آنحضرت[عہ۱] نے جمع کی تھی جیسا کہ روایت میں ابن عباس کی ہے کہ آنحضرت[عہ۲] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حالت قیام میں مدینہ میں جمع صوری کی تھی۔ مُلّاجی! ذرا آنکھ ملا کر بات کیجئے اب وہ مصیبت رحمت ورافت کیونکر ہو گئی۔ **سابعًا:** حدیث حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی احمد وابوداؤد وترمذی جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان مستحاضہ کے لئے جمع صوری پسند فرمائی ہے مُلّاجی کو وہاں بھی یہی عذر معمولی پیش آیا[ف۲] کہ وہ مقیم تھی پس مقیم پر مسافر کی نماز کو قیاس مع الفارق ہے۔ **اقول:** مُلّاجی جمع صوری تو عوام کیا اکثر خواص کو بھی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھی وہ بھی سفر کے کھُلے میدانوں میں، اب کیا دُنیا پلٹی کہ پردہ نشین زنان[عہ۳] ناقصات العقل کے لئے گھر کی چار دیواریوں میں ممکن ہو گئی۔ **ثامنًا:** عبدالرزاق مصنف میں بطریق عمرو بن شعیب راوی:

قال، قال عبداللّٰه: جمع لنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، مقیما غیر مسافر، بین الظهر والعصر، والمغرب، والعشاء، فقال رجل لابن عمر: لم ترى النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فعل ذلك؟	اس نے کہا عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمارے لئے دو۲ نمازوں کو جمع کیا جبکہ آپ مقیم تھے، مسافر نہ تھے۔ یعنی ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو۔ ایک آدمی نے ابن عمر سے پُوچھا کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ

[عہ۱] و [عہ۲] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ (م)

[عہ۳] یعنی یہ حکم اب بھی ہر مستحاضہ کیلئے ہے تو ثابت ہوا کہ پردہ نشین زنان ناقصات العقل کو جمع صوری میسر ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

[ف۱]: معیار الحق ص ۴۰۰۔ [ف۲]: معیار الحق ص ۴۱۸

قال لان لاتحرج امتہ، ان جمع رجل[1]۔	علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا تاکہ امت پر تنگی نہ ہو، اگر کوئی شخص جمع کرلے۔(ت)

ابن جریر اس جناب سے بایں لفظ راوی:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما، ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر جلوہ فرما ہُوئے تو آپ ظہر میں تاخیر کرکے اور عصر میں تعجیل کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرکے دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔(ت)

نیز ابن جریر کی دُوسری روایت میں اُسی جناب سے یوں ہے:

اذا بادر احدکم الحاجۃ فشاء ان یؤخر المغرب ویعجل العشاء ثم یصلیھما جمیعا فعل[3]۔	اگر تم میں سے کسی کو کسی ضرورت کی بناپر جلدی ہو اور وہ چاہے کہ مغرب کو مؤخر کرے اور عشاء میں جلدی کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لے، تو ایسا کرلے۔(ت)

ان حدیثوں سے بھی ظاہر کہ جمع صوری میں بے شک آسانی ورحمت اور وقت حاجت عام لوگوں کو اس کی اجازت۔

تاسعا: عبدالرزاق صفوان بن سلیم سے راوی **قال جمع عمر بن الخطاب بین الظھر والعصر فی یوم مطیر**[4]۔ یعنی امیر المؤمنین فاروق اعظم نے مینہ کے سبب ظہر وعصر جمع کی۔

اقول: ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے نزدیک جمع وقتی حرام وگناہِ کبیرہ ہے جس کا بیان ان شاء اللہ المنان فصل چہارم میں آتا ہے لاجرم جمع صوری فرمائی۔ **عاشرًا:** طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علےہ وسلم کان یجمع بین المغرب والعشاء یؤخر ھذہ فی اٰخر وقتھا ویعجل ھذہ فی اوّل	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مغرب وعشاء کو جمع فرماتے، مغرب کو اس کے آخر وقت میں پڑھتے اور عشاء کو اس کے اوّل

---

[1] مصنّف ابی بکر عبدالرزاق حدیث ۴۴۳۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۵۵۶/۲

[2] کنزالعمال الاکمال من صلوٰۃ المسافر حدیث ۲۲۷۸۶ مطبوعہ موسۃ الرسالہ بیروت ۲۵۰/۸

[3] کنزالعمال الاکمال من صلوٰۃ المسافر ۲۰۱۹۰ مطبوعہ موسۃ الرسالہ بیروت ۵۴۷/۷

[4] لمصنّف لعبدالرزاق، باب جمع بین الصلٰوتین فی الحضر حدیث ۴۴۴۰، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۵۵۶/۲

وقتہا[1]	وقت میں (م)۔

یہ وہی حدیث طبرانی ہے جس میں جمع صوری ملّاجی ابھی مان چکے ہیں اس کی نسبت باقی کلام کارَدِ ان شاء اللہ العزیز آئندہ آتا ہے غرض شاباش ہے تمہارے جگرے کو کہ صحیح حدیثوں کے رَد و ابطال میں کوئی دقیقہ مغالطہ جاہلین ومکابرہ عالمین وتقلید مقلدین کااُٹھانہ رکھواور پھر عمل بالحدیث کی شیشی کو ٹھیس تک نہ لگے ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

افادہ رابعہ: الحمدللہ جب کہ احادیث جمع صوری کی صحت مہر نیمروزوماہ نیم ماہ کی طرح روشن ہوگئی تواب جس قدر حدیثوں میں مطلق جمع بین الصلاتین وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کو جمع فرمایا یا عصر وعشاء سے ملانے کو ظہر ومغرب میں تاخیر فرمائی وامثال ذٰلک کسی میں مخالف کے لئے اصلًا حجت نہ رہی سب اسی جمع صوری پر محمول ہوں گی اور استدلال مخالف احتمالِ موافق سے مطرود ومخذول مثل

حدیث ۱: بخاری ومسلم ودارمی ونسائی وطحاوی وبیہقی بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم ومسلم ومالک ونسائی وطحاوی بطریق نافع۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجمع بین المغرب والعشاء اذاجدبہ السییر[2]۔ وفی لفظ مسلم والنسائی من طریق سالم، رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلاۃ المغرب حتی یجمع بینہا وبین صلاۃ العشاء[3]۔	ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب چلنے میں تیزی ہوتی تھی تو آپ مغرب وعشاء کو جمع کرتے تھے۔ اور مسلم کی ایک اور روایت اور نسائی کی بطریقہ سالم روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر کے دوران چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو اتنامؤخر کردیتے تھے کہ عشاکے ساتھ ملالیتے تھے۔ (ت)

یہ معنی مجمل بروایات سالم ونافع مستفیض ہیں۔

فرواہ البخاری عن ابی الیمان[1]، والنسائی	چنانچہ بخاری ابوالیمان سے، نسائی بقیہ اور

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبداللہ ابن مسعود حدیث ۹۸۸۰ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۱

[3] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۵

عن بقیۃ[2] وعثمٰن[3]، کلھم عن شعیب بن ابی حمزہ۔ ومسلم عن ابن وھب عن یونس[4]۔ والبخاری عن[5] علی بن المدینی، ومسلم عن یحیٰی[6] بن یحیٰی وقتیبۃ[7] بن سعید وابی[8] بکر بن ابی شیبۃ وعمر[9] والناقد، والدارمی عن محمد[10] بن یوسف، والنسائی عن محمد[11] بن منصور، والطحاوی عن الحمانی[12]، ثمانیتھم عن سفیٰن بن عیینۃ، ثلثتھم اعنی شعیبا ویونس وسفیٰن عن الزھری عن سالم، ومسلم عن[13] یحیٰی بن یحیٰی، والنسائی عن قتیبۃ[14]، والطحاوی عن ابن[15] وھب، کلھم عن مالک، والنسائی بطریق عبدالرزاق ثنا معمر عن موسی[16] بن عقبۃ، والطحاوی[17] عن لیث، والبیھقی فی الخلافیات من طریق یزید بن ھارون عن یحیٰی[18] بن سعید، اربعتھم عن نافع، کلاھما عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	عثمان سے، یہ سب (ابوالیمان، بقیہ، عثمان) شعیب ابن ابی حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور مسلم، ابن وہب سے، وہ یونس سے روایت کرتے ہیں۔ اور بخاری، علی ابن مدینی سے۔ اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی، قتیبہ ابن سعید، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عمرو الناقد سے۔ اور دارمی، محمد ابن یوسف سے۔ اور نسائی، محمد ابن منصور سے۔ اور طحاوی، حمانی سے۔ یہ آٹھوں (یعنی علی(۱)، یحیٰی(۲)، قتیبہ(۳)، ابوبکر(۴)، عمرو(۵)، ابن یوسف(۶)، ابن منصور(۷)، حمانی(۸) سفیان ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں۔ پھر تینوں (سلسلوں کے تین آخری راوی) یعنی شعیب، یونس اور سفیان، زہری کے واسطے سے، سالم سے راوی ہیں۔ اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی سے۔ اور نسائی، قتیبہ سے۔ اور طحاوی، ابن وہب سے۔ تینوں مالک سے روایت کرتے ہیں۔ اور نسائی، بطریقہ عبدالرزاق، وہ معمر سے، وہ موسٰی ابن عقبہ سے روایت کرتے ہیں اور طحاوی لیث سے روایت کرتے ہیں۔ اور بیہقی خلافیت میں بطریقہ یزید ابن ہارون، یحیٰی ابن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ چاروں (آخری راوی یعنی مالک[1]، موسٰی[2]، لیث[3]، یحیٰی[4] نافع سے راوی ہیں سالم اور نافع) دونوں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ (ت)

حدیث[2] معلّق بخاری:

ووصلہ البیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علی وسلم یجمع بین صلاۃ الظھر والعصر اذا کان علی ظھر سیر۔	بیہقی نے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موصولاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب چلنے والے ہوتے تھے تو ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

ویجمع بین المغرب والعشاء [1]۔ وھو عند مسلم واٰخرین بذکر غزوۃ تبوک، ولابن ماجۃ من طریق ابرٰھیم بن اسمٰعیل عن عبدالکریم عن مجاھد وسعید بن جبیر وعطاء بن ابی رباح وطاؤس، اخبروہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ اخبرھم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین المغرب والعشاء فی السفر من غیران یعجلہ شیئ ولایطلبہ عدو ولایخاف شیئا [2]۔ **قلت:** ابرٰھیم ھذا، ھو ابن اسمٰعیل ابن مجمع الانصاری، ضعیف۔ وعبدالکریم، ان لم یکن ابن مالك الجزری، فابن ابی المخارق، وھو اضعف واضعف۔ والمعروف حدیثہ فی الجمع بالمدینۃ۔ رواہ الشیخان وجماعۃ، کماقدمناہ بطرقھا والفاظھا عماقریب۔	اسی طرح مغرب وعشاء بھی جمع کرلیتے تھے یہ روایت مسلم اور دیگر محدثین کے نزدیک غزوہ تبوک کے تذکرے سے متعلق ہے۔ اور ابن ماجہ بطریقہ ابراہیم بن اسمٰعیل راوی ہیں۔ کہ عبدالکریم کو مجاہد، سعید ابن جبیر، عطاء ابن ابی رباح اور طاؤس نے خبر دی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں مغرب عشاء جمع کرلیتے تھے حالانکہ نہ آپ کو جلدی ہوتی تھی نہ دشمن تعاقب میں ہوتا تھا اور نہ کسی اور چیز کا خوف ہوتا تھا۔ **قلت** (میں نے کہا): یہ وہی ابن اسمٰعیل ابن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے۔ اور عبدالکریم اگر ابن مالک جزری نہیں ہے تو ابن ابی الحارق ہوگا اور وہ بہت ضعیف اور بہت ہی ضعیف ہے۔ ابن عباس کی جو حدیث معروف ہے وہ مدینہ میں جمع کرنے کی ہے (نہ کہ سفر میں) اس کو بخاری، مسلم اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ تھوڑا ہی پہلے ہم اس کے تمام طریقے اور الفاظ بیان کرآئے ہیں۔ (ت)

وحدیث ۳ بخاری تعلیقاً ووصلاً وطحاوی وصلا:

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین ھاتین الصلاتین فی السفر، یعنی المغرب والعشاء [3]۔	انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اِن دو ۲ نمازوں کو سفر میں جمع کرتے تھے، یعنی مغرب اور عشاء کو۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

[2] سنن ابن ماجہ باب الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۶

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

وحدیث ۴ مالك وشافعي ودارمي ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجه وطحاوی مطولًا ومختصرًا عن عامر بن واثلة ابی الطفیل عن معاذ بن جبل رضی الله تعالٰی عنهم قال: جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی غزوة تبوك بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء، قال: فقلت، ماحمله علی ذلك؟ قال، فقال: اراد ان لایحرج امته [1]۔ هذا لفظ مسلم فی الصلاة، ومثله للطحاوی، وعند الترمذی صدره فقط، وهو احد لفظی الطحاوی ولمالك ومن طریقه عند مسلم فی الفضائل، خرجنا مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عام غزوة تبوك، فكان یجمع الصلاة، فصلی الظهر والعصر جمیعا، والمغرب والعشاء جمیعا حتی اذا كان یوما اخر الصلاة، ثم خرج فصلی الظهر والعصر جمیعا، ثم دخل، ثم خرج بعد ذلك، فصلی المغرب والعشاء جمیعا [2]، الحدیث بطوله، وهو بهذا القدر من دون زیادة عبدالباقین۔	عامر ابن واثلہ ابوالطفیل، معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کیا تھا۔ واثلہ نے کہا کہ میں نے پُوچھا: "اس کی وجہ کیا تھی؟" تو معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیا کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت کو کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت) یہ مسلم کے الفاظ ہیں کتاب الصلٰوۃ میں، اور طحاوی نے بھی یونہی روایت کی ہے۔ ترمذی میں صرف اس کا ابتدائی حصّہ ہے اور طحاوی کی ایک روایت بھی صرف ابتدائی حصّے پر مشتمل ہے۔ مالک کے ہاں، اور انہی کے طریقے سے مسلم کے ہاں روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو آپ نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا اور مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا حتّٰی کہ ایک روز آپ نے نماز کو مؤخر کیا، پھر تشریف لائے تو ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا۔ پھر اندر تشریف لے گئے پھر باہر جلوہ افروز ہوئے اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا۔ مالک اور مسلم نے اس حدیث کو آخر تک پوری طوالت سے ذکر کیا ہے۔ مگر دیگر محدثین کے ہاں اسی قدر ہے۔ اس سے زائد نہیں ہے۔ (ت)

وحدیث ۵ مالک مرسلًا ومسندًا:

من طریق داؤد بن الحصین عن الاعرج	بطریقہ داؤد ابن حصین، اعرج سے، وہ ابوھریرہ

---

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] الصحیح لمسلم باب فی معجزات النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کتاب الفضائل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۴۶

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یجمع بین الظھر والعصر فی سفرہ الی تبوك[1]۔

ھکذا روی عن یحیٰی مسندا، وھو عند محمد وجمهور رواۃ المؤطا عن عبدالرحمٰن بن ھرمز مرسلا۔ وعبد الرحمٰن، ھوالاعرج۔ و ھو عندا لبزار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔

وحدیث(۶): احمد وابن شبة بطریق حجاج ابن ارطاۃ، مختلف فیه، عن عمروبن شعیب عن ابیه عن جدہ وھو عبداللہ بن عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بین الصلاتین فی غزوہ بنی المصطلق[3]۔ **وحدیث**۷ ترمذی فی کتاب العلل:

حدثنا ابوالسائب عن الجریری عن ابی عثمٰن عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک کے دوران ظہر وعصر کو جمع کیا کرتے تھے۔ (ت) یہ حدیث یحیٰی سے بھی اسی طرح مسنداً مروی ہے، مگر محمد اور مؤطا کے اکثر راوی اس کو عبدالرحمٰن ابن ہرمز سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، اور عبدالرحمٰن، وہی اعرج ہے۔ اور بزار کے ہاں عطاء ابن یسار ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو۲ نمازوں کو جمع کرتے تھے۔ (ت) احمد اور ابن ابی شیبہ بطریقہ حجاج ابن ارطاۃ، جو مختلف فیہ ہے، عمرو ابن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے، وہ اس کے دادا سے، یعنی عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بنی مصطلق میں دو۲ نمازوں کو جمع کیا۔ (ت) حدیث بیان کی ہم سے ابوالسائب نے جریری سے، اس نے ابوعثمان سے، اس نے اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] مؤطا امام مالک الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۵۔ ۱۲۴

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۳۰/۱

[3] المصنّف لابن ابی شیبہ باب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۴۵۸/۲

وسلم اذاجدبہ السیر جمع بین الظهر والعصر، والمغرب والعشاء، قال الترمذی: سألت محمدا، یعنی البخاری عن هذا الحدیث، فقال: الصحیح، هو موقوف عن اسامة بن زید[1]۔

وحدیث[٨] : احمد بطریق ابن لهیعة عن ابن الزبیر قال: سألت جابرا رضی الله تعالٰی عنه، هل جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بین المغرب والعشاء؟ قال: نعم، عام غزونا بنی المصطلق[2]۔ **وحدیث**[٩] ابن ابی شیبه وابوجعفر طحاوی:

اما الاول فبطریق ابن ابی لیلٰی عن هذیل، واما الاٰخر فعن ابی قیس الاودی عن هذیل بن شرجیل عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم جمع، ولفظ الاٰخر کان یجمع، بین الصلاتین فی السفر[3]۔ وللطبرانی فی معجمیه الکبیر والاوسط عنه رضی الله تعالٰی عنه قال: جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلّم

وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کرتے تھے۔ ترمذی نے کہا کہ میں نے محمد، یعنی بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اسامہ ابن زید پر موقوف ہے۔ (ت)

احمد بطریقہ ابن لہیعہ، ابوالزبیر سے راوی ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم نے کبھی مغرب وعشاء کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، جس سال ہم غزوہ بنی مصطلق کے لئے گئے تھے"۔ (ت) پہلے (یعنی ابن ابی شیبہ) بطریقہ ابن ابی لیلٰی، ہذیل سے، اور دوسرے (یعنی طحاوی) ابو قیس اودی ہے وہ ہذیل ابن شرجیل سے، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر کے دوران جمع کیا طحاوی کے الفاظ یوں ہیں: "جمع کیا کرتے تھے دو نمازوں کو سفر کے دوران۔" (ت)

اور طبرانی نے اپنی دونوں معجموں، یعنی کبیر اور اوسط میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر وعصر

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۷/ ۱۴۹

نوٹ: یہ حوالہ مجھے ترمذی کی کتاب العلل میں نہیں مل سکا اور بڑی کوشش سے عمدۃ القاری سے مِلا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر بن عبداللہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۳/ ۳۴۸

[3] مصنّف ابن ابی شیبہ من قال یجمع المسافر بین الصلوٰتین مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۵۸

بین الظهر والعصر، والمغرب والعشاء، فقیل له فی ذلک، فقال: صنعت ذلك لئلا تحرج امتی[1]۔ **وحدیث**[١٠] طبرانی فی المعجم الاوسط عن عطاء عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔ **وحدیث**[١١] مرسل وبلاغ مالک: انه بلغه عن علی بن حسین، هو ابن علی رضی الله تعالٰی عنهم انه کان یقول: کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اراد ان یسیر یومه، جمع بین الظهر والعصر، واذا اراد ان یسیر لیله، جمع بین المغرب والعشاء[3]۔	اور مغرب وعشاء کو جمع کیا تو آپ سے اس بارے میں پُوچھا گیا، آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح اس لئے کیا ہے تاکہ میری اُمّت پر کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت) (قدیم میں یہ روایت ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور ترجمہ قدیم ہی کے مطابق کیا گیا ہے) طبرانی معجم اوسط میں ابونضرہ سے، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو[۲] نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ (ت) مالک کو علی ابن حسین ابن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دن کو سفر کرنا چاہتے تھے تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے اور جب رات کو سفر کرنا چاہتے تھے تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔ (ت)

ولہٰذا سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مؤطا شریف میں حدیث پنجم روایت کرکے فرماتے ہیں:

بهذا ناخذ، والجمع بین الصلاتین ان تؤخر الاولٰی منهما فتصلی فی اٰخر وقتها، وتعجل الثانیة فتصلی فی اول وقتها، وتعجل الثانیة فتصلی فی اول وقتها[4]۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع بین الصلاتین کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی کو مؤخر کرکے آخر وقت میں پڑھا جائے اور دوسری کو جلدی کرکے اول وقت میں۔ (ت)

یعنی جو اس حدیث میں آیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر جمع فرماتے ہم

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۲۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/۲۶۹

[2] معجم اوسط حدیث نمبر ۵۵۵۸ مکتب المعارف ریاض ۶/۲۶۲

[3] مؤطا امام مالک جمع بین الصلاتین میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۶

[4] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۱

اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع کے معنی جمع صوری ہیں۔ ملّا جی تو ایک ہوشیار ان احادیث اور ان کے امثال کو محتمل و بے سُود سمجھ کر خود بھی زبان پر نہ لائے اور اغوائے عوام کے لئے یوں گول اور پردہ کہہ گئے[ف] کہ جمع بین الصلاتین فی سفر صحیح اور ثابت ہے رسول اللہ سے۔ بروایت جماعت عظیمہ کے صحابہ کبار سے۔

پھر پندرہ [۱۵] صحابہ کرام کے اسمائے طیبہ گنا کر خود ہی کہا لاکن مجموعہ روایات میں بعض ایسی ہیں کہ اُن میں فقط جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دو نمازوں کو بے ان کیا ہے کیفیت جمع کی بیان نہیں کی پس حنفی لوگ اُن حدیثوں میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اس سے جمع صوری ہے اسی لئے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں ذکر کرتے ہیں تو مصنفین بافہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انہیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں اھ ملخصًا۔

اقول: بالفرض اگر جمع صوری ثابت نہ ہوتی تاہم محتمل تھی اور احتمال قاطع استدلال نہ کہ جب آفتاب کی طرح روشن دلیلوں سے جمع صوری کا احادیثِ صحیحہ سے ثبوت ظاہر تو اب براہِ تلبیس پندرہ ۱۵ صحابہ کی روایت سے اپنے مطلب کا ثبوت صحیح بتانا اور جابجا عوام کو دہشت دلانے کے لئے کہیں چودہ کہیں پندرہ سُنانا کیا مقتضائے مُلّائیت ہے اب تو مُلّا جی کی تحریر خود اُن پر باز گشتی تیر ہوئی کہ جب احادیث صحیحہ صریحہ سے جمع صوری ثابت تو منصفین بافہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انہیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں، رہے وہ صحابہ جن کی روایات اپنے زعم میں صریح سمجھ کر لائے اور نص مفسر ناقابل تاویل کہتے ناظرین نقاد کا خوف نہ لائے وہ صرف چار ہیں دو جمع تقدیم دو جمع تاخیر میں، اُن روایات کا حال بھی عنقریب اِن شاء اللہ القریب المجیب کھلا جاتا ہے اُس وقت ظاہر ہوگا کہ دعوٰی کر دینا آسان ہے مگر ثبوت دیتے تین ہاتھ پیراتا ہے وللہ الحجۃ السامیہ۔

فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم:

واضح ہو کہ جمع تقدیم غایت درجہ ضعف وسقوط میں ہے حتی کہ بہت علمائے شافعیہ ومالکیہ تک معترف ہیں کہ اُس کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہ ہوئی مگر مُلّا جی اپنی مُلّائیت کے بھروسے بیڑا اٹھا کر چلے ہیں کہ اُسے احادیث صحیحہ صریحہ مفسرہ قاطعہ سے ثابت کر دکھائیں گے۔

چلا تو ہے وہ بت سیمتن شب وعدہ
اگر حجاب نہ روکے حیا نہ یاد آئے

جمع تقدیم وتاخیر دونوں کی نسبت حضرت کے یہی دعوے ہیں، ابھی سُن چکے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں

عـــه صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ۱۲ منہ۔
ف معیار الحق ص ۳۶۶

پھر بعد ذکرِ احادیث [ف۱] فرمایا یہ ہیں دلائل ہمارے جواز جمع پر جن میں کسی طرح عذر اور تاویل اور جرح اور قدح کو دخل نہیں۔ آخر کتاب میں فرمایا [ف۲]: نصوص قاطعه تاویل۔ اس سے اوپر لکھا: احادیث [ف۳] صحاح جو جمع بین الصلاتین پر قطعًا اور یقینا دلالت کرتی ہیں۔

بہت اچھا ہم بھی مشتاق ہیں مگر بے حاصل۔

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرہ خُوں نہ نکلا

حضرت بکمال عرق ریزی دو۲ حدیثیں تلاش کرکے لائے وہ بھی ثمرہ نظر شریف نہیں بلکہ مقلدین شافعیہ کی تقلید جامد سے۔

حدیث اوّل: بعض طرقِ حدیث سیدنا معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس جناب سے روایت صحیحہ معروفہ مشہورہ مرویہ کبار ائمہ تو وہ تھی جو ان احادیث مجملہ سے حدیث چہارم میں گزری جس میں سوا جمع کے کوئی کیفیت مخصوصہ مذکور نہ تھی جماہیر ائمہ وحفاظ نے اسے یوں ہی روایت کیا۔

رواه عن ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ جماعة من الحفاظ، منهم سفیٰن الثوری وقرة بن خالد ومالك بن انس وأخرون، اماسفیٰن فعند ابن ماجة، واماقرة فعنه خالد بن الحارث عند مسلم، وعبدالرحمٰن بن مهدی عندالطحاوی، واما مالك فعنه الشافعی فی مسنده، وابن وهب عندالطحاوی، وابوالقاسم عندالنسائی، وابوعلی الحنفی عندالدارمی، وعن الدارمی، مسلم فی صحیحه۔	اس حدیث کو ابوالزبیر سے، اس نے ابوالطفیل سے، اس نے معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، حفّاظ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جن میں سفیان ثوری، قرۃ ابن خالد، مالک بن انس اور دیگر محدثین شامل ہیں۔ سفیان ثوری کی روایت ابن ماجہ کے ہاں ہے۔ قرۃ ابن خالد سے خالد ابن حارث نے جو روایت لی ہے وہ مسلم میں ہے، اور جو عبدالرحمان ابن مہدی نے لی ہے وہ طحاوی میں ہے۔ مالک سے جو روایت شافعی نے لی ہے وہ ان کے مسند میں ہے۔ جو ابنِ وہب نے لی ہے وہ طحاوی کے ہاں ہے۔ جو ابوالقاسم نے لی ہے وہ نسائی کے پاس ہے۔ جو ابوعلی حنفی نے لی ہے وہ دارمی کے ہاں ہے اور دارمی سے مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔ (ت)

یہی اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے مگر ایک روایت غریبہ شاذہ بطریق لیث بن سعد عن یزید بن ابی جیب عن ابی الطفیل یوں آئی: ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان فی غزوۃ تبوک، اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظهر حتی یجمعها الی العصر فیصلیهما جمیعا، واذا ارتحل بعدزیغ الشمس صلی الظهر والعصر جمیعا ثم صار، وکان اذاارتحل بعد المغرب

ف۱ معیار الحق ص ۳۸۳، **ف۲** معیار الحق ص ۴۱۸، **ف۳** معیار الحق ص ۴۰۳

عجل العشاء فصلاھا مع المغرب [1]۔ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبیھقی۔ زاد الترمذی بعد قولہ: اذا ارتحل بعد زیغ الشمس، عجل العصر الی الظھر وصلی الظھر والعصر جمیعا۔ الحدیث [2] یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے تو ظہر میں دیر کرتے یہاں تک کہ اُسے عصر سے ملاتے تو دونوں کو ساتھ پڑھتے اور جب دوپہر کے بعد کُوچ فرماتے تو عصر میں تعجیل کرتے اور ظہر وعصر ساتھ پڑھتے پھر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کُوچ کرتے مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشا کے ساتھ پڑھتے اور مغرب کے بعد کُوچ فرماتے تو عشا میں تعجیل کرتے اُسے مغرب کے ساتھ پڑھتے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ غریب ہے معروف روایت ابی ھریرہ ہے:

حیث قال: حدیث اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل عن معاذ، حدیث حدیث غریب والمعروف عند اھل العلم حدیث معاذ من حدیث ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع فی غزوۃ تبوک بین الظھر والعصر، وبین المغرب والعشاء۔ رواہ قرۃ بن خالد وسفیٰن الثوری ومالك وغیر واحد عن ابی الزبیر المکی [3]۔	چنانچہ ترمذی نے کہا کہ وہ حدیث جو لیث نے یزید ابن ابی حبیب سے، اس نے ابوالطفیل سے، اس نے معاذ سے روایت کی ہے، وہ غریب ہے اور اہلِ علم کے نزدیک معروف معاذ کی وہ حدیث ہے جو ابوالزبیر نے بواسطہ ابوالطفیل معاذ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔ اس کو قرۃ ابن خالد، سفیان ثوری، مالک اور دوسروں نے ابوالزبیر مکّی سے روایت کیا ہے۔ (ت)

پھر ائمہ شان مثل ابوداؤد وترمذی وابوسعید بن یونس فرماتے ہیں اسے سوا قتیبہ بن سعید کے کسی نے روایت نہ کیا یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اُس پر غلط ہونے کا حکم فرمایا [4] کما نقلہ الامام البدر فی العمدۃ والشوکانی الظاھری فی شرح المنتقی عن الحافظ ابن سعید بن یونس (جیسا کہ امام بدر نے عمدۃ میں اور شوکانی الظاہری نے شرح منتقی میں حافظ ابن سعید بن یونس سے نقل کیا۔ ت) امام ابوداؤد نے

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲

[4] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۳

منکر کہا[1] **کمافی البدر المنیر وعنہ فی النیل** (جیسا کہ بدر منیر میں ہے اور اس سے نیل الاوطار نے نقل کیا ہے)

بلکہ رئیس الناقدین امام بخاری نے اشارہ فرمایا کہ یہ حدیث نہ لیث نے روایت کی نہ قتیبہ نے لیث سے سنی بلکہ خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب نے قتیبہ کو دھوکا دے کر اُن سے روایت کرادی اُس کی عادت تھی کہ براہِ مکر وحیلہ شیوخ پر اُن کی ناشنیدہ روایتیں داخل کر دیتا لاجرم حاکم نے علوم الحدیث میں اُس کے موضوع ہونے کی تصریح کی یہ سب باتیں علمائے حنفیّہ مثل امام زیلعی شارح کنز وامام بدر عینی شارح صحیح بخاری وعلّامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کے سوا شافعیہ ومالکیہ وظاہریہ قائلان جمع بین الصلاتین مثلی امام قسطلانی شافعی شارح بخاری وعلّامہ زرقانی مالکی شارح مؤطا ومواہب وشوکانی ظاہری شارح منتقی وغیرہم نے امام ابن یونس وامام ابوداؤد وابوعبداللہ حاکم وامام المحدثین بخاری سے نقل کیں بلکہ انہیں نے اور ان کے غیر مثل صاحب بدر منیر وغیرہ نے امام ابوداؤد سے حکم مطلق نقل کیا کہ جو مضمون اس روایت کا ہے اس باب میں اصلًا کوئی حدیث قابلِ استناد نہیں **کماسیأتی اِن شاء اللہ تعالٰی** (جیسا کہ اِن شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) تو باوصف تصریحات ائمہ شان خصوصًا بخاری کے پھر ملّاجی کا اس روایت کی تصحیح میں عرق ریزی بے حاصل اور توثیق لیث وقتیبہ وغیرہما رواۃ وقبول تفرد ثقہ کے اثبات میں تطویل لاطائل کرنا کیسی جہالتِ فاحشہ ہے کس نے کہا تھا کہ قتیبہ یا لیث یا یزید بن ابی حبیب یا معاذاللہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ ضعیف ہیں، ملّاجی بایں پیرانہ سالی و دعوے محدثی ابھی حدیث معلول ہی کو نہیں جانتے کہ اُس کے لئے کچھ ضعفِ راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت وعدالت رواۃ حدیث میں علت قارحہ ہوتی ہے کہ اُس کا رَد واجب کرتی ہے جسے بخاری وابوداؤد وغیرہما سے ناقدین پہچانتے ہیں بخاری وابوسعید وحاکم نے بھی تو قتیبہ پر جرح نہ کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ اُنہیں دھوکا دیا گیا غلط میں پڑ گئے پھر اس سے عدالتِ قتیبہ کو کیا نقصان پہنچا، وثاقتِ قتیبہ سے حدیث کو کیا نفع ملا، ہاں یہ دفتر توثیق اپنے پے شوا ابن حزم غیر مقلد لامذہب کو سنایئے جس خبیث اللسان نے آپ کو اس روایت کے رَد میں سیدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عیاذًا باللہ مقدوح ومجروح بتایا جسے دوسرے غیر مقلّد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رَد پر آتے ہیں خوفِ خدا وشرمِ دُنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں۔ اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کے لئے صحیح بخاری شریف کی صحیح ومتصل حدیث کو بزعمِ تعلیق رَد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا وہی ڈھنگ موصول کو معلق مسند کو مرسل بنا کر احادیث صحیحہ جیدہ کو رَد کرنے کے لئے آپ نے سیکھے ہیں،

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۲۴۳

كماتقدم، ومن يشبه اباء ه فماظلم ثمّ اقول: وتحسين الترمذی يرجع الی حديث معاذ، لقوله: حديث معاذ حديث حسن غريب۔ واذا اتی علی هذه الرواية لم يحسنه، انما قال: و حديث الليث عن يزيد غريب۔ وافاد انه خلاف المعروف، فقال: والمعروف عند اهل العلم حديث معاذ[1]۔ الخ واما ابن حبان فلانعلم له فضلا علی ابی سعيد بن يونس، فانه ايضا ثقة، ثبت، حافظ، امام من ائمة الشان، كلاهما من الاقران، من تلامذة الامام النسائی ابی عبد الرحمٰن۔ وابن يونس، لنزاهته من نفس فلسفی، احب الی الناس من ابن حبان۔ وقد قال الامام ابوعمرو بن الصلاح فی طبقات الشافعية: ربما غلط الغلط الفاحش فی تصرفاته[2]، كمانقله الذهبی فی تذكرة الحفّاظ۔ فانی يدانی اباداؤد، فضلا ان يواذيه، فضلا ان يباريه، فضلا عن ذاك الجبل الجليل محمد بن اسمعيل يوقد عرف بالتساهل فی باب التصحيح؛ بل والتحسين، هو والترمذی: كمانص

جیسا کہ گزرا اور جو شخص اپنے آباؤ سے مشابہت رکھے اس کا کوئی قصور نہیں۔ ثم اقول پھر میں کہتا ہوں) کہ ترمذی کا حسن قرار دینا حدیث معاذ سے متعلق ہے کیونکہ ترمذی نے کہا ہے کہ معاذ کی حدیث حسن غریب ہے اور جب اس روایت کا ذکر کیا اسے حسن نہیں کہا صرف یہ کہا کہ لیث کی یزید سے مروی حدیث غریب ہے۔ ترمذی نے یہ افادہ بھی کیا کہ یہ معروف حدیث کے خلاف ہے۔ چنانچہ ترمذی نے کہا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک معروف، معاذ کی وہ حدیث ہے الخ۔ رہا ابن حبان تو اسکی سعید ابن یونس پر کوئی برتری ہمارے علم میں نہیں ہے کیونکہ سعید بھی ثقہ ہے ثبت ہے، حافظ ہے اور حدیث کے اماموں میں سے ایک امام ہے دونوں ہم زمان ہیں اور امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ تاہم ابن یونس فلسفی روح سے پاک ہونے کی وجہ سے لوگوں کے ہاں ابن حبان سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ امام ابوعمر ابن صلاح نے طبقات الشافعیہ میں کہا ہے کہ ابن حبان کو تصرفات حدیث کے دوران بسا اوقات شدید غلطی لگ جاتی تھی، جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بےان کیا ہے۔ تو پھر ابن حبان ابوداؤد کے قریب بھی کہاں پہنچ سکتا ہے، چہ جائے کہ اس کا ہمسر ہو، چہ جائے کہ اس کے مقابل ہو۔ اور علم کے عظیم پہاڑ محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کا مقام تو پھر بہت ہی اونچا ہے، جبکہ ابن حبان احادیث کو صحیح قرار دینے میں متساہل ہے۔ بلکہ حسن قرار دینے میں بھی یہ اور ترمذی

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۲۷

[2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ ابن حبان مطبوعہ حیدرآباد دکن ۳/۱۲۶

علیه الائمة وحققناه فی رسالتنا مدارج طبقات ۱۳۱۳ھ الحدیث علی ان الجرح مقدم فی مثل المقام، فان من اثبت فانما نظر الی ثقة الرواة، ولم یطلع علی ماطلع علیه غیره من العلة، ومن یعلم قاض علی من لایعلم۔ واللّٰه اعلم، من کل اعلم۔	متساہل ہیں، جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے رسالے "مدارج طبقات الحدیث" میں تحقیق کی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے مقام پر جرح، تعدیل سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ جو علماء، حدیث کو ثابت قرار دیتے ہیں وہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا مدّنظر رکھتے ہیں اور اس خامی سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں جس سے دوسرے واقف ہوتے ہیں اور آگاہی رکھنے والے، آگاہی نہ رکھنے والوں کی بنسبت فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم من کل اعلم۔ (ت)

ثمّ اقول: اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہوئی اور ہنوز کلام طویل ہے مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کہتا ہے نظر تحقیق کو رخصت تدقیق دیجئے تو اس روایت کا کون سا حرف جمع حقیقی میں نص ہے اُس کا حاصل تو صرف اس قدر کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر کو جمع فرماتے اگر دوپہر سے پہلے کُوچ ہوتا تو راہ میں اُتر کر ورنہ منزل ہی پر پہلی صورت میں جمع بعد سیر ہوتی ہے اور دوسری میں سیر بعد جمع پھر اس میں جمع صوری کا خلاف کیا ہوا حدیث کا کون سا لفظ حقیقی کا تعیین کررہا ہے اذا ارتحل بعد زیغ الشمس میں خواہی نخواہی بعدیت متصلہ پر کیا دلیل ہے بلکہ اس کے عدم پر دلیل قائم کہ جزا صلی ثم سار ہے بلکہ الفاظ اخر الظھر وعجل العصر سے جمع صوری ظاہر ہے ظہر دیر کرکے پڑھی عصر جلد پڑھی اس سے یہی معنی مفہوم ومتبادر ہوتے ہیں کہ ظہر اپنے آخر وقت میں عصر اپنے شروع وقت میں نہ یہ کہ ظہر عصر میں پڑھی جائے یا عصر ظہر میں، ولہٰذا علمائے کرام مثل امام اجل طحاوی وابوالفتح ابن سید الناس وغیرہما بلکہ ان کے علاوہ آپ کے امام شوکانی نے بھی ان الفاظ تاخیر وتعجیل کو جمع صوری کی صریح دلیل مانا، شرح منتقی میں کہا:

ممایدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری، ماأخرجه النسائی عن ابن عباس، بلفظ: صلیت مع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الظهر والعصر جمیعا، والمغرب والعشاء جمیعا، اخر الظهر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء۔ فهذا ابن عباس،	جن وجوہات کی بناپر اس باب کی حدیث کو جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہوجاتا ہے ان میں سے ایک وجہ وہ روایت ہے جس کی نسائی نے ابن عباس سے ان الفاظ میں تخریج کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب وعشا کو بھی اکٹھا پڑھا۔ آپ نے ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرمائی، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشا میں تعجیل فرمائی تو یہ ابن عباس

راوی حدیث الباب، قدصرح بان ماوراہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری[1]۔	جو حدیث کے راوی ہیں خود ہی واضح کررہے ہیں کہ انہوں نے جمع کی جو روایت بےان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ومن المؤیدات للحمل علی الجمع الصوری ایضا، مااخرجہ ابن جریر عن ابن عمر، قال: خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم، فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما، ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما۔ وھذا ھو الجمع الصوری[2]۔	جمع صوری پر حمل کرنے کی مؤیدات میں سے وہ روایت بھی ہے جو ابن جریر نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بےان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے اور عصر کو جلدی، اس طرح دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے۔ اسی کو جمع صوری کہتے ہیں۔ (ت)

معہذا ظہر ومغرب کا جب وقت کھودنا ٹھہرا تو عصر وعشاء میں جلدی کا ہے کی، اطمینان سے منزل پر پہنچ کر دونوں پڑھ لی جاتیں، ہاں جمع صوری اُن کی تعجیل ہی سے ممکن، تو حدیث اُسی طرف ناظر، بالجملہ شک نہیں کہ یہ روایت بھی اُنہیں احادیث مجملۃ الکیفیۃ سے ہے جسے مُلّاجی نے خواہی نخواہی جمع حقیقی میں نص مفسر ناقابل تاویل مان لیا، الحمدللہ اس تحریر کے بعد مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے مطالعہ نے ظاہر کیا کہ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے حدیث کی یہی تفسیر کی جو فقیر نے تقریر کی، فرماتے ہیں:

(جمع بین الظھر والعصر) ای فی المنزل، بان اخر الظھر الٰی اٰخر وقتہ وعجل العصر فی اول وقتہ۔	(ظہر وعصر کو جمع کیا) یعنی قیام گاہ میں، ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کیا اور عصر کو تعجیل کرکے اول وقت میں پڑھا۔ (ت)

پھر فرمایا:

(جمع بین المغرب والعشاء) ای فی المنزل، کماسبق[3]۔	(مغرب وعشاء کو جمع کیا) یعنی جائے قیام میں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب الجمع المقیم لمطر اوغیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۶

[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب الجمع المقیم لمطر اوغیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب صلوٰۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

حدیث دوم : اور تم نے کیا جانا کیا حدیث دوم وہ حدیث جسے جمع صلاتین سے اصلاً علاقہ نہیں جس میں اثبات جمع کا نام نہیں نشان نہیں، بو نہیں، گمان نہیں۔ خود قائلینِ جمع نے بھی اُسے مناظرہ میں پیش نہ کیا، ہاں بعض علمائے شافعیہ نے شرح حدیث میں استطراداً جس طرح شراح بعض فوائد زوائد حدیث سے استنباط کرجاتے ہیں لکھ دیا کہ اس میں جمع سفر پر دلیل ہے ملّاجی چار طرف ٹٹول میں تھے ہی تقلید جامد شافعیہ کی لاٹھی پکڑے انہیں بند کیے پہنچے فیہ دلیل پر ہاتھ پڑا بحکم **لکل ساقطۃ لاقطۃ** (ہر گری ہوئی چیز کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت) جھٹ خوش خوش اٹھالائے اور معرکہ مناظرہ میں جمادی وہ کیا یعنی حدیث صحیحین

عن ابی جحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، خرج علینا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ الی البطحاء، فتوضأ فصلی لنا الظہر والعصر [1]۔ ولفظ البخاری، خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ، فصلی بالبطحاء الظہر رکعتین والعصر رکعتین [2]۔	ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت مقامِ بطحاء میں ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور ہمیں ظہر وعصر کی نماز پڑھائی۔ اور بخاری کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور مقامِ بطحاء میں ظہر کی دو۲ رکعتیں اور عصر کی بھی دو۲ رکعتیں اور فرمائیں۔ (ت)

سچ تو ہے مُلّاجی کی داد نہ فریاد، اب کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت اسے جمع حقیقی کی دلیل نہ صرف دلیل بلکہ صاف صریح نہ صالح تاویل بتانا کن کھلی آنکھوں کا کام ہے سبحان اللہ! حدیث کا مفاد صرف اتنا کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دوپہر کو یا ظہر کے اول وقت یا عصر سے پہلے خیمہ اقدس سے برآمد ہو کر وضو کیا اور ظہر وعصر دونوں اُسی موضع بطحاء میں ادا فرمائیں اس میں تو مطلق جمع بھی نہ نکلی نہ کہ جمع حقیقی میں نص ہو، ملّاجی تو آپ جانیں ایک ہوشیار ہیں خود سمجھے کہ حدیث مطلب سے محض بے علاقہ ہے لہذا یہ نامندمل زخم بھرنے کو بشرم عوام کچھ عربی بولے اور یوں اپنی نحودانی کے پردے کھولے کہ ف ا ہاجرہ خروج ووضو وصلاۃ سب کی ظرف ہے اور فا ترتیب بے مہلت کے لئے تو بمقتضائے فا معنی یہ ہُوئے کہ یہ سب کام ہاجرہ میں ہولیے، ظاہر یہی ہے تو اس سے عدول بے مانع قطعی ناروا، علاوہ بریں عصر ظہر پر معطوف اور صلّی توضأ سے بے مہلت مربوط تو معطوفِ معمول کو جُدا کرلینا کیونکر جائز اھ ملخصا مھذبا مترجما اس پر بہت وجوہ سے رَد ہیں، مثلاً

---

[1] صحیح مسلم : باب سترۃ المصلّی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۶

[2] صحیح بخاری کتاب المناقب، باب صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۵۰۲

ف۱ معیار الحق ص ۳۶۷۔۳۶۹

اول: فا کو ترتیب ذکری کافی، مسلم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علٰی سبیل التعقیب ولو فی الذکر[1]۔	فاء ترتیب کے لئے بطور تعقیب ہے خواہ یہ ترتیب ذکر میں ہو۔(ت)

ثانی: عدم مہلت ہر جگہ اُس کے لائق ہوتی ہے **کمافی فواتح الرحموت**[2] (جیسا کہ فواتح الرحموت میں ہے۔ت) تزوج فولدلہ میں کون کہے گا کہ نکاح کرتے ہی اُسی آن میں بچّہ پیدا ہو تو جیسے وہاں تقریبًا ایک سال کا فاصلہ منافی مقتضائے فانہیں، ظہر وعصر میں دو۲ ساعت کا فاصلہ کیوں منافی ہوگا۔

ثالث: ہاجرہ ظرف خروج ہے ممکن کہ خروج آخر ہاجرہ میں ہو کہ وضو ونماز ظہر تک تمام ہوجائے اور نمازِ عصر بلامہلت اُس کے بعد ہو، ہاجرہ کچھ دوپہر ہی کو نہیں کہتے زوال سے عصر تک سارے وقتِ ظہر کو بھی شامل ہے کمافی القاموس۔ تو مخالفت ظاہر کا ادعا بھی محض باطل۔

رابع: حدیث مروی بالمعنٰی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی کہ ایسی حدیث کے فاو واو وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں کما فی الحجۃ البالغۃ۔ یہ تلخیص وتہذیب اجوبہ ہے **وقد ترکنا مثلھا فی العدد** (اور ہم نے اتنے ہی جوابات ترک کردئے ہیں۔ت) **وانا اقول:** وبحول اللہ اصول۔

خامس: ہاجرہ کو ظرف افعال ثلثہ کہنا محض ادعائے بے دلیل ہے"و" تعقیب چاہتی ہے۔ اتحاد زمانہ نہیں چاہتی بلکہ تعدد واجب کرتی ہے کہ تعقیب بے تعدد معقول نہیں۔

سادس: ظرفیت ثلٰثہ فاسے ثابت یا خارج سے اول بداہۃً باطل کماعلمت بر تقدیر ثانی حدیث فالغو محض ہے کہ عصر فی الہاجرہ اُسی قدر سے ثابت، پھر باوصف لغویت اُسی کی طرف اسناد کہ بمقتضائے فایہ معنی ہوئے اور عجیب تر۔

سابع: ذرا صفت حجۃ الوداع میں حدیث طویل سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صحیح مسلم وغیرہ میں ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

فلما کان یوم الترویۃ توجھوا الی منٰی فاھلوا بالحج ورکب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی بھا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والفجر[3]۔	جب آٹھویں ذی الحجہ کی ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حج کا احرام باندھ کر منٰی کو چلے اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوئے تو منٰی میں ظہر وعصر ومغرب وعشا وفجر پانچوں نمازیں پڑھیں۔(م)

---

[1] مسلم الثبوت مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۶۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع المستصفی، بحث الفاء للتعقیب، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۳۴

[3] الصحیح لمسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۹۶

ملّا جی وہی فا ہے وہی ترتیب وہی عطف وہی ترکیب۔ اَب یہاں کہہ دینا کہ سوار ہوتے ہی معًا بے مہلت پانچوں نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں جو معنی صلی الظهر والعصر الخ کے یہاں ہیں وہی وہاں اور یہ قطعًا محاورہ عامہ شائعہ سائغہ ہے کہ اصلًا مفید وصل صلوات نہیں ہوتا و من ادعی فعلیه البیان (جو شخص دعوٰی کرتا ہے اس کے ذمّے دلیل ہے۔ ت)

ثامن: کلام متناقض ہے کہ اوّل کلام میں حکم وصل سے عصر کا فعل خلاف ظاہر مانا یہ دلیل صحت ہے آخر میں کیونکر جائز کہا یہ دلیل فساد۔

تاسع: تاویل کے لئے قطعیتِ مانع ضروری جاننا عجب جہل ہے کیا اگر کسی حدیث کے ظاہر سے ایک معنی متبادر ہوں اور دوسری حدیث صحیح اُس کے خلاف میں صریح تو حدیث اول کو اس کے خلاف ہی پر حمل واجب ہے کہ بے مانع قطعی ظاہر سے عدول کیونکر ہو نقل کرلانا سہل ہے محل و مقام و مقصد کلام کا سمجھنا نصیب اعدا۔

عاشر: آپ جو اپنی نصرت خیالات کو احادیث صحیحہ میں جابجا تاویلاتِ رکیکہ باردہ کرتے ہیں اُن کے جواز کا فتوٰی کہاں سے پایا، مجتہدات میں قاطع کہاں، مثلاً وقتِ ظہر یک مثل بنانے کو جو حدیث صحیح صریح بخاری حتی ساوی الظل التلول کے معنی بگاڑے جن کا ذکر اِن شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتا ہے اُس کا عذر کیا معقول ارشاد ہوتا ہے: منشاء تاویلات کا یہی ہے کہ احادیثِ صحیحہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر کا نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعًا بین الاولہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں[1] اب خدا جانے بے قطعیت مانع یہ تاویلیں حقہ کیونکر ہوئیں مخالفتِ ظاہر کے باعث سلفہ کیوں نہ ہوگئیں۔

حادی عشر: طرفہ نزاکت صدر کلام میں یہ بیڑا اٹھا کر چلے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل مخالف کو دخل نہیں ذکر کرتے ہیں اور یہاں ایسے گرے کہ صرف ظاہر سے سند لائے تاویل خود ہی مان گئے۔

ثانی عشر: آپ کی فضولیات کی گنتی کہاں تک اصل مقصود کی دھجیاں لیجئے صحیحین میں حدیث مذکور کے یہ لفظ تو دیکھے جن میں فاء سے یہ فی نکالی، مگر یہی حدیث انہیں صحیحین میں متعدد طرق سے بلفظ ثم آئی جو آپ کی تعقیب بے مہلت کو تعاقب سے دم لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ صحیح بخاری شریف باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

بطریق شعبة عن الحکم، قال: سمعت اباجحیفة، قال: خرج رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالهاجرة الی البطحاء فتوضأ، ثم صلی الظهر	بطریقہ شعبہ، وہ حکم سے راوی ہے کہ میں نے ابوجحیفہ کو کہتے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف نکلے تو وضو کیا، پھر ظہر کی دو ۲ رکعتیں پڑھیں اور

---

[1] معیار الحق، مسئلہ چہارم، بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۴

رکعتین والعصر رکعتین ۔[1]	عصر کی دو۲ رکعتیں۔(ت)

نیز باب مذکور

بطریق مالك بن مغول عن عون عن ابیه، وفیه، خرج بلال فنادی بالصلاۃ، ثم دخل فاخرج فضل وضوء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فوقع الناس علیه یاخذون منه، ثم دخل فاخرج العنزۃ، وخرج رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، کانی انظر الی وبیض ساقیه، فرکز العنزۃ، ثم صلی الظهر رکعتین والعصر رکعتین ۔[2]	بطریقہ مالک ابن مغول، وہ عون سے، وہ اپنے والد سے۔ اس روایت میں ہے کہ بلال (خیمے سے) نکلے اور نماز کے لئے پکارا، پھر اندر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے آئے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، بلال پھر اندر گئے اور عصا نکال لائے، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی باہر تشریف لے آئے گویا کہ میں اب بھی آپ کی ساقین کی چمک دیکھ رہا ہوں بلال نے عصا (بطور سُترہ) زمین پر گاڑ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی دو۲ دو۲ رکعتیں پڑھیں۔(ت)

چلے کہاں کو، ان دو۲ نے تو آپ کی تعقیب ہی بگاڑی ہے، تیسرا اور نہ لیے جاؤ جو خود ظہر و عصر مویں فاصلہ کر دکھائے، صحیح مسلم شریف

بطریق سفیٰن ناعون بن ابی جحیفة عن ابیه، وفیه، فخرج النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلّم فتوضأ، واذن بلال، ثم رکزت العنزۃ، فتقدم فصلی الظهر رکعتین، ثم صلی العصر رکعتین، ثم لم یزل یصلی رکعتین حتی رجع الی المدینة[3]۔	بطریقہ سفیان، وہ عون سے، وہ اپنے والد ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور بلال نے اذان دی، پھر عصا گاڑا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، تو ظہر کی دو۲ رکعتیں پڑھیں، پھر عصر کی دو۲ رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد مدینہ کو واپسی تک دو ہی رکعتیں پڑھتے رہے۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۵۰۲

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۵۰۳

[3] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب سترۃ المصلی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۶

ملّاجی! اب مزاج کا حال بتائیے ع

حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء

(تُونے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی چیزیں تُجھ سے اوجھل رہ گئیں۔ت)

الحمدللہ اس فصل کے بھی اصل کلام نے وصل ختام بروجہ احسن پایا۔اب حسبِ فصل اول چند افاضات لیجئے:

افاضہ اولیٰ: ہمارے اجلّہ ائمہ حنفیّہ مالکیہ شافعیہ اور ملّاجی کے امام ظاہر یہ سب بالاتفاق اپنی کتب میں نقل کررہے ہیں کہ امام اجل ابوداؤد صاحبِ سُنن نے فرمایا:

لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[1]۔	جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔(ت)

امام زیلعی فرماتے ہیں:

قال ابوداؤد: ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[2]۔	ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔(ت)

امام بدر محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قلت: حکی عن ابی داؤد انه انکر ھذا الحدیث، وحکی عنه ایضا، انه قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[3]۔	میں نے کہا: ابوداؤد سے منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ان سے یہ بھی منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح علامہ سید میرک شاہ حنفی نے نقل فرمایا مولانا علی قاری مکّی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

حکی عن ابی داؤد انه قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔نقله میرك۔فھذا شھادۃ بضعف الحدیث وعدم قیام الحجة للشافعیة[4]۔	ابوداؤد سے منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے،یہ بات میرک نے نقل کی ہے۔یہ حدیث کے ضعیف ہونے اور شافعیوں کی دلیل قائم نہ ہونے پر شہادت ہے۔(ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرع صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: **قدقال ابوداؤد:**

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ مصر ۱/۲۹۲

[2] تبیین الحقائق اوقات الصلوٰۃ مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/۸۹

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ دمشق ۷/۱۵۱

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب صلوٰۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم [1] ۔ (ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ ت)

بعینہٖ اسی طرح علّامہ زرقانی مالکی نے شرح مؤطائے امام مالک و نیز شرح مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرمایا شوکانی غیر مقلد کی نَیل الاوطار میں ہے: **قال ابوداؤد: ھذا حدیث منکر ولیس فی جمع التقدیم حدیث قائم** [2] ۔

بھلا ابوداؤد سا امام جلیل الشان یہ تصریح فرماگیا جسے علمائے مابعد حتی کہ قائلانِ جمع بھی بلانکیر وانکار نقل فرماتے آئے، نہ آج تک کوئی اس کا پتادے سکا، اب مُلّاجی چاہیں کہ میں حدیث صحیحین سے ثابت کردوں یہ کیونکر بنی مگر **قیامت لطیفہ** دلربا کھسیانی ادا یہ ہے کہ جھنجھلائی نظروں سے جل کر فرمایا ف: کُچھ غیرت آوے تو نشان دہی کریں کہ ابُوداؤد نے کون سی کتاب میں یہ قول کہا ہے، یعنی نقول ثقات عدول محض مردود و نامقبول جب تک قائل خود اپنی کتاب میں تصریح نہ کرے اُس سے کوئی نقل معتبر نہ ہوگی۔

اقول: مُلّاجی! ان جھنجھلاہٹوں میں حق بجانب تمہارے ہے تم دلی کی ٹھنڈی سڑک پر ہوا کھلانے کے قابل نہ تھے یہ حنفی لوگ عبث تمہیں چھوڑ کر بو کھلائے دیتے ہیں بھلا اوّلا اتنا تو ارشاد ہو کہ بہت ائمہ جرح و تعدیل و تصحیح و تضعیف وغیرہم ایسے گزرے جن کی کوئی کتاب تصنیف نہیں بیان سے نقل معتبر ہونے کا کیا ذریعہ ہوگا۔

ثانیًا: آپ جو اپنی مبلغ علم تقریب کے بھروسے رواۃ میں کسی کو ثقہ کسی کو ضعیف کسی کو چنیں کسی کو چناں کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ مصنف تقریب نے اُن میں کسی کا زمانہ تک نہ پایا صدہا سال بعد پیدا ہوئے انہیں دیکھنا اور اپنی نگاہ سے پرکھنا تو قطعًا نہیں اسی طرح ہر غیر ناظر میں یہی کلام ہوگا، اب رہی دیکھنے والوں سے نقل سوا مواضع عدیدہ کے ثبوت تو دیجئے کہ ناظرین مبصرین نے اپنی کس کتاب میں اُن کی نسبت یہ تصریحیں کی ہیں۔

ثالثًا: آپ کی اسی کتاب میں اور بیسیوں نقول سلف سے ایسی نکلیں گی کہ آپ حکایات متاخرین کے اعتقاد پر نقل کر لائے اور اُن سے احتجاج کیا کچھ غیرت رکھاتے ہو تو نشان دہی کرو کہ وہ باتیں منقول عنہم نے کس کتاب میں لکھی ہیں مگر یہ کہیے کہ **یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ** (وہابی کے لئے وہ کچھ جائز ہے جو دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ ت)

افاضہ ثانیہ: رہی اس باب میں حدیثِ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مروی احمد و شافعی و عبدالرزاق و بیہقی:

وھذا حدیث احمد اذیقول حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس عن عکرمۃ و	اور یہ احمد کی حدیث ہے، حدیث بے ان کی ہم سے عبدالرزاق نے، اس کو خبر دی ابن جریج نے، اس کو خبر دی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے کہ عکرمہ اور

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۲۴۳

ف معیارالحق ص ۳۷۴

کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال: الا اخبرکم عن صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر؟ قلنا: بلٰی۔ قال: کان اذا زاغت الشمس فی منزلہ جمع بین الظہر والعصر، قبل ان یرکب، واذا لم تزغ لہ فی منزلۃ سار، حتی اذاکانت العصر، نزل فجمع بین الظہر والعصر۔ واشار الیہ ابوداؤد تعلیقا[1]، فقال: رواہ ہشام بن عروۃ عن حسین بن عبداللہ عن کریب عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولم یذکر لفظہ[2]۔	کریب، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے ہم سے پُوچھا: "کیا میں تمہیں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: " کیوں نہیں (ضرور بتائیں) انہوں نے کہا کہ اگر جائے قیام پر زوال ہوجاتا تھا تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر جائے قیام پر زوال نہیں ہوتا تھا تو چل پڑتے تھے اور جب عصر ہوتی تھی تو اتر کر ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔ اس روایت کی طرف ابوداؤد نے تعلیقًا اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ہشام ابن عروہ نے حسین ابن عبداللہ سے، اس نے کریب سے، اس نے ابن عباس سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ مگر ابوداؤد نے اس کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔ (ت)

خود قائلانِ جمع اس کا ضعف تسلیم کرگئے شاید اسی لئے کچھ سوچ سمجھ کر ملّاجی بھی اُس کا ذکر زبان پر نہ لائے لہٰذا اس میں زیادہ کلام کی ہمیں حاجت نہیں تاہم اتنا معلوم رہے کہ اُس کے راوی حسین مذکور ائمہ شان کے نزدیک ضعیف ہیں۔ یحیٰی نے فرمایا: ضعیف۔ ابوحاتم رازی نے فرمایا: **ضعیف، یکتب حدیثہ ولایحتج بہ**[3] (ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس سے استدلال نہ کیا جائے۔ ت) ابوزرعہ وغیرہ نے کہا: **لیس بقوی** (قوی نہیں ہے۔ ت) جوزجانی نے کہا: **لایشتغل بہ**[4] (اس کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے۔ ت) ابن حبان نے کہا: **یقلب الاسانید ویرفع المراسیل**[5] (اسنادوں کو پلٹ دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۲۷/۱

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور ۱۷۱/۱، مصنف، ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام جمع بین الصلاتین مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۵۴۸/۲

[3] ارشادالساری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۵۴۸/۲

[4] میزان الاعتدال ترجمہ حسین بن عبداللہ ۲۰۱۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۵۳۷/۱

[5] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲۴۴/۳

بنادیتا تھا۔ت) محمد بن سعد نے کہا: کان کثیر الحدیث، ولم ارھم یحتجون بحدیثه (حدیثیں بہت بیان کرتا تھا، علماء اس کی احادیث سے استدلال نہیں کرتے تھے۔ت) یہاں تک کہ نسائی نے فرمایا: متروک الحدیث امام بخاری نے فرمایا علی بن مدینی نے کہا: ترکت حدیثه [1] (میں نے اسکی حدیث کو ترک کردیا ہے۔ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں کہا: ضعیف۔ اس حدیث کی تضعیف شرح بخاری قسطلانی شافعی وشرح مؤطا زرقانی مالکی وشرح منتقی شوکانی ظاہری میں دیکھیے، ارشاد میں فتح الباری سے ہے:

لکن له شاھد من طریق حماد عن ایوب عن ابی قلابة عن ابن عباس، لااعلمه الا مرفوعا، انه کان اذا انزل منزلا فی السفر فاعجبه اقام فیه، حتی یجمع بین الظھر والعصر، ثم یرتحل، فاذا لم یتھیأله المنزل مدفی السیر فسار حتی ینزل، فیجمع بین الظھر والعصر۔ خرجه البیھقی، ورجاله ثقات، الا انه مشکوك فی رفعه، والمحفوظ انه موقوف۔ وقداخرجه من وجه اٰخر، مجزوما بوقفه علی ابن عباس، ولفظه: اذا کنتم سائرین، فذکر نحوه۔ [2]	لیکن اس کا ایک شاہد ہے جو بطریقہ حماد مروی ہے حماد ایوب سے، وہ ابوقلابہ سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) میرے خیال میں یہ روایت مرفوع ہی ہے کہ جب سفر کے دوران کسی منزل پر اُترتے تھے اور وہ جگہ پسند آجاتی تھی تو وہاں ٹھہر جاتے تھے یہاں تک ظہر وعصر کو یکجا پڑھتے تھے پھر سفر شروع کرتے تھے اور اگر کوئی ایسی منزل مہیا نہیں ہوتی تھی تو چلتے رہتے تھے یہاں تک کہ کسی جگہ اُتر کر ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کا مرفوع ہونا مشکوک ہے، محفوظ بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ بیہقی نے ایک اور سند سے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے مطابق اس کا ابن عباس پر موقوف ہونا یقینی ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں جب تم چلنے والے ہو (تو یوں کیا کرو کہ ------) اس کے بعد درج بالا طریقہ مذکور ہے۔ (ت)

شرح مؤطا میں اسے ذکر کرکے فرمایا: وقدقال ابوداؤد لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم [3] (ابوداؤد نے فرمایا، تقدیم وقت پر کوئی حدیث ثابت نہیں۔ت)

اقول: وہ ضعیف اور اُس کا یہ شاہد موقوف اگر بالفرض ومرفوع بھی ہوتے تو کیاکام دیتے کہ اُن کا

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۲۴۴

[2] ارشاد الساری شرح بخاری باب یوخرالظھر الی العصر اذاارتحل الخ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۰۳)

[3] شرح الزرقانی علی المؤطا امام مالک، الجمع بین الصلاتین والحضر والسفر، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۲

حاصل تو یہ کہ جو منزل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پسند آتی اور دوپہر وہیں ہوجاتا تو ظہر وعصر دونوں سے فارغ ہو کر سوار ہوتے اس میں عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں نکلا بعینہٖ اسی بیان سے شاہد کا سار حتی ینزل فیجمع جمع حقیقی پر اصلاً شاہد نہیں اور کانت العصر کا جواب بعونہ تعالٰی بیانات آئندہ سے لیجئے وباللہ التوفیق اگر کہیے روایت شافعی یوں ہے:

اخبرنی ابن ابی یحیٰی عن حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، فذکر الحدیث، وفیہ جمع بین الظہر والعصر فی الزوال[1]۔	خبر دی مجھے ابن ابی یحیٰی نے حسین ابن عبداللہ سے کہ کریب نے ابن عباس سے روایت کی ہے، اس کے بعد مندرجہ بالا روایت مذکور ہے اور اس میں ہے کہ زوال کے وقت ظہر وعصر کو جمع کرتے تھے۔ (ت)

اقول: اس کی سند میں ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی بھی متروک واقع ہے امام اجل یحیٰی بن سعید بن قطان وامام اجل یحیٰی بن معین وامام اجل علی بن مدینی وامام یزید بن ہارون وامام ابوداؤد وغیرہم اکابر نے فرمایا: کذاب تھا۔ امام احمد نے فرمایا: ساری بلائیں اُس میں تھیں۔ امام مالک نے فرمایا: نہ وہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین میں۔ امام بخاری نے فرمایا: ائمہ محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے:

ابرھیم بن ابی یحیی، احدالعلماء الضعفاء، قال یحیی بن سعید: سألت مالکاعنہ، اکان ثقۃ فی الحدیث؟ قال: لا، ولافی دینہ۔ وقال یحیی بن معین: سمعت القطان یقول: ابرھیم بن ابی یحیی کذاب۔ وروی ابوطالب عن احمد بن حنبل، قال: ترکوا حدیثہ، قدری، معتزلی، یروی احادیث لیس لھا اصل وقال البخاری: ترکہ ابن المبارك والناس۔ وروی عبداللہ بن احمد عن ابیہ، قال: قدری، جھمی،	ابراہیم بن ابی یحیٰی ضعیف علماء میں سے ایک ہے۔ یحیٰی ابن سعید نے کہا کہ میں نے اس کے بارے میں مالک سے پُوچھا کہ کیا وہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا؟ انہوں نے جواب دیا: نہ وہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا، نہ دین میں۔ اور یحیٰی ابن معین نے کہا: میں نے قطان کو کہتے سُنا ہے کہ ابرہیم ابن یحیٰی کذاب ہے۔ ابوطالب نے احمد ابن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: علماء نے اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے، قدری ہے، معتزلی ہے، بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔ بخاری نے کہا: ابن مبارک نے اور لوگوں نے

---

[1] مسند الشافعی

كل بلاء فيه، ترك النّاس حديثه، وروى عباس عن ابن معين، كذاب، رافضي۔ وقال محمد بن عثمان بن ابي شيبة: سمعت عليا يقول: ابرهيم بن ابي يحيٰى كذاب۔ وقال النسائی والدارقطنی وغيرهما، متروك[1]۔	اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے۔ عبداللہ ابن احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: قدری ہے، جہمی ہے، ہر بلا اس میں پائی جاتی ہے، لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑدی ہے۔ عباس، ابنِ معین سے ناقل ہے کہ وہ کذاب ہے، رافضی ہے۔ محمد ابن عثمان ابن ابی شیبہ نے کہا ہے: میں نے علی کو کہتے سُنا ہے کہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کذاب ہے۔ نسائی، دارقطنی اور دُوسروں نے کہا کہ متروک ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابن حبان: كان يكذب فی الحديث[2]۔	ابن حبان نے کہا کہ حدیث میں جھُوٹ بولتا تھا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابومحمد الدارمی: سمعت يزيد بن هارون، يكذب ابرٰهيم بن ابی يحيٰی[3]۔	ابومحمد دارمی نے کہا کہ میں نے یزید ابن ہارون سے سنا کہ وہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کو جھُوٹا قرار دیتے تھے۔ (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے:

عن الزهری وصالح مولی التوأمة وعنه الشافعی و اٰخرون، قال عبدالله بن احمد عن ابيه: كان قدريا، معتزليا، جهميا، كل بلاء فيه۔ قال ابوطالب عن احمد بن حنبل: ترك الناس حديثه، وكان يأخذ احاديث الناس فيضعفها فی كتبه۔ وقال يحيی القطان: كذاب۔ وقال احمد بن سعيد بن ابی مريم: قلت ليحيی بن	زہری اور صالح مولی التوامہ سے اور اس سے شافعی اور دیگر علماء نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ (ابراہیم مذکور) قدری تھا، معتزلی تھا، جہمی تھا، ہر بلا اس میں موجود تھی۔ ابوطالب نے احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ لوگوں نے اس کیج حدیث چھوڑدی تھی، وہ لوگوں کی حدیثیں لے کر اپنی کتابوں میں لکھ لیتا تھا۔ یحیٰی قطان نے کہا: جھُوٹا ہے۔ احمد ابن سعید ابن ابی مریم نے کہا: میں نے

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/ ۵۷۔۵۸

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/ ۶۰

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/ ۶۰

معین، فابن ابی یحیٰی؟ قال: کذاب[1]۔	یحیٰی ابن معین سے ابن ابی یحیٰی کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا: کذّاب ہے۔(ت)

تذکرۃ الحفاظ میں ہے: قال ابن معین وابوداؤد: رافضی کذاب[2] (ابن معین اور ابوداؤد نے کہا: رافضی ہے، کذاب ہے۔ت) لاجرم تقریب میں ہے: متروك[3] اھ الکل باختصار۔ یہاں تک کہ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا اُس کے ضعف پر اجماع ہے کما نقله فی المیزان[4] فی ترجمة عبدالکریم بن ابی المخارق واللہ تعالٰی اعلم۔

افاضہ ثالثہ: یوں ہی حدیث دار قطنی:

حدثنا احمد بن محمد بن سعید ثنا المنذر بن محمد ثنا ابی ثنا محمد بن الحسین بن علی بن الحسین ثنی ابن عن ابیه عن جدہ عن علی رضی اللہ تعالٰی قال کان صلی اللہ علیه وسلم اذا ارتحل حین تزول الشمس جمع بین الظهر وعجل العصر، ثم جمع بینهما[5]۔	حدیث بیان کی ہم سے احمد ابن محمد ابن سعید نے منذر ابن محمد سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے محمد سے، اس نے اپنے والد حسین سے، اس نے اپنے والد علٰی ابن امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، انہوں نے اپنے دادا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال کے وقت روانگی اختیار فرماتے تھے تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر روانگی میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر کو مؤخر کرکے اور عصر کو مقدم کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے۔(ت)

اس میں سوا عترت طاہرہ کے کوئی راوی ثقہ معروف نہیں۔ عمدۃ القاری میں فرمایا:

لایصح اسنادہ، شیخ الدارقطنی هو ابوالعباس بن عقدة، احد الحفاظ،	اس کا اسناد صحیح نہیں ہے کیونکہ دارقطنی کا استاد (احمد) ابوالعباس ابن عقدہ ہے، جو اگرچہ حفّاظِ حدیث

---

[1] خلاصہ تذھیب تہذیب الکمال الخ، ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل (شیخوپورہ) ۱/۵۵

[2] تذکرۃ الحفاظ ترجمۃ ابراہیم بن محمد المدنی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۲۲۷

[3] تقریب التہذیب، ترجمۃ ابراہیم بن محمد المدنی مطبوعہ الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ، پاکستان ص ۲۳

[4] میزان الاعتدال ترجمہ عبدالکریم ابن ابی المخارق ۱۵۷۲ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت لبنان ۲/۶۴۶

[5] سنن الدارقطنی، باب الجمع بین الصلوتین فی السفر مطبوعہ نشہ السنّۃ ملتان ۱/۲۹۱

لکنه شیعی **قلت:** بل نص فی موضع اخر من المیزان، فیه وفی ابن خراش، ان فیهما رفضا وبدعة۔اھ) وقد تکلم فیه الدارقطنی وحمزة السهمی وغیرهما۔وشیخه المنذر بن محمد بن المنذر، لیس بالقوی ایضا قاله الدارقطنی ایضا۔وابوه وجده یحتاج الٰی معرفتهما [1]۔	میں سے ہے لیکن شیعہ ہے۔میں نے کہا: بلکہ میزان کے ایک اور مقام میں اس کے اور ابن خراش کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں رفض اور بدعت پائی جاتی ہے۔خود دار قطنی اور حمزہ سہمی وغیرہ نے بھی اس پر جرح کی ہے، اور اس کا استاد منذر ابن محمد بن منذر بھی زیادہ قوی نہیں ہے۔یہ بات بھی دار قطنی نے کہی ہے۔اور منذر کا باپ اور دادا دونوں غیر معروف ہیں۔(ت)

اقول: وہ صحیح ہی سہی تو انصافاً صاف صاف ہمارے مفید و موافق ہے اُس کا صریح مفاد یہ کہ سُورج ڈھلتے ہی کُوچ ہوتا تو ظہرین جمع فرماتے پُر ظاہر کہ زوال ہوتے ہی کوچ اور جمع تقدیم کا جمع محال۔کیا پیش از زوال ظہر و عصر پڑھ لیتے لاجرم وہی جمع مراد جس کا صاف بیان خود آگے موجود کہ ظہر بدیر اور عصر جلد پڑھتے، یہی جمع صوری ہے **کما لایخفی**۔

افاضہ رابعہ: حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اِن شاء اللہ العزیز جمع تاخیر میں آتی ہے اُس میں معروف و محفوظ و مروی جماہیر ائمہ ثقات و عدول مذکور صحیح بخاری و صحیح مسلم و سُنن ابی داؤد و سنن نسائی و مصنّف طحاوی وغیرہا عامہ دواوین اسلام صرف اس قدر ہے کہ حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اگر دوپہر ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے ظہر میں عصر تک تاخیر کرکے ساتھ ساتھ پڑھتے اور اگر منزل ہی پر وقت ظہر آجاتا **صلی الظهر ثم رکب** [2] ظہر پڑھ کر سوار ہوجاتے جس سے بحکم مقابلہ وسکوت فی معرض البیان صاف ظاہر کہ تنہا ظہر پڑھتے عصر اس کے ساتھ نہ ملاتے۔ولہذا نافیان جمع تقدیم نے اُس سے تمسک کیا کمافی عمدة القاری وارشاد الساری وغیرھما مگر بعض روایات غریبہ میں آیا کہ ظہر و عصر دونوں پڑھ کر سوار ہوتے۔حاکم نے اربعین میں بطریق

ابی العباس محمد بن یعقوب عن محمد بن اسحٰق الصاغانی عن حسان بن عبداللہ عن المفضل بن فضالة عن عقیل عن	ابوالعباس محمد ابن یعقوب نے محمد بن اسحٰق صاغانی سے، اس نے حسان ابن عبداللہ سے، اس نے مفضل ابن فضالہ سے، اس نے

---

[1] عمدۃ القاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ الطباعۃ الخیریۃ دمشق ۷/۱۴۹

[2] صحیح بخاری باب اذا ارتحل بعد مازاغت الشمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

ابن شهاب عن انس رضی الله تعالٰی عنه روایت کیفان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظهر والعصر ثم رکب[1]۔	عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ اگر روانگی سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر وعصر پڑھ کر سوار ہُوا کرتے تھے۔ (ت)

جعفر فریابی نے بتفرد خود اسحٰق بن راہویہ سے روایت کی:

عن شبابة بن سوار عن اللیث عن عقیل عن الزهری عن انس رضی الله تعالٰی عنه، قال: کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاکان فی سفر فزالت الشمس صلی الظهر والعصر جمیعاً ثم ارتحل[2]۔	شبابہ ابن سواد سے، اس نے لیث سے، اس نے عقیل سے، اس نے زہری سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے اور زوال ہو جاتا تھا، تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ (ت)

اوسط طبرانی میں ہے:

حدثنا محمد بن ابرهیم بن نصر بن شبیب الاصبهانی قال ثناهارون بن عبدالله الحمال ثنا یعقوب بن محمد الزهری ثنا محمد بن سعد ان ثنا ابن عجلان عن عبدالله بن الفضل عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه، ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذاکان فی سفر فزاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظهر والعصر جمیعا[3]۔	حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن ابراہیم ابن نصر بن سندر اصبہانی نے ہارون ابن عبداللہ حمال سے، اس نے یعقوب ابن محمد زہری سے، اس نے محمد ابن سوان سے، اس نے ابن عجلان سے، اس نے عبداللہ بن فضل سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے تو اگر روانگی سے پہلے سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔ (ت)

روایت اسحٰق پر امام ابوداؤد نے انکار کیا اسمٰعیل نے اُسے معلول بتایا کمافی العمدۃ وغیرھا۔

اقول: الامام اسحق رضی الله تعالٰی عنه، لاکلام فی جلالة قدره وعظمة فخره، لکن نص الامام ابوداؤد انه	**میں کہتا ہوں:** امام اسحٰق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قدر اور عظمت افتخار میں کوئی شک نہیں ہے لیکن امام ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ وفات سے

---

[1] اربعین للحاکم

[2] میزان الاعتدال بحوالہ جعفر فریابی ترجمہ (۷۳۳ دارالمعرفۃ بیروت ۸۳/۱

[3] معجم الاوسط حدیث ۷۵۴۸ مکتب المعارف ریاض ۸/ ۲۷۱ـ ۲۷۲

كان تغير قبل موته باشهر. قال: وسمعت منه فی تلك الايام فرميت به[1]۔ كمافی التذهيب۔ وذكر الحافظ المزی حديثه الذی زاد فيه علی اصحاب سفيٰن. فقال: اسحٰق اختلط فی اٰخر عمره[2]۔ كمافی الميزان۔ ولاشك انه رحمه الله تعالٰی كان كثير التحديث عن ظهر قلبه. املی المسند كله من حفظه[3]۔ كمافی التذهيب. قال: قال احمد بن اسحٰق الضبعی: سمعت ابرهيم بن ابی طالب. يقول: فذكره۔ فلاغروان يعتريه خطؤ فی حديث او حديثين. ومن المعصوم عن مثل ذلك فی سعة ماروی وكثرته؟	چند ماہ پہلے اس کے حافظے میں تغیر آگیا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ انہی دنوں میں مَیں نے اُس سے کچھ سنا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے مطعون کیا گیا۔ جیسا کہ تذہیب میں ہے۔ اور حافظ مزی نے اس کی وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد، جس میں اس نے اصحاب سفیٰن کے الفاظ پر اضافہ کیا ہے، کہا ہے کہ اسحٰق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آخر عمر میں اس کو اختلاط ہوگیا تھا، جیسا کہ میزان میں ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسحٰق (رحمہ اللہ تعالٰی) بےشتر حدیثیں محض یاد کے سہارے بیان کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے پُورا مسند اپنی یاد سے املا کرادیا تھا، جیسا کہ تذہیب میں ہے کہ احمد بن اسحٰق ضبعی نے کہا ہے کہ میں نے ابراہیم بن ابی طالب کو یہ بات کہتے سنا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہی (مسند کے املاء والی بات) ذکر کی ہے۔ تو اس صورت میں اگر اسحٰق سے ایک یا دو حدیثوں میں خطا واقع ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس قدر وسیع اور کثیر روایات میں اتنی تھوڑی سی خطا سے اور کون معصوم ہے؟ (ت)

لاجرم امام ذہبی شافعی نے اس حدیث کو منکر کہا، اور امام اسحٰق کی لغزش حفظ واشتباہ سے گنا۔

حيث قال: وكذا حديث رواه جعفر الفريابی ثنا اسحٰق بن راهويه ثنا شبابة عن الليث عن عقيل عن ابی شهاب عن انس رضی الله تعالٰی عنه كان رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم اذاكان فی سفر فزالت	چنانچہ اس نے کہا ہے کہ اسی طرح وہ حدیث جسے روایت کیا ہے فریابی نے اسحٰق ابن راہویہ سے، اس نے شبابہ سے، اس نے لیث سے، اس نے عُقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں

---

[1] میزان الاعتدال بحوالہ ابوداؤد (ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] میزان الاعتدال بحوالہ ابوداؤد (ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۱/ ۶۹

الشمس صلی الظهر والعصر ثم ارتحل۔ فهذا علی نبل رواته منکر، فقد رواه مسلم عن الناقد عن شبابة (وذکر لفظه) تابعه الزعفرانی عن شبابة، واخرجه خ م من حدیث عقیل عن ابن شهاب عن انس (وذکر لفظه، ای ولیس فی شیئ منها: والعصر۔ قال:) ولاریب ان اسحٰق کان یحدث الناس من حفظه، فلعله اشتبه علیه[1]۔	ہوتے تھے اور سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر و عصر پڑھتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ تو یہ حدیث راویوں کی عمدگی کے باوجود منکر ہے کیونکہ اس کو مسلم نے ناقد سے، اس نے شبابہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے اس کے الفاظ ذکر کیے ہیں) اسی طرح زعفرانی نے بھی اس کو شبابہ سے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اس کو عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے مسلم کے الفاظ ذکر کیے ہیں، مقصد یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی کسی روایت میں عصر کا ذکر نہیں ہے (صرف ظہر کا ذکر ہے۔ ذہبی نے کہا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسحٰق لوگوں کے سامنے اپنی یاد سے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کو اشتباہ واقع ہُوا ہو۔ (ت)

اس کے بعد ہمیں شبابہ بن سوار میں کلام کی حاجت نہیں کہ وہ اگرچہ رجال جماعہ و موثقین ابنائے معین وسعد وابی شیبہ سے ہے مگر مبتدع مکلّب تھا امام احمد نے اُسے ترک کیا، امام ابوحاتم رازی نے درجہ حجیت سے ساقط بتایا۔ تہذیب التہذیب امام ابنِ حجر عسقلانی میں ہے:

شبابة بن سوار الفزاری، قال احمد بن حنبل: ترکته، لم اکتب عنه للارجا۔ قیل له: یا ابا عبد اللّٰه! وابومعویة، قال: شبابة کان داعیة۔ وقال زکریا الساجی: صدوق، یدعو الی الارجا، کان احمد یحمل علیه[2]۔	شبابہ ابن سوار فزاری احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس سے حدیثیں نہیں لکھیں کیونکہ وہ ارجاء کا عقیدہ رکھتا تھا۔ کسی نے کہا کہ (ارجاء کا عقیدہ تو) ابومعاویہ بھی رکھتا ہے۔ احمد نے کہا (ہاں، مگر) شبابہ ارجاء کا داعی تھا۔ زکریا ساجی نے کہا کہ سچّا ہے، ارجاء کا داعی ہے۔ احمد اس پر تنقید کیا کرتے تھے۔ ت)

اُسی میں ہے: قال ابوحاتم: صدوق، یکتب حدیث ولایحتج به[3] (ابوحاتم نے کہا ہے

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ ۷۳۳ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ بن سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۳۰۱

[3] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ بن سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۳۰۱

کہ سچّا ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس کو حجت نہ بنایا جائے۔ ت) اُسی میں ہے:

قال ابوبکر الاثرم عن احمد بن حنبل: کان یدعو الی الارجاء، وحکی عنه قول اخبث من هذه الاقاویل، قال: اذا قال فقد عمل بجارحته۔ وهذا قول خبیث، ماسمعت احدا یقوله[1]۔	ابوبکر اثرم نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ اسحٰق عقیدہ ارجاء کی دعوت دیتا تھا اور اس سے ایک ایسا قول بھی منقول ہے جو ان تمام باتوں سے زیادہ خبیث ہے۔ اس نے کہا کہ جب (اللہ تعالٰی) کوئی بات کہتا ہے تو یقیناً اپنے ایک عضو (زبان) کو کام میں لاتا ہے۔ یہ ایک خبیث قول ہے، میں نے کسی کو یہ بات کہتے نہیں سُنا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوبکر محمد بن ابی الثلج، حدثنی ابوعلی بن سختی المدائنی، حدثنی رجل معروف من اهل المدائن، قال: رأیت فی المنام رجلا نظیف الثوب حسن الهیأة، فقال لی: من این انت؟ قلت: من اهل المدائن، قال: من اهل الجانب الذی فیه شبابة؟ قلت: نعم! قال فانی ادعو اللّٰه، فامن علی دعائی: اللهم! ان کان شبابة یبغض اهل نبیك فاضربه الساعة بفالج قال: فانتبهت، وجئت الی المدائن وقت الظهر، واذا الناس فی هرج، فقلت، مالناس؟ قالوا: فلج شبابة فی السحر، ومات الساعة[2]۔	ابوبکر محمد بن ابی الثلج نے کہا کہ مجھے ابوعلی ابن سختی مدائنی نے بتایا کہ مجھ سے مدائن کے ایک مشہور آدمی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک خوش لباس اور خوش شکل شخص کو دیکھا اس نے مجھ سے پُوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا میں اہلِ مدائن میں سے ہوں۔ اس نے پوچھا مدائن کے اُس حصے میں رہتے ہو جس میں ابوشبابہ رہتا ہے؟ میں نے کہاہاں، اس نے کہا کہ پھر میں ایک دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ (اس نے یوں دُعا کی:) اے اللہ! اگر شبابہ تیرے نبی کے اہل سے بغض رکھتا ہے تو اس کو اسی وقت فالج میں مبتلا کردے۔ اس آدمی نے کہا کہ یہ دیکھ کر میں جاگ گیا اور ظہر کے وقت مدائن (کے اس حصّے میں جہاں شبابہ رہتا تھا) گیا تو دیکھا کہ لوگوں میں اضطراب پایا جاتا ہے، میں نے پوچھا کہ لوگ کیوں پریشان ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آج سحر کے وقت شبابہ پر فالج گرا اور ابھی ابھی مر گیا ہے۔ (ت)

---

[1] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۳۰۲

[2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۳۰۲

روایت حاکم وطبرانی کو خود مُلّاجی بھی ضعیف مان چکے، فرماتے ہیں ف۱: مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں یعنی ایک روایت ابوداؤد جس کے راوی میں ضعف تھا ایک روایت معجم اوسط طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کرکے اُن پر طعن کردیا اور جو روایتیں صحیحہ متداول تھیں نقل کرکے اُن کا جواب نہیں دیا یہ کیا دینداری ہے اور کیا مردانگی کہ بخاری ومسلم کو چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا اور اُن سے دو۲ روایتیں ضعیف نقل کرکے اُن کا جواب دیا۔ لہٰذا ہمیں ان کے باب میں تفصیل کلام کی حاجت نہ رہی ع:

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خیر یہ تو مُلّاجی سے خدا جانے کس مجبوری نے کہلوا چھوڑ مگر ستم۔

لطیفہ: اس مافات کی تلافی یہ ہے کہ جب یہ روایتیں ناقابل احتجاج نکل گئیں خود روایت صحیحین میں لفظ والعصر بڑھادیا، فرماتے ہیں ف۲ روایت کی بخاری اور مسلم نے انس سے (الی قولہ) **فان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر والعصر ثم رکب۔**

اقول: ملّاجی حنفیّہ کی مروی تو بحمداللہ آپ نے دیکھ لی اب بعونہ تعالٰی اور دیکھئے گا یہاں تک کہ آپ کی سب ہوسوں کی تسکین ہوجائے مگر دینداری ومردانگی اس کا نام ہوگا کہ مشہور ومتداول کتب میں تحریف کے لئے مردانہ پن کا دعوٰی ہے تو صحیحین میں اس عبارت کا نشان دیجئے ایک زمانہ میں آپ کو خبط کفری جاگا تھا کہ زمین کے طبقاتِ زیریں میں حضور پُرنور منزہ عن المثل والنظیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاذاللہ چھ مثل موجود ہیں یہ بخاری مسلم شاید اُنہیں طبقات کی ہوں گی۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق یہ سب کلام بالائی تھی فرض کرلیجئے کہ یہ روایت صحیحہ بلکہ خود صحیحین موجود سہی پھر تمہیں کیا نفع اور ہمیں کیا ضرر اُس کا تو اتنا حاصل کہ سورج منزل ہی میں ڈھل جاتا تو ظہر وعصر دونوں سے فارغ ہو کر سوار ہوتے اس سے عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں سے نکلا۔

اوّلاً: واو مطلق جمع کے لئے ہے نہ معیت وتعقیب کے واسطے، جمیعا بھی اُسی مطلق جمع کی تاکید کرتا ہے جو مفاد واو ہے اُس کا منطوق صریح اجتماع فی الحکم ہے عـہ نہ خواہی نخواہی اجتماع فی الوقت آیہ کریمہ **وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ**

عـہ: بیضاوی شریف میں زیرآیہ کریمہ **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ** ہے

حال فی اللفظ، تاکید فی المعنی، کانہ قیل: اھبطوا انتم اجمعون؛ ولذلک لایستدعی اجتماعھم علی الھبوط فی زمان واحد کقولک جاؤا جمیعا۔ اھ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)۔	"جمیعا" لفظًا حال ہے، معنًی تاکید ہے، گویا کہ کہا گیا، تم سب اترو۔ اسی لئے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ سب ایک ہی وقت میں اتریں، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ سب آئے اھ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ف۱ معیارالحق ص ۳۶۵، ۳۶۶۔ **ف۲** معیارالحق ص ۳۷۹

جَمِیۡعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوۡنَ ﴿۳۱﴾[1][2] (اور توبہ کرو اللہ تعالٰی کی طرف تم سب اے اہلِ ایمان! تاکہ تم فلاح پاؤ۔ت) نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب مسلمان توبہ کریں حکمِ توبہ سب کو شامل ہو یا یہ فرض کیا کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک وقت ایک ساتھ مل کر معًا توبہ کریں۔

ثانیًا: اجتماع فی الوقت کہ بذریعہ فردیتِ اجتماع فی الحکم مفاد ہو یا خود اس کے لئے بھی وضع مانو اُس وقت سے وقتِ نماز مراد نہیں ہوسکتا کہ وضع الفاظ تعیین اوقات نماز سے مقدم ہے لفظ **جمیعا** اپنے معنی لغوی پر اہل جاہلیت بھی بولتے تھے جنہیں نماز سے خبر تھی نہ اُس کے وقت سے، تو لاجرم اس تقدیر پر اس کا مفاد اتحاد زمانہ و قوع ومقارنت فی الصدور ہوگا وہ دو۲ نماز فرض میں ناممکن اور اتصال بروجہ تعقیب اس معنی جمیعا کا فرد نہیں بلکہ صریح مباین، لاجرم پھر اُسی معنی واضح وروشن واقل متیقن یعنی اجتماع فی الحکم کی طرف رجوع لازم کہ تاصحت حقیقت مجاز کی طرف مصیر نامجاز خصوصًا مستدل کو۔

ثالثًا: تعقیب ہی سہی پھر جمع صوری کی نفی کہاں سے ہوئی صلّی جمیعا یوں بھی صادق اور ادعائے تقدیم باطل وزاہق **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق بحمد اللہ** آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ جمع تقدیم پر اصلًا کوئی دلیل نہیں کسی حدیث صحیح میں اس کی بُو بھی نہیں، ملّاجی کا قطعی ومفسر کہہ دینا خدا جانے کس نشہ کی ترنگ تھی، **سبحٰن اللہ**! کیا ایسی ہی ہوسوں پر توقیت منصوص قرآن ونصوص اور پیش از وقت نماز کے بطلان پر اجماعِ اُمت ترک کردئی جائیں گے اور خدا ورسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باندھے ہُوئے اوقات اُلٹ پُلٹ ہوسکیں گے، یہ اچھا عمل بالحدیث ہے کہ اپنی خیال بندیوں پر رگ دعوی بلند اور قرآن عظیم وحدیث واجماع سب سے آنکھیں بند **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین**۔

فصل سوم تضعیف دلائل جمع تاخیر

الحمدللہ جمع تقدیم کے جواب سے فراغِ تام ملا، اب جمع تاخیر کی طرف چلیے۔ ملّاجی بہزار کاوش وکاہش یہاں بھی دو۲ ہی حدیثیں چھانٹ پائے جن کے الفاظ متعددہ کے ذکر سے شاید عوام کو یہ وہم دلانا ہو کہ اتنی حدیثیں ہیں، یہ دو۲ حدیثیں وہی احادیث ابن عمر وانس رضی اللہ تعالٰی عنہم مذکورہ صدر فصل اول وافاضہ ثالثہ ہیں جن کے بعض طرق والفاظ حدیث اول جمع صوری وحدیث اول ودوم حدیث مجملہ میں گزرے ان کے بعض الفاظِ بعض طرق کو

---

[1] القرآن ۲۴/ ۳۱

[2] انوار التنزیل علی ہامش القرآن الکریم مصطفی البابی مصر ص ۱۸

ملّاجی جمع حقیقی میں نص صریح سمجھ کرلائے اور بزعمِ خود بہت چمک چمک کر دعوے فرمائے ادھر کے متکلمین نے اکثر افادات علمائے سابقین اور بعض اپنے سوانح جدیدہ سے اُن کے جوابوں میں کلام طویل کیے، فقیر غفرلہ المولی القدیر کا یہ مختصر جواب نقل اقاویل وجمع ماقال وقیل کے لئے نہیں لہٰذا بعونہٖ تعالٰی وہ افادات تازہ سُنیے کہ فیض مولائے اجل سے قلب عبدِ اذل پر فائض ہُوئے اہلِ نظر اگر مقابلہ کریں جلیل و عظیم فرق پر خود ہی مطلع ہوں گے **واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم** (اللہ تعالٰی اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص فرمادے اور اللہ تعالٰی علم و فضل والا ہے۔ت)

اقول: وبحول اللہ اصول حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے چالیس سے زیادہ طرق اس وقت پیشِ نظر فقیر ہیں اُن میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں اٹھارہ کی طرف ہم نے احادیث مجملہ میں اشارہ کیا رہے نصف سے کم اُن میں اکثر صاف صاف جمع صوری کی تصریح کررہے ہیں جن میں سے چودہ ۱۴ روایات بخاری وابوداؤد ونسائی وغیرہم سے اُوپر مذکور ہُوئے، ہاں بعض میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا بعد غروب شفق جمع کرنا مذکور، ان میں بھی بعض محض موقوف مثل روایت [1] موطائے امام محمد:

اخبرنا مالك عن نافع ان ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما حين جمع بين المغرب والعشاء، سار حتی غاب الشفق [1]۔	مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب مغرب وعشاء کو جمع کیا تھا تو چلتے رہے تھے یہاں تک شفق غائب ہوگئی تھی۔(ت)

اور بعض میں رفع ہے تو بالفاظ اجمال یعنی حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تصریحًا اسی قدر منقول کہ جمع فرمائی قدر مرفوع میں غیبت شفق پر تنصیص نہیں مثل روایت [2] بخاری:

حدثنا سعيد بن ابی مريم اخبرنا محمد بن جعفر قال اخبرنی زيد، هو ابن اسلم، عن ابيه، قال: كنت مع عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما بطريق مكّة، فبلغه عن صفية بنت ابی عبيد شدة وجع، فاسرع السير، حتی اذاكان بعد غروب الشفق، ثم نزل فصلی المغرب	حدیث بیان کی ہم سے سعید ابن ابی مریم نے، اس کو خبر دی محمد ابن جعفر نے، اس کو زید بن اسلم نے اپنے والدی سے کہ میں مکّہ کے راستے میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ساتھ تھا تو ان کو صفیہ بنت ابی عبید کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ سخت درد میں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رفتار تیز کردی یہاں تک کہ شفق غروب ہوگئی۔ اس کے بعد وہ اترے اور

---

[1] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ مجتبائی لاہور ص ۱۳۱

والعتمة، یجمع بینهما، فقال: انی رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذاجدبه السیر اخر المغرب وجمع بینهما[1]۔	مغرب وعشاء کی نماز پڑھی، دونوں کو جمع کیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب انہیں سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب کو مؤخر کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے۔ (ت)

وروایت ۳ مسلم:

حدثنا محمد بن مثنی نایحیی عن عبیداللّٰه عن نافع ان ابن عمر کان اذاجدبه السیر جمع بین المغرب والعشاء، بعد ان یغیب الشمس، ویقول: ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان اذاجدبه السیر جمع بین المغرب والعشاء[2]۔ ورواه الطحاوی فقال: حدثنا ابن ابی داؤد ثنا مسدد ثنا یحیی[3] به، سندًا ومتنًا۔	حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن مثنّٰی نے یحیٰی سے، اس نے عبیداللہ سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب وعشا کو جمع کرلیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔ طحاوی نے بھی ابن ابی داؤد سے، اس نے مسدد سے، اس نے یحیٰی سے یہی روایت کی ہے، ایک ہی سند اور متن کے ساتھ۔ (ت)

وروایت ۴ ابی داؤد:

حدثنا سلیمٰن بن داود العتکی نا حماد نا ایوب عن نافع ان ابن عمر، استصرخ علی صفیة، وهو بمکة، فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم، **فقال**: ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان اذا عجل به امر فی سفر بین هاتین الصلاتین،	حدیث بیان کی ہم سے سلیمان ابن داؤد عتکی نے حماد سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر جب مکّہ میں تھے تو ان کو صفیہ کی شدید بیماری کی اطلاع ملی اور وہ چل پڑے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے ظاہر ہوگئے، تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں

---

[1] صحیح للبخاری باب المسافر اذاجدبه السیر وتعجل الی اہلہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۳

[2] صحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

فسار حتی غاب الشفق، فنزل فجمع بینھما[1]۔	کسی کام کی جلدی ہوتی تھی تو ان دو۲ نمازوں کو جمع کرلیتے تھے۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو اُترے اور دونوں کو اکٹھاپڑھا۔(ت)

ضمیر سارابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف ہے بدلیل روایت طحاوی:

حدثنا ابن مرزوق ثنا عازم بن الفضل ثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما استصرخ علی صفیة بنت عبید، وھو بمکة، فاقبل الی المدینة، فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم، وکان رجل ءیصحبه، یقول: الصلاة 'الصلاة'، وقال له سالم: الصلاة، فقال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، کان اذاعجل به السیر فی سفر جمع بین ھاتین الصلاتین، وانی ارید ان اجمع بینھما، فسار حتی غاب الشفق، ثم نزل فجمع بینھما[2]۔	حدیث بیان کی ہم سے ابن مرزوق نے عازم ابن فضل سے، اس نے حماد ابن زید سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکّہ میں تھے تو آپ کو صفیہ بنت ابی عبید کی شدید علالت کی خبر ملی۔ چنانچہ آپ مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے اور مسلسل چلتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے چمکنے لگے۔ ابن عمر کے ساتھ ایک شخص تھا جو کہہ رہا تھا "نماز، نماز"۔ سالم نے بھی کہا "نماز" (یعنی نماز کا وقت جارہا ہے) تو ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو ان دو۲ نمازوں کو اکٹھاپڑھ لیتے تھے اور میں بھی چاہتا ہوں کہ اکٹھّا پڑھ لُوں۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی، اس وقت اتر کر دونوں کو اکٹھاپڑھا۔(ت)

ولہٰذا امامِ اجل ابو جعفر اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں:

انما اخبر بذلك من فعل ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، وذکر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الجمع، ولم یذکر کیف جمع[3]۔	اس میں تو صرف ابنِ عمر کا عمل مذکور ہے اور انہوں نے اگرچہ یہ تو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع کیا کرتے تھے مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ کیسے جمع کیا کرتے تھے۔(ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

البتہ غیر صحیحین کی بعض روایات میں فعل یکتف کی طرف اشارہ کرکے رفع ہے وہ یہ ہیں، روایت ۵ ابی داؤد:

حدثنا عبدالملك ابن شعيب نا ابن وهب عن الليث، قال: قال ربيعة، يعني كتب اليه، حدثني عبدالله بن دينار، قال: غابت الشمس، وانا عند عبدالله بن عمر، فسرنا، فلما رأيناه قدامسى، قلنا: الصلاة، فسار حتى غاب الشفق وتصوبت النجوم، ثمّ انه نزل فصلى صلاتين جميعا، ثم قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذاجدبه السير صلى صلاتى هذه، يقول يجمع بينهما بعد ليل۔[1]	حدیث بیان کی ہم سے عبدالملک ابن شعیب نے، اس نے ابن وہب سے، اس نے لیث سے، اس نے کہا کہ ربیعہ، نے میری طرف لکھا کہ عبداللہ ابن دینار نے مجھے بتایا ہے کہ میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ سُورج ڈوب گیا تو ہم چلتے رہے یہاں تک کہ جب شام ہو گئی تو ہم نے کہا "نماز"۔ مگر وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہوئی اور تارے نمایاں ہوگئے، اس وقت آپ اُترے اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تھی تو جس طرح میں نے نماز پڑھی ہے اسی طرح آپ بھی پڑھا کرتے تھے، یعنی رات ہونے کے بعد اکٹھا پڑھتے تھے۔ (ت)

روایت ۶ ترمذی:

حدثنا هناد نا عبدة عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالٰى عنهما، انه استغيث على بعض اهله فجدبه السير، واٰخر المغرب حتى غاب الشفق، ثم نزل فجمع بينهما، ثم اخبرهم: ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان يفعل ذلك اذاجدبه السير۔ قال ابوعيسى: هذا حديث حسن صحيح۔[2]	حدیث بیان کی ہم سے ہناد نے عبدۃ سے، اس نے عبیداللہ بن عمر سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اپنے اہل خانہ میں سے کسی کی سخت بیماری کی اطلاع ملی تو تیزی سے روانہ ہُوئے اور مغرب کو اتنا مؤخر کیا کہ شفق ڈوب گئی، پھر دونوں کو ملا کر پڑھا، بعد میں ساتھیوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو اسی طرح کرتے تھے۔ ابوعیسٰی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۷۲

روایت (۷) نسائی:

اخبرنا اسحٰق بن ابرھیم ثنا سفیٰن عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن عن شیخ من قریش، قال: صحبت ابن عمر الی الحمی، فلما غربت الشمس، ھبت ان اقول له: الصلاۃ، فسار حتی ذھب بیاض الافق وفحمة العشاء، ثم نزل فصلی المغرب ثلث رکعات، ثم صلی رکعتین علی اثرھما، قال: ھکذا ارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یفعل[1]۔	خبر دی ہمیں اسحٰق ابن ابراہیم نے سفیان سے، اس نے ابو نجیح سے، اس نے اسمٰعیل ابن عبدالرحمان سے جو کہ ایک قریشی شیخ ہے کہ میں ابن عمر کے ساتھ تھا جب وہ چراگاہ کو گئے اور سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے میں ان کو نماز کے بارے میں نہ کہہ سکا چنانچہ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ اُفق کی سفیدی ختم ہو گئی اور عشاء کی سیاہی ماند پڑ گئی، اس وقت اترے اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں، پھر متصلاً (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں کہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے دیکھا ہے۔ (ت)

بظاہر زیادہ مستحقِ جواب یہی تین روایتیں تھیں مگر فقیر بعون الملک القدیر عزوجل وہ جوابات شافیہ وکافیہ و تقریرات صافیہ ووافیہ بیان کرے کہ یہ ساتوں طرق اور ان کے سوا اور بھی کچھ ہو تو سب کو بحول اللہ تعالٰی کفایت کریں۔

فاقول: وباللہ التوفیق وبه العروج علی اوج التحقیق۔

جواب اوّل: اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طرق کثیرہ جلیلہ صحیحہ کہ سابقًا ہم نے ذکر کیے صاف دواشگاف بآواز بلند تصریحات قاہرہ فرمارہے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نمازِ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور عشاء غروبِ شفق کے بعد، اور اسی کو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اُن روایات صحاح وحسان وجلیلۃ الشان پر پھر نگاہِ تازہ کیجئے۔ امام سالم صاحبزادہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اپنی روایات مرویہ صحیح بخاری وسُنن نسائی و صحیح اسمٰعیلی وغیرہا میں فرمارہے ہیں کہ دو تین میل چل کر جب تارے کھل آئے اُتر کر مغرب پڑھی پھر ٹھہر کر عشاء۔ عبداللہ واقد شاگرد حضرت ابن عمر اپنی روایات مرویہ سنن ابی داؤد میں روشن تر فرماتے ہیں کہ غروبِ شفق سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر منتظر رہے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشاء پڑھی، طرفہ یہ کہ وہی امام نافع تلمیذ خاص ورفیق سفر وحضر ابن عمر کہ ان غروب شفق

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت، الوقت الذی یجمع فیه المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۹

والی سات روایتوں میں چار اُنہیں سے ہیں وہی وہاں اپنی روایات کثیرہ مرویہ سُنن ابی داؤد و سنن نسائی وغیرہا میں یوں ہی واضح وجلی تر فرمارہے ہیں کہ جب تک مغرب پڑھی ہے شفق ہر گزنہ ڈوبی تھی بلکہ بعد کو بھی انتظار فرمانا پڑا جب ڈوب گئی اُس وقت عشا کی تکبیر کہی اور اوّل تا آخر ان سب روایات میں تصریح صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے بلکہ حدیث امام سالم میں یوں ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جسے جلدی ہو وہ اس طرح پڑھا کرے، للہ انصاف! ان صاف الفاظ مفسر نصوص میں کہیں بھی گنجائشِ تاویل و تبدیل ہے اور شک نہیں کہ قصّہ صفیہ زوجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم جو وہاں اور یہاں دونوں طرف کی روایات میں مذکور ایک ہی بار تھا بلکہ انہیں امام نافع سے مروی کہ ابن عمر سے عمر بھر میں صرف اسی بار جمع معلوم ہے اس کے سوا کسی سفر میں انہیں جمع کرتے نہیں دیکھا، سُنن ابی داؤد میں بطریق امام ایوب سختیانی مذکور:

انه لم یرابن عمر جمع بینهما قط، الاتلك اللیله، یعنی لیلة استصرخ علی صفیة [1] اھ اماما قال: وروی من حدیث مکحول عن نافع: انه رأی ابن عمر فعل ذلك مرة اومرتین [2]۔ اھ فاقول: فیه شك والشك لایعارض الجزم۔	کہ اس نے ابن عمر کو کبھی دو۲ نمازیں جمع کرتے نہیں دیکھا مگر اس رات۔ یعنی صفیہ کی بیماری کی اطلاع والی رات۔ اور وہ جو اس نے کہا ہے کہ مکحول کی حدیث میں نافع سے مروی ہے کہ اس نے ابن عمر کو ایک بار جمع کرتے دیکھا تھا یا دو بار، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں شک ہے اور شک سے یقین کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

حدیث نسائی وطحاوی میں انہیں امام نافع سے گزرا کہ میں نے اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے۔

حدیث کتاب الحجج میں انہیں نافع سے تھا کہ ابن عمر اذان ہوتے ہی مغرب کے لئے اُترے اس بار دیر لگائی، روایت نسائی وطحاوی وحجج میں تھا ہمیں گمان ہوا کہ اس وقت نماز اُنہیں یاد نہ رہی یہ سب اُسی قول نافع کے مؤید ہیں معہذا شک نہیں کہ اصل عدم تعدد ہے تو جب تک صراحۃً تعدد ثابت نہ ہوتا اُس کے ادعا کی طرف راہ نہ تھی خصوصًا مستدل کو جسے احتمال کافی نہیں دفع تعارض کے لئے اس کا اختیار اس وقت کام دیتا کہ خود قصہ صفیہ میں دونوں روایات صحیحہ قبل غروب وبعد غروب موجود نہ ہوتیں۔

فسقط ماالتجأ الیه بعض المتأخرین، من العلماء المخالفین فی المسألة، ظنا منه انه یدرؤ به التعارض، وماکان	وہ توجیہ ساقط ہوگئی جس کو اس مسئلے کے مخالف علماء متاخرین نے اس خیال سے اختیار کیا ہے کہ اس طرح تعارض رفع ہوجائیگا، حالانکہ اس

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/ ۱۷۱

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/ ۱۷۱

لیندری بہ۔	توجیہ سے تعارض رفع نہیں ہوتا۔ (ت)

ناچار خود ملّاجی کو بھی ماننا پڑا کہ یہ سب طرق وروایات ایک ہی واقعے کی حکایات ہیں۔ قصہ صفیہ میں حدیث سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم بطریق کثیر بن قاروندا مروی سنن نسائی پر براہِ عیاری بھی جب کوئی طعن نہ گھڑ سکے تو اُسے مخالف حدیث شیخین ٹھہرا کر رَد کر دیا کہ اس میں مغرب کا بین الوقتین پڑھنا ہے اور ان میں بعد غروب شفق، لہٰذا یہ شاذ و مردود ہے جس کی نقل لطیفہ ہفتم افادہ یکم میں گزری حالانکہ حدیث مسلم کے لفظ ابھی سُن چکے اُس میں قصہ صفیہ کا ذکر نہیں، تو جب تک روایت مطلقہ بھی اسی قصہ صفیہ پر محمول نہ ہو حدیث قصہ صفیہ کو مخالف روایت شیخین کہنا چہ معنی بالجملہ اس حدیث کی اتنی روایات کثیرہ میں یہ تصریح صریح ہے کہ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور اسی کی اُن روایات میں یہ کہ شفق ڈوبے پر پڑھی اور دونوں جانب طرق صحاح وحسان ہیں جن کے رَد کی طرف کوئی سبیل نہیں، تو اب یہ دیکھنا واجب ہوا کہ ان میں کون سا نص مفسر نا قابلِ تاویل ہے جسے چارو ناچار معتمد رکھیں اور کون سا محتمل کہ اُسے مفسر کی طرف پھیر کر رفع تعارض کریں ہر عاقل جانتا ہے کہ ہماری طرف کے نصوص اصلًا احتمال معنی خلاف نہیں رکھتے شفق ڈوبنے سے پہلے پڑھی اتنے ہی لفظ کے یہ معنی کسی طرح نہ ہو سکتے کہ جب شفق ڈوب گئی اُس وقت پڑھی نہ یہ کہ جب اُس کے ساتھ یہ تصریحات جلیہ ہوں کہ پھر مغرب پڑھ کر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اس کے بعد عشا پڑھی ان لفظوں کو کوئی نیم مجنون بھی مغرب بعدِ شفق پڑھنے پر عمل نہ کرسکے گا، ہاں پُورے پاگل میں کلام نہیں مگر اُدھر کے نصوص کہ چلے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی پھر مغرب پڑھی یا جمع کی یا بعد غروب شفق اُتر کر جمع کی یہ اچھے خاصے محتمل وصالح تاویل ہیں جن کا اُن نصوص صریح مفسرہ سے موافق ومطابق ہو جانا بہت آسان۔ عربی فارسی اردو سب کا محاورہ عامہ شائعہ مشہورہ واضحہ ہے کہ قربِ وقت کو اس وقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عصر کے اخیر وقت کہتے ہیں شام ہو گئی حالانکہ ہنوز سورج باقی ہے۔ کسی سے اوّل وقت آنے کا وعدہ تھا وہ اس وقت آئے تو کہتے ہیں اب سُورج چھپے آئے۔ قریب طلوع تک کوئی سوتا ہو تو اُسے اُٹھانے میں کہیں گے سُورج نکل آیا۔ شروع چاشت کے وقت کسی کام کو کہا تھا مامور نے قریب نصف النہار آغاز کیا تو کہیے گا اَب دوپہر ڈھلے لے کر بیٹھے۔ ان کی صدہا مثالیں ہیں کہ خود ملّاجی اور اُن کے موافقین بھی اپنے کلاموں میں رات دن اُن کا استعمال کرتے ہوں گے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ محاورے زبان مبارک عرب خود قرآن عظیم واحادیث میں شائع وذائع ہیں، قال اللہ تعالٰی:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1]	جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو اب انہیں اچھی طرح اپنے نکاح میں روک لو یعنی رجعت کرلو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔

---

[1] القرآن ۲/۲۳۱

کہ بے قصد مراجعت عدّت بڑھانے کے لئے رجعت نہ کرو، وقال تعالٰی:

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ [1]	جب طلاق والیاں اپنی عدت کو پہنچیں تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جُدا کردو۔ (ت)

ظاہر ہے کہ عورت جب عدّت کو پہنچ گئی نکاح سے نکل گئی اب رجعت کا کیا محل، اور اُسے روکنے چھوڑنے کا کیا اختیار، تو بالیقین قربِ وقت کو وقت سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جب عدت کے قریب پہنچے اُس وقت تک تمہیں رجعت وترک دونوں کا اختیار ہے، یہ مثالیں تو آیاتِ قرآنیہ سے ہوئیں جنہیں امام طحاوی وغیرہ علماء مسئلہ وقتِ ظہر اور نیز اس مسئلہ میں افادہ فرماچکے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث سے بھی مثالیں اور علمائے قائلین بالجمع سے بھی اس معنی ومحاورہ کی تصریحیں ذکر کرے۔ **فاقول** وباللہ التوفیق:

حدیث ۱: جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صبح اسرا بعد فرضیت نماز اوقاتِ نماز معین کرنے اور اُن کا اوّل آخر بتانے کے لئے دو ۲ روز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امامت کی، پہلے دن ظہر سے فجر تک پانچوں نمازیں اوّل وقت پڑھیں اور دوسری دن ہر نماز آخر وقت، اس کے بعد گزارش کی:

الوقت مابین هذین الوقتین۔ [2]	وقت ان دونوں وقتوں کے بیچ میں ہے۔ (ت)

اس حدیث میں ابوداؤد وترمذی وشافعی وطحاوی وابن حبان وحاکم کے یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلی بی العصر حین کان ظله مثله فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظله مثله۔ [3]	میرے ساتھ عصر کی نماز پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا، جب دُوسرا دن ہُوا تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر تھا۔ (ت)

ترمذی کے الفاظ یوں ہیں:

صلی المرة الثانية الظهر، حین کان ظل کل شیئ مثله، لوقت العصر بالامس۔ [4]	دوسری مرتبہ ظہر کی نماز تب پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔ (ت)

---

[1] القرآن ۶۵/۲

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الصّلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۵۶

[3] سُنن ابی داؤد کتاب الصّلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۵۶

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ امین کمپنی دہلی ۱/۲۱

شافعی کے لفظ یہ ہیں:

ثم صلی المرة الاخری، الظهر، حین کان کل شیئ قدرظله، قدر العصر بالامس[1]۔	پھر دوسری مرتبہ نماز پڑھی ظہر کی، جب ہر چیز اپنے سائے کے ساتھ برابر تھی یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔ (ت)

حدیث ۲: نسائی وطحاوی وحاکم وبزار نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ھذا جبریل، جاء کم یعلمکم دینکم۔ وفیه، ثم صلی العصر حین رأی الظل مثله، ثم جاء ہ الغد، ثم صلی به الظهر حین کان الظل مثله[2]۔	یہ جبریل ہیں، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پھر عصر کی نماز پڑھی، جب دیکھا کہ سایہ ان کے برابر ہے۔ پھر دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور ظہر کی نماز پڑھی، جبکہ سایہ ان کے برابر تھا۔ (ت)

بزار کے لفظ یوں ہیں:

جاء نی، فصلی بی العصر حین کان فیئی مثلی، ثم جاء نی من الغد، فصلی بی الظهر حین کان فیئی مثلی[3]۔	جبریل میرے پاس آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا، پھر دوسرے دن آئے اور ظہر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا۔ (ت)

حدیث ۳: نیز نسائی وامام احمد واسحٰق بن راہویہ وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، حین کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی العصر، ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین	جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور عصر کی نماز نہ پڑھی، پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ

---

[1] الاُمّ للشافعی جماع مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۷۱

[2] سنن النسائی آخر وقت الظہر مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ۱/ ۵۹

[3] کشف الاستار عن زوائد البزّار باب ای حین یصلی مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان ۱/ ۱۸۷

کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی الظهر [1]۔	اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور ظہر کی نماز پڑھی۔ (ت)

حدیث ۴: امام اسحٰق بن راہویہ اپنی مسند میں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بطریق حدثنا بشر بن عمرو النهرانی ثنی مسلمة بن بلال ثنا یحیٰی بن سعید ثنی ابوبکر بن عمرو بن حزم عن ابی مسعود الانصاری [2] اور بیہقی کتاب المعرفۃ میں بطریق ایوب بن عتبة ثنا ابوبکر بن عمرو بن حزم عن عروة بن الزبیر عن ابن ابی مسعود عن ابیه [3] راوی اور یہ لفظ حدیث اسحٰق ہیں:

قال: جاء جبریل الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فقال: قم، فصل! وذلك لدلوك الشمس حین مالت، فقام رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فصلی الظهر اربعا، ثم اتاه حین کان ظله مثله، فقال: قم، فصل! فقام فصلی العصر اربعا، ثم اتاه من الغد حین کان ظله مثله، فقال ببله: قم فصل! فقام فصلی الظهر اربعا [4]۔	کہا: جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے! اور یہ سُورج ڈھلنے کا وقت تھا، جب وہ ایک طرف جھک گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوبارہ آئے جب اُن کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے! تو آپ نے اٹھ کر عصر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوسرے دن آئے، جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے، تو آپ نے اُٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ (ت)

حدیث ۵: ابن راہویہ مسند میں عبدالرزاق سے اور عبدالرزاق مصنف میں بطریق اخبرنا معمر عن عبدالله بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه عن جدّه [5] عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: جاء جبریل، فصلی بالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وصلی النبی صلی الله	کہا: جبریل آئے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ظہر کی نماز پڑھائی اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز

---

[1] سنن النسائی آخر وقت العصر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۰

[2] مسند ابن اسحاق

[3] کتاب المعرفۃ

[4] مسند ابن اسحاق

[5] المصنف لعبدالرزاق باب المواقیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۵۳۴

تعالٰی علیه وسلم بالناس، حین زالت الشمس، الظهر، ثم صلی العصر حین کان ظله مثله، قال: ثم جاء جبریل من الغد، فصلی الظهر بالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وصلی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالناس، الظهر، حین کان ظله مثله[1]۔	پڑھائی جب سورج کا زوال ہوگیا تھا، پھر عصر پڑھی جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا۔ راوی نے کہا: پھر دوسرے دن جبریل آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جب ان کا سایہ ان کے برابر ہوگیا تھا۔ (ت)

حدیث ۶: دارقطنی سنن اور طبرانی معجم کبیر اور ابن عبدالبر تمہید میں بطریق ایوب بن عتبۃ عن ابی بکر بن حزن عن عروۃ بن الزبیر حضرت ابو مسعود انصاری وبشیر بن ابی مسعود دونوں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان جبریل جاء الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین دلکت الشمس، فقال: یامحمد! صل الظهر، فصلی؛ ثم جاء حین کان ظل کل شیئ مثله، فقال: یامحمد! صل العصر، فصلی، ثم جاء ه الغد حین کان ظل کل شیئ مثله، فقال: صلی الظهر۔ الحدیث[2]۔	جبریل، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جب سورج ڈھل چکا تھا اور کہا: یا محمد! ظہر کی نماز پڑھئے! تو آپ نے ظہر پڑھی۔ پھر دوبارہ آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا: یا محمد! عصر کی نماز پڑھئے! تو آپ نے عصر پڑھی۔ پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا: ظہر پڑھئے! الحدیث۔ (ت)

والکل مختصر ان سب حدیثوں میں کل کی عصر کی نسبت یہ ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہوا نماز پڑھائی اور بعینہٖ یہی لفظ آج کی ظہر میں ہیں کہ جب سایہ ایک مثل ہُوا پڑھائی اور روایت ترمذی تو صاف صاف ہے کہ آج کی ظہر اُس وقت پڑھی جس وقت کل عصر پڑھی تھی حالانکہ مقصود اوقات کی تمیز اور ہر نماز کا اول وآخر وقت میں جدا جدا بنانا ہے لاجرم امام ابو جعفر وغیرہ نے ظہر امروزہ میں ان لفظوں کے یہی معنی لیے کہ جب سایہ ایک مثل کے قریب آیا پڑھائی، معانی الآثار میں فرمایا:

احتمل ان یکون ذلك علی قرب ان یصیر ظل کل	احتمال ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی ہو جب ہر چیز

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب المویقیت مطبوعہ المکتب اسلامی بیروت ۱/۴۳۵

[2] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابو مسعود انصاری حدیث ۷۱۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸/۲۶۰

شیئ مثله، وھذا جائز فی اللغة، قال عزوجل، فذکر الایة، وشرح المراد، وافاد واجاد۔[1]	کا سایہ اس کے برابر ہونے کے قریب ہو۔ اور یہ لغت کے اعتبار سے جائز ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ یہاں طحاوی نے آیت ذکر کی (یعنی فاذا بلغن اجلھن) اور مراد کی تشریح کی اور مفید وعمدہ گفتگو کی۔ (ت)

حدیث ۷: سائل نے جو خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اوقاتِ نماز پُوچھے اور حضورِ والا نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو۲ دن حاضر رہ کر ہمارے پیچھے نماز پڑھ۔ پہلے دن ہر نماز اپنے اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت پڑھا کر ارشاد ہوا ہے: الوقت بین ھذین (وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے) اس حدیث میں نسائی وطحاوی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

سأل رجل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن مواقیت الصلاۃ، فقال: صل معی، فصلی الظھر حین زاغت الشمس، والعصر حین کان فی کل شیئ مثله، قال: ثم صلی الظھر حین کان فیئ الانسان مثله۔[2]	ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پُوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز پڑھ! تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سُورج ڈھل گیا اور عصر کی اس وقت جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔ راوی نے کہا کہ پھر (اگلے دن) ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔ (ت)

اس حدیث میں بھی عصر دیروز وظہر امروز کا وہی حال اور علماء کے وہی مقال۔

حدیث ۸: سُنن ابی داؤد میں بسند صحیح عــه ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث سائل

عــه حیث قال: (حدثنا مسدد) ثقة، حافظ، من رجال البخاری۔ (ناعبداللہ بن داؤد) ھو ابن عامر الھمدانی، ثقة، عابد من رجال البخاری والاربعة۔ دون الواسطی	چنانچہ (ابوداؤد نے) کہا (حدثنا مسدد) ثقہ ہے، حافظ ہے، بخاری کے راویوں میں سے ہے (ناعبداللہ ابن داؤد) اس سے مراد ابن عامر ہمدانی ہے، جو ثقہ ہے عابد ہے اور بخاری کے علاوہ صحاح

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح معانی الاثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱۰۳/۱

[2] شرح معانی الاثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱۰۲/۱

یوں ہے:

ان سائلا سأل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلم یرد علیہ شیا، حتی امر بلالا، فاقام الفجر حین انشق الفجر، وفیہ فلما کان من الغد، اقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ، وصلی العصر وقد اصفرت الشمس، اوقال: امسی[1]۔	ایک پُوچھنے والے نے رسول اللہ سے (اوقات نماز) پُوچھے تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے فجر کی اقامت اس وقت کہی جب ابھی پَو پُھٹی ہی تھی۔ اس روایت (کے آخر) میں ہے کہ اگلے دن ظہر کی اقامت کہی جس وقت پچھلے دن عصر کی کہی تھی، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سُورج زرد ہوچکا تھا، یا یوں کہا کہ شام ہوچکی تھی۔ (ت)

اس حدیث سے دو ۲ فائدہ زائدہ حاصل ہُوئے:

اوّلاً اس میں صاف تصریح ہے کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی حالانکہ یہی حدیث ابی موسٰی اسی طریق بدر بن عثمٰن نا ابوبکر بن ابی موسٰی بن ابیہ سے مسلم ونسائی وابن ابان وطحاوی کے یہاں ان لفظوں سے ہے:

ثم اخر الظہر حتی کان قریبا من وقت العصر بالامس[2] ولفظ النسائی الی قریب۔	پھر ظہر کی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ وقت عصر دیروزہ سے قریب ہوگئی۔

ثابت ہُوا کہ وہاں بھی قُرب ہی مراد ہے اور قرب وقت کو نامِ وقت سے تعبیر در کنار صراحۃً ان لفظوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الذی لیس الامن رجال الترمذی (نابدر بن عثمٰن ثقۃ، من رجال مسلم۔ (نا ابوکر بن ابی موسٰی [ف۱]) ثقۃ، من رجال الستۃ۔ (عن ابی موسٰی) الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	کی چار کتابوں کے راویوں میں سے ہے۔ واسطی مراد نہیں ہے جو کہ صرف ترمذی کے راویوں میں سے ہے (نا، بدر ابن عثمٰن) ثقہ ہے، مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ (نا، ابوبکر ابن موسٰی) ثقہ ہے، صحاح ستّہ کا راوی ہے (عن ابی موسٰی) شعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/ ۵۷

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳

ف ۱ سنن ابی داؤد ۱/ ۵۷

بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسری نماز کے وقت میں نماز پڑھی، یہ فائدہ یاد رکھنے کا ہے۔

ثانیاً اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ عصر اس حال میں پڑھی کہ سورج زرد ہوگیا تھا یا کہا شام ہوگئی، یہ بھی قطعاً قربِ شام پر محمول۔

حدیث ۹: صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

وقت الظهر اذازالت الشمس وکان ظل الرجل کطوله مالم یحضر العصر۔[1]	ظہر کا وقت اُس وقت ہے جب سورج ڈھلے اور سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر ہوجائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔

حدیث ۱۰: امام طحاوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث امامتِ جبریل میں راوی حضورِ والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ نے فرمایا:

صلی الظهر وفیئ کل شیئ مثله۔[2]	اس وقت (نماز) پڑھی کہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر ہوگیا۔

جن کے نزدیک ایک مثل کے بعد وقتِ ظہر نہیں رہتا ان حدیثوں میں ایک مثل ہونے کو ایک مثل کے قریب پہنچنے پر عمل کرتے ہیں۔

حدیث ۱۱: امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک روز نمازِ عصر کو بہت اخیر کرنا اور عروہ بن زبیر کا آکر حدیث امامتِ جبریل سنانا کہ صحیحین وغیرہما میں مروی اس میں طبرانی کی روایت یوں ہے:

دعا المؤذن لصلاة العصر فامسی عمر بن عبدالعزیز قبل ان یصلیها۔[3]	مؤذن نے نمازِ عصر کے لئے بلایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شام کردی اور ابھی نمازِ عصر نہ پڑھی۔ (ت)

یعنی عمر نے شام کردی اور ہنوز نمازِ عصر نہ پڑھی۔ امام قسطلانی شافعی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری اور علّامہ عبدالباقی زرقانی مالکی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

محمول علی انه قارب المساء	حدیث کی مراد یہ ہے کہ شام قریب آئی

---

[1] صحیح لمسلم باب الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۱/۱

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۲/۱

[3] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابو مسعود انصاری حدیث ۷۱۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۹/۱۸ ۲۵

لانه دخل فيه [1]۔	نہ یہ کہ شام ہو ہی گئی۔

خود صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں ہے: **اخر العصر شیا** [2] (عصر میں کچھ تاخیر کی) افادہ الحافظ فی فتح الباری۔

حدیث ۱۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابنِ اُمِّ مکتوم اذان دے"۔ زاس پر صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کان رجلا لاینادی حتی یقال له اصبحت اصبحت [3]۔	وہ اذان نہ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اُن سے کہا جاتا تمہیں صبح ہوگئی صبح ہوگئی۔

اگر اُن کی اذان سے پہلے صبح ہوچکتی تھی تو اس ارشاد کے کیا معنی کہ "جب تک وہ اذان نہ دیں کھاتے پیتے رہو"۔ لہٰذا قسطلانی شافعی ارشاد اور امام عینی عمدہ میں فرماتی:

واللفظ للارشاد المعنی قاربت الصبح علی حد قوله تعالٰی فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ [4] یعنی لوگوں کے اس قول کے کہ "صبح ہوگئی صبح ہوگئی" یہ معنی ہیں کہ صبح قریب آئی قریب آئی، جیسے آیت میں فرمایا کہ عورتیں میعاد کو پہنچیں یعنی قریب میعاد۔

نیز اسی حدیث میں ارشادِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے:

فانه لایؤذن حتی یطلع الفجر [5]۔	ابنِ اُمّ اِمکتوم اذان نہیں دیتے یہاں تک کہ فجر طلوع کرے۔

ارشاد شافعی کتاب الصیام میں ہے: **ای حتی یقارب طلوع الفجر** [6] (یعنی یہاں تک کہ طلوعِ فجر قریب آئے)۔

بالجملہ اس محاورہ کے شیوع تمام سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اگر بالفرض وہ روایات صحیحہ جلیلہ صریحہ صلاۃ مغرب پیش از غروب شفق میں نہ بھی آتیں تاہم جبکہ ہر نماز کے لئے جُدا وقت کی تعیین اور پیش از وقت یا وقت فوت کرکے نماز پڑھنے کی تحریم یقینی قطعی اجماعی تھی ان روایات میں یہ مطلب بنظر محاورہ عمدہ محتمل اور استدلال متدل بتطرق احتمال باطل و مختل اور آیات واحادیث تعیین اوقات کاان سے معارضہ غلط و مہمل ہوتا نہ کہ خود اسی حدیث

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۱/۴۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب بدئ الخلق باب ذکر الملائکۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۷

[3] صحیح البخاری باب اذان الاعمٰی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۶

[4] ارشاد الساری شرح بخاری باب اذان الاعمٰی الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/۱۱

[5] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۷

[6] ارشاد الساری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۳/۳۶۳

میں بالخصوص وہ صاف صریح مفسر نصوص اور اُنہیں بزورِ زبان بخاری و مسلم سب بالائے طاق رکھ کر مردود واہیات بتائے یا الٹا ان محتملات کے معارض بتا کر شاذ و مردود ٹھہرائیے یہ کیا مقتضائے انصاف و دیانت ہے یہ کیا محدثی کی شان نزاکت ہے۔ اب تو بحمداللہ سب جعل کھُل گیا، حق و باطل میزانِ نظر میں تُل گیا، اور واضح ہوا کہ یہ ساتوں روایتیں بھی اُنہیں محاورات سے ہیں جن میں دو۲ آیتیں اور بارہ۱۲ حدیثیں ہم نے نقل کیں ان سات سے مل کر اکیس۲۱ مثالیں ہُوئیں **وباللہ التوفیق**۔

جواب دوم: جانے دو اُن میں قبل ان میں بعد یونہی سمجھو پھر ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید۔ شفقین دو۲ ہیں: **احمر و ابیض**۔ اُن روایات قبل میں سپید مراد ہے اُن روایات بعد میں سُرخ۔ یوں بھی تعارض مندفع اور سب طرق مجتمع ہو گئے۔ حاصل یہ نکلا کہ شفق احمر ڈوبنے کے بعد شفق ابیض میں نماز مغرب پڑھی اور انتظار فرمایا جب سپیدی ڈوبی عشا پڑھی۔ یہ بعینہٖ ہمارا مذہب مہذب اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے طور پر جمع صوری ہے حقیقی تو جب ہوتی کہ مغرب بعد غروب سپیدی پڑھی جاتی اس کا ثبوت تم ہرگز نہ دے سکے۔ یہ جواب بنگاہِ اوّلین ذہنِ فقیر میں آیا تھا پھر دیکھا کہ امام ابن الہمام قدس سرہ، نے یہی افادہ فرمایا۔ رہی روایت ہفتم سار **حتی ذهب بیاض الافق وفحمة العشاء**[1] (چلتے رہے یہاں تک کہ افق کی سفیدی اور عشا کی سیاہی ختم ہو گئی۔ ت) جس میں افق کی سپیدی جانے کے بعد نزول ہے۔

اقول وباللہ استعین اوّلاً یہ بھی کب رہی اس میں بھی وہی تقریر جاری جیسے غاب الشفق بمعنی کادان یغیب یوں ہی ذهب البیاض بمعنی کادان یذهب۔

ثانیاً حدیث میں بیاض افق ہے نہ بیاض شفق، کنارہ شرقی بھی افق ہے، بعد غروب شمس مشرق سے سیاہی اُٹھتی اور اُس کے اوپر سپیدی ہوتی ہے جس طرح طلوعِ فجر میں اس کا عکس، جسے قرآن عظیم میں

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۪[2] (یہاں تک کہ فجر کے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا تمہارے لیے واضح ہو جائے۔ ت) فرمایا، جب فجر بلند ہوتی ہے وہ خیطِ اسود جاتا رہتا ہے، یونہی جب مشرق سے سیاہی بلند ہوتی ہے سپیدی شرقی جاتی رہتی ہے اور ہنوز وقت مغرب میں وسعت ہوتی ہے اور اس پر عمدہ قرینہ یہ کہ بیاض کے بعد فحمہ عشاء سر شام کا دھند لکا ہے کہ موسم گرما میں تیزی نور شمس کے سبب بعد غروب نظر کو ظاہر ہوتا ہے جب تارے کھل کر روشنی دیتے ہیں زائل ہو جاتا ہے جیسے چراغ کے سامنے سے تاریکی میں آکر کچھ دیر سخت ظلمت معلوم ہوتی ہے پھر نگاہ ٹھہر جاتی ہے، زہر الربٰی میں ہے: **فحمة**

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[2] القرآن ۲/۱۸۷

العشاء، ھی اقبال اللیل واول سوادہ[1] (فحمۃ العشاء رات کے آنے کو اور اس کی ابتدائی سیاہی کو کہتے ہیں۔ ت)

شرح جامع الاصول للمصنف میں ہے:

ھی شدّۃ سواد اللیل فی اولہ، حتی اذا سکن فورہ، قلت بظھور النجوم وبسط نورھا۔ ولان العین اذا نظرت الی الظلمۃ ابتداء لاتکاد تری شیا[2]۔	وہ رات کا ابتدائی حصّے میں بہت سیاہ ہونا ہے۔ پھر جب اس کا جوش ٹھہر جاتا ہے تو تاروں کے نکلنے اور ان کی روشنیاں پھیلنے سے سیاہی کم ہوجاتی ہے، اور اس لئے بھی کہ آنکھ جب ابتداء میں تاریکی کی طرف نظر کرتی ہے تو کچھ نہیں دیکھ پاتی۔ (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا جانا بیاضِ شفق کے جانے سے بہت پہلے ہوتا ہے تو بیاضِ شفق جانا بیان کرکے پھر اس کے ذکر کی کیا حاجت ہوتی، ہاں بیاض شرقی اس سے پہلے جاتی ہے تو اس معنی صحیح پر فحمہ عشاء کا ذکر عبث ولغو نہ ہوگا۔

ثالثًا یہی حدیث اسی طریق مذکور سفیان سے امام طحاوی نے یوں روایت فرمائی:

حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن عیینۃ عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن ابی ذویب قال: کنت مع ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فلما غربت الشمس، ھبنا ان نقول: الصلاۃ، فسار حتی ذھب فحمۃ العشاء ورأینا بیاض الافق، فنزل فصلی ثلثا المغرب، واثنتین العشاء، وقال: ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل[3]	حدیث بیان کی ہم سے فہد نے حمانی سے، اس نے ابن عینیہ سے، اس نے ابن ابی نجیح سے، اس نے اسمٰعیل بن ابی ذویب سے کہ میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم انہیں نماز کا نہ کہہ سکے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ عشاء کی سیاہی ختم ہوگئی اور ہم نے افق کی سفیدی دیکھ لی۔ اس وقت اُتر کر مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو۲ رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ (ت)

یہ بقائے شفق ابیض میں نص صریح ہے کہ سرِ شام کا دھندلکا جاتا رہا اور ہمیں افق کی سپیدی نظر آئی

---

[1] زہر الربٰی مع سنن النسائی بین السطور زیر حدیث مذکور مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[2] جامع الاصول للمصنف

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

اُس وقت نماز پڑھی اور کہا اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا۔

رابعًا: ملّاجی! آپ تو بہت محدثی میں دم بھرتے ہیں صحیح حدیثیں بے وجہ محض تو رَد کرتے آئے بخاری ومسلم کے رجال ناحق مردود الروایہ بنائے اب اپنے لیے یہ روایت حجّت بنالی جو آپ کے مقبولہ اصولِ محدثین پر ہرگز کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی اس کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار ومعتمد میں مردود و نامستند ہے اسی آپ کی مبلغ علم تقریب میں ہے:

عبداللہ بن ابن نجیح یسار المکی ابویسار الثقفی، مولاھم، ثقة، رمی بالقدر، وربما دلس[1]۔	عبداللہ ابن ابی نجیح یسار مکی ابویسار ثقفی، بنی ثقیف کا آزاد کردہ، ثقہ ہے، قدری ہونے سے متہم ہے، بسااوقات تدلیس کرتا ہے۔ (ت)

وہ قسم مرسل سے ہے تقریب وتدریب میں ہے:

الصحیح التفصیل، فمارواہ بلفظ محتمل لم یبین فیہ السماع، فمرسل لایقبل، ومابین فیہ، کسمعت، وحدثنا، واخبرنا، وشبھھا، فمقبول یحتج بہ[2]۔	صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، یعنی مدلس کی وہ روایت جو ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا احتمال تو رکھتا ہو مگر سماع کی تصریح نہ ہو، تو وہ مرسل ہے اور غیر مقبول ہے، اور جس میں سماع کی صراحت ہو، جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ، تو وہ مقبول ہے اور قابل استدلال ہے۔ (ت)

اور مرسل کی نسبت آپ خود فرما چکے[ف۱] روایت مرسل حجت نہیں ہوتی نزدیک جماعت فقہا وجمہور محدثین کے۔ یہ آپ نے اُس حدیث صحیح متصل کو مردود و مرسل بنا کر فرمایا تھا جس کا ذکر لطیفہ دہم میں گزرا جھوٹے ادعائے ارسال پر تو یہ جوش وخروش اور سچّے ارسال میں یوں گنگ وخاموش، یہ کیا مقتضائے حیاودیانت ہے۔

جواب سوم: حدیث مذکور کے اصلًا کسی طریق میں نہیں کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد غروب شفق ابیض نماز مغرب پڑھی نہ ہرگز ہرگز کسی روایت میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد از سفر وقت حقیقۃً قضا کرکے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کو فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب یہ ہے کہ وقت مغرب شفق احمر تک ہے

الدارقطنی عن ابن عمر، رفعہ، والصحیح وقفہ، افادہ البیہقی والنووی، انہ قال:	دارقطنی نے ابن عمر سے مرفوعًا روایت کی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، جیسا کہ بیہقی اور نووی نے

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ عبداللہ ابن نجیح مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۴۴

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی القسم الثانی من النوع الثانی عشر دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۲۹

ف۱: معیار الحق ص ۴۰۱

الشفق الحمرۃ۔	افادہ کیا ہے کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ شفق سُرخی کو کہتے ہیں۔(ت)

اور ہمارے نزدیک شفق ابیض تک ہے ھو الصحیح روایۃ والرجیح درایۃ وقضیۃ الدلیل فعلیہ التعویل (یہی روایۃً صحیح ہے، اسی کو درایۃً ترجیح ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لئے اسی پر اعتماد ہے۔ت) ہمارا مذہب اجلّائے صحابہ مثل افضل الخلق بعد الرسل صدیق اکبر واُمّ المومنین صدّیقہ وامام العلماء معاذ بن جبل وسید القراء اُبی بن کعب وسید الحفّاظ ابوہریرہ وعبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم واکابر تابعین مثل امام اجل محمد باقر وامیر المومنین عمر بن عبدالعزیز واجلّائے تبع تابعین مثل امام الشام اوزاعی وامام الفقہاء والمحدثین والصالحین عبداللہ بن مبارک وزفر بن الہذیل وائمہ لغت مثل مبرد وثعلب وفراء وبعض کبرائے شافعیہ مثل ابوسلیمان خطابی وامام مزنی تلمیذ خاص امام شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم سے منقول کمافی عمدۃ القاری وغنیۃ المستملی وغیرھما۔ اب اگر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صراحۃً ثابت بھی ہو کہ انہوں نے بعد غروب ابیض مغرب پڑھی تو صاف محتمل کہ انہوں نے کسی سفر میں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بعد شفقِ احمر شفق ابیض میں مغرب اور اُس کے بعد عشاء پڑھتے دیکھا اور اپنے اجتہاد کی بناپر یہی سمجھا ہو کہ حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے وقت قضا کرکے جمع فرمائی اب چاہے ابنِ عمر سے ثابت ہوجائے کہ انہوں نے پہر رات گئے بلکہ آدھی رات ڈھلے مغرب پڑھی یہ اُن کے اپنے مذہب پر مبنی ہوگا کہ جب وقت قضا ہوگیا تو گھڑی اور پہر سب یکساں مگر ہم پر حجت نہ ہوسکے گا کہ ہمارے مذہب پر وہ جمع صوری ہی تھی جسے جمع حقیقی سے اصلاً علاقہ نہ تھا یہ تقریر بحمداللہ تعالٰی وافی وکافی اور مخالف کے تمام دلائل وشبہات کی دافع ونافی ہے اگر ہمّت ہے تو کوئی حدیث صحیح صریح ایسی لاؤ جس سے صاف صاف ثابت ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حقیقۃً شفق ابیض گزار کر وقت اجتماعی عشاء میں مغرب پڑھی یا اس طور پڑھنے کا حکم فرمایا مگر بحول اللہ تعالٰی قیامت تک کوئی حدیث ایسی نہ دکھاسکو گے بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمع فرمانا اور اس کا حکم دینا آیا وہ صراحۃً ہمارے موافق اور جمع صوری میں ناطق ہیں جن کا بیان واضح ہوچکا پھر ہم پر کیا جبر ہے کہ ایسی احتمالی باتوں مذبذب خیالوں پر عمل کریں اور اُن کے سبب نمازوں کی تعیین وتخصیص اوقات کہ نصوص قاطعہ قرآن وحدیث واجماعِ امت سے ثابت ہے چھوڑ دیں۔ ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی بطریق عُقیل بن خالد عن ابن شھاب عن انس جس کے ایک لفظ میں ہے کہ ظہر کو وقتِ عصر تک تاخیر فرماتے،

الشیخان وابوداود والنسائی، حدثنا قتیبۃ،	بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی کہتے ہیں کہ حدیث

زاد ابوداؤد وابن موهب المعنی، قالانا المفضل ح والبخاری وحده، حدثنا حسان الواسطی، وهذا لفظه، ثنا المفضل بن فضالة عن عقیل عن ابن شهاب عن انس بن مالک، قال: کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس، اخر الظهر الی وقت العصر، ثم یجمع بینهما، واذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل، صلی الظهر ثم رکب[1]۔	بیان کی ہم سے قتیبہ نے ابوداؤد نے اضافہ کیا ہے "اور ابن موہب المعنی نے "دونوں مفضل سے روایت کرتے ہیں۔ یہی روایت بخاری نے بواسطہ حسان واسطی تنہا بھی کی ہے، اور آئندہ الفاظ اسی کے ہیں۔ حدیث بیان کی ہم سے مفضل نے عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال سے پہلے روانہ ہوجاتے تھے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کردیتے تھے، پھر دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں: "پھر اُترتے تھے اور دونوں کو اکٹھا پڑھتے تھے "اور ر اگر زوال ہوجاتا تھا قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں: "اور اگر روانگی سے پہلے زوال ہوجاتا تھا" تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے تھے۔ (ت)

دُوسرے لفظ میں ہے ظہر کو مؤخر فرماتے یہاں تک کہ عصر کا اوّل وقت داخل ہوتا پھر جمع کرتے۔ صحیح مسلم میں ہے،

حدثنی عمروالناقد نا شبابة بن سوار المدائنی نالیث بن سعد عن عقیل، فذکره، وفیه: اخر الظهر حتی یدخل اول وقت العصر، ثم یجمع بینهما[2]۔	حدیث بیان کی ہم سے عمروالناقد نے شبابہ سے، اس نے لیث سے، اس نے سعد سے، اس نے عقیل سے، اس کے بعد روایت ذکر کی، اس میں ہے کہ ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ عصر کا ابتدائی وقت داخل ہوجاتا، پھر دونوں کو جمع کرلیتے۔ (ت)

تیسرے لفظ میں یہ لفظ زائد ہے کہ مغرب کو تاخیر کرتے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے وقت اُسے اور عشا کو ملاتے یا اُنہیں جمع فرماتے کہ شفق ڈوب جاتی۔ صحیح مسلم میں ہے،

حدثنی ابوالطاهر وعمروبن السواد قالانا ابن وهب ثنی جابر بن اسماعیل عن عقیل، وفیه: یؤخر المغرب حتی یجمع	حدیث بیان کی مجھ سے ابوالطاہر اور عمروبن سواد نے ابن وہب سے، اس نے جابر سے، اس نے عقیل سے۔ اس میں ہے کہ مغرب کو مؤخر کرتے تھے یہاں تک

---

[1] صحیح البخاری باب یؤخر الظہر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

[2] صحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵

بینھما وبین العشاء حین یغیب الشفق[1]۔ ورواہ النسائی، قال: اخبرنی عمرو بن سوّاد بن الاسود بن عمرو، وابوداود مختصرا، قال: حدثنا سلیمٰن بن داود المھری کلاھما عن ابن وھب، بہ، ورواہ الطحاوی حدثنا یونس، قال: انا ابن وھب، وفیہ، حتی یغیب الشفق[2]۔	کہ اس کو اور عشاء کو جمع کرلیتے جب شفق غائب ہوتی تھی۔ اس روایت کو نسائی نے بھی بواسطہ عمرو ابن سواد ابن اسود ابن عمر، اور ابوداود نے بھی مختصراً بواسطہ سلیمان ابن داود المہری بیان کیا ہے (عمرو اور سلیمان) دونوں نے یہ روایت ابن وہب سے لی ہے۔ اور طحاوی نے اس کو بواسطہ یونس، ابن وہب سے لیا ہے۔ اس میں ہے "یہاں تک کہ شفق غائب ہوجاتی تھی"۔ (ت)

غیبتِ شفق کے جوابات شافعیہ تو بحمد اللہ اوپر گزرے ملّاجی کو بڑا ناز یہاں ان لفظوں پر ہے کہ ظہر کو وقت عصر تک مؤخر فرما کر جمع کرتے اُس پر حتی کے معنی میں لاطائل س نحویت بگھار کر فرماتے ہیں ف۱ پس مطلب یہ ہوا کہ تاخیر ظہر کی اس حد تک کرتے کہ منتہ تاخیر کا اول وقت عصر کا ہوتا یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ عصر کا وقت آجاتا ان معنی سے کسی کو انکار نہیں مگر محرفین للنصوص کو اوّل وقت عصر کا منتہی تاخیر کا ہے نہ نماز ظہر کا اگر ظہر کا ہو تو ثم یجمع بینھما کے کچھ معنی نہیں بنتے کہ بعد ہوچکنے ظہر کے اول وقت عصر تک پھر جمع کرنا ساتھ عصر کے کس طرح ہوا ھ ملخصا مہذبا۔

اِن لن ترانیوں کا **جواب** تو بہت واضح ہے عصر یا وقت عصر یا اول وقت عصر یا دخول وقت عصر تک ظہر کو مؤخر کرنے کے جس طرح یہ معنے ممکن کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ وقت عصر داخل ہوا یونہی یہ بھی متصور کہ ظہر میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ اس کے ختم ہوتے ہی وقتِ عصر آگیا خود علمائے شافعیہ ان معنی کو تسلیم کرتے ہیں صحیح بخاری شریف میں فرمایا: باب تاخیر الظھر الی العصر[3] امام عسقلانی شافعی نے فتح الباری پھر قسطلانی شافعی نے ارشاد الساری میں اس کی شرح فرمائی:

باب تاخیر الظھر الٰی اول وقت العصر، بحیث انہ اذا فرغ منھا یدخل وقت تالیھا، لا انہ یجمع بینھما فی وقت واحد[4]۔	باب، ظہر کی تاخیر عصر کے ابتدائی وقت تک کہ جب ظہر سے فارغ ہو، عصر کا وقت داخل ہوجائے، نہ یہ کہ ایک ہی وقت میں دونوں کو جمع کرے۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۵، سنن ابی داؤد ۱/ ۱۷۲، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۱۳

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۹۹

[3] صحیح البخاری باب تاخیر الظھر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۷

[4] ارشاد الساری باب تاخیر الظھر الی العصر دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/ ۴۹۱

ف۱ معیار الحق ص ۳۷۷، ۳۷۸

حافظ الشان کے لفظ یہ ہیں:

المراد انه عند فراغه منها دخل وقت العصر، کماسیاتی عن ابی الشعثاء[1] الخ۔	مراد یہ ہے کہ ظہر سے فارغ ہوتے ہی عصر کا وقت داخل ہوگیا، جیسا کہ عنقریب ابوالشعثاء سے آرہاہے۔(ت)

اور اُس سے فارغ ہوتے ہی جو عصر اپنے شروع وقت میں پڑھی جائے بداہۃً دونوں نمازیں مجتمع ہوجائیں گی تو اس معنے کو تحریف یا جمع بینہما کے مخالف کہنا صریح جہالت ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ **یؤخر الظهر** میں ظہر سے صلاۃِ ظہر مراد ہونا تو بدیہی نماز ہی قابل تاخیر و تعجیل ہے نہ وقت جس کی تاخیر و تعجیل مقدورات عباد میں نہیں اور صلاۃ ظہر حقیقۃً تکبیر تحریمہ سے سلام تک مجموع افعال کا نام ہے نہ ہر فعل یا آغاز نماز کا کہ جزء نماز ہے اور ایسے حقائق میں جز شے شے نہیں جو اسم کسی مرکب مجموع اجزائے متعاقبہ فی الوجود کے مقابل موضوع ہو بنظرِ حقیقت اُس کا صدق جزء آخر کے ساتھ ہوگا نہ اُس سے پہلے مثلاً مکان اس مجموع جدران وسقف وغیرہا کا نام ہے تو جب نیو بھری گئی یا پہلی اینٹ چنائی کی رکھی گئی مکان نہ کہیں گے پس قبل فراغ حقیقت صلاۃ جسی شرع مطہر نماز گنے اور معتبر رکھے متحقق نہیں تو بحکم حقیقت انتہائے تاخیر نماز عین وقت فراغ پر ہے نہ وقت تکبیر کہ ہنوز زمانہ عدم صدق اسم باقی ہے اب حدیث کے الفاظ دیکھیے تاخیر نماز کی انتہا ابتدائے وقتِ عصر پر بتائی گئی ہے اور اُس کی انتہا فراغ پر تھی تو ثابت ہوا کہ ظہر سے فراغ وقت ظہر کے جزء اخیر میں ہوا یہی بعینہٖ ہمارا مقصود ہے اگر معنے وہ لیے جائیں جو ملّاجی بتاتے ہیں کہ اول وقت عصر میں نماز ظہر شروع کی تو تاخیر ظہر اول وقت عصر پر منتہی نہ ہوئی بلکہ اوسط وقت عصر تک رہی یہ خلاف ارشاد حدیث ہے تو بلحاظ حقیقت شرعیہ معنی حدیث وہی ہیں جنہیں ملّاجی تحریہ نصوص بتارہے ہیں ہاں مجازًا آغاز نماز پر بھی اسم نماز اطلاق کرتے ہیں تو ہمارے اور ملّاجی کے معنی میں وہی فرق ہے جو حقیقت و مجاز میں۔ بحمداللہ اس بیان جلی البرہان سے واضح ہوگیا کہ ملّاجی کا منتہائے تاخیر ومنتہائے نماز ظہر میں تفرقہ پر حکم کرنا جہالت تھا ملّاجی نے اتنا سچ کہا کہ منتہے تاخیر کا اول وقت عصر کا ہوتا آگے جو یہ حاشیہ چڑھایا کہ یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ وقت عصر آجاتا نرا ادعائے بے دلیل ہے طرفہ یہ کہ خود بھی حضرت نے اُنہیں لفظوں سے تعبیر کی جن میں دونوں معنی محتمل مگر عقل ووہابیت تو باہم اقصی طرفین نقیض پر ہیں **وللہ الحمد۔**

ثم اقول: وبحول اللہ اصول (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی کی طاقت سے جرح کرتا ہوں) ظہر کی وقتِ عصر تک تاخیر درکنار اگر صاف یہ لفظ آتے کہ ظہر اول وقت عصر میں پڑھی مدعائے مخالف میں نص نہ تھی ظہرین وعشائین میں

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب تاخیر الظہر الی العصر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۹

آخر وقتِ اول واول وقت آخر آن واحد فصل مشترک بین الزمانین ہے اور صلاۃ بمعنے ابتدائے صلاۃ اور فراغ عن الصلٰوۃ دونوں مستعمل تو بحکم مقدمہ اولٰی جس نماز کے فراغ پر اُس کا وقت ختم ہو جائے اُسے جس طرح یوں کہہ سکتے ہیں کہ اپنے وقت کے جزء اخیر میں تمام ہوئی یونہی یہ بھی کہ وقت آئندہ کے جزء اول میں اُس سے فراغ ہوا اور بحکم مقدمہ ثانیہ تعبیر ثانی کو ان لفظوں سے بھی ادا کر سکتے ہیں کہ نماز وقت آئندہ میں پڑھی کہ نماز پڑھنا **فراغ عن الصلاۃ** تھا اور **فراغ عن الصلاۃ** آخر وقت میں ہوا اور آخر وقت ماضی اولِ وقت آتی ہے ولہٰذا ساتوں احادیث مذکورہ امامت جبریل وسوال سائل میں جب کہ بظاہر عصر ماضی وظہر حال دونوں ایک وقت پڑھنا نکلتا تھا بلکہ حدیث امامت عندالترمذی وحدیث سائل عندابی داؤد میں صاف تصریح تھی کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی خود امام شافعی وجمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے ان میں صلاۃ عصر دیروزہ کو ابتدائے نماز اور صلاۃ ظہر امروزہ کو فراغ نماز پر حمل کیا یعنی ایک مثل سایہ پر کل کی عصر شروع فرمائی تھی اور آج کی ظہر ختم، اسی کو یوں تعبیر فرمایا گیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی امام اجل ابوزکریا نووی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث **اذاصلیتم الظهر فانه وقت الی ان یحضر العصر** (جب تم ظہر کی نماز پڑھنا ہو تو عصر تک سارا وقت ظہر ہی کا ہے۔ت) فرماتے ہیں:

احتج الشافعی والاکثرون بظاھر الحدیث الذی نحن فیه، واجابوا عن حدیث جبریل علیه السلام، بان معناہ فرغ من الظهر حین صار ظل کل شیئ مثله، وشرع فی العصر فی الیوم الاول حین صار ظل کل شیئ مثله فلا اشتراك بینهما [1]	امام شافعی اور اکثر علمانے اسی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کی حدیث سے یہ جواب دیا ہے کہ پہلے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا تو اس وقت ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے اور دوسرے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہُوا تھا تو اس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی۔ اس طرح دونوں کا (ایک ہی وقت میں) اشتراک نہیں پایا جاتا۔ (ت)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

فی روایة، حین کان ظل کل شیئ مثله، کوقت العصر بالامس۔ ای فرغ من الظهر ح، کماشرع فی العصر فی الیوم الاول ح حینئذٍ قال الشافعی: وبه نندفع اشتراکهما فی	ایک روایت میں ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا، جیساکہ گزشتہ کل اسی وقت عصر کے وقت تھا۔ یعنی آج اُسی وقت ظہر سے فارغ ہوئے تھے جیساکہ گزشتہ کل اسی وقت عصر میں شروع ہوئے تھے

---

[1] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم باب اوقات صلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۲/۱

وقت واحد[1] ۔	امام شافعی نے کہا کہ اسی سے ایک وقت میں ان کے اشتراک کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ (ت)۔

ثم اقول: ہاں میں علما سے کیوں نقل کروں خود ملّاجی اپنے ہی لکھے کو نہ روئیں اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ﴿۱۴﴾ [2] عــہ۔ (پڑھو اپنی کتاب کو، آج تم خود ہی اپنے آپ پر شہید کافی ہو۔ ت مسئلہ وقتِ ظہر میں جو ایک مثل کا اثبات پیشِ نظر تھا پاؤں تلے کی سوجھی آگا پیچھا بے سوچے سمجھے صاف صاف انہیں معنی کا اقرار کر گئے یہ کیا خبر تھی کہ دو۲ قدم چل کر یہ اقرار جان کا آزار ہو جائے گا حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نقل کرکے فرماتے ہیں [ف۱] : معنی اس کے یہ ہیں کہ پہلے دن عصر جب پڑھی کہ سایہ ایک مثل آگیا اور دوسرے دن ظہر سے ایک مثل پر فارغ ہوئے یہ معنی نہیں کہ ظہر پڑھنی شروع کی دُوسرے دن اُسی وقت میں جس میں پہلے دن عصر پڑھی تھی اھ ملخصا۔ کیوں مُلّاجی ! جب صلاۃ بمعنی فراغ عن الصلاۃ آپ خود لے رہے ہیں تو آخر الظہر کے معنی آخر الفراغ عن الظہر لینا کیوں تحریف نصوص ہوگیا، ہاں اس کا علاج نہیں کہ شریعت تمہارے گھر کی ہے اپنے لئے تحریف تبدیل انکار تکذیب جو چاہو حلال کرلو۔ مزہ یہ ہے کہ فقط اسی پر قناعت نہ کی لاج کا بھلا ہو حدیث امامت جبریل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی نقل کی اور ابو داؤد کے لفظ چھوڑ کر خاص ترمذی ہی کی روایت لی جس میں صاف نقل کیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی اور بکمال خوش طالعی اسے بھی لکھ [ف۲] دیا کہ معنے اس کے بھی وہی ہیں جو حدیث نسائی کے بیان کیے گئے یعنی پہلے دن عصر شروع کی ایک مثل پر اور دوسرے دن فارغ ہوئے ظہر سے ایک مثل پر۔

مُلّاجی ! جب ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھنا ان صریح لفظوں کے بھی خود یہ معنی لے رہے ہو کہ نماز پڑھی تو اپنے وقت میں مگر اس سے فراغ دوسری کے ابتدائے وقت پر ہوا تو اَب کس مُنہ سے یہ حدیثیں اثبات جمع میں پیش کرتے اور انہیں نص صریح ناقابل تاویل بتاتے ہو ان میں تصریح دکھا بھی نہ سکے جو صاف صاف اس حدیث ترمذی میں تھی جب اس کے یہ معنی بنا رہے ہو ان کے بدرجہ اولٰی بنیں گے اور اول تا آخر تمہارے سب دعوے

عــہ اقتباس ومناسب المقام ھھنا الشھادۃ لا الحساب ۱۲ منہ (م)	قرآن کریم سے اقتباس ہے اور مقام کے مناسب یہاں پر شہادت ہے نہ کہ حساب (اس لئے حسیبًا کی جگہ شھیدًا لایا گیا ہے) (ت)

---

[1] مرقات المفاتیح الفصل الثانی من باب المواقیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن ۱۷/ ۱۴

ف۱ معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۶، **ف۲** معیار الحق ص ۳۲۱)

قل موتوا بغیظکم سُنیں گے انصاف ہو تو ایک یہی حرف تمہاری ساری محنت کو پہلی منزل پہنچانے کے لئے بس ہے **وللہ الحمد** یہ کلام تو ملّاجی کی جہالتوں سے متعلق تھا اب مثل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس حدیث کے بھی جواب بعون الوہاب اُسی طرز صواب پر لیجئے **وباللہ التوفیق۔**

جواب اول: دخول عصر سے قرب عصر مراد ہے جس کی اکیس مثالیں آیات واحادیث سے گزریں خصوصا حدیث ہشتم میں ہم نے روایت صحیحہ صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی سے روشن ثبوت دیا کہ دوسرے وقت تک تاخیر درکنار ایک نماز اپنے آخر وقت میں دوسرے وقت کے قریب پڑھنے کو کہا یہاں تک کہا جاتا ہے کہ دوسری نماز کے وقت میں پڑھی

الی ھذا الجواب اشار الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی، حیث قال: قدیحتمل ان یکون قولہ: الی اول وقت العصر، الی قرب اول وقت العصر [1]۔	اسی جواب کی طرف امام طحاوی نے اشارہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اول وقت عصر سے مراد اول وقت عصر کا قریب ہونا ہے۔(ت)

جواب ثانی، اقول: وقت ظہر دو مثل سمجھو خواہ ایک اُس کی حقیقت واقعیہ کا ادراک طاقت بشری سے خارج ہے آسمان بھی صاف ہو زمین بھی ہموار تاہم پیمائش اقدام یا کوئی چیز زمین میں کھڑی کرکے ناپنا تو ہرگز غایت تخمین مقدور تک بھی بالغ نہیں نہایت تصحیح عمل امثال دائرہ ہندیہ ہے وہ بھی حقیقت امر ہرگز نہیں بتاسکتا۔

اولا دائرے کی صحتِ سطح کا استوا سطحِ دائرۃ الافق سے اُس کی پوری موازات مقیاس کا سطحِ دائرہ نصف النہار سے ذرہ بھر مائل نہ ہونا مدخل ومخرج کے نقاط نامتجزیہ کی صحیح تعیین قوس محصورہ کی ٹھیک تنصیف پھر ظل کا خط نامتجزی پر واقعی انطباق پھر اُس کی حقیقی مقدار پھر اس پر مثل یا مثلین کی بے کمی بیشی زیادت ان میں سے کسی پر جزم متیسر نہیں۔

ثانیا بفرض محال عادی یہ سب حق حقیقت پر صحیح بھی ہوجائیں تاہم خط نصف النہار کا سطح عظیمہ نصف النہار میں ہونا معلوم نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت ومعلوم ہے کہ شمس بوجہ تقاطعِ معدّل ومنطقہ اپنی سیر خاص سے لمحہ بھر بھی ایک مدار پر نہیں رہتا تو منتصف مابین المدخل والمخرج ہمیشہ خط نصف النہار سے شرقی یا غربی ہے مگر جبکہ دائرۃ الزوال پر مرکز نیّر کا انطباق اور احد الانقلابین میں حلول آنِ واحد میں ہو اور وہ نہایت نادر ہے۔

ثالثا اس نادر کو بھی فرض کرلیجئے تاہم علم کی طرف اصلا سبیل نہیں کہ حلولِ انقلاب یا وصول دائرہ جاننے

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

کے طرق جوزیجات میں موضوع ہیں سب ظنی و تخمینی ہیں کسی کوکب کی تقویم حقیقی معلوم کرنا نہ حساب کاکام ہے نہ ارصاد کا، جداول جیوب وظلال ومیول واوساط وتعاویل مراکز ومواضع اوجات وتفاوت ایام حقیقیہ ووسطیہ وفصل مابین المرکزین وعروض واطوال بلاد درج واجزائے استوائیہ وطوالع ومطالع بلدیہ وغیرہا امور کہ اس ادراک کے ذرائع ہیں سب فی انفسہا محض تخمین ہیں اور اس پر اثباتِ زیجات برفع واسقاط حصصِ کسرات تخمین بالائے تخمین، پاکی ہے اسے جس نے بہر نقیر و قطمیر میں عجز و جہل بشر کو ظاہر کیا اور ذرہ ذرہ عالم سے اپنے کمال علم وقدرت کو جلوہ دیا،

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَاؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۝۳۲ [1]	تُو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنے کی تُو نے تعلیم دی ہے تو ہی علیم حکیم ہے۔(ت)

ولہٰذا ملتقی وقتین سے کچھ پہلے اور کچھ بعد تک عامہ خلق کے نزدیک وقت مشکوک ہے اسی کو وقت بین الوقتین کہتے ہیں اس میں نظرِ ناظر کبھی حالتِ شک میں رہتی ہے کبھی بقائے وقتِ اول کبھی دخولِ وقت آخر گمان کرتی ہے اور واقع وہ ہے جو رب العزۃ جل وعلا کے علم میں ہے صاحبِ وحی خصوصًا عالم علوم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب بحکم **نبأنی العلیم الخبیر** (آگاہ کیا ہے مجھے علم والے اور خبر والے نے۔ت) عین وقت حقیقی پر مطلع ہو کر نمازِ ظہر ایسے اخیر وقت میں ادا فرمائے اور سلام پھیرتے ہی معًا وقت عصر کی ابتدائے حقیقی جو خاص علمِ الٰہی میں تھی شروع ہو جائے اور دیگر ناظرین کو وحی سے بہرہ نہیں رکھتے براہِ اشتباہ اسے وقت آخر میں گمان کریں اصلا محل تعجب نہیں نہ معاذاللہ اس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کسرِ شان کہ علومِ خاصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حضور کا شریک نہ ہونا کچھ منافی صحابیت نہیں بلکہ واجب ولازم ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث کثیرہ سے خاص اس جزئیہ کی نظیریں پیش کرسکتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسے وقت نمازیں پڑھیں یا سحری تناول فرمائی کہ ناظرین کو بقائے وقت میں شک یا خروج وقت کا گمان گزرتا بلکہ اجلہ حذاقِ صحابہ کی تمیز ومعرفت میں دیگر ناظرین شریک نہ ہُوئے علم محمدی ہے تو علم محمدی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مثلًا:

حدیث ۱: حدیث سائل کہ صحیح مسلم وسُنن ابی داؤد و سنن نسائی ومسند امام احمد وحجج امام ابن ابان ومصنّف طحاوی میں سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اُس میں ظہر روزِ اوّل کی نسبت مسلم ونسائی کی روایت یوں ہے:

اقام بالظھر حین زالت الشمس، والقائل یقول: قد انتصف النھار، وھو کان	سورج ڈھلتے ہی ظہر کی اقامت کہی اس حال میں کہ کہنے والا کہے ٹھیک دوپہر ہے اور حضور صلی اللہ

---

[1] القرآن ۲/ ۳۲

اعلم منھم [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم اُن سے زیادہ جانتے تھے۔

ابوداؤد کے یہ لفظ ہیں:

حتی قال القائل: انتصف النھار، وھو اعلم [2]۔	یہاں تک کہ کہنے والے نے کہا دوپہر ہوا اور حضور کو حقیقت امر کی خُوب خبر تھی۔

احمد وعیسٰی وطحاوی کے لفظ یوں ہیں:

والقائل یقول: انتصف النھار اولم، وکان اعلم منھم [3]۔	کہنے والا کہتا دوپہر ہے یا ابھی دوپہر بھی نہ ہوا اور حضور کے علم سے اُن کے علموں کو کیا نسبت تھی۔

حدیث ۲ صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی وکتاب طحاوی میں پارہئ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارہئ انکار جمع بین الصلاتین کہ عنقریب اِن شاء اللہ القریب المجیب مذکور ہوگی یہ ہے:

صلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا [4]۔	صبح کی نماز اس کے وقت سے پہلے پڑھی (ت)

ابوداؤد کے لفظ یوں ہیں:

صلی صلاۃ الصبح من الغد قبل وقتھا [5]۔	دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی۔ (ت)

طحاوی کی روایت یوں ہے:

صلی الفجر یومئذ لغیر میقاتھا [6]	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ مزدلفہ میں صبح کی نماز اُس کے وقت سے پہلے پڑھی بے وقت پڑھی۔

امام بدر عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قولہ قبل میقاتھا، بان قدم علی وقت ظھور	یعنی قبل وقت پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ اور لوگوں پر صبح کا

---

[1] الصحیح لمسلم باب اوقات صلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۳

[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/ ۵۷

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳

[4] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۸

[5] سنن ابی داؤد باب الصلوٰۃ بجمع مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/ ۲۶۷

[6] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۳

طلوع الصبح للعامة، وقد ظهر له صلی الله تعالٰی علیه وسلم طلوعه، إمّا بالوحی اوبغیره [1]۔	طلوع کرنا ظاہر نہ ہوا تھا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وحی وغیرہ سے معلوم ہوگیا۔

حدیث ۳ صحیح بخاری شریف میں عبدالرحمٰن بن زید نخعی سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت ہے:

ثم صلی الفجر حین طلع الفجر، قائل یقول: طلع الفجر، وقائل یقول: لم یطلع الفجر، واوله، قال: خرجنا مع عبدالله الی مکة، ثم قدمنا جمعا الحدیث [2]۔	یعنی ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ حج کو چلے مزدلفہ پہنچے وہاں حضرت عبداللہ نے نمازِ فجر طلوع فجر ہوتے ہی پڑھی کوئی کہتا فجر ہوگئی ہے کوئی کہتا ابھی نہیں۔

حدیث ۴ امام ابوجعفر طحاوی انہیں عبدالرحمٰن نخعی سے راوی:

قال صلی عبدالله باصحابه صلاة المغرب، فقام اصحابه یتراء ون الشمس، فقال: ماتنظرون؟ قالوا: ننظر اغابت الشمس! فقال عبدالله: هذا، والله الذی لااله الّا هو، وقت هذه الصلاة الحدیث [3]۔	یعنی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے اصحاب کو نمازِ مغرب پڑھائی اُن کے اصحاب اُٹھ کر سورج دیکھنے لگے، فرمایا: کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی: یہ دیکھتے ہیں کہ سُورج ڈوبا یا نہیں! فرمایا: قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچّا معبود نہیں کہ یہ عین وقت اس نماز کا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر بھی اُن کے اصحاب کو شبہہ تھا کہ سورج اب بھی غروب ہوا یا نہیں فان صلی حقیقةً فی الفعل دون الارادة والفاء للتعقیب (کیونکہ صلّی کا حقیقی معنی نماز پڑھنا ہے نہ کہ ارادہ کرنا اور فاء تعقیب کے لئے ہے۔ت)

حدیث ۵: بخاری مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی بطریق انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: تسحرنا مع رسول الله صلی الله	ہم نے حضورپُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب صلاۃ الفجر بالمزدلفۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰/۱۰

[2] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۸/۱

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۷/۱

تعالٰی علیه وسلم، ثمّ قمنا الی الصلاۃ، قلت: کم کان قدر ما بینهما؟ قال: خمسین اٰیة[1]۔	سحری کھائی پھر نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہوگئے میں نے پُوچھا بیچ میں کتنا فاصلہ دیا، کہا پچاس آیتیں پڑھنے کا۔

حدیث ۶: بخاری ونسائی بطریق قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، وزید بن ثابت تسحرا، فلما فرغا من سحورهما قام نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی الصلاۃ فصلی، قلت لانس: کم کان بین فراغهما من سحورهما ودخولهما فی الصلاۃ؟ قال: قدر مایقرء الرجل خمسین اٰیة[2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سحری تناول فرمائی جب کھانے سے فارغ ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح کے لئے کھڑے ہوگئے نماز پڑھ لی میں نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا سحری سے فارغ اور نماز میں داخل ہونے میں کتنا فصل ہوا، کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

امام طور پشتی حنفی پھر علامہ طیبّی شافعی پھر علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ھذا تقدیر لایجوز لعموم المؤمنین الاخذ به، وانما اخذہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاطلاع اللہ تعالٰی ایاہ، وکان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم معصوما عن الخطأ فی الدین[3]۔	یہ اندازہ ہے کہ عام اُمّت کو اسے اختیار کرنا جائز نہیں سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسے اس لئے اختیار فرمایا کہ رب العزۃ جل وعلا نے حضور کو وقت حقیقی پر اطلاع فرمائی تھی اور حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔

حدیث ۷: نسائی وطحاوی زِرّ بن حبیش سے راوی:

قال: قلنا لحذیفة، ای ساعة تسحرت مع	ہم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا آپ نے

---

[1] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۱

[2] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۲

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول من باب تعجیل الصلوات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۳۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم؟ قال: ھو النھار، الا ان الشمس لم تطلع[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کس وقت سحری کھائی تھی؟ کہادن ہی تھا مگر یہ کہ سورج نہ چمکا تھا۔

امام طحاوی کی روایت میں یوں صاف تر ہے:

قلت: بعد الصبح؟ قال: بعد الصبح، غیر ان الشمس لم تطلع[2]۔	میں نے کہا بعد صبح کے، کہا ہاں بعد صبح کے مگر آفتاب نہ نکلا تھا۔

رائے فقیر میں ان روایات کا عمدہ محل یہی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے علم نبوت کے مطابق حقیقی منتہائے لیل پر سحری تناول فرمائی کہ فراغ کے ساتھ ہی صبح چمک آئی حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گمان ہُوا کہ سحری دن میں کھائی بعد صبح اور واقعی جو شخص سحری کا پچھلا نوالہ کھا کر آسمان پر نظر اُٹھائے تو صبح طالع پائے وہ سوا اس کے کیا گمان کر سکتا ہے۔

حدیث ۸: ابوداؤد نے اپنی سُنن میں باب وضع کیا: **باب المسافر وھو یشك فی الوقت**[3]۔ اور اس میں انہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جن کی حدیث میں ہم یہاں کلام کر رہے ہیں روایت کی:

قال: کنا اذا کنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر، فقلنا: زالت الشمس اولم تزل، صلی الظھر ثم ارتحل[4]۔	جب ہم حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب سفر میں ہوتے تھے ہم کہتے سورج ڈھلا یا ابھی ڈھلا بھی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت نمازِ ظہر پڑھ کر کُوچ فرمادیتے۔

حدیث ۹: ابوداؤد اسی باب میں اور نیز نسائی وطحاوی انہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا نزل منزلا لم یرتحل حتی یصلی الظھر، فقال له رجل: وان کان نصف النھار؟ قال: وان کان نصف النھار[5]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کسی منزل میں اُترتے بے ظہر پڑھے کُوچ نہ فرماتے۔ کسی نے کہا اگرچہ دوپہر کو، فرمایا: اگرچہ دوپہر کو۔

---

[1] سنن النسائی الحدث علی السحور ذکر الاختلاف الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۳

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصیام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۸

[3] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

[4] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

[5] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

نسائی کے لفظ یوں ہیں:

فقال رجل وان کانت بنصف النہار قال وان کانت بنصف النہار[1]۔	یعنی کسی نے پوچھا اگرچہ وہ نماز دوپہر میں ہوتی فرمایا اگرچہ دوپہر میں ہوتی۔

لطیفہ ۱: اقول ملّاجی کو تو یہ منظور ہے کہ جہاں جے سے بنے اپنا مطلب بنائیں یہاں تو قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہ وقت عصر کا آغاز ہوجاتا ایسی تحقیق یقینی پر عمل کیا جس میں اصلاً گنجائش تاویل نہیں اور مسئلہ وقت ظہر میں جب علمائے حنفیّہ نے حدیث صحیح جلیل صحیح بخاری شریف سے استدلال کیا کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ایک سفر میں ہم حاضر رکاب سعادت سلطان رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ تھے مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی فرمایا وقت ٹھنڈا کر، دیر کے بعد انہوں نے پھر اذان کا قصد کیا، پھر فرمایا وقت ٹھنڈا کر، ایک دیر کے بعد انہوں نے پھر ارادہ کیا، فرمایا ٹھنڈا کر، حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آگیا) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ان شدۃ الحر من فیح جھنم**[2] (گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے) تو اس میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو، ظاہر ہے کہ ٹھیک دوپہر خصوصًا موسم گرما میں کہ وہی زمانہ ابراد ہے ٹیلوں کا سایہ اصلا نہیں ہوتا بہت دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

التلول منبطحۃ غیر منتصبۃ، ولایصیرلھا فیئ فی العادۃ، الابعد زوال الشمس بکثیر[3]۔	ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ ب لند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد

امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں فرماتے ہیں:

ھی منبطحۃ لایظھر لھا ظل، الا اذا ذھب اکثر وقت الظھر[4]۔	ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لئے سایہ ظاہر ہی نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

جب خود ائمہ شافعیہ کی شہادت سے ثابت اور نیز مشاہدہ وعقل وقواعد علم ظل شاہد کہ ٹیلوں کے سائے کی ابتدا زوال سے بہت دیر کے بعد ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر اُس وقت پہنچے گا جب بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت گزر جائے گا اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا

---

[1] سنن النسائی اول وقت ظہر حدیث ۴۹۹ مطبوعہ المکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۸

[2] صحیح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر دارالمعرفۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷

[3] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم باب استحباب الابراد بالظہر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۴

[4] فتح الباری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر بیروت ۲/۱۷

نوٹ: یہ حوالہ سعیِ بسیار کے باوجود نہایہ سے نہیں مل سکا اس لئے فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

حکم فرمایا اور اس کے بعد مؤذن کو اجازتِ اذان عطا ہوئی، تو بلاشُبہہ دوسرے مثل میں وقتِ ظہر باقی رہنا ثابت ہوا جیسا کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے یہ دلیل ساطع بحمد اللہ لاجواب تھی یہاں ملّاجی حالتِ اضطراب میں فرماگئے کہ مساوی کہنا راوی یعنی سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سایہ ٹیلوں کو ظاہر ہے کہ تخمیناً اور تقریبًا ہے نہ بایںطور کہ گز رکھ کر ناپ لیا تھا۔ کیوں حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو گز رکھ کر نہ ناپا تھا یونہی تخمیناً مساوات بتادی مگر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا گز رکھ کر ناپ لینا آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا آخر دخول وقت عصر یونہی تو معلوم ہوگا کہ سایہ اس مقدار کو پہنچ جائے اُس کا علم بے ناپے کیوں کر ہوا بلکہ یہاں تو غالبًا دو ناپوں کی ضرورت ہے ایک وقت نصف النہار کہ سایہ اصلی کی مقدار ناپیں دوسری اس وقت کہ سایہ بعد ظل اصلی مقدار مطلوب کو پہنچا یا نہیں، جب انہوں نے ایک ناپ نہ کی یونہی تخمیناً فرمادیا انہوں نے دو۲ ناپیں کاہے کو کی ہوں گی، یونہی تخمیناً فرمادیا ہوگا کہ عصر اوّل وقت داخل ہوگیا جیسے آپ وہاں احتمال نکالا چاہتے ہیں کہ واقع میں مساوی نہ ہوا ہوگا اور ظہر ایک مثل کے اندر ہُوئی یہاں بھی وہی احتمال پیدا رہے گا کہ واقع میں وقت عصر نہ آیا تھا ظہر اپنے ہی وقت پر ہُوئی یہ کیا حیاداری ومکابرہ ہے کہ جابجا جو باتیں خود اختیار کرتے جاؤ دُوسرا کرے تو آنکھیں دکھاؤ تحریف نصوص بتاؤ اس تحکم کی کوئی حد ہے۔

لطیفہ ۲: اقول: خدا انصاف دے تو یہاں تخمینہ بھی اتنی ہی غلطی ہوگی جتنی دیر میں ظہر کی دو۲ رکعتیں پڑھی جائیں اور حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں سخت فاحش غلطی ماننی پڑے گی جسے ان کی طرف بے دلیل نسبت کردینا صراحۃً سُوءِ ادب ہے، خود امام شافعی کی تصریح سے واضح ہُوا کہ سایہ تلول کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب بلند چیزوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے اکثر گزر جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ٹیلوں کا سایہ ابھی نصف مثل تک بھی نہ پہنچے گا کہ اور چیزوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا ایک مثل سے گزر جائے گا کہ اول تو جس طرح ظہور ظل میں تفاوت شدید ہے کہ اتنی دیر کے بعد ان کا سایہ پیدا ہوتا ہے یونہی زیادت ظل میں فرق رہے گا بلند چیزوں کا سایہ اپنی نسبت پر جتنی دیر میں جتنا بڑھے گا ٹیلوں کا سایہ اپنی نسبت میں اُس سے کم بڑھے گا **کمالا یخفی علی العارف بقواعد الفن** (جیسا کہ قواعدِ فن کے جاننے والے پر مخفی نہیں۔ت) تو لاجرم جس وقت ٹیلوں کا سایہ پیدا ہوا اور بلندیوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ نصف مثل سے کم بڑھ کر ایک مثل ظل اصلی سے گزر گیا اُس وقت ٹیلوں کا سایہ اُس کم از نصف سے بھی کم ہوگا اور اس تحفّظ نسبت تفاوت کو نہ بھی مانئے تو خیر کم از نصف ہی جانئے پھر بہر حال اس سے اتنی دیر اور مجرا کیجئے جس میں اذان کا حکم ہوا اور اُس کے بعد جماعت فرمائی گئی تو حساب سے آپ کے طور پر اُس وقت ٹیلوں کا سایہ کوئی چہارم ہی کی قدر رہتا ہے اُسے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمادینا کہ سایہ برابر ہوگیا تھا کس قدر بعید و ناقابل قبول ہے، کیا اچھا انصاف ہے کہ یا تو تخمین میں اُتنی غلطی نامسموع کہ جس میں دو۲ رکعتیں پڑھ لیجائیں

ف معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۳

یا اپنے داؤں کو یہ بھاری غلطی مقبول کہ سیر میں پسیری کا دھوکا۔ بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہاں تخمین سے جواب دینا محض مہمل و باطل تھا۔

لطیفہ ۳: اقول وہاں ایک ستم خوش ادائی یہ کی ہے[ف۱] کہ وہ تخمیناً برابر ہونا بھی مع سایہ اصلی کے ہے نہ سایہ اصلی الگ کرکے **وھذا لایخفی من لہ ادنی عقل** (اور یہ ادنٰی سی عقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں۔ ت) تو دراصل سایہ ٹیلوں کا بعد نکالنے سایہ اصلی کے تخمیناً آدھی مثل ہوگا یا کچھ زیادہ اور مثل کے ختم ہونے میں اتنی دیر ہوگی کہ بخوبی فارغ ہُوئے ہوں گے۔

ملّاجی! ذرا کچھ دنوں جنگل کی ہوا کھاؤ ٹیلوں کی ہری ہری ڈوب ٹھنڈے وقت کی سنہری دھوپ دیکھو کہ آنکھوں کے تیور ٹھکانے آئیں علماء تو فرمارہے ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ پڑتا ہی نہیں جب تک آدھے سے زیادہ وقت ظہر نہ نکل جائے ملّاجی ان کے لئے ٹھیک دوپہر کا سایہ بتارہے ہیں اور وہ بھی تھوڑا نہ بہت آدھی مثل جبھی تو کہتے ہیں کہ وہابی ہوکر آدمی کی عقل ٹیلوں کا سایہ زوال ہوجاتی ہے۔

لطیفہ ۴: اقول: اور بڑھ کر نزاکت فرمائی ہے[ف۲] کہ مساوات سایہ کے ٹیلوں سے مقدار میں مراد نہ ہو بلکہ ظہور میں یعنی پہلے سایہ جانب شرقی معدوم تھا اور مساوات نہ تھی ٹیلوں سے کیونکہ وہ موجود نہیں اور وقت اذان کے سایہ جانب شرقی بھی ظاہر ہوگیا پس برابر ہوگیا ٹیلوں کے ظاہر ہونے میں اور موجود ہونے میں نہ مقدار میں اس جواب کی قدر۔ ملّاجی اپنے ہی ایمان سے بتادیں وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آیا اس کے یہ معنی کہ ٹیلے بھی موجود تھے سایہ بھی موجود ہوگیا اگرچہ وہ دس ۱۰ گز ہوں یہ جو برابرا ے سبحٰن اللہ اسے کیوں تحریف نصوص کہے گا کہ یہ تو مطلب کی گھڑت ہے۔ ایسا لقب تو خاص بے چارے حنفیّہ کا خلعت ہے۔ ملّاجی! اگر کوئی کہے میں مُلّاجی کے پاس رہا یہاں تک کہ اُن کی داڑھی بانس برابر ہوگئی تو اس کے معنی یہی ہوں گے نہ کہ ملّاجی کا سبزہ آغاز ہوا کہ پہلے بانس موجود تھا اور ملّاجی کی داڑھی معدوم، جب رُواں کچھ کچھ چمکا چمکتے ہی بانس برابر ہوگیا کہ اب بانس بھی موجود بال بھی موجود، ع

مرغک از بیضہ برون آید و دانہ طلبد

(مرغ جب انڈے سے باہر آتا ہے تو دانہ طلب کرتا ہے)

لطیفہ ۵: اقول: یہ بکف چراغی و تحریف صریح قابل ملاحظہ کہ خود ہی حنفیّہ وشافعیہ کے مسئلہ مختلف فیہا میں شافعیہ سے حجت لانے کو فتح الباری امام قسطلانی سے یہ عبارت نقل کی کہ:

یحتمل ان یراد بھذہ المساواۃ ظھور الظل بجنب التل بعد ان لم یکن ظاھرا[1]۔	ہوسکتا ہے اس مساوات سے مراد یہ ہو کہ ٹیلے کے پہلو میں سایہ ظاہر ہوگیا جبکہ پہلے ظاہر نہیں تھا۔ (ت)

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الابراد بالظھر فی السفر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷

ف۱ معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴، **ف۲** معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴)

جس میں ٹیلوں کے لئے سایہ اصلی ہونے کے صاف نفی تھی حضرت تو وہ دعوی کرچکے تھے کہ ان کا سایہ اصلی آدھے مثل کے قریب ہوتا ہے لاجرم معدوم ہونے میں جانب شرق کی قید بڑھائی کہ مشرق کی طرف معدوم تھا اور اسے فتح الباری کی طرف نسبت کردیا کہ جیسا کہ فتح الباری میں ویحتمل ان یراد الخ ملّاجی! دھرم سے کہنا یہ تحریف تو نہیں۔

لطیفہ ۶: اقول فتح الباری کے طور پر تو مشارکت فی الوجود غایت بن سکتی ہے کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ اصلًا نہ تھا دیر فرمائی یہاں تک کہ موجود ہوا اگرچہ ٹیلوں سے سایہ متساوی ہونے کے ہرگز یہ معنی نہیں مگر آپ اپنی خبر لیجئے آپ کے نزدیک تو ٹھیک دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ آدھا مثل تھا تو ظہور ووجود میں برابری صبح سے شام تک دن بھر رہی اس غایت مقرر کرنے کے کیا معنی کہ وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ سایہ وجود میں ٹیلوں کے برابر ہوگیا اور جانب شرقی کی قید حدیث میں کہاں، یہ آپ کی نری من گھڑت ہے، تاویل گھڑی مساوات فی الظھور، تفریع کی مساوات فی الوجود، اور مفرع علیہ وجود شرقی، کیا جب تک وجود غربی شمالی تھا مساوات فی الوجود نہ تھی، اب کہ وجود شرقی ملا مساوات ہُوئی کچھ بھی ٹھکانے کی کہتے ہو۔

لطیفہ ۷: اقول ملّاجی! جب آپ کے دھرم میں سایہ وقت نصف النہار بھی موجود تھا تو زوال ہوتے ہی قطعًا معًا شرقی ہوا تو یہ مساوات خاص آغاز وقت ظہر پر پیدا ہوئی اور حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مؤذن نے تین بار ارادہ اذان کیا ہر بار حکمِ ابراد و تاخیر ملا یہاں تک کہ سایہ مساوی ہوا کیا یہ ارادہ ہائے اذان و حکم ہائے ابراد سب پیش از زوال ہولیے تھے شاید پہر دن چڑھے ظہر کا وقت ہوجانا ہوگا، ملّاجی! تحریف نصوص اسے کہتے ہیں، ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

لطیفہ ۸: اقول جب کچھ نہ بنی تو ہارے درجے یہ تیسری نزاکت اس حدیث کے جواب میں[ف] فرمائی کہ یہ تاخیر آنحضرت[عہ۱] سے سفر میں ہوئی شاید آنحضرت[عہ۲] نے اس ارادہ سے کی ہو کہ ظہر کو عصر سے جمع کریں گے پس سفر پر حضر کو قیاس مع الفارق ہے۔ ملّاجی! ایمان سے کہنا یہ حدیث ابراد ظہر کی ہے یعنی وقت ٹھنڈا کرکے پڑھنا یا تفویت ظہر کی کہ وقت کھو کر پڑھنا، حدیث میں علّتِ حکم یہ ارشاد ہوئی ہے کہ شدتِ گرمی جوشِ جہنم سے ہے تو گرمی میں ظہر ٹھنڈا کردیا یہ کہ ابھی اذان نہ کہو ہم عصر سے ملاکر پڑھیں گے۔

ملّاجی! اس حدیث کی شرح میں خود علمائے شافعیہ کا کلام سُنو کہ معنی ابراد میں آپ کی یہ گھڑت بھی ٹوٹے اور سفر و حضر سے فرق کی بھی قسمت پھُوٹے ارشاد الساری امام قسطلانی شافعی شرح صحیح بخاری **باب الابراد بالظھر فی السفر** میں اسی حدیث ابوذر

[عہ۱] و [عہ۲] صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم ۱۲ منہ

[ف] معیار الحق ص ۳۵۴

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نیچے ہے:

(قال: کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر) قیدہ ھنا بالسفر، واطلقه فی السابقة، مشیرا بذلك الی ان تلك الروایة المطلقة محمولة علی ھذہ المقیدة، لان المراد من الابراد التسھیل ودفع المشقة، فلاتفاوت بین السفر والحضر[1]۔	(کہا: ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھے سفر میں) یہاں سفر کے ساتھ مقید کیا ہے اور سابقہ روایت میں مطلق رکھا ہے یہ بتانے کے لئے کہ سابقہ مطلق روایت اسی مقید پر محمول ہے کیونکہ ٹھنڈا کرنے کا مقصد آسانی پیدا کرنا اور مشقت دُور کرنا ہے اور اس میں سفر حضر کا کوئی فرق نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

(فقال له: ابرد، حتی رأینا فیئ التلول) وغایة الابراد حتی یصیر الظل ذراعا بعد ظل الزوال، اوربع قامة اوثلثھا اونصفھا، وقیل غیر ذلک۔ ویختلف باختلاف الاوقات: لکن یشترط ان لایمتد الی اٰخر الوقت[2]۔	(اس کو کہا ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) ابراد کی انتہا یہ ہے کہ سایہ ایک گز ہو جائے زوال کے سائے کے بغیر، یا قد کا چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو جائے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ اور اختلاف اوقات کے ساتھ ابراد میں بھی اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ابراد اتنا زیادہ نہ ہو کہ وقت آکر ہو جائے۔ (ت)

ہاں خوب یاد آیا علمائے شافعیہ کی کیوں سُنئے آپ اپنے ہی لکھے کو نہ دیکھئے مسئلہ وقت مستحب ظہر میں[ف] فرمائے گئے اگر ابراد اختیار کرے تو لازم ہے کہ ایسا ابراد نہ کرے کہ وقت ظہر کا خارج ہو جائے یا قریب آ جائے حد میں ابراد کی علماء میں اختلاف ہے لیکن یہ سب کے نزدیک شرط ہے کہ ابراد اس مرتبہ کا نہ کرے کہ ظہر کے آخر وقت کو پہنچ جاوے کہا فتح الباری میں اختلف العلماء فی غایة الابراد؛ لکن یشترط ان لایمتدالی اخر الوقت ملخصًا (ابراد کی انتہاء میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ شرط ہے کہ آخر وقت تک نہ پہنچے۔ ت) جب آخر وقت کے قریب تک نہ آنا لازم و شرطِ ابراد ہے تو حکم ابراد کو خارج وقت پر حمل کرنا کیسا

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱/۴۸۸

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱/۴۸۸

ف معیار الحق مسئلہ سوم وقت مستحب ظہر ص ۳۱۱، ۳۱۲

عذر بارد ہے، ملّاجی! ایمان سے کہنا یہ حدیث سے جواب ہے یا اپنی سخن پروری کے لئے صراحۃً نص شرع کی تحریف حدیث صحیح کا رد۔ شافعیہ حنفیّہ کے مکالمات محض تفنن طبع کے لئے ہیں ورنہ مذاہب متقرر ہوچکے۔ علّامہ زرقانی مالکی شرح مواہب آخر جلد ہفتم میں فرماتے ہیں:

قداجاب الحافظ ابن حجر، عن ذلك وعن غيره من ادلة المانعين، وهی عشرة، بمايطول ذكره، مع انه لاكبير فائدة فيه، اذالمذاهب تقررت، انما هو تشحيذ اذهان[1]۔	ابن حجر نے اس دلیل کا بھی اور مانعین کی دیگر دس ۱۰ دلیلوں کا بھی جواب دیا ہے مگر ان کے ذکر سے طوالت ہوتی ہے اور کوئی نمایاں فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ مذاہب تو مقرر ہوچکے ہیں (اور ایسے سوال جواب) محض ذہن کو تیز کرنے کا کام دیتے ہیں۔ (ت)

آپ اپنی خبر لیجئے آپ تو محقق مجتہد ہیں سب ارباب مذاہب کی ضد ہیں آپ کیوں صحیح بخاری کی حدیث جلیل میں یوں کھلی تحریفیں کررہے ہیں دعوے باطلہ عمل بالحدیث کے چھلکے اُتر رہے ہیں۔ ع

شرم بادت ازخدا وازرسول

(تم خدا اور رسول سے شرم کھاؤ)

لطیفہ ۹: اقول ملّاجی خود جانتے تھے یہ تاویلیں نہیں محض مہمل پوچ تقریروں سے جیسے بنے حدیث کو رَد کرنا ہے لہٰذا عذر بدتر ازگناہ کیلئے ارشاد ہوتا ہے [ف] منشا تاویلات کا یہی ہے کہ احادیث صحیحہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقتِ ظہر نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعا بین الادلہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ ان تاویلوں کو حقہ کہنا تو دل میں خوب جانتے ہوگے کہ جھُوٹ کہہ رہے ہو خاک حقہ تھیں کہ ایک دم میں سُلفہ ہوگئیں مگر اس ڈھٹائی کا کہاں ٹھکانا کہ صحیح حدیث بخاری شریف کو بحیلہ جمع بین الادلہ یوں دانستہ بگاڑلے حالانکہ نہ قصد واحد نہ لفظ مساعد اور حدیث ابن عمر دربارہ غیبت شفق میں باوصف اتحاد قصہ جمع بین الادلہ حرام اور رد احادیث صحاح واجب الالتزام۔

لطیفہ ۱۰: اقول جمع تقدیم کی نامندمل جراحت بھرنے کو حدیث ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں وہ لَن ترانیاں تھیں کہ ظاہر پر حمل واجب ہے جب تک مانع قطعی نہ ہو اَب اپنے داؤں کو ظاہر نص صریح کے یوں ہاتھ دھوکر پیچھے پڑے خیر بحمداللہ آپ ہی کی گواہی سے ثابت ہولیا کہ جمع بین الادلہ کے لئے ایسی رکیک وپوچ ولچر تاویلات تک روا ہیں تو یہ صاف ونظیف وشائع ولطیف معانی ومحامل کہ ہم نے جمعا بین الادلہ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر تہجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/ ۴۵۰

ف معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴

احادیث ابن عمر و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختیار کیے ان میں اپنی چُون وچرا کی گلی آپ نے خود بند کرلی، وللہ الحمد۔ ع:

عدد شود سبب خیر گر خدا خواہد

طرفہ یہ کہ آپ مستدل ہیں اور ہم خصم جب آپ کو ایسے لچریات نفع دیں گے ہمیں یہ واضحات بدرجہ اولیٰ نافع اور آپ کے تمام ہواجس ووساوس کے قاطع ہوں گے۔

فائدہ عائدہ: سُنن میں ایک حدیث اور ہے جس سے ناواقف کو جمع تاخیر کا وہم ہوسکے فقیر نے کلامِ فرے قین میں اُس سے استنادًا جوابًا اصلًا تعرض نہ دیکھا، ملّاجی بہت دُور دُور کے چکّر لگا آئے، جہاں کچھ بھی لگتی پائی بلکہ نری بے لگاؤ بھی جمع کرلائے سُنن کچھ دُور نہ تھیں اُس کے آس پاس گھوما کئے مگر اُس سے دہنے بائیں کترائے اسی سے اس کا نہایت نامفیدی میں ہونا ظاہر مگر شاید اَب کسی نئے متوہم یا خود حضرت ہی کو تازہ وہم جاگے لہٰذا اس سے تعرض کردینا مناسب،

ففی سنن ابی داود، حدثنا احمد بن صالح نایحیی بن محمد الجاری [1]، وفی سنن النسائی، اخبرنا المؤمل بن اهاب، قال: حدثنی یحیی بن محمدن الجاری [2]، وفی مصنف الطحاوی، حدثنا علی بن عبدالرحمٰن ثنا نعیم بن حماد [3] قالا عـه نا عبدالعزیز بن محمد (زاد نعیم) الدراوردی، عن مالك عن ابن الزبیر عن جابر، ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	سنن ابی داؤد میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے احمد ابن صالح نے، اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں یحیٰی ابن محمد جاری نے۔ اور سنن نسائی میں ہے کہ خبر دی ہمیں مؤمل ابن الوہاب نے، اس نے کہا حدیث بیان کی مُجھ سے یحیٰی ابن محمد جاری نے۔ اور مصنّف طحاوی میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے علی ابن عبدالرحمٰن نے، اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے نعیم ابن حماد نے۔ دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو عبدالعزیز ابن محمد نے (نعیم نے "دراوردی" کا اضافہ کیا ہے) مالک بن ابی الزبیر سے، اس نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

عـه ای یحیی عندالاولین ونعیم عندالطحاوی ۱۲ منه (م)	یعنی یحیٰی سے پہلے دو ۲ (ابوداؤد اور نسائی) کے ہاں اور نعیم طحاوی کے ہاں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

غربت له الشمس بمكة، فجمع بينهما بسرف [1] (زاد نعيم) يعني الصلاة۔ ولفظ المؤمل: غابت الشمس ورسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بمكة، فجمع بين الصلاتين بسرف [2]۔ قال ابوداود: حدثنا محمد بن هشام جار احمد بن حنبل ناجعفر بن عون عن هشام بن سعد، قال: بينهما عشرة اميال، يعني بين مكة وسرف [3]۔	کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکّہ میں تھے تو سُورج غائب ہوگیا چنانچہ جمع کیا آپ نے دونوں کو سَرِف میں (نعیم نے اضافہ کیا) یعنی نماز کو۔ اور مؤمل کے الفاظ یوں ہیں سُورج غائب ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ نے دونوں نمازوں کو سَرِف میں جمع کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مجھ کو احمد ابن حنبل کے ہمسائے محمد بن ہشام نے بتایا کہ جعفر ابن عون نے ہشام ابن سعد سے روایت کی ہے کہ دونوں کے درمیان دس ۱۰ میل کا فاصلہ ہے یعنی مکّہ اور سَرِف کے درمیان۔ (ت)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مکّہ معظمہ میں آفتاب ڈوبا پس مغرب وعشا موضع سَرِف میں جمع فرمائیں ابوداؤد نے ہشام بن سعد سے (کہ ملّاجی کے حسابوں رافضی مجروح مردود الروایہ متروک الحدیث ہے تقریب میں کہا صدوق، له اوھام، ورمی بالتشیع) نقل کی کہ مکّہ وسَرِف میں دس ۱۰ میل کا فاصلہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق اصول حدیث ونیز اصول محدثہ ملاجی پر یہ حدیث ہرگز قابل حجت نہیں اصولِ حدیث پر اُس کی سند ضعیف اور اصولِ مُلّائیہ پر ضعف در ضعف در ضعف کیا جانیے کتنے ضعفوں کی طومار اور نری مردود متروک ہے۔

اولاً دو طریق پیشین میں یحیٰی بن محمد جاری ہے تقریب میں کہا: صدوق ویخطیئ (سچّا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ت) امام بخاری نے فرمایا: **یتکلمون فیه** (ائمہ محدثین اُس پر طعن کرتے ہیں۔ت) میزان میں یہی حدیث اس کے ترجمہ میں داخل کی اور کتب ضعفا میں زیر ترجمہ ضعفا اُن کی منکر حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ طریق دوم میں مؤمل بن اہاب ہے تقریب میں کہا: صدوق له اوھام (سچّا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ت) طریق ثالث میں نعیم بن حماد ہے یہ اگرچہ فقیہ وفرائض دان تھا مگر حدیثی حالت میں یحیٰی سے بھی بدتر ہے تقریب میں کہا صدوق یخطئ کثیرا (سچّا ہے مگر خطا بہت کرتا ہے۔ت) یہاں تک کہ ابوالفتح ازدی نے کہا: حدیثیں اپنے جی سے گھڑتا اور امام ابوحنیفہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا یہ اگرچہ مجازفات ازدی سے ہو مگر ذہبی نے طبقات الحفاظ ومیزان الاعتدال دونوں میں اُس کے حق میں قول اخیر یہ قرار دیا کہ وہ باوصف امامت

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع المقیم الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

[3] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

منکر الحدیث ہے قابل احتجاج نہیں جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت، امام جلال الدین سیوطی ذیل اللآلی میں اُس کی حدیث اذا اراد الله ان ینزل الی السماء الدنیا نزل عن عرشه بذاته (جب اللہ تعالٰی آسمانِ دنیا پر اُترنا چاہتا ہے تو بذاتہٖ عرش سے اُتر آتا ہے۔ت) ذکر کرکے فرماتے ہیں: اتعبنا نعیم بن حماد، من کثرة ما یاتی بهذه الطامات، وکم ندرؤ عنه وعن الطرطوسی الراوی عنه؟ فلاادری، البلاء فی الحدیث منه، او من شیخه نعیم[1] اھ ملخصاً یعنی نعیم بن حماد اس کی کثرت سے یہ طامّات روایتیں لاتا ہے کہ ہم تھک گئے کہاں تک اُس کا اور اس کے شاگرد طرطوسی کا بچاؤ کریں مجھے نہیں معلوم کہ اس حدیث میں بَلا اُس کی طرف سے اُٹھی یا اُس کے اُستاد نعیم سے۔

ثانیاً پھر ان سب طرق میں عبدالعزیز بن محمد دراوردی ہے تقریب میں کہا- صدوق، کان یحدث من کتب غیره فیخطیئ[2] (سچا ہے، مگر دوسروں کی کتابوں سے حدیثیں بیان کرتا ہے اس لئے خطا کرتا ہے۔ت) تو ہر طریق میں دو ۲ راوی صدوق یخطیئ (سچا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ت) ہوئے خصوصاً ثالث میں تو ایک کثیر الخطاء اور ثانی میں تیسرا صدوق له اوهام (سچا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ت) اور ملّاجی کے اصول پر ایسے رواۃ کی حدیثیں مردود ومتروک وواہیات ہیں۔

ثالثاً مدار حدیث ابوالزبیر عن جابر پر ہے ابوالزبیر کی نسبت خود ملّاجی کہہ گئے کہ وہ فقط صدوق ہے اور اس کے ساتھ مدلس قال فی التقریب صدوق الا انه یدلس[3] (تقریب میں کہا کہ سچا ہے مگر مدلس ہے۔ت)

اور یہاں اُن عــہ سے راوی لیث بن سعد نہیں اور روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنہ مدلس اصولِ محدثین پر نامقبول۔

عــه قید بهذا، لان الراوی عنه اذا کان اللیث، زال مایخشی من تدلیسه، کما افاده فی فتح المغیث وغیره، فلیحفظ فانها فائدة نفیسة۔ وقد بین السبب فی ذلك فی المیزان فراجعه ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر اس سے روایت کرنے والا لیث ہو تو پھر اس کی تدلیس کا خطرہ باقی نہیں رہتا، جیسا کہ فتح المغیث اور دوسری کتابوں میں افادہ کیا گیا ہے۔ اس کو یاد رکھو، کیونکہ یہ ایک نفیس فائدہ ہے۔ تدلیس کا خطرہ نہ ہونے کا سبب میزان میں مذکور ہے اس کا مطالعہ کرو۔ (ت)

---

[1] ذیل اللآلی کتاب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۲ و ۳

[2] تقریب التہذیب ترجمہ عبدالعزیز بن محمد مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۱۶

[3] تقریب التہذیب محمد بن مسلم مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۳۱۸

رابعا میلوں کی گنتی حدیث میں نہیں نہ زید و عمرو کی ایسی حکایات پر وہ اعتماد ضرور جس کے سبب توقیت صلاۃ کا حکم معروف و مشہور ثابت بالقرآن العظیم والاحادیث الصحاح چھوڑ دیا جائے خصوصًا ملّاجی کے نزدیک تو یہ دس میل بتانے والا رافی متروک ہے زمینوں کا ناپنا میلوں کا گننا ان حملہ و رواۃ کا کام نہ تھا بلکہ سرے سے ان اعصار و امصار میں اس طریقہ کا اصلًا نام نہ تھا یونہی ہر شخص اپنے تخمینہ سے یا کسی اور کی سُنی سنائی بتادیتا ولہٰذا شمار میں اس قدر شدت سے اختلاف پڑتا ہے کہ ان گنتیوں سے امان اٹھائے دیتا ہے۔ ذوالحلیفہ کہ مکہ معظّمہ کے راستے پر مدینہ طیبہ کے قریب ایک مشہور و معروف مقام ہے اُس کے اختلاف دیکھئے امام اجل رافعی احد شیخین مذہب شافعی اور اُن سے پہلے امام ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسمٰعیل بن احمد شافعی معاصر امام غزالی اور اُن سے بھی پہلے امام ابونصر عبدالسید بن محمد شافعی نے فرمایا: مدینہ سے ایک میل ہے۔ امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: یہ وہم ہے بشہادت مشاہدہ مردود۔ بعض نے کہا دو۲ ایک میل۔ امام عینی نے فرمایا: چار۴ میل۔ امام حجۃ الاسلام شافعی نے فرمایا: چھ۶ میل ہے۔ اسی طرح امام مجد شافعی نے قاموس میں کہا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے فرمایا: یہی صحیح ہے۔ بعض علما نے کہا: سات میل۔ امام جمال اسنوی شافعی نے فرمایا: حق یہ کہ تین میل ہے یا کچھ قدرے قلیل زیادہ ہو مشاہد اس پر گواہ ہے۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے: بعدہ من المدینۃ میل، کما عند الرافعی، لکن فی البسیط انھا علٰی ستّۃ امیال، وصححہ فی المجموع، وھو الذی قالہ فی القاموس۔ وقیل: سبعۃ۔ وفی المھمات: الصواب، المعروف بالمشاھدۃ انھا علی ثلثۃ امیال اوتزید قلیلا[1]۔ اُسی میں ہے: وقول من قال، کابن الصباغ فی الشامل، والرویانی فی البحر، انہ علی میل من المدینۃ وھم، یردہ الحس[2]۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: من المدینۃ علی اربعۃ امیال ومن مکۃ علی مائتی میل، غیر میلین وقیل: بینھما وبین المدینۃ میل اومیلان[3] دیکھئے ایسے معروف مقام میں کہ شارع نے اُسے اہلِ مدینہ کے لئے میقات احرام مقرر فرمایا ایسے اجلہ ائمہ میں ایسے شدید اختلاف ہیں جنھیں ترازوئے تخمینہ کی جھونک کسی طرح نہیں سہار سکتی ایک۱ دو۲ تین۳ چار۴ چھ۶ سات۷ میل تک اقوال مختلف، پھر تصحیحوں میں بھی دونا دون کا تفاوت، ایک فرمائے چھ۶ میل صحیح ہے دوسری فرمائے تین میل حق ہے۔ موطائے امام مالک میں بسند صحیح علٰی شرط الشیخین ہے: عن یحیی بن سعید انہ قال لسالم بن عبداللہ ماأشد مارأیت اباك اخر المغرب فی السفر فقال سالم

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری کتاب المواقیت باب فرض مواقیت الحج والعمرۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۳/۹۸

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب مہل اہل مکہ للحج والعمرۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۳/۹۹

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب قول اللہ تعالٰی یاتوک رجالا الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۹/۱۳۰

غربت الشمس ونحن بذات الجیش فصلی المغرب بالعقیق [1] (یعنی یحیٰی بن سعید انصاری نے امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے پُوچھا آپ نے اپنے والد ماجد کو سفر میں مغرب کی تاخیر زیادہ سے زیادہ کس قدر کرتے دیکھا فرمایا ذات الجیش میں ہمیں سورج ڈُوبا اور مغرب عقیق میں پڑھی) اب رواۃ مؤطا تلامذہ امام مالک میں ان دونوں مقاموں کے فاصلہ میں اختلاف پڑا۔ یحیٰی کی روایت میں ہے دو میل یا کچھ زائد، عبداللہ بن وہب نے کہا چھ ۶ میل، محمد بن وضاح اندلسی تلمیذ التلمیذ امام مالک نے کہا سات میل، عبدالرحمٰن بن قاسم نے کہا دس ۱۰ میل، علامہ زرقانی نے جزم کیا کہ بارہ ۱۲ میل شرح مؤطا میں فرمایا: **بینھما اثنا عشر میلا، وقال ابن وضاح: سبعۃ امیال، وقال ابن وھب: ستۃ، وقال القعنبی: ذات الجیش علی بریدین من المدینۃ، وقال البونی فی روایۃ یحیٰی: وبینھما میلان اوا کثر قلیلا، وفی روایۃ ابن القاسم: عشرۃ امیال** [2]۔ ان اختلافات کو خیال کیجئے کہاں دو ۲ میل کہاں بارہ ۱۲ میل۔

خامسًا یہ واقعہ عین ہے اور وقائع عین مساغ ہر گونہ احتمالات سرعت سیر کے لئے کوئی حد محدود نہیں کہ اس سے زائد نا متصور ہو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سہ منزلہ کرنا اُوپر گزرا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

اصبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بملل ثم راح وتعشی بسرف۔	سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ملل میں صبح ہوئی پھر تشریف لے چلے اور شام کا کھانا سرف میں تناول فرمایا۔

فصل اول میں گزر چکا کہ ملل مدینہ طیبہ سے سترہ ۱۷ میل ہے اور یہیں کلام امام بدر محمود عینی سے منقول ہوا کہ مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے دو کم دو سو میل ہے اب سترہ وہ اور دس میل سرف کے نکال لیجئے تو ایک دن میں ایک سو اکہتر میل راہ طے ہوئی پھر غروب شمس سے اتنے قرب عشا تک کہ ہنوز بقدر تین رکعت پڑھ لینے کے مغرب کا وقت باقی ہو دس میل قطع ہو جانا کیا جائے عجب ہے خصوصًا اواخر جوزا و اوائل سرطان میں کہ ان دنوں حوالیِ مکّہ معظّمہ میں وقت مغرب عہ کم و بیش ڈیڑھ گھنٹا ہوتا ہے اعتبار نہ آئے تو آزما دیکھئے کہ عمدہ گھوڑے تیز ناقے ڈیڑھ چھوڑ ایک ہی

عہ **اقول:** **لتکن الشمس عند دخول العشاء فی اول السرطان میلہ الح الرتمام** (بقیہ بصفحہ آئندہ)

---

[1] مؤطا امام مالک قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۹

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۹۷

گھنٹے میں دس ۱۰ میل بلکہ زائد قطع کرلیں گے حدیث مؤطا میں کہ ابھی مذکور ہوئی جزم علّامہ زرقانی اور نیز روایت ابن القاسم تلمیذ امام مالک پر اس کی نظیر یہیں پیش نظر اوپر ثابت ہوچکا کہ سالم قائل جمع نہیں وہ تصریحًا فرماچکے کہ اُن کے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ فرمائی تولاجرم غروب آفتاب کے بعد دس بارہ میل چلے اور مغرب وقت میں پڑھی ولہٰذا ابوالولید باجی مالکی نے اس حدیث کی شرح میں کہا: **اراد ان یعرف اخر وقتها المختار**[1] یحیٰی بن سعید انصاری کا اس سوال سے یہ ارادہ تھا کہ مغرب کاآخر وقت مختار معلوم کریں۔ منتقی میں کہا: **وحمل ذلك علی المعروف من سیر من جد**[2] خروج وقت پر پڑھنا ہوتا تو کوشش سیر پر حمل کی کیا حاجت تھی بالجملہ حدیث بر تقدیر صحت بھی اصلا جمع حقیقی کی مفید نہ جمع صوری سے جدا وبعید **والحمد اللہ العلی المجید**۔

الحمد للہ کلام اپنے ذروہ اقصے کو پہنچا اور جمع تقدیم وتاخیر دونوں میں ملّاجی کا ہاتھ بالکل خالی رہ گیا، ایک حدیث سے بھی جمع حقیقی اصلًا ثابت نہ ہوسکی **وللہ الحجۃ السامیہ** امید کرتا ہوں کہ اس فصل بلکہ تمام رسالہ میں ایسا کلام شافی ومتین وکافی ومبین برکات قدسیہ روح زکیہ طیبہ علیہ امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم واقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حصّہ خاصہ فقیر مہین ہو **والحمد للہ رب العٰلمین**۔

فصل چہارم ۴ نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں

یہ نصوص دو ۲ قسم ہیں اوّل عامہ جن میں تعیین اوقات کا بیان یا اُن کی ترغیب یا اُن کی محافظت سے ترہیب ہے جس سے ثابت ہو کہ ہر نماز کے لئے شرع مطہر نے جُدا وقت مقرر فرمایا ہے کہ اُس سے پہلے ہوسکے نہ اُسے کھو کر دوسرے وقت پر اٹھا رکھی جائے بلکہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہونی چاہے۔ دوم خاصہ جن میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

عرض المكة المكرمة سح ك غاية الانحطاط بالتفريق مدفح جيبه ك الدظل عرض مكة الح ماح لح * ظل الميل الواله اله لامنحطا= ى حه ك الح جيب تعديل النهار قوسه ط حه نه الح صه حه = ف حه ء لر نصف قوس الليل سهمه مط حه لط لر * جيب انحطاط الوقت ح حه الح=ع ك مه الدح سو ÷ ك الد= كا حه مدمح مط لطالر = الرحه ندمط سهم فضل الدائر قوسه نرحه م ف حه ء لر = حه الدك دائر * ع قه= ا ت الط لرهذا تقريب ووجوه التدقيق تعلم ان شاء الله تعالٰی من كتابنا زيج الاوقات للصوم والصلٰوة وفقنا الله تعالٰی لاكماله ونفعنا والمسلمين باعماله اٰمين ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه۔ (م)

---

[1] بحوالہ المنتقی شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۷

[2] بحوالہ المنتقی شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۷

بالخصوص جمع بین الصلاتین کی نفی ہے۔

قسم اول نصوص عامه

(الاٰیات) رب العزۃ تبارک وتعالٰی نے محافظت والتزامِ اوقات کا حکم سات ۷ سورتوں میں نازل فرمایا:

(۱) بقرہ (۲) نساء (۳) انعام (۴) مریم (۵) مومنون (۶) معارج (۷) ماعون

آیت ۱ قال بنا عزمن قائل: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ [1] **بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔** کہ نہ وقت سے پہلے عــه صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا، بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔ میں یہاں معنی آیت میں کلامِ علمائے کرام لاؤں اس سے بہتر یہی ہے کہ خود ملّاجی کی شہادت دلاؤں، مسئلہ وقتِ ظہر میں ایک مثل تک تمامی وقت بتانے کیلئے فرماتے ہیں کہا اللہ تعالٰی نے ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتٰبا موقوتا یعنی ہر نماز کا وقت علیحدٰہ علیحدہ ہے تفسیر مظہری میں ہے **قوله تعالٰی: كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ یقتضی کون الوقت لکل صلٰوۃ وقتا** علیحدہ تو مقتضا آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہوسکتی [2]۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

عــه: **هذا، لاخلاف فيه بين العلمائ، الاشیئ روی عن ابی موسٰی الاشعری وعن بعض التابعين اجمع العلماء علی خلافه، ولاوجه لذکرہ ھھنا لانه لایصح عنهم، وصح عن ابی موسٰی خلافه مماوافق الجماعة، فصار اتفاقا صحیحا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منه (م)**

اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابوموسٰی اشعری اور بعض تابعین سے جو کچھ مروی ہے اس کے خلاف علماء کا اجماع ہے اور اس کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ ابوموسٰی سے بصحت منقول نہیں نہیں ہے بلکہ ابوموسٰی سے، اس کے خلاف اور جمہور کے موافق قول صحیح طور پر ثابت ہے، اس لئے سب کا متفق ہونا ہی درست قرار پایا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

[2] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۷

آیت ۲ قال مولٰنا جل وعلا:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ [1]	محافظت کروسب نمازوں اور خاص بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔

محافظت کروکہ کوئی نماز اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے، بیچ والی نماز نمازِ عصر ہے اُس وقت لوگ بازار وغیرہ کے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور وقت بھی تھوڑا ہے اس لئے اُس کی خاص تاکید فرمائی۔ بیضاوی شریف علّامہ ناصرالدین شافعی میں ہے:

حافظوا علی الصلوات، بالاداء لوقتها والمداومة علیها[2]۔	نمازوں کی محافظت کرو، یعنی وقت پر ادا کرو اور ہمیشہ کرو۔ (ت)

مدارک شریف میں ہے:

حافظوا علی الصلوات، داوموا علیها لمواقیتها[3]۔	نمازوں پر محافظت کرو، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

حافظوا علی الصلوات ای داوموا علی ادائها لاوقاتها من غیر اخلال بشیئ منها[4]۔	نمازوں پر محافظت کرو، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو اور ان میں کسی قسم کا خلل نہ واقع ہونے دو۔ (ت)

آیت ۳ قال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ۙ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ [5]	اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اُسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچّے وارث ہیں کہ جنّت کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

معالم شریف امام بغوی شافعی میں ہے:

یحافظون، ای یداومون علی حفظها ویراعون	محافظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے

---

[1] القرآن الحکیم ۲/ ۲۳۸

[2] انوار التنزیل المعروف تفسیر البیضاوی تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۱

[3] تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک، تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۱

[4] ارشاد العقل السلیم تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ احیاء التراث العربی ۱/ ۲۳۵

[5] القرآن ۲۳/ ۹ و ۲۳/ ۱۰ و ۲۳/ ۱۱

اوقاتھا، کرر ذکر الصلاۃ لیتبین المحافظۃ علیھا واجبۃ[1]۔	اوقات کا خیال رکھتے ہیں۔ نماز کا ذکر مکرر کیا ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ اس کی محافظت واجب ہے۔ (ت)

آیت ۴ قال المولی الاجل عزّوجل:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اُولٰٓىٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ؕ[2]۔	اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنّتوں میں عزت کئے جائیں گے۔

جلالین شریف امام جلال الملّۃ والدّین شافعی میں ہے: **یحافظون، بادائھا فی اوقاتھا**[3] (محافظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ادا کرتے ہیں۔ت) نسفی شریف میں ہے:

المحافظۃ علیھا ان لاتضیع عن مواقیتھا[4]۔	نماز کی محافظت یہ ہے کہ اپنے اوقات سے ضائع نہ ہو۔ (ت)

آیت ۵ قال المولی تقدس وتعالٰی:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾[5]	اور جنہیں آخرت پر یقین ہے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

کہ وقت سے باہر نہ ہوجائیں۔ تفسیر کبیر عـہ میں ہے:

المراد بالمحافظۃ التعھد لشروطھا من وقت وطھارۃ وغیرھما والقیام علی ارکانھا واتمامھا حتی یکون ذلك دابہ فی کل وقت[6]۔	محافظت سے مراد یہ ہے کہ وقت اور طہارت وغیرہ تمام شروط کو ملحوظ رکھا جائے، اس کے ارکان کو قائم کیا جائے اور اسے مکمل کیا جائے یہاں تک کہ جب نماز کا وقت آئے تو آدمی ان کاموں کو بطور عادت کرنے لگے۔ (ت)

عـہ: ذکرہ تحت اٰیۃ المؤمنون ۱۲ منہ (م)	یہ انہوں نے سورۃ مومنون ۲۳ کی آیۃ ۹ کے تحت ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر البغوی المعروف معالم التنزیل مع الخازن تحت آیہ مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۳/۵

[2] القرآن ۳۴/۷۰ و ۳۵/۷۰

[3] تفسیر جلالین آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۷۲/۲

[4] تفسیر النسفی آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲۹۲/۴

[5] القرآن ۹۲/۶

[6] التفسیر الکبیر والذین ہم علٰی صلوٰتھم یحافظون کے تحت مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۸۱/۲۳

محافظتِ وقت کے یہ معنی جو ہم نے علمائے حنفیّہ کے سوا ہر آیت میں علمائے شافعیہ سے نقل کئے کہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہو خود احادیث میں ارشاد ہوئے جن کا ذکر عنقریب آتا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔

آیت ۶ قال رب العلی عزّ وعلا:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ [1] ۔	پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندہ جنہوں نے نمازیں ضائع کیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **اخروھا عن مواقیتھا وصلوھا لغیر وقتھا** [2]۔ (یہ لوگ جن کی مذمّت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی وہ ہیں جو نمازوں کو اُن کے وقت سے ہٹاتے اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں) **ذکرہ الامام البدر فی عمدۃ القاری باب تضییع الصلوات عن وقتھا والامام البغوی فی المعالم**۔ افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: **ھو ان لایصلی الظھر حتی اتی العصر** [3] (نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا) **اثرہ محی السنۃ**۔ تفسیر انوار التنزیل میں ہے: **اضاعوا الصلٰوۃ ترکوھا اواخروھا عن وقتھا** [4]۔

آیت ۷ قال سبحٰنہ امام اعظم شانہ،:

فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ④ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَۙ ⑤ [5]	خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (کہ وقت نکال کر پڑھتے ہیں)

تفسیر جلالین میں ہے: **ساھون غافلون یؤخرونھا عن وقتھا** [6]۔ تفسیر مفاتیح الغیب میں ہے: **ساھون یفید امرین اخراجھا عن الوقت وکون الانسان غافلا فیھا** [7] اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر خود

---

[1] القرآن ۵۹/۱۹

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب تضییع الصلواۃ حدیث ۸ مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۷/۵

[3] تفسیر البغوی المعروف بمالم التنزیل مع الخازن تحت آیۃ مذکورہ مطبوعۃ مصطفٰی البابی مصر ۲۵۲/۴

[4] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی تحت آیۃ مذکورہ مطبوعۃ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۹

[5] القرآن ۱۰۷/۴

[6] تفسیر جلالین تحت آیت مذکورہ مطبوعہ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۵۰۵

[7] مفاتیح الغیب تفسیر کبیر، میدان جامع ازہر۔ مصر ۱۱۵/۳۲

حدیث میں وارد ہُوئی کماسیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔

(الاحادیث) اقول وباللہ التوفیق ملّاجی نے تو جھُوٹ ہی کہہ دیا تھا کہ احادیث جمع چودہ ۱۴ صحابیوں سے مروی ہیں جنہیں خود بھی نہ گِنا سکے بلکہ صراحۃً تسلیم کرگئے کہ ان میں اکثر کی روایات اُن کیلئے مفید نہیں صرف چار مفید سمجھیں جن کا حال بتوفیقہ تعالٰی واضح ہوگیا کہ اصلاً انہیں مفید نہ تھیں اب فقیر اللہ تعالٰی کہتا ہے کہ اس مبحث میں ہمارے مفید حدیثیں جو اس وقت نظر میں جلوہ فرما ہیں چالیس ۴۰ سے زائد ہیں کہ تیئس ۲۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہوئیں، (۱) عمر فاروق (۲) علی مرتضٰی (۳) سعد ابن وقاص (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) عبداللہ بن عباس (۶) عبداللہ بن عمر (۷) عبداللہ بن عمرو (۸) جابر بن عبداللہ (۹) ابوذر غفاری (۱۰) ابوقتادہ انصاری (۱۱) ابودردا (۱۲) ابوسعید خدری (۱۳) ابومسعود بدری (۱۴) بشیر بن عقبہ بن عمرو مدنی (۱۵) ابوموسٰی اشعری (۱۶) بریدہ اسلمی (۱۷) عبادہ بن صامت (۱۸) کعب بن عجرہ (۱۹) فضالہ زہرانی (۲۰) حنظلہ بن الربیع (۲۱) انس بن مالک (۲۲) ابوہریرہ (۲۳) ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علی بعلہا وابیہا وعلیہا وعلیہم اجمعین وبارک وسلم۔ ان میں سات ۷ حدیثیں اور مولی المسلمین ومحبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روایتیں تو جمع صوری میں گزریں باقی اکیس ۲۱ صحابہ سے چھتیس ۳۶ حدیثیں بتوفیقہ تعالٰی یہاں سُنئے، مُلّاجی کی طرح اگر مجملات کو بھی شامل کرلیجئے اور واقعی ہمیں اس کا استحقاق بروجہ حق وصحیح حاصل تو معاذ (۲۴) بن جبل واسامہ (۲۵) بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم کو ملاکر عدد صحابہ پچیس ۲۵ اور احادیث مجملہ شامل کرکے شمارِ احادیث پچاس ۵۰ سے زائد ہوگا، خیر یہاں جو حدیثیں ہمیں لکھنی ہیں وہ چند نوع ہیں:

نوع اوّل: احادیث محافظتِ وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب۔

حدیث ۱: امام احمد بسند صحیح حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: **قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول: من حافظ علی الصلوات الخمس رکوعھن وسجودھن ومواقیتھن، وعلم انھن حق من عند اللہ، دخل الجنۃ، اوقال: وجبت لہ الجنۃ، اوقال: حرم علی النار** [1]۔ (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجود واوقات پر محافظت کرے اور یقین جانے کہ وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہیں جنت میں جائے یا فرمایا جنّت اس کے لئے واجب ہوجائے یا فرمایا دوزخ پر حرام ہوجائے)

حدیث ۲: ابوداؤد وسُنن اور طبرانی معجم میں بسند جید ابودردا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من جاء بھن مع ایمان دخل الجنّۃ، من حافظ علی الصلوات الخمس،	پانچ چیزیں ہیں کہ جو اُنہیں ایمان کے ساتھ لائے گا جنّت میں جائے گا جو پنجگانہ نمازوں کی ان کے وضواُن کے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حنظلہ کاتب الاسدی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۶۷/۴

علی وضوئهن ورکوعهن وسجودهن ومواقیتهن ۔[1] عہ۱ الحدیث۔	رکوع اُن کے سجود اُن کے اوقات پر محافظت کرے (اور روزہ وحج وزکوۃ وغسلِ جنابت بجالائے)

حدیث ۳: امام مالک وابوداؤد ونسائی وابن حبان اپنی صحاح میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس صلوات افترضهن الله تعالٰی، من احسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن، کان له علی الله عهدان غفرله، ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد، ان شاء غفرله، وان شاء عذبه[2] ۔ هذا لفظ ابی داود عہ۲	پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے فرض کی ہیں جو اُن کا وضو اچھی طرح کرے اور اُنہیں اُن کے وقت پر پڑھے اور اُن کا رکوع وخشوع پُورا کرے اُس کے لئے اللہ عزّوجل پر عہد ہے کہ اُسے بخش دے، اور جو ایسانہ کرے تو اس کے لئے اللہ تعالٰی پر کچھ عہد نہیں چاہے بخشے چاہے عذاب کرے۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ (ت)

حدیث ۴: ابوداود طریق ابن الاعرابی میں حضرت قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

انی فرضت علی امتك خمس صلوات، وعهدت	میں نے تیری اُمت پر پانچ نمازیں فرض کیں اور اپنے

عہ۱ تمامه، وصام رمضان وحج البیت ان استطاع الیه سبیلا واعطی الزکٰوة، طیبة بهانفسه، وادی الامانة، قالوا: یا ابا الدرداء ماداء الامانة؟ قال: الغسل من الجنابة ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م) (اس کا ترجمہ متن میں موجود ہے)

عہ۲ واوردہ المنذری عن فزاد: وسجودهن[3]، بعد قوله: رکوعهن، ولیس فی شیئ من نسخ السنن التی عندی، وقدقال العلامة ابرهیم الحلبی فی غنیة المستملی شرح منیة المصلی مانصه: اما لفظ "وسجودهن" بعد "رکوعهن" فغیر ثابت[4] الخ ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	منذری نے بھی ابوداؤد سے اس روایت کو لیا ہے مگر اس نے رکوعھن کے بعد سجودھن کے لفظ بڑھادئے ہیں، حالانکہ ابوداود کے میرے پاس موجود نسخوں میں سجودھن نہیں ہے، اور ابراہیم حلبی نے غنیۃ المستملی میں تصریح کی ہے کہ رکوعھن کے بعد سجودھن کا لفظ ثابت نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۲۹ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۶ و ۱۱۷

[2] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۲۵ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۵

[3] الترغیب والترہیب فی الصلٰوت الخمس الخ حدیث نمبر ۲۶ مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۴۲

[4] غنیۃ المستملی مقدمہ کتاب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۲

عندی عهد انه من جاء یحافظ علیهن لوقتهن ادخلته الجنة، ومن لم یحافظ علیهن فلاعهد له عندی[1]۔	پاس عہد مقرر کرلیا جو اُن کے وقتوں پر اُن کی محافظت کرتا آئے گا اُسے جنّت میں داخل کروں گا اور جو محافظت نہ کرے گا اس کے لئے میرے پاس کچھ عہد نہیں۔

حدیث ۵: دارمی حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب جل وعلا سے روایت فرماتے ہیں وہ ارشاد کرتا ہے:

من صلی الصلاة لوقتها فاقام حدها کان له علی عهد ا دخله الجنة ومن لم یصل الصلاة لوقتها ولم یقم حدها لم یکن له عندی عهدان شئت ادخلته النار وان شئت ادخلته الجنّة[2]۔	جو نماز اُس کے وقت میں ٹھیک ٹھیک ادا کرے اُس کے لئے مجھ پر عہد ہے کہ اُسے جنّت میں داخل فرماؤں، اور جو وقت میں نہ پڑھے اور ٹھیک ادا نہ کرے اُس کے لئے میرے پاس کوئی عہد نہیں چاہوں اسے دوزخ میں لے جاؤں اور چاہوں توجنّت میں۔

حدیث ۶: طبرانی بسند صالح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خُوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: تمہارا رب جل وعلا فرماتا ہے:

وعزتی وجلالی لایصلیها عبد لوقتها الاادخلته الجنّة ومن صلاها لغیر وقتها ان شئت رحمته وان شئت عذبته[3]۔	مجھے اپنے عزّت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اُسے جنّت میں داخل فرماؤں گا اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا چاہوں اس پر رحم کروں چاہوں عذاب۔

حدیث ۷: نیز طبرانی اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی الصلواة لوقتها واسبغ لها وضؤها واتم لها قیامها وخشوعها ورکوعها و	جو پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر پڑھے اُن کا وضو وقیام وخشوع ورکوع وسجود پُورا کرے وہ نماز

---

[1] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۳۰ دار احیاء السنۃ النبویۃ مصر ۱/ ۶۷

[2] سنن الدارمی، باب استحباب الصلٰوۃ فی اول الوقت حدیث ۱۲۲۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۲۲۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۵۵ مطبوعۃ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۸۱

سجودھا خرجت وھی بیضا مسفرۃ تقول حفظك اللہ کماحفظتنی، ومن صلا الصلوۃ لغیر وقتھا فلم یسبغ لھا وضؤھا ولم یتم لھا خشوعھا ولارکوعھا ولاسجودھا خرجت وھی سوداء مظلمۃ تقول ضیعك اللہ کما ضیعتنی حتّٰی اذاکانت حیث شاء اللہ لفت کمایلفّ الثوب الخلق ثم ضرب بھا وجھہ[1]	سفید روشن ہو کر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تیری نگہبانی فرمائے جس طرح تُو نے میری حفاظت کی اور جو غیر وقت پر پڑھے اور وضو وخشوع ورکوع وسجود پُورانہ کرے وہ نماز سیاہ تاریک ہو کر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تجھے ضائع کرے جس طرح تُو نے مجھے ضائع کیا یہاں تک کہ جب اُس مقام پر پہنچے جہاں تک اللہ عزّوجل چاہے پُرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹ کر اُس کے مُنہ پر ماری جائے (والعیاذ باللہ رب العالمین)

حدیث ۸: ابُوداؤد حضرت فضالہ زہرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان فیما علمنی وحافظ علی الصلوات الخمس۔[2]	مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسائلِ دین تعلیم فرمائے اُن میں یہ بھی تعلیم فرمایا کہ نماز پنجگانہ کی محافظت کر۔

حدیث ۹: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلاۃ علی وقتھا۔[3]	میں نے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پُوچھا سب میں زیادہ کیا عمل اللہ عزّوجل کو پیارا ہے، فرمایا نماز اس کے وقت پر ادا کرنا۔

حدیث ۱۰: بیہقی شعب الایمان میں بطریق عکرمہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال جاء رجل فقال یارسول اللہ ای شیئ احب الی اللہ فی الاسلام قال الصلاۃ لوقتھا ومن ترك الصلاۃ فلادین لہ والصلاۃ عماد الدّین۔[4]	ایک شخص نے خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ کیا چیز اللہ تعالٰی کو پیاری ہے، فرمایا: نماز وقت پر پڑھنی، جس نے نماز چھوڑی اس کیلئے دین نہ رہا نماز دین کا ستون ہے۔

---

[1] معجم اوسط حدیث نمبر ۳۱۱۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۸۶

[2] سنن ابی داؤد باب المحافظۃ علی الصلوات مطبوعہ مجتبائی پاکستان ۱/ ۶۱

[3] بخاری شریف باب فضل الصلٰوۃ لوقتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶

[4] شعب الایمان باب فی الصلوات حدیث ۲۸۰۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۳/ ۳۹

حدیث ۱۱: طبرانی معجم اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلث من حفظھن فھو ولی حقا، ومن ضیعھن فھو عدوی حقا. الصلاۃ والصیام والجنابۃ[1]۔	تین۳ چیزیں ہیں کہ جو ان کی حفاظت کرے وہ سچّا ولی ہے اور جو انہیں ضائع کرے وہ پکّا دشمن، نماز اور روزے اور غسلِ جنابت۔

حدیث ۱۲: امام مالک مؤطا میں نافع سے راوی:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کتب الی عُمّالہ ان اھم امرکم عندی الصلاۃ فمن حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھو لماسواھا اضیع الحدیث[2]۔	امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عاملوں کو فرمان بھیجے کہ تمہارے کاموں میں مجھے زیادہ فکر نماز کی ہے جو اسے حفظ اور اس پر محافظت کرے اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اور کاموں کو زیادہ تر ضائع کرے گا۔

(نوعِ آخر) حدیث امامت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسّلام جس میں انہوں نے ہر نماز کے لئے جُدا وقت معین کیا۔

حدیث ۱۳: بخاری ومسلم صحاح اور امام مالک وامام ابن ابی ذئب مؤطا اور ابو محمد عبداللہ دارمی مسند میں حضرت ابو مسعود نصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی جبریل نے بعد تعیین اوقات عرض کی: بھذا امرت[3] (اسی کا حضور کو حکم دیا گیا ہے)۔

ابن ابی ذئب کے لفظ یوں ہیں: عن ابن شھاب انہ سمع عروۃ بن الزبیر یحدث عمر بن عبدالعزیز عن ابی مسعود الانصاری ان المغیرۃ بن شعبۃ اخر الصلاۃ فدخل علیہ ابو مسعود فقال ان جبریل نزل علٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی وصلی وصلی وصلی وصلی ثمّ صلی ثم صلی ثم صلی ثم صلی ثم قال ھکذا امرت[4] (یعنی جبریل امین نے دونوں روز امامت سے تعیین اوقات کرکے عرض کی: ایسا ہی حضور کو حکم ہے)۔ مسند امام ابن راہویہ میں مطول ومفصل ہے فی اخرہ ثم قال جبریل مابین ھذین وقت صلاۃ[5] (پھر جبریل نے عرض کی ان دونوں کے درمیان وقت نماز ہے)۔

حدیث ۱۴: دارقطنی وطبرانی وابو عمر بن عبدالبر ابو مسعود وبشیر بن ابی مسعود دونوں صحابیوں رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] معجم اوسط حدیث ۸۹۵۶ مکتب المعارف ریاض ۵/۹ ۴۴

[2] مؤطا امام مالک وقوت الصلواۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵

[3] بخاری شریف کتاب مواقیت الصلوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۵

[4] شرح الزرقانی علی المؤطا باب وقوت الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۵

[5] نصب الرایۃ بحوالہ سند ابن راہویۃ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳

راوی جبریل نے عرض کی: **مابین ھذین وقت** [1] یعنی امس والیوم۔ (کل اور آج کے وقتوں کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے)۔

حدیث ۱۵: ابوداؤد، ترمذی، شافعی، طحاوی، ابن حبان، حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی: **الوقت مابین ھذین الوقتین** [2] (وقت وہ ہے جو ان دو وقتوں کے درمیان ہے)۔

حدیث ۱۶: نسائی وطحاوی وحاکم وبزار ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے **عرض کی: الصلاۃ مابین صلاتك امس وصلاتك الیوم** [3] (نماز دیر وزہ و امروزہ کے بیچ میں نماز ہے)

بزار کے یہاں ہے: **ثم قال مابین ھذین وقت** [4] (ان دو کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۷: نسائی واحمد واسحٰق وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی: **مابین ھاتین الصلاتین وقت** [5] (ان دو نمازوں کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۸: طحاوی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے گزارش کی: **الصلاۃ فیما بین ھذین الوقتین** [6] (نماز ان دو۲ وقتوں کے درمیان ہے)۔

(نوع آخر) حدیث سائل جسے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امامتیں فرما کر ہر نماز کا اول وآخر وقت بتایا۔

حدیث ۱۹: مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **وقت صلاتکم بین مارأیتم** [7] (تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا)۔ مسلم کے دوسرے طریق میں ہے: **مابین مارأیت وقت** [8] (اے سائل جو تُو نے دیکھا اس کے اندر وقت ہے)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی الکبیر باب بیان الوقت دارالکتاب بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۱

[3] سُنن النسائی کتاب المواقیت آخر وقت الظہر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۵۹

[4] کشف الاستار عن زوائد البزار باب ای حین یصلی مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۸۷

[5] سُنن النسائی کتاب المواقیت اخر وقت العصر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۶۱

[6] شرح معانی الاثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۲

[7] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۳

[8] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۳

ترمذی کے یہاں یوں ہے: **مواقیت الصلاۃ کما بین ھذین**[1] (نمازوں کے وقت ایسے ہیں جیسے ان دو ۲ کے درمیان)۔

حدیث ۲۰: مسلم ابی داود نسائی ابن ابان طحاوی حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **الوقت بین ھذین**[2] (وقت ان دو ۲ کے درمیان ہے)

حدیث ۲۱: طحاوی بطریق عطاء بن ابی رباح بعض صحابہ یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور امام عیسٰی بن ابان بلفظ **عن عطاء بن ابی رباح قال بلغنی ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **بین صلاتی فی ھذین الوقتین کله**[3] (جن دو ۲ وقتوں پر میں نے نمازیں پڑھیں ان کے اندر اندر سب وقت ہے) **ولفظ الحجج ثم قال مابینھما وقت**[4] (اور کتاب الحجج کے الفاظ یہ ہیں: پھر فرمایا ان دونوں کے درمیان وقت ہے)۔

حدیث ۲۲: مالک ونسائی وبزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **مابین ھذین وقت**[5] (ان دو ۲ کے درمیان وقت ہے)۔ **وفیه الاقتصار علی ذکر الفجر فکانه مختصر قلت فقد رواہ الدار قطنی فی سننه من حدیث قتادۃ عن انس مطولا واللہ تعالٰی اعلم** (اس روایت میں صرف فجر کا ذکر ہے، شاید اس میں اختصار ہے میں نے کہا دارقطنی نے اپنے سنن میں سے انس سے بروایت قتادہ مفصل ذکر کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(نوعِ آخر) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشگوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے تم اُن کا اتباع نہ کرنا اسے مطلق فرمایا کچھ سفر وحضر کی تخصیص ارشاد نہ ہوئی۔

حدیث ۲۳: مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی احمد دارمی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم وضرب فخذی کیف انت اذابقیت فی قوم یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا قال قلت ماتامرنی	حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا تیرا کیا حال ہوگا جب تُو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۲

[2] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۲۳

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[4] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوۃ دار المعارف نعمانیہ لاہور ص ۱۲

[5] النسائی، کتاب المواقیت، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۲

قال صل الصلاۃ لوقتها الحدیث[1]۔	کریں گے، میں نے عرض کی حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں، فرمایا تُو وقت پر پڑھ لینا۔

حدیث ۲۴: احمد ابوداود ابن ماجہ بسند صحیح عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستکون علیکم بعدی امراء تشغلهم اشیاء عن الصلاۃ لوقتها حتی یذهب وقتها فصلوا الصلاۃ لوقتها[2] الحدیث۔	میرے بعد تم پر کچھ حاکم ہوں گے کہ اُن کے کام وقت پر انہیں نماز سے روکیں گے یہاں تک کہ وقت نکل جائے گا تم وقت پر نماز پڑھنا۔

حدیث ۲۵: ابوداؤد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف بکم اذا اتت علیکم امراء یصلون الصلاۃ لغیر میقاتها قلت فما تامرنی اذا ادرکنی ذلك یارسول اللہ قال صلی الصلاۃ لمیقاتها واجعل صلاتك معهم سبحة[3]۔	فرمایا مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب تم پر وہ حکام آئینگے کہ غیر وقت پر نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! جب میں ایسا وقت پاؤں تو حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا نماز وقت پر پڑھ اور اُن کے ساتھ نفل کی نیت سے شریک ہو جا۔

(نوع آخر) ارشادِ صریح کہ جب ایک نماز کا وقت آیا دوسری کا وقت جاتا رہا قضا ہو گئی اور اس کی ممانعت ومذمّت۔

حدیث ۲۶: مسلم وابوداؤد ونسائی وعیسٰی بن ابان حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وقت الظهر مالم یحضر العصر ووقت المغرب مالم یسقط ثور الشفق[4]۔ هذا مختصر	ظہر کا وقت جب تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آئے اور مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق نہ ڈوبے۔

---

[1] صحیح مسلم باب کراهة تاخیر الصلوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۲۳۱/۱

[2] سنن ابنِ ماجہ باب ماجاء فی اذا اخر والصلواۃ عن وقتها مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۰/۱

[3] سنن ابی داؤد، اذا اخر الامام الصلواۃ عن الوقت، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۶۲/۱

[4] صحیح المسلم باب اوقات الصلوات الخمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۳/۱

حدیث ۲۷: ترمذی وطحاوی بسند صحیح بطریق محمد بن فضیل عن الاعمش عن ابی صالح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلاۃ اولا واٰخرا وان اول وقت صلاۃ الظهر حين تزول الشمس واٰخر وقتها حين يدخل وقت العصر وفيه ان اول وقت المغرب حين تغرب الشمس وان اٰخر وقتها حين ےغيب الشفق[1]۔	بیشک نماز کے لئے اوّل وآخر ہے اور بیشک آغاز وقت ظہر کا سورج ڈھلے سے اور ختم وقت ظہر کا وقتِ عصر آنے پر ہے اور بیشک ابتداوقت مغرب کی سورج چھُپے ہے اور بیشک انتہا اُس کے وقت کی شفق ڈوبے۔

حدیث ۲۸: مسلم واحمد وابوداود وابن ماجہ وطحاوی وابنِ حبان حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ليس فی النوم تفريط انما التفريط فی اليقظة ان تؤخر صلاۃ حتی يدخل وقت صلاۃ اخری[2]۔	سوتے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگتے میں ہے کہ تُو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی حين فاتتهم صلاۃ الصبح ليلة التعريس وهو عند ابی داود و ابن ماجة من دون قوله ان توخر (جب "لیلۃ التعریس" کی صبح کو ان سے فجر کی نماز قضا ہوگئ تھی۔ یہ روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر اس میں "ان تؤخر" کا لفظ نہیں۔ ت) یہ حدیث نص صریح ہے کہ ایک نماز کی یہاں تک تاخیر کرنی کہ دوسری کا وقت آجائے تقصیرہ گناہ ہے۔

حدیث ۲۹: بزار ومحی السنۃ بغوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم عن قول اللہ عزّوجل الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ قال هم الذين يؤخرون الصلاۃ عن وقتها[3]۔	فرمایا میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پُوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، ارشاد فرمایا وہ لوگ جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں۔

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلواۃ مطبوعہ مطبع رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۲

[2] سنن ابی داؤد باب فی من نام الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۴

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فی الذین یؤخرون الصلٰوۃ عن وقتہا، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۱۹۸

بغوی کی روایت یوں ہے:

اخبرنا احمد بن عبداللہ الصالحی (فساق بسندہ) عن مصعب بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الذین ھم فی صلوٰتھم ساھون قال اضاعۃ الوقت [1] ۔	ہمیں احمد بن عبداللہ الصالحہ نے خبر دی (پُوری سند کو ذکر کیا) مصعب بن سعد سے وہ اپنے باپ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا، فرمایا اس سے مراد وقت کھونا ہے۔

حدیث ۳۰: امام ابن ابان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال وقت الظھر الی وقت العصر ووقت العصر الی المغرب وقت المغرب الی العشاء و العشاء الی الفجر [2] ۔	فرمایا ظہر کا وقت عصر تک ہے اور عصر کا وقت مغرب تک اور مغرب کا عشاء اور عشاء کا فجر تک۔

حدیث ۳۱: امام طحاوی شرح معانی الاثار میں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال ہُوا: **ما التفریط فی الصلاۃ** (نماز میں تفریط کیا ہے؟) فرمایا: **ان تؤخر حتی یجیئ وقت الاخری** [3] (یہ کہ تُو ایک نماز کی تاخیر کرے یہاں تک کہ دوسری کا وقت آجائے)

حدیث ۳۲: نیز اُسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: **قال تفوت صلاۃ حتی یجیئ وقت الاخری** [4] (فرمایا نماز فوت نہیں ہوتی جب تک دُوسری کا وقت نہ آجائے) یعنی جب دوسری کا وقت آیا پہلے قضا ہو گئی۔

تنبیہ: ان آیات واحادیث سے جواب میں قائلین جمع کی غایت سعی ادعائے تخصیص ہے جسے ملّاجی نے کئی ورق کی طولانی تقریر میں بہت ہی چمک کر بیان کیا جس کا مآل یہ کہ اگرچہ متکاثرہ واحادیث متواترہ ہر نماز کے لے جُدا وقت بتارہی ہیں محافظت وقت کی نہایت تاکید شدید فرمارہی ہیں وقت ضائع کرنے کو گناہِ عظیم وموجبِ عذابِ الیم ٹھہرارہی ہیں مگر ہمیں سفر وغیرہ حالات میں ظہر وعصر ومغرب وعشاء چار نمازوں کی پابندیِ وقت

---

[1] شرح السنۃ للامام البغوی باب مراعاۃ الوقت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۳۶/۱

[2] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوات الخ دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۱/۱۱، ۱۰

[3] شرح معانی الاثار باب جمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۴/۱

[4] شرح معانی الاثار باب جمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۴/۱

کچھ ضرور نہیں چاہے وقت سے پہلے پڑھ لیں چاہیں وقت کھو کر پڑھیں اصلاً محذور نہیں کہ دو چار روایتیں ہمارے خیال کے مطابق قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مخالف آگئیں وہ ہمیں بے قیدی بنا گئی ہیں یہاں ملّاجی نے بہت کچھ ابحاثِ اصول کو خرچ کیا ہے جس کا جواب ایسا ہی عریض وطویل دیا گیا ہے **وانا اقول** (اور میں کہتا ہوں۔ت) ثبّت العرش ثم انقش ارشاداتِ صریحہ قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل ایسا ہی سامان جمع کرلیا ہوتا توان کے مقابلہ کا نام لینا تھا سبحٰن اللہ چند محتمل روایات جن میں روایۃ درایۃ سو''' احتمالات، نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُن کے ثبوت ہی پر یقین نہ بعد تسلیم ثبوت خواہی نخواہی معنی جمع حقیقی کی تعیین، احتمالی باتوں پر خدا اور سول کے صریح احکام کیونکر اُٹھادے جائیں ایسے حکموں کے مقابلہ کو اُنہیں کے پایہ کا جلی واضح ثبوت درکار تھانہ یہ کہ بزورِ زبان ابتداء میں کہہ دیجئے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں انتہا میں لکھ دیجئے احادیث صحاح جو جمع پر قطعًا ویقینا دلالت کرتی ہیں اور بس آپ کے فرمائے سے وہ نصوص قاطعہ یقینیہ مفسرہ ہوگئیں ملّاجی بس اسی ایک نکتہ پر بحث کا فیصلہ ہے ان روایات کا اثبات جمع حقیقی تقدیم وتاخیر میں نص قطعی یقینی مفسر ناقابلِ تاویل ہونا ثابت کردیجئے یا قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل نری زباں زوریوں سے کام نکالنے کا اقرار کیجئے میں صرف نصوص قرآن وحدیث کا نام لیتا ہوں اے حضرت نمازوں کی توقیت اُن کے لئے اوقات کی تعیین توضروریاتِ دین سے ہے اور ہمارا آپ کا تمام اُمتِ مرحومہ کا اجماع قائم کہ وقت سے پہلے نماز باطل اور عمداً قضا کردینا وقت کھودینا حرام تواب ظنیت وقطعیت عمومات کی بحث سے کچھ علاقہ نہ رہا۔ اس فعل جمع کا جو حاصل ہے یعنی نماز پیش ازوقت یا تفویت وقت اُس کی حرمت پر توہم اور آپ سب متفق ہولئے اب آپ مدعی ہیں کہ اس حرام قطعی کی یہ صورت خاص حلال ہے جیسا وہ حرام قطعی ہے ویسا ہی قطعی ثبوت اس کی حلّت کا دیجئے ورنہ یقینی کے حضور ظنی محتمل کا نام نہ لیجئے خدا کی شان اور تو اور جمع تقدیم میں بھی یہی جرأت کے ادعا کہ تاویل کو دخل نہیں احادیث صحاح قطعًا دلالت کرتی ہیں حالانکہ مفسر ویقینی ہونا درکنار ابوداؤد سا امام جلیل الشان تصریح فرماگیا کہ اس کے بارے میں اصلاً کوئی حدیث صحیح بھی نہ ہوئی مگر ہاں یہ کہے کہ اپنی زبان اپنا دعوی ہے ثبوت مانگنے والے کا کچھ دینا دہرایا ہے **ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔**

لطیفہ: مُلّاجی نے ایک مثل پر انتہائے ظہر کے اثبات میں حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ وحدیث امامت جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام سے استدلال کیا جن میں تھا کہ پہلے دن کی ظہر حضور اعلی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُورج ڈھلتے ہی پڑھی اور دُوسرے دن کی اُس وقت کہ سایہ ایک مثل کو پہنچ گیا اس تمسک پر اعتراض ہوتا تھا کہ ان حدیثوں میں کل کی عصر بھی تواسی وقت پڑھنی آئی ہے تو ایک مثل پر وقتِ ظہر ختم ہوجانا نہ نکلا بلکہ بعد مثل ظہر وعصر دونوں نمازوں میں وقت مشترک ہونا مستفاد ہوا ملّاجی اُس کے دفع میں فرماتے ہیں روایت نسائی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت عـہ نے پہلے دن عصر جب پڑھی کہ ایک مثل سایہ آگیا اور دوسرے دن ظہر سے

عـہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

ف۱ معیار الحق ص ۴۰۳

ایک مثل پر فارغ ہو لئے یہ معنے نہیں کہ کچھ وقت بطور چار رکعت دونوں نمازوں میں مشترک ہے دلیل مرجح باعث اختیار کرنے معنی اوّل کی یہ ہے کہ روایت کی ہے مسلم نے عبداللہ بن عمرو سے **ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال وقت الظهر الی ان یحضر العصر** اور کہا اللہ تعالٰی نے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ یعنی ہر نماز کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اسی واسطے فرمایا آنحضرت عــه نے **انما التفریط علی من لم یصل حتی یجیئ وقت الصلاۃ الاخری رواہ مسلم وغیرہ** تو مقتضا احادیث اور اس آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہوسکتی پھر اگر حدیث جابر میں معنی وہ نہ کریں جو ہم نے کئے ہیں کہ پڑھ چکے ایک مثل میں بلکہ یہ کریں کہ پڑھنی شروع کی جب کہ ایک مثل ہوئی تو تعارض ہوگا درمیان ان احادیث کے جن سے امتیاز اوقات ہر نماز کی معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث جابر میں جس سے اشتراک نکالتے ہیں اور وقت تعارض موافقت کرنی چاہے اور صورت موافقت کی یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور شاہد اس کی حدیث جبریل ہے معنی اس کے بھی وہی ہیں بعینہٖ اُسی دلیل سے جو گزری حدیث نسائی میں[1] اھ ملخصا۔

الحمدللہ یہ تو آیہ کریمہ اور ہماری حدیثوں سے حدیث ۲۶ و ۲۸ کی نسبت ملّاجی کی شہادت ہے کہ مقتضی احادیث وآیات کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری ادا نہیں ہوسکتی مگر مجھے یہاں ملّاجی کا ظلم ظاہر کرنا ہے **فاقول وباللہ التوفیق**

اوّلًا[2] حدیث جبریل وحدیث سائل میں یہ معنے کہ ملّاجی نے شافعیہ کی تقلید جامد سے سیکھ کر جمائے ہرگز نہیں جمتے حدیث جبریل بروایت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں نسائی کے یہاں یوں ہے: **ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حین کان الظل مثل شخصه فصلی العصر ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی الظهر**[3]۔

دوسری روایت میں ہے: **ثم مکث حتی اذا کان فیئ الرجل مثله جاءہ للعصر فقال قم یامحمد فصلی العصر ثم جاءہ من الغد حین کان فیئ الرجل مثله فقال قم یامحمد فصل فصلی الظهر**[4]۔

عــه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۶ تا ۳۲۱

[2] واضح رہے کہ "اوّلاً" کے ذیل میں مذکور تمام روایات کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو صفحہ ۲۷۸ کی طرف رجوع کریں۔ دائم

[3] النسائی کتاب المواقیت آخر وقت العصر مطبوعہ سلفیہ لاہور ۱/۶۰

[4] النسائی کتاب المواقیت اوّل وقت العشاء، مطبوعہ سلفیہ لاہور ۱/۶۲

مسند اسحٰق میں ابی مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں ہے: **اتاہ حین کان ظلہ مثلہ فقال قم فصل فقام فصلی العصر اربعا ثم اتاہ من الغد حین کان ظلہ مثلہ فقال لہ قم فصل فقام فصلی الظھر اربعا**[1]۔ دارقطنی وطبرانی وابوعمر کے یہاں بروایت عقبہ بن عمرو وبشیر بن عقبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں ہے: **جاءہ حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال یا محمد صلی العصر فصلی ثم جاءہ الغد حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال صلی الظھر فصلی**[2] یہ سب حدیثیں تصریح صریح ہیں کہ روح امیں علیہ الصلاۃ والتسلیم ظہر کے لئے حاضر اس وقت ہُوئے جب سایہ ایک مثل کو پہنچ چکا تھا اس وقت نماز پڑھنے کے لئے عرض کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھی اس کے یہ معنی کیونکر ممکن کہ ختمِ مثل تک نماز سے فارغ ہولے تھے۔ حدیث سائل بروایت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابوداؤد کے یہاں یوں ہے: **امر بلالا فاقام الفجر حین انشق (الی قولہ) فاقام الظھر فی وقت العصر الذی کان قبلہ**[3]۔ اس میں تصریح ہے کہ ایک مثل ہونے پر بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ظہر کی تکبیر کہی تو مثل تک فراغ کیسا۔ **ثانیا** آیہ کریمہ تو آپ کے نزدیک عام ہے اور احادیث جبریل وسائل خاص اور آپ کے اصول میں عام وخاص متعارض نہیں بلکہ عام اُس خاص سے مخصص ہوجائے گا ولہٰذا خود بھی یہاں معارضہ صرف احادیث میں مانا نہ آیت وحدیث میں پھر اُن حدیثوں کے مقابل آیت کا پیش کرنا کیا معنی، کیا آپ کے داؤں کو آیت عام نہیں رہتی تخصیص حرام ہوجاتی ہے۔ **ثالثًا** احادیث میں دفع معارضہ یوں بھی ممکن کہ حدیث تفریط میں **وقت الصلاۃ الاخرٰی**[4] سے اُس کا وقت خاص مراد لیجئے یعنی نماز قضا جب ہوتی ہے کہ دوسری نماز کا وقتِ خاص آجائے جب تک وقتِ مشترک باقی ہے قضا نہ ہُوئی اور حدیث عبداللہ بن عمرو میں ظہر خواہ عصر دونوں سے جس میں چاہے وقت خاص لے لیجئے اور دوسری میں وقت مطلق یعنی ظہر کا وقت خاص وقت عصر آنے تک ہے جب عصر کا وقت آیا ظہر کا خاص وقت نہ رہا اگرچہ مشترک باقی ہو یا ظہر کا وقت عصر کے وقت خاص آنے تک ہے کہ اس کے بعد ظہر کا وقت خاص خواہ

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ سند اسحٰق بن راہویہ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳

[2] دار قطنی بحوالہ سند اسحٰق بن راہویہ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۵۶

[3] ترمذی باب المواقیت مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۵

[4] ترمذی باب المواقیت مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۵

مشترک اصلاً نہیں رہتا تو صورت موافقت اسی میں منحصر نہ تھی جس سے آپ احتمالِ اشتراک [عہ] کو دفع کرسکیں، ملّا جی مدعی بننا آسان ہے مگر اقامت دلیل کے گرانبار عہدوں سے سلامت نکل جانا مشکل۔

اب اس صریح ظلم وناانصافی کو دیکھے کہ مسئلہ وقتِ ظہر میں آیت واحادیث توقیت کے عموم وظواہر پر وہ ایمان کہ نہ آیت صالح تخصیص نہ یہ حدیثیں لائق تاویل نہ ان کے مقابل صحاح حدیث قابل قبول بلکہ واجب کہ وہ حدیثیں تاویلوں کی گھڑت سے موافق کرلی جائیں اگرچہ وہ اُس تاویل سے صاف ابا کرتی ہوں اور ان میں ہرگز تاویل نہ کی جائے اگرچہ بے دقّت اُسے جگہ دیتی ہوں۔ اور جب مسئلہ جمع کی باری آئے فوراً نگاہ پلٹ جائے اب آیت واحادیث واجب التخصیص، اور اُن کے مقابل نری احتمالی چند روایات واجب الاعتماد و قطعی التنصیص، اور ان کے لئے آیات واحادیث کے مطابق صاف ونظیف محامل مردود وباطل، غرض شریعت اپنے گھر کی ہے، اجتہاد کی کوٹھری دوہرے در کی ہے۔ دیانت کاٹٹّو دونوں باگوں کستا ہے، پورب کی سڑک میں پچھم کارستہ ہے ع :

گر میں گیا اِدھر سے اُدھر سے نکل گیا

لطیفہ: حدیث بست وہشتم مروی صحیح مسلم شریف کے جواب میں ملّا جی کی نزاکتیں قابلِ تماشا۔

اوّلًا : [ف۱] یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلاعذر تاخیر کرے نہ اُس کے حق میں جو مسافر ہو، یہ وہی دعوی باطلہ تخصیص بے مخصص ہے۔

ثانیا: سبب حدیث خود نماز سفر کا سوتے میں قضا ہوجانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت سفر ہی میں تھے تو نماز سفر کو اس حکم سے خارج ماننا طرفہ جہالت ہے۔

ثالثًا: عذر بدتر ازگناہ سُنئے فرماتے [ف۲] ہیں اگر کہو کہ یہ حدیث سفر میں فرمائی تھی پس مسافر کو حکم اس کا شامل ہوگا تو کہا جائے گا کہ ظرف قول کی باعث اور قرینہ اُس کی تعمیم یا تخصیص پر نہیں ہوتی۔

اقول: ملّا جی ! کسی پڑھے لکھے سے ظرف وسبب کا فرق سیکھو یہ نہیں کہا جاتا کہ حدیث سفر میں فرمائی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ نمازِ سفر کا قضا ہونا سببِ ارشاد ہوا تو خود سببِ نص حکم نص سے کیونکر جُدا رہے گا کیا ظلم ہے کہ نص کا خاص جس مورد میں ورود وہی خارج ونا مقصود، اور نص اس کے مباین پر مقصور ومحدود۔

[عہ] **اقول:** ظاہر ہے کہ احتمال اشتراک مسئلہ مجمع میں قائل جمع کو اصلاً نافع نہیں جمع تقدیم سے تو اُسے مس ہی نہیں اور جمع تاخیر بھی اس کے قائل کے نزدیک صرف آغاز وابتدائے وقت آخر بقدر چار رکعت سے مخصوص نہیں معہذا جب وقت مشترک ٹھہرا پہلی نماز بھی اپنے وقت پر ہُوئی اور اس کے بعد دُوسری بھی اپنے وقت میں، یہ جمع صوری ہے نہ حقیقی کہ ایک نماز اپنے وقت سے خارج ہو کر دُوسری کے وقت میں پڑھی جائے **کما لایخفی** ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف۱ معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلاتین ص ۴۱۷، **ف۲** معیار الحق ص ۴۱۷، **ف۲** معیار الحق ص ۴۱۷

رابعًا : قیامت دلربا نزاکت تو یہ کی کہ فرماتے [ف۱] ہیں اگر ظرف کو دخل ہو تو کہا جائے گا کہ یہ قول آنحضرت [عہ] نے وقت نماز فجر کے اور فوت ہوجانے نماز فجر کے نیند میں فرمایا تھا پس حکم سفر فجر ہی کا بیان کیا جس کا جمع کرنا کسی نماز سے ممکن نہ تھا نہ ظہر وعصر مغرب عشا سفر کی کا۔

اقول: بھئی یہ تو خوب ہی کِیکا، ہاں مُلّاجی! حدیث میں کا ہے کا ارشاد ہورہا ہے فجر سفر کی کا نہ اور نمازوں سفر کی کا یعنی صبح کی نماز میں تقصیر اُس وقت ہوگی کہ تُو اُسے نہ پڑھے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آجائے بہت معقول سورج نکلے پہر دن چڑھے ٹھیک دوپہر ہو جب تک نمازِ فجر اُٹھار کھئے کچھ تقصیر نہیں جب ظہر کا وقت آئے اس وقت تقصیر ہوگی انّا اللہ وانّا الیہ راجعون o مُلّاجی! دِلّی میں تو اچھے اچھّے حکیم سُنے گئے ہیں، لکھنے چلے تھے تو پہلے دماغ کی نبض دکھالی ہوتی، نمازیں پانچ ہیں اُن میں چار متوالی الاوقات اور فجر جُدا سب کا حکم بیان کیجئے تو بطور تغلیب یہ کلمہ صحیح جیسا کہ حدیث ۳۱ و ۳۲ میں اقوالِ حضرت ابوہریرہ وابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے گزرا کہ خاص فجر کا حکم ان لفظوں سے ارشاد ہو کہ جب تک ظہر نہ آئے فجر نہ پڑھنے میں تقصیر نہیں۔

خامسا: اقول ملّاجی! اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا تو اخراج ظہر وعصر ومغرب وعشا کے کیا معنے، یہ کیا ستم جہالت ہے کہ آپ کا خصم اطلاق نص وشمول مورد سے تمسک کرے آپ جواب میں اقتصار علی المورد پیش کردیں یا وہ بے نمکی کہ دخول موردے سے راسًا انکار یا یہ شورا شوری کہ اُسی پر انقطاع اُسی میں انحصار غرض سیدھا چلنا ہر طرح ناگوار۔

سادسًا: اب اور آنکھیں کھُلیں تو علاوہ کی پوٹ باندھی [ف۲] کہ مسافر جمع کرنے والے کو ضرور ہے کہ ارادہ جمع کا پہلی نماز کے وقت کے اندر اندر کر رکھے جس نے ارادہ نہ کیا اُس کی جمع درست نہ ہوگی پس اگر مسافر کو بھی شامل کرو تو ایسا مسافر مورد ومحمل حدیث کا ہوگا۔

اقول: یہ ایسا ویسا تم کہہ رہے ہو یا حدیث ارشاد فرمارہی ہے حدیث میں تو ایسے ویسے کی کہیں بُو بھی نہیں کہا اپنی ہوائے نفس پر احادیث کا ڈھال لانا ہی عمل بالحدیث ہے۔

سابعًا اقول: خود مسافر کو شامل کہہ رہے ہو نہ مسافر سے خاص تو لاجرم حدیث وہ حکم فرمارہی ہے جو مسافر ومقیم سب کو شامل کیا بھلا چنگا مقیم بھی اگر وقت کے اندر اندر نیت رکھے کہ یہ نماز وقت گزر جانے کے بعد پڑھ لوں گا تو تقصیر نہیں کھُلا کھُلا رافضیوں کا مذہب کیوں نہیں لکھ دیتے اور بعد خرابی بصرہ نہیں بلکہ تباہی کوفہ اگر حاصل ٹھہرے گا تو وہی کہ حدیث احادیث جمع سے مخصوص یہ شامت امام سے وہی آپ کا عذر معمولی جابجا ہے پھر اُسے

[عہ] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

[ف۱] معیار الحق ص ۴۱۷، [ف۲] معیار الحق ص۔ ۴۱۷

علاوہ کس منہ سے کہہ رہے ہو، مُلّاجی! کبھی کسی کرّے سے پالا نہ پڑا ہوگا کہ عمل بالحدیث کا دعوٰی بُھلا دیتا، سبحٰن اللہ تحریف احادیث اور اُس کا نام عمل بالحدیث اسمٌ طیب و عملٌ خبیث، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

قسم دوم نصوص عامہ

حدیث ۳۳: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و مصنّف طحاوی میں بطرق عدیدہ والفاظ مجملہ ومفصلہ مختصرہ ومطولہ مروی وھذا لفظ البخاری حدثنا عمر بن حفص بن غیاث ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا الاصلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا [1] ولمسلم حدثنا یحیی بن یحیی وابوبکر بن ابی شیبۃ وابوکریب جمیعا عن ابی معویۃ قال یحیٰی اخبرنا ابومعویۃ عن الاعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ الالمیقاتھا الاصلاتین صلاۃ المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا [2] **وحدثناہ** عثمٰن بن ابی شیبۃ واسحٰق بن ابرھیم جمیعا عن جریر عن الاعمش بھذا الاسناد قال قبل وقتھا بغلس [3] (یعنی حضرتِ حاضر سفر وحضر ومصاحب وملازم جلوت وخلوتِ سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سابقین اوّلین فی الاسلام وملازمین خاص حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے تھے بوجہ کمال قرب بارگاہ اہلبیت عـــہ رسالت

عـــہ بخاری مسلم ترمذی نسائی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

قال قدمت اناواخی من الیمن فمکثنا حینا مانری الا ان عبداللہ بن مسعود رجل من اھلبیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امّہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [4]۔ (م)	فرمایا: میں اور میرے بھائی یمن سے آئے تو مدت تک ہم سمجھا کئے کہ عبداللہ بن مسعود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہیں اُنہیں اور اُن کی ماں کو جو بکثرت کاشانہ رسالت میں آتے جاتے دیکھتے تھے۔ ۱۲منہ

---

[1] صحیح بخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱/۲۲۸

[2] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۴۱۷

[3] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۴۱۷

[4] صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

سے سمجھے جاتے اور سفر وحضر میں خدمت عــہ والا منزلت منزلت بستر گستری ومسواک ومطہرہ داری وکفش برداری محبوب باری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معزز وممتاز رہتے، ارشاد فرماتے ہیں میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز اُس کے غیر وقت میں پڑھی ہو مگر دو۲ نمازیں کہ ایک اُن میں سے نماز مغرب ہے جسے مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھا تھا اور وہاں فجر بھی روز کے معمولی وقت سے پیشتر تاریکی میں پڑھی)

حدیث ۳۴: سنن ابی داؤد میں ہے: **حدثنا قتیبة نا عبداللہ بن نافع عن ابی مودود عن سلیمن بن ابی یحیٰی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال ما جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین المغرب والعشاء قط فی السفر الا مرة**[1] (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی سفر میں مغرب وعشاء ملا کر نہ پڑھی سوا ایک بار کے) ظاہر ہے کہ وہ بار وہی سفر حجۃ الوداع ہے کہ شب نہم ذی الحجہ مزدلفہ میں جمع فرمائی جس پر سب کا اتفاق ہے۔

اقول: اس حدیث کی سند حسن جید ہے، قتیبہ تو قتیبہ ہیں ثقہ ثبت رجال ستّہ سے، اور عبداللہ بن نافع ثقہ صحیح الکتاب رجال صحیح مسلم سے اور سلیمٰن بن ابی یحیٰی **لاباس بہ** (اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ت) ابن حبان نے اُنہیں ثقات تابعین میں ذکر کیا، رہے ابو مودود وہ عبدالعزیز بن ابی سلیمن مدنی ہذلی مقبول ہیں **کما فی**

عــہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت علقمہ سے مروی مَیں ملک شام میں گیا دو۲ رکعت پڑھ کر دعا مانگی: الٰہی! مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر فرما۔ پھر ایک قوم کی طرف گیا اُن کے پاس بیٹھا تو ایک شیخ تشریف لائے میرے برابر آکر بیٹھ گئے میں نے پُوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ میں نے کہا میں نے اللہ عزوجل سے دُعا کی تھی کہ کوئی نیک ہم نشین مجھے میسر کرے، اللہ تعالٰی نے آپ ملادیئے۔ فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے کہا اہلِ کوفہ سے۔ فرمایا:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادة والمطهرة[2]۔	کیا تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود نہیں وہ نعلین ومسند خواب وظروف وضو وطہارت والے۔

یعنی جن کے متعلق یہ خدمتیں تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مجلس میں تشریف فرما ہوں نعلین اُٹھا کر رکھیں اُٹھتے وقت سامنے حاضر کریں سوتے وقت بچھونا بچھائیں اوقاتِ نماز پر پانی حاضر لائیں ظاہر ہے کہ انہیں خلوت وجلوت ہر حالت میں کیسی ملازمت دائمی کی دولت عطا فرمائی پھر ان کے علم کے بعد کسی کی کیا حاجت ہے **قالہ القاضی کما نقلہ فی المرقاة** ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین الصلاتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۱

[2] صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

التقریب۔ حافظ الشان نے تہذیب التہذیب میں فرمایا: سلیمٰن بن ابی یحیٰی حجازی روی عن ابی ھریرۃ وابن عمر، وعنه ابن عجلان وداؤد بن قیس وابومودود عبدالعزیز بن ابی سلیمٰن، قال ابوحاتم، مابحدیثه باس، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، روی له ابوداود حدیثا واحدا فی الجمع بین المغرب والعشاء[1]۔

ثمّ اقول: بعد نظافت سند مثل حدیث کا بروایت ایوب عن نافع عن ابن عمر بلفظ لم یر ابن عمر جمع بینهما قط الا تلك اللیلة (ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ دو۲ نمازوں کو جمع کیا ہو سوائے اس رات کے۔ت) مروی ہونا کچھ مضر نہیں اگر یہاں نافع فعل ابن عمر اور وہاں ابن عمر فعل سیدالبشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت کریں کیا منافات ہے خصوصًا یروی عن ایوب معضل ہے اور معضل ملّاجی کے نزدیک محض مردود ومہمل اور وہ بھی بصیغہ مجہول کو غالبًا مشیر ضعف ہے تو ایسی تعلیق حدیث سند متصل کے کب معارض ہوسکتی ہے۔

حدیث ۳۵: مؤطائے امام محمد میں ہے: قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ انه کتب فی الاٰفاق ینهاهم ان یجمعوا بین الصلاۃ واخبرهم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر اخبرنا بذلك الثقات عن العلاء بن الحارث عن مکحول[2]۔ (یعنی امیرالمؤمنین امام العادلین ناطق بالحق والصواب عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے کہ کوئی شخص دو۲ نمازیں جمع نہ کرنے پائے اور اُن میں ارشاد فرمادیا کہ ایک وقت میں دو۲ نمازیں ملانا گناہِ کبیرہ ہے)

الحمدللہ امام عادل فاروق الحق والباطل نے حق واضح فرمادیا اور اُن کے فرمانوں پر کہیں سے انکار نہ آنے نے گویا مسئلے کو درجہ اجماع تک مترقی کیا۔

اقول: یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجّت ہے علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم وسنن اربعہ سے ہیں۔

واختلاطه لایضر عندنا مالم یثبت الاخذ بعده فقد ذکر المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر کتاب الصلاۃ باب الشهید	علاء کا مختلط ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے جب تک یہ ثابت نہ ہوکہ یہ روایت اس سے اختلاط سے بعد لی گئی ہے۔ کیونکہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کی

---

[1] تہذیب التہذیب راوی ۳۷۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۲۲۸/۴)

[2] مؤطاامام احمد باب الجمع بین اصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۲

حدیث احمد ثنا عفان بن مسلم ثنا حماد بن سلمة ثنا عطاء بن السائب ومعلوم ان عطاء بن السائب ممن اختلط فقال ارجوان حماد بن سلمة ممن اخذ منه قبل التغیر ثم ذکر الدلیل علیه ثم قال وعلی الابهام لاینزل علی الحسن[1]۔ (ملخصًا)	کتاب الصلٰوۃ باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کا ایک راوی عطاء ابن سائب ہے۔ اور عطاء ابن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے، مگر ابن ہمام نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔ پھر اس کی دلیل بیان کی اور کہا کہ اگر ابہام پایا بھی جائے تو حسن کے درجے سے کم نہیں ہے۔ (ت)

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم واربعہ سے ہیں۔

والمرسل حجة عندنا وعند الجمهور اما ابهام شیوخ محمد فتوثیق المبهم مقبول عندنا کمافی المسلم وغیرہ لاسیما من مثل الامام محمد ومع قطع النظر عنه فلقائل ان یقول قدانجبر بالتعدد فی فتح المغیث فی ذکر الملقوب رونیاها فی مشایخ البخاری لابی احمد بن عدی قال سمعت عدۃ مشایخ یحکون وذکرها ومن طریق ابن عدی رواها الخطیب فی تاریخه وغیرہ ولایضر جهالة شیوخ ابن عدی فیها فانهم عدد ینجبر به جهالتهم[2]۔	مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ رہا محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا، تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک مقبول ہے، جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے، خصوصًا جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو، اور اس سے قطع نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ متعدد اسنادوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔ فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مشائخ البخاری" میں احمد ابن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے۔ ابن عدی ہی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دے گر علماء نے بھی۔ اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہتے۔ (ت)

حدیث ۳۶: امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ آثار ماثورہ کتاب الحجج عیسٰی بن ابان میں روایت فرماتے ہیں: **اخبرنا** اسمٰعیل بن ابرهیم البصری عن خالد الحذاء عن حمید بن هلال عن ابی قتادۃ

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الشہید مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۴

[2] فتح المغیث المقلوب دار الامام الطبری مطبوعہ بیروت ۱/ ۳۲۱

العدوی قال سمعت قراءۃ کتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ثلث من الکبائر الجمع بین الصلاتین والفرار من الزجف والنھبۃ[1] (یعنی حضرت ابو قتادہ عدوی کہ اجلہ اکابر وثقات تابعین سے ہیں بلکہ بعض نے اُنہیں صحابہ میں گنا، فرماتے ہیں میں نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شقّہ وفرمان سنا کہ تین ۳ باتیں کبیرہ گناہوں سے ہیں: دو ۲ نمازیں جمع کرنا اور جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا اور کسی کا مال لُوٹ لینا)

اقول: یہ حدیث اعلٰی درجہ کی صحیح ہے اس کے سب رجال اسمٰعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ائمہ ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہیں **وللہ الحمد**۔

لطیفہ: حدیث مؤطا کے جواب میں تو ملّاجی کو وہی اُن کا عذر معمولی عارض ہوا کہ منع کرنا عمر کا حالت اقامت میں بلاعذر تھا۔

اقول: اگر ہر جگہ ایسی ہی تخصیص تراش لینے کا دروازہ کھُلے تو تمام احکام شرعیہ سے بے قیدوں کو سہل چھٹی ملے جہاں چاہیں کہہ دیں یہ حکم خاص فلاں لوگوں کے لئے ہے، حدیث صحیحین کو تین طرح رد کرنا چاہا:

اوّل: انکار جمع اس سے بطور مفہوم نکلتا ہے اور حنفیّہ قائل مفہوم نہیں، اس جواب کی حکایت خود اُس کے رَد میں کفایت ہے اُس سے اگر بطور مفہوم نکلتی ہے تو مزدلفہ کی جمع کہ مابعد الا ہمارے نزدیک مسکوت عنہ ہے انکار جمع تو اس کا صریح منطوق ومدلول مطابقی ومنصوص عبارۃ النص ہے۔

اقول: اولاً اُس کی نسبت اگر بعض اجلہ شافعیہ کے قلم سے براہ بشریت لفظ مفہوم نکل گیا مُلّاجی مدعی اجتہاد وحُرمت تقلید ابو حنیفہ وشافعی کو کیا لائق تھا کہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم رَد کرنے کیلئے ایسی بدیہی غلطی میں ایک متأخر مقلد کی تقلید جامد کرتے شاید ردِ احادیث صحیحہ میں یہ شرک صریح جائز وصحیح ہوگا اب نہ اُس میں شائبہ نصرانیت ہے نہ اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ[2] (انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنالیا۔ت) کی آفت کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝۳[3] (اللہ کے نزدیک بڑا جُرم ہے کہ تم اس کام کا کہو جو خود نہیں کرتے۔ت)

ثانیاً: بفرض غلط مفہوم ہی سہی اب یہ نامسلّم کہ حنفیّہ اس کے قائل نہیں صرف عبارات شارع غیر متعلقہ

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۵

[2] القرآن ۹/۳۱

[3] القرآن ۶۱/۳

بعقوبات میں اس کی نفی کرتے ہیں کلام صحابہ و من بعدہم من العلماء میں مفہوم مخالف بے خلاف مرعی و معتبر کما نص علیہ فی تحریر الاصول والنہر الفائق والدرالمختار وغیرہا من الاسفار قد ذکرنا نصوصہا فی رسالتنا القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ ۱۲۔

دوم: ایک رام پوری ملّا سے نقل کیا کہ ابنِ مسعود سے مسند ابی یعلی میں یہ روایت بھی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلاتین فی السفر [1] (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔ت) تو موجہ ہے کہ حدیث صحیحین کو حالت نزول منزل اور روایت ابی یعلی کو حالت سیر پر حمل کریں یہ مذہب امام مالک کی طرف عود کر جائے گا۔

اوّلاً ملّاجی خود ہی اسی بحث میں کہہ چکے [ف۱] ہو کہ شاہ صاحب نے مسند ابی یعلی کو طبقہ ثالثہ میں جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح حسن غریب معروف شاذ منکر مقلوب موجود ہیں ٹھہرایا ہے، پھر خود ہی اس طبقے کی کتاب کو کہا [ف۲] اس کتاب کی حدیث بدون تصحیح کسی محدّث کے یا پیش کرنے سند کے کیونکر تسلیم کی جاوے یہ کتاب اُس طبقے کی ہے جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح اور سقیم مختلط ہیں یہ کیا دھرم ہے کہ اوروں پر منہ آؤ اور اپنے لیے ایک رام پوری ملّا کی تقلید سے حلال بتاؤ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ [2]۔

ثانیاً اقول: مُلّاجی! کسی ذی علم سے التجا کرو تو وہ تمہیں صریح و مجمل و متعین و محتمل کا فرق سکھائے حدیث صحیحین انکار جمع حقیقی میں نص صریح ہے اور روایت ابویعلٰی حقیقی جمع کا اصلاً پتا نہیں دیتی بلکہ احادیث جمع صوری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثیں صاف صاف جمع صوری بتارہی ہیں تمہاری ذی ہوشی کہ نص و محتمل کو لڑا کر اختلاف محامل سے راہِ توفیق ڈھونڈتے ہو۔

لطیفہ: اقول مُلّاجی کا اضطراب قابلِ تماشا ہے کہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہیں راوی جمع ٹھہرا کر عدد رواۃ پندرہ بتاتے ہیں کہیں نافی سمجھ کر چودہ صدر کلام میں جہاں راویان جمع گنائے صاف صاف کہا ابن مسعود فی احدی الروایتین اب رامپوری ملّا کی تقلید سے وہ احدی الروایتین بھی گئی ابنِ مسعود خاصے مبثتان جمع میں ٹھہر گئے۔

سوم: جسے مُلّاجی بہت ہی علق نفیس سمجھے ہُوئے ہیں اُن دو کو عربی میں بولے تھے یہاں چمک چمک کر اردو میں چہک رہے [ف۳] ہیں کہ اگر کہو جس جمع کو ابن مسعود نے نہیں دیکھا وہ درست نہیں تو تم پر یہ پہاڑ مصیبت کا ٹوٹے گا

---

[1] مسند ابویعلی مسند ابن مسعود حدیث ۵۳۹۱ مطبوعہ علوم القرآن بیروت ۱۸۱/۵

[2] القرآن ۳۱/۹

ف۱ معیار الحق ص ۳۹۷ ف۲ معیار الحق ص ۴۰۰ ف۳ معیار الحق ص

کہ جمع بین الظہر اور عصر کو عرفات میں کیوں درست کہتے ہو باوجودیکہ اس قول ابن مسعود کے سے تو نفی جمع فی العرفات کی بھی مفہوم ہوتی ہے پس جو تم جواب رکھتے ہو اُسی کو ہماری طرف سے سمجھو یعنی اگر کہو نہ ذکر کرنا ابنِ مسعود کا جمع فی العرفات کو بنا بر شہرت عرفات کے تھا تو ہم کہیں گے کہ جمع فی السفر بھی قرن صحابہ میں مشہور تھی کیونکہ چودہ صحابی سوا ابن مسعود کے اُس کے ناقل ہیں تو اسی واسطے ابنِ مسعود نے اس کا استثنا نہ کیا اور اب محمل نفی کا جمع بلاعذر ہوگی اور اگر کہو کہ جمع فی العرفات بالمقائسہ معلوم ہوتی ہے تو ہم کو کون مانع ہے مقائسہ سے وعلٰی ہذا القیاس جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔ اس جواب کو مُلّاجی نے گُلِ سرسَبد بنا کر سب سے اوّل ذکر کیا اُن دو کی تو امام نووی وسلام اللہ رامپوری کی طرف نسبت کی مگر اسے بہت پسند کرکے بلانقل ونسبت اپنے نامہ اعمال میں ثبت رکھا حالانکہ یہ بھی کلام امام نووی میں مذکور اور فتح الباری وغیرہ میں ماثور تھا شہرت جمع عرفات سے جو جواب امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام وغیرہ علمائے اعلام حنفیّہ کرام نے افادہ فرمایا اُس کا نفیس وجلیل مطلب مُلّاجی کی فہم تنگ میں اصلًا نہ دھنسا اجتہاد کے نشہ میں ادعائے باطل شہرت جمع سفر کا آوازہ کسا، اب فقیر غفرلہ المولی القدیر سے تحقیق حق سُنیے **فاقول** وبحول ربی اصول **اوّلًا** مُلّاجی جواب علماء کا یہ مطلب سمجھے کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھیں تو تین نمازیں غیر وقت میں مگر دو۲ ذکر کیں مغرب وصبح مزدلفہ اور تیسری یعنی عصر عرفہ کو بوجہ شہرت ذکر نہ فرمایا جس پر آپ نے یہ کہنے کی گنجائش سمجھی کہ یونہی جمع سفر بھی بوجہ شہرت ترک کی اس ادعائے باطل کا لفافہ تو بحمد اللہ تعالٰی اوپر کھل چکا کہ شہرت درکنار نفس ثبوت کے لالے پڑے ہیں حضرت نے چودہ۱۴ صحابہ کرام کا نام لیا پھر آپ ہی دس۱۰ سے دست بردار ہوئے چار۴ باقی ماندہ میں دو۲ کی روایتیں نِری بے علاقہ اُتر گئیں، رہے دو۲، وہاں بعونہٖ تعالٰی وہ قاہر باہر جواب پائے کہ جی ہی جانتا ہوگا، اگر بالفرض دو۲ سے ثبوت ہو بھی جاتا تو کیا صرف دو کی روایت قرنِ صحابہ میں شہرت ہے، مگر یہاں تو کلامِ علماء کا وہ مطلب ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صرف انہیں دو۲ نمازوں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا غیر وقت میں پڑھنا ثابت، انہیں دو۲ کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھا انہیں دونوں کو صلاتین کہہ کر یہاں شمار فرمایا اگرچہ تفصیل میں بوجہ شہرت عامہ تامہ ایک کا نام لیا صرف ذکر مغرب پر اقتصار فرمایا ایسا اکتفا کلام صحیح میں شائع، قال عزوجل: وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ[1] (اور تمہارے لیے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ ت) خود انہیں نمازوں کے بارے میں امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارشاد دیکھئے کہ پوچھا گیا کیا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں کوئی نماز جمع کرتے تھے؟ فرمایا: **لا الا بجمع** (نہ مگر مزدلفہ میں) **کماقدمنا**

---

[1] القرآن ۱۶/ ۸۱

عن سنن النسائی۔ ملّاجی! یہاں بھی کہہ دیجیو کہ جمع سفر کو شہرۃً چھوڑ دیا ہے، اور سُنئے امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

العمل علی ھذا عند اھل العلم ان لایجمع بین الصلاتین الا فی السفر اوبعرفة[1]۔	اہل علم کے ہاں عمل اسی پر ہے کہ بغیر سفر کے اور یومِ عرفہ کے دو۲ نمازیں جمع نہ کرے۔ (ت)

ترمذی نے صرف نماز عرفہ کا استثناء کیا نماز مزدلفہ کو چھوڑ دیا تو ہے یہ کہ دونوں جمعیں متلازم ہیں اور ایک کا ذکر دُوسری کا یقینامذِکّر خصوصًا نمازِ عرفہ کہ اظہر واشہر تومزدلفہ کا ذکر دونوں کا ذکر ہے غرض ان صلاتین کی دوسری نمازِ ظہر عرفہ ہے نہ فجر نحر وہ مسئلہ جُداگانہ کا افادہ ہے کہ دو۲ نمازیں توغیر وقت میں پڑھیں اور فجر وقت معمول سے پیشتر تاریکی میں اور بلاشُبہہ اجماعِ اُمّت ہے کہ فجر حقیقۃً وقت سے پہلے نہ تھی نہ ہر گز کہیں کبھی اس کا جواز، اور خود اسی حدیث ابو مسعود کے لفظ مسلم کے یہاں بروایت جریر عن الاعمش قال قبل وقتھا بغلس[2] اُس پر شاہد، اگر رات میں پڑھی جاتی ذکر غلس کے کیا معنی تھے صحیح بخاری میں توتصریح صریح ہے کہ فجر بعد طلوع فجر پڑھی۔

اذقال حدثنا عبداللہ بن رجاء ثنا اسرائیل عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن یزید قال خرجنا مع عبداللہ الی مکة ثم قدمنا جمعا (وفیه) ثم صلی الفجر حین طلع الفجر الحدیث[3] وقال حدثنا عمروبن خالد ثنا زھیر ثنا ابواسحٰق سمعت عبدالرحمٰن بن یزید یقول حج عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنه فاتینا المزدلفة (وفیه) فلما طلع الفجر قال ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان لایصلی ھذہ الساعة الاھذہ الصلاۃ فی ھذا المکان من ھذا الیوم الحدیث[4]۔	کہا، حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ ابن رجاء نے اسرائیل سے، اس نے ابو اسحٰق سے، اس نے عبدالرحمٰن سے کہ ہم عبداللہ کے ساتھ مکّہ آئے، پھر مزدلفہ آئے۔ اس روایت میں ہے کہ پھر فجر پڑھی جب فجر طلوع ہُوئی، الحدیث۔ اور کہا، حدیث بیان کی عمر بن خالد نے زہیر سے، اس نے ابواسحاق سے کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن یزید سے سُنا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حج کیا تو ہم مزدلفہ کو آئے۔ اس میں ہے جب فجر طلوع ہُوئی تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت میں کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر یہ نماز، اِسی جگہ، اِسی دن، الحدیث۔ (ت)

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصلوٰہ باب ماجاء فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۲۶/۱

[2] صحیح مسلم استحباب زیادۃ التغلیس الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۱۷/۱

[3] بخاری شریف کتاب المناسک باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی اصح المطابع کراچی ۲۲۸/۱

[4] بخاری شریف باب من اذن واقام لکل واحدۃ منہما مطبوعہ قدیمی اصح المطابع کراچی ۲۲۷/۱

اور یہ بھی اجماع موافق ومخالف ہے کہ عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ حقیقۃً غیر وقت میں پڑھیں تو فجر نحر ومغرب مزدلفہ کا حکم یقینا مختلف ہے ہاں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ متحد الحکم اور غیر وقت میں پڑھنے کے حقیقی معنی انہیں کے ساتھ خاص اور جب تک حقیقت بنتی ہو مجاز کی طرف عدول جائز نہیں نہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز ممکن خصوصًا ملّاجی کے نزدیک توجب تک مانع قطعی موجود نہ ہو ظاہر پر حمل واجب اور شک نہیں کہ بے وقت پڑھنے سے ظاہر ومتبادر وہی معنی ہیں جو اُن عصر ومغرب میں حاصل نہ وہ کہ فجر میں واقع تو واجب ہوا کہ جملہ صلّی الفجر اُن صلاتین کا بیان نہ ہو بلکہ یہ جملہ مستقلہ ہے اور صلاتَین سے وہی عصر ومغرب مراد تو اُن میں اصلًا کسی کا ذکر ہرگز متروک نہیں، ہاں تفصیل میں پتے کیلئے ایک ہی کا نام لیا بوجہ کمال اشتہار دوسری کا ذکر مطوی کیا بحمداللہ یہ معنی ہیں جواب علماء کے جس سے ملّاجی کی فہم بمیس اور ناحق آنچہ انسان میکند کی ہوس، مُلّاجی! اب اُس برابری کے بڑے بول کی خبریں کہیے کہ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا سمجھئے خدا کی شان۔

او گمان بردہ کہ من کردم چو او
فرق راکے بیند آں استیزہ جو

فائدہ: یہ معنی نفیس فیض فتاح علیم جل مجدہ سے قلبِ فقیر پر القاء ہوئے پھر ارکانِ اربعہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرّہ مطالعہ میں آئی دیکھا تو بعینہٖ یہی معنی افادہ فرمائے ہیں والحمدللہ علی حسن التفھیم ارشاد فرماتے ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ:

وایضا، خبرالجمع انما نقلوا فی غزوۃ تبوک، وکان فی تلك الغزوۃ الاف من الرجال، وکان کل صلوا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولم یخبر منھم الاواحد اواثنان، ولم یشتھر، ولم یروغیرہ، بل بعض الحاضرین انکروا ذلک، حتی قال ابن مسعود: مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا؛ الاصلٰی صلوٰتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع، وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا، رواہ الشیخان	نیز دو نمازوں کو جمع کرنے کی خبر صرف غزوہ تبوک میں منقول ہے اور اس غزوے میں ہزاروں لوگ شامل تھے اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں تھیں، مگر ایک یا دو کے علاوہ کسی نے جمع کرنے کا ذکر نہیں کیا، نہ یہ بات مشہور ہُوئی، اس روایت کے علاوہ جمع کی کوئی روایت نہیں آئی ہے، بلکہ بعض حاضرین تبوک نے اس جمع سے صاف انکار کیا ہے، حتی کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی باتوں سے تمسک کیا کرو

وابوداود والنسائی، فنفی ابن مسعود، الذی قال فیه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: تمسکوا بعهد ابن اُمّ عبد، تقدیم صلاۃ عن الوقت وتاخیرها، واخبر بانه لم یقع الافی صلاتین، بین احدهما، وهو المغرب بجمع اخرها الٰی وقت العشاء، ولم یبین الاخر، وهو العصر یوم عرفة، بتقدیمه فی وقت الظهر، لشهرته، و لیعلم بالمقایسة، واخبر خبرا اٰخر، وهو تقدیم الفجر عن الوقت المسنون المعتاد عنده صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔ واذا کان حال خبر الجمع ماذکرنا وجب رده اوتاویله[1]۔	نے فرمایا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی نماز بغیر وقت کے پڑھی ہو مگر دو۲ نمازیں، مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور اس دن فجر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔ بحوالہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اس طرح ابن مسعود نے نماز کی اپنے وقت سے تقدیم وتاخیر کی نفی کردی ہے اور بتادیا ہے کہ ایسا صرف دو۲ نمازوں میں ہُوا تھا، جن میں سے ایک نماز کا تو انہوں نے ذکر کردیا، یعنی مزدلفہ کی مغرب، کہ اس کو عشاء تک مؤخر کیا تھا، مگر دوسری نماز کا ذکر نہیں کیا، یعنی عرفہ کی عصر کا، کہ اس کے ظہر کے وقت میں مقدم کرکے پڑھا تھا، عدمِ ذکر کی وجہ، اس کا مشہور ہونا ہے، نیز یہ بات قیاس سے بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس کی بجائے انہوں نے دوسرا واقعہ بیان کردیا کہ فجر کو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسنون اور اپنے معتاد وقت سے پہلے پڑھا، توجب جمع کی روایت کا حال یہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، توضروری ہے کہ یاتو اس کو رَد کردیا جائے یا کوئی تاویل کی جائے۔ (ت)

اور اس کے مطالعہ سے بحمد اللہ تعالٰی ایک اور توارد حسن معلوم ہوا فقیر غفرلہ نے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے پہلے جواب میں غروب شفق کو قرب غروب پر حمل اور اس محتمل کو اُن نصوص صریحہ مفسرہ کی طرف رد کیا اور قصہ مرویہ ابن عمر کو واحد بتایا تھا بعینہٖ یہی مسلک ملک العلماء نے اختیار فرمایا، فرماتے ہیں:

بل المراد بغروب الشفق، قرب غروبه، لان القصة واحدة، وماذکرنا من قبل مفسرلا یقبل التاویل، فیاوّل بقرب غروب الشفق، اویقال: هذا من وهم بعض الرواة، واماماذکرنا اولا، فهو مطابق	غروبِ شفق سے مراد غروب کے قریب ہونا ہے کیونکہ قصّہ ایک ہی ہے اور ہم نے پہلے جو روایت بیان کی ہے وہ مفسّر ہے، تاویل کا احتمال نہیں رکھتی، اس لئے یاتو غروب شفق کی، قربِ غروب سے تاویل کرنی پڑے گی، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اور پہلے

---

[1] ارکان اربعہ لبحر العلوم تتمہ فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۶

للامر المتقرر فی الشرع من تعیین الاوقات [1]۔	جو ہم نے روایت ذکر کی ہے، وہ شرع میں جو کچھ مقرر ہو چکا ہے یعنی تعیین اوقات، اس کے مطابق ہے۔ (ت)

بحمد اللہ تعالٰی تیسرا توارد اور واضح ہوا حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ میں کلامِ فقیر یاد کیجئے کہ اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہوئی مگر فقیر کہتا ہے اس کا کون سا حرف جمع حقیقی میں نص ہے الخ بعینہٖ یہی طریقہ مع شیئ زائد مولانا بحر قدس سرہ، چلے بعد عبارت مذکور فرماتے ہیں:

اما جمع التقدیم فلم یرو الافی الروایات الشاذۃ لا اعتداد بھا عند سطوع شمس القاطع ثم لیس فی روایۃ ابی داود عن معاذ مایدل علی تقدیم العصر عن وقتھا، وانما فیہ، اذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین الظھر والعصر، ویجوز انیکون الجمع بان یؤخر الظھر الی اٰخر وقتھا ویعجل العصر اول وقتھا۔ او ان المراد بالجمع، الجمع فی نزول واحد، وانکانتا ادیتا فی وقتیھا فافھم۔ ھکذا ینبغی ان یفھم المقام [2]۔	رہی جمع تقدیم، تو اس کا ذکر صرف شاذ روایات میں ہے اور قطعی دلیل کا سورج طلوع ہونے کے بعد ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پھر ابوداود کی روایت میں ایسا لفظ ہے بھی نہیں جو عصر کی اپنے وقت سے تقدیم پر دلالت کرتا ہو۔ اس میں تو صرف اتنا ہے کہ اگر روانگی سے پہلے سُورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ جمع اسی طرح کرتے ہوں کہ ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کردیتے ہوں اور عصر اوّل وقت میں پڑھ لیتے ہوں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جمع سے مراد یہ ہے کہ دونوں کو پڑھنے کیلئے ایک ہی مرتبہ اُترتے تھے، اگرچہ ادا اپنے اپنے وقت میں کرتے تھے۔ اس کو سمجھو۔ اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیے۔ (ت)

اور واقعی بحمد اللہ تعالٰی یہ تینوں مطالب عالیہ وہ جواہر غالیہ ہیں جن کی قدر اہلِ انصاف ہی جانیں گے علامہ بحر قدس سرہ، سا فاضل جامع اجل واغر دقیق النظر اگر ایک بیان مسلسل مجمل مختصر میں اُنہیں افادہ فرماجائے ان کی شان تدقیق سے کیا مستبعد پھر بھی ایک رنگ افتخار اُن کے کلام سے مترشح کہ فرماتے ہیں **ھکذا ینبغی ان یفھم المقام** مگر فقیر حقیر قاصر فاتر پر ان جلائل قدسیہ زاہرہ اور اُن کے ساتھ اور دقائق وحقائق باہرہ مذکورہ کثیرہ وافرہ کا افادہ محض عطیہ علیہ حضرت وہاب جواد بے سبقت استحقاق وتقدم استعداد ہے ذٰلک فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون o ربی لک الحمد کماینبغی لجلال وجھک

---

[1] رسائل الارکان تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی ص ۱۴۷ و ۱۴۸

[2] رسائل الارکان تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی ص ۱۴۸

وکمال الائک ودفور نعمائک صل وسلم وبارک علی اکرم انبیائک محمد واٰلہ وسائر اصفیائک اٰمین۔ مولانا قدس سرہ، ان نفائس عزیزہ کو بیان کرکے فرماتے ہیں:

انظر مأادق نظر ائمتنا حیث لاتفوت عنهم دقیقة[1]۔	دیکھ تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نظر کیسی دقیق ہے کہ کوئی دقیقہ ان سے فروگزاشت نہیں ہوتا۔ (ت)

فقیر کہتا ہے ہاں واللہ آپ کے ائمہ اور کیا جانا کیسے ائمہ مالکان ازمہ وکاشفانِ غُمہ ایسے ہی دقیق النظر وعالی مدارک وشاہان بزم وشیرانِ معارک ہیں کہ منازل دقیق اجتہاد میں اوروں کے مساعی جمیلہ اُن کے توسن برق رفتار کی گرد کونہ پہنچے اور کیوں نہ ہو کہ آخر وہ وہی ہیں کہ اگر ایمان وعلم ثریا پر معلق ہوتا لے آتے آج کل کے کورانِ بے بصر اُن کے معارج علیہ سے بے خبر، اگر آئینہ عالمتاب میں اپنا منہ دیکھ کر طعن وتشنیع سے پیش آئیں کیا کیجئے

مہ فشاند نور وسگ عوعو کند
کر کسے بر خلقت خود مے تند

(چاند روشنی پھیلاتا ہے اور کتّا بھونکتا ہے ہر کوئی اپنی فطرت کے مطابق چلتا ہے)

ان حضرات کی طویل وعریض بدزبانیوں کا نمونہ یہیں دیکھ لیجئے مسئلہ جمع میں مُلّاجی کے دعوے تھے کہ وہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور اُس کا خلاف کسی حدیث سے ثابت نہیں نہ جمع صوری پر اصلاً کوئی دلیل حنفیّہ کے پاس ہے اب بحول وقوت رب قدیر سب اہلِ انصاف نے دیکھ لیا کہ کس ہستی پر یہ لن ترانی کس بِرتے پر تتّا پانی ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

ثانیاً اقول: **وباللہ التوفیق** اگر نظر تتبّع کو رخصت جولاں دیجئے تو بعونہ تعالٰی واضح ہو کہ یہ جواب علما محض تنزّلی تھا ورنہ اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع عرفات بھی ذکر فرماچکے، یہی حدیث سُنن نسائی کتاب المناسک باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفہ میں یوں ہے:

اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبة عن سلیمٰن عن عمارة بن عمیر عن عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنه قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یصلی الصلاة لوقتها الا بجمع فی مزدلفة وعرفات[2]۔	ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعود نے خالد سے شعبہ سے عمارہ بن عمیر سے عبدالرحمٰن بن یزید سے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ وعرفات میں۔

---

[1] ارکان اربعہ لبحر العلوم تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۸

[2] النسائی کتاب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ مکتبہ سلفیہ لاہور ۳۹/۲

مُلّاجی! اب کہے مصیبت کا پہاڑ کس پر ٹوٹا! مُلّاجی! ابھی آپ کی نازک چھاتی پر دلّی کی پہاڑی آئی ہے سخت جانی کے آسرے پر سانس باقی ہو تو سر بچائے کہ عنقریب مکّہ کا پہاڑ ابو قبیس آتا ہے۔ ملّاجی! دعوی اجتہاد پر ادھار کھائے پھرتے ہو اور علمِ حدیث کی ہوا نہ لگی احادیث مرویہ بالمعنی صحیحین وغیرہما صحاح وسنن مسانید ومعاجیم وجوامع واجزاوغیرہما میں دیکھیے صدہا مثالیں اس کے پائے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پُوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دُوسرا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمع طرق سے پُوری بات کا پتا چلتا ہے ولہذا امام الشان ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں ہم جب تک حدیث کو ساٹھ ٦٠ وجہ سے نہ لکھتے اُس کی حقیقت نہ پہچانتے۔ یہاں بھی مخرج حدیث اعمش بن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ ہے اعمش کے بعد حدیث منتشر ہُوئی اُن سے حفص بن غیاث وابومعٰویہ وابوعوانہ وعبدالواحد بن زیاد وجریر وسفیان وداؤد وشعبہ وغیرہم اجلّہ نے روایت کی یہ روایتیں الفاظ واطوار وبسط واختصار وذکر واقتصار میں طرق شتی پر آئیں کسی میں مغرب وفجر کا ذکر ہے ظہر عرفہ مذکور نہیں کروایۃ الصّحیحین کسی میں ظہر عرفہ ومغرب کا بیان ہے فجر مزدلفہ ماثور نہیں کروایۃ النسائی کسی میں صرف مغرب کا تذکرہ ہے ظہر وفجر وصے غہ مارایت وغیرہ کچھ مسطور نہیں اکثر میں نمازِ فجر پیش ازوقت مذکور ہے وھو بطریق کل ماذکرنا من رواۃ الاعمش ماخلا جریرا (سوائے جریر کے، اعمش کے جتنے راوی ہم نے ذکر کیے ہیں وہ اسی طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ت) کسی میں لفظ بغلس مفید واقع ومصرح مرام کی تصریح ہے کمامر لمسلم من حدیث الضبی (جیسا کہ مسلم کے حوالے سے ضبی کی حدیث گزری ہے۔ت) ان تنوعات سے نہ وہ حدیثیں متعدد ہوجائیں گی نہ ایک طریق دوسرے کا نافی ومنافی ہوگا بلکہ ان کے اجتماع سے جو حاصل ہو وہ حدیث تام قرار پائے گا۔ اب خواہ یہ اختلاف رواۃ اعمش کی روایت بالمعنی سے ناشئ ہُوا خواہ خود اعمش نے

کحدیث النسائی ایضا فی المناسک، باب جمع الصلاتین بالمزدلفۃ، اخبرنا القاسم بن زکریا ثنا مصعب بن المقدام عن داود عن الاعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن بن یزید عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع بین المغرب والعشاء بجمع[1]۔	جیسا کہ نسائی کی حدیث جو کتاب المناسک، باب جمع الصلاتین بمزدلفہ میں ہے حدیث بیان کی ہم سے قاسم ابن زکریا نے مصعب ابن مقدام سے، اس نے داؤد سے، اس نے اعمش سے، اس نے عمارہ سے، اس نے عبدالرحمٰن ابن یزید سے، اس نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا۔ (ت)

---

[1] سنن النسائی الجمع بین الصلوٰۃ بالمزدلفۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۴۰/۲

مختلف اوقات میں مختلف طور پر روایت بالمعنی کی اور ہر راوی نے اپنی مسموع پہنچائی چاہے یہ تنویع اعمش نے خود کی چاہے عمارہ یا عبدالرحمٰن سے ہوئی اور وہ سب اعمش نے سُنی یا اعمش کو پہنچی خواہ اصل منتہائے سند سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اوقات عدیدہ میں حسبِ حاجت مختلف طوروں پر ارشاد فرمائی مثلاً شبِ مزدلفہ راہِ مزدلفہ میں یا وہاں پہنچ کر آج کی مغرب وفجر کا مسئلہ ارشاد کرنے کیلئے صرف اُنہیں دو۲ کا ذکر فرمایا عصر تو سب کے سامنے ابھی جمع کرچکے تھے اُس کے بیان کی حاجت کیا تھی دوسرے وقت جمع بین الصلاتین کا مسئلہ پیش ہو وہاں ذکرِ فجر کی حاجت نہ تھی عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کے ذکر پر قناعت کی کہ سوا ان دو۲ نمازوں کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی جمع نہ فرمائی اور کسی وقت مغرب وعشائے مزدلفہ کا ذکر ہو کہ ان میں سنّت کیا ہے اس وقت یہ پچھلی حدیث مختصر افادہ کی۔

ثم اقول: لطف یہ کہ یہی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسرے مخرج مروی صحیح بخاری وسنن نسائی سے سیدنا امام محمد نے آثار مرویہ کتاب الحجج میں بسندِ جلیل وصحیح جس کے سب رواۃ اجلّہ ثقات وائمہ اثبات ورجال صحیحین بلکہ صحاح ستّہ سے ہیں یوں روایت فرمائی:

اخبرنا سلام بن سلیم الحنفی عن ابی اسحٰق السبیعی عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمۃ بن قیس والاسود بن یزید قالا کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لاجمع بین الصلاتین الابعرفۃ الظہر والعصر[1]۔	سلام بن سلیمٰن الحنفی ابواسحاق سبیعی سے وہ عبدالرحمٰن بن اسود سے وہ علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید سے راوی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے جمع بین الصلاتین جائز نہیں مگر عرفہ میں ظہر وعصر۔

کیوں مُلّاجی! اب یہاں کہہ دینا کہ ابن مسعود نے فقط جمع عرفات دیکھی جمع مزدلفہ خارج رہی حالانکہ ہر گز نہ اس سے اعراض نہ اس پر اعتراض بلکہ ہر محل وموقع کلام میں وہاں کی قدر حاجت پر اقتصار ہے یہاں مسافر کے جمع بین الظہر والعصر کا ذکر ہوگا اُس پر فرمایا کہ ان میں جمع صرف روز عرفہ عرفات میں ہے اس کے سوا ناجائز، ولہٰذا الصلاتین معرف بلام فرمایا جس میں اصل عہد ہے۔ مُلّاجی! کُتبِ حدیث آنکھ کھول کر دیکھو روایات بالمعنٰی کے یہی انداز آتے ہیں خصوصاً امام بخاری تو بذاتِ خود اپنی جامع صحیح میں اس کے عادی ہیں حدیث کو ابواب مختلفہ میں بقدر حاجت پارہ پارہ کرکے لاتے ہیں اس سے ایک پارہ دوسرے کو رَد نہیں کرتا بلکہ وہ مجموع حدیث کامل ٹھہرتی ہے۔

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۵

اس سے بحمداللہ تعالٰی واضح وآشکار ہوا کہ یہ حدیث بھی تمام وکمال یوں ہے کہ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو۲ نمازیں جمع فرمائی ہوں کبھی کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے یا وقت کے بعد پڑھی ہو مگر صرف دو۲ عصر عرفہ وقت ظہر اور مغرب مزدلفہ وقت عشائ، اور اُس دن فجر کو بھی وقت مسنون ومعمول سے پہلے طلوعِ فجر کے بعد ہی تاریکی میں پڑھ لیا تھا اُس دن کے سوا کبھی ایسا بھی نہ کیا۔ **الحمدللہ** کہ آفتابِ حق وصواب بے پردہ وحجاب رابعۃ النہار پر پہنچا، اب اس حدیث نسائی جامع ذکر عرفہ ومزدلفہ پر مُلّاجی نے بکمال مکابرہ جو چوٹیں کی ہیں اُن کی خدمت گزاری کیجئے اور ماہ ضیا پناہ رسالہ کو باذنہٖ تعالٰی شب تمام کا مژدہ دیجئے **واللہ المعین وبہ نستعین**۔

لطیفہ: یارب جہل جاہلین سے تیری پناہ، مُلّاجی تورَدِ احادیث وجرح ثقات وقدح صحاح کے دھنی ہیں۔ عمل بالحدیث کے ادعائی راج میں انہیں مکابروں کی دیواریں چُنی ہیں۔ حدیث صحیح نسائی شریف کو دیکھا کہ انہیں مصیبت کا پہاڑ توڑے گی۔ حضرت نے گُلِ سرسبد کو گِل تہ گلخن بنا چھوڑے گی لہٰذا نیامِ حیا سے تیغِ ادا نکالی اور احادیث صحاح میں تکمیل مضمون فریقا تکذبون وفریقا تقتلون کی یوں بناڈالی ف۱ حدیث نسائی کی نامقبول اور مجروح اور متروک ہے دو۲ راوی اس کے مجروح ہیں ایک سلیمٰن بن ارقم کہ اُس کی توثیق کسی نے نہیں کی بلکہ ضعیف کہا اس کو تقریب میں سلیمٰن بن ارقم ضعیف اور ایک خالد بن مخلد کہ یہ شخص رافضی تھا اور صاحبِ احادیث افراد کا کہا تقریب میں خالد بن مخلد صدوق متشیع ولہ افراد۔

اقول: اوّلاً وہی مُلّاجی کی قدیمی سفاہت تشیع ورفض کے فرق سے جہالت۔

ثانیا: صحیحین سے وہی پُرانی عداوت خالد بن مخلد نہ صرف نسائی بلکہ بخاری ومسلم وغیرہما جملہ صحاح ستہ کے رجال سے ہے امام بخاری کا خاص اُستاذ اور مسلم وغیرہ کا اُستاذ الاستاذ۔

ثالثاً: مُلّاجی! تم نے تو علمِ حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف ومتشیع وصاحبِ افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحبِ افراد ہونا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں، صحیحین دیکھئے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع عـہ۱ موجود ہیں اور لہ عـہ۲ افراد والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت **لہ اوھام** **یھم**، **ربما وھم**، **یخطیئ**، **یخطیئ کثیرا**، **کثیر الخطائ**، **کثیر الغلط** وغیرہا والے ذکر کر آئے، رہا ضعیف اُس میں اور متروک میں بھی زمین وآسمان کا بل ہے ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول ومطلوب ہے بخلاف متروک اس معنی اور اس کے متعلقات کی

عـہ۱ مثل ابان خ بن یزید العطار، یزید ع بن ابی انیسۃ، عبدالرحمٰن خ بن غزوان وغیرہم ۱۲ منہ (م)

عـہ۲ جن میں تیس ۳۰ سے زیادہ حواشی فصل اول پر مذکور ہوئے ۱۲ منہ (م)

ف۱ معیار الحق ص ۳۸۴

تحقیقاتِ جلیلہ فقیر غفرلہ القدیر کے رسالہ **الهاد الکاف فی حکم الضعاف** ۱۳۱۳ھ میں مطالعہ کیجئے اور سردست اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھے کہ ضعیف درجہ ثامنہ اور متروک اُس کے دو۲ پایہ نیچے درجہ عاشرہ میں ہے خود عــه بعض ضعفا رجال شیخین میں اگرچہ متابعۃً یایوں بھی واقع جس سے اُن کا نامتروک ہونا واضح۔

عــه مثل اسید بن زید، اسباط ابو الیسع، عبدالکریم بن ابی المخار، والاشعث بن سوار، زمعة بن صالح، محمد بن یزید الرفاعی، محمد بن عبدالرحمٰن مولی بنی زهرة، احمد بن یزید الحرانی، ابی بن عباس وغیرهم، قال فی التقریب فی الخمسة الاول: ضعیف، والسادس لیس بالقوی، والسابع مجهول، والثامن ضعفه ابو حاتم، والتاسع فیه ضعف۔ وعبدالکریم، علم له المزی فی التهذیب خت، وتبعه فی المیزان، فقال: اخرج له خ تعلیقا، وم متابعة۔ وکذا تابعه الحافظ فی رموز التقریب، ثم نبه ان الصواب خ، حیث ذکر ماله فی الجامع الصحیح، ثم قال: هذا موصول ولیس معلقا۔ وقال فی الرفاعی: ذکره ابن عدی فی شیوخ البخاری، وجزم الخطیب بان البخاری روٰی عنه؛ لکن قدقال البخاری: رأیتهم مجمعین علی ضعفه[1]۔ اھ قلت: المثبت اثبت، فلذا	مثلاً (۱) اسید (۲) اسباط (۳) عبدالکریم (۴) اشعث (۵) زمعہ (۶) محمد ابن یزید رفاعی (۷) محمد بن عبدالرحمٰن (۸) احمد (۹) اُبَیّ اور دوسرے۔ تقریب میں کہا کہ پہلے پانچ ضعیف ہیں، چھٹا بھی خاص قوی نہیں ہے، ساتواں مجہول ہے، آٹھویں کو ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے، نویں میں بھی ضعف ہے۔ عبدالکریم کے لئے مزی نے تہذیب میں "خت" کی علامت لگائی ہے (واضح رہے کہ "خ" سے مراد بخاری ہے اور "ت" سے تعلیق، یعنی بخاری نے بھی اس کی روایت تعلیقاً لی ہے) میزان میں بھی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے بخاری نے تعلیقاً اور مسلم نے متابعۃً روایت کی ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی تقریب کی علامات میں اس کی پیروی کی ہے لیکن پھر متنبہ کیا ہے کہ صحیح "خ" ہے ("خت" نہیں) چنانچہ حافظ نے پہلے تو عبدالکریم کی وہ روایت ذکر کی ہے جو بخاری میں ہے، پھر کہا ہے کہ یہ روایت وصل کے ساتھ ہے نہ کہ تعلیق کے طور پر۔ (اس لئے "خ" کے ساتھ "ت" نہیں ہونی چاہیے کیونکہ "ت" تعلیق کی علامت ہے) (محمد ابن یزید) رفاعی کے بارے میں کہا ہے

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۶۴۲۱ محمد بن یزید دارالکتب العمیۃ بیروت ۲/ ۱۴۸/ ۱۴۷

رابعا: یہ سب کلام ملّاجی کی غیبی بول عیبی احکام مان کر تھا حضرت کی اندرونی حالت دیکھے ے تو پھر حسبِ عادت جو رواۃِ حدیث بے نسب ونسبت پائے ان میں جہاں تحریف وتصرف کا موقع ملا وہی تبدیل کا رنگ لائے سند میں تھا عن شعبۃ عن سلیمٰن۔ اب ملّاجی اپنی مبلغ علم تقریب کھول کر بیٹھے رواۃ نسائی میں شعبہ نام کا کوئی نہ ملا جس پر تقریب میں کچھ بھی جرح کی ہو لٰہذا وہاں بس نہ چلا سلیمٰن کو دیکھیں تو پہلی بسم اللہ یہی سلیمٰن بن ارقم ضعیف نظر پڑا حکم جڑ دیا کہ سند میں وہی مراد اور حدیث مردود، ملّاجی ! اپنے دھرم کی قسم سچ بتانا یہ جبروتی حکم آپ نے کس دلیل سے جمایا، کیا اسی کا نام محدّثی ہے، سچّے ہو تو برہان لاؤ ورنہ اپنے کذب وعیب رحم بالغیب پر ایمان قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ حق طلبان وحق نیوش کو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مخرج حدیث اعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہم سب کے یہاں حدیث عمارہ بطریق امام اعمش ہی مذکور، صحیحین کی تین سندیں بطرق **حفص بن غیاث وابی معٰویۃ وجریر کلھم عن الاعمش عن عمارۃ** صدر کلام میں، اور ایک سند نسائی بطریق داود عن الاعمش عن عمارۃ اس کے بعد سُن چکے۔ پنجم نسائی کتاب الصلاۃ میں ہے: **اخبرنا قتیبۃ ثنا سفیان نا الاعمش عن عمارۃ**[1] الخ۔ ششم: **نسائی مناسک باب الوقت**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علمنا علیہ خ، واخرناھا عن لمکان تردد الحافظ۔ والانصاف ان فلیحا وعبادا وامثالھا ایضا ضعفاءٔ، والعذر ماافادہ الامام ابن الصلاح وتبعہ النووی وغیرہ فارجع واعرف۔ واللہ تعالٰی اعلم (م)

کہ اس کو ابن عدی نے بخاری کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور خطیب نے یقین ظاہر کیا ہے کہ بخاری نے اس سے روایت کی ہے، لیکن بخاری ہی نے کہا ہے کہ میں نے محدثین کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے اھ میں نے کہا ثابت کرنے والے کی بات زیادہ پختہ ہوتی ہے (اور ابن عدی نے اس کا شیخ بخاری ہونا ثابت کیا ہے) اس لئے ہم نے بھی اس کے نام پر "خ" کی علامت لگائی ہے۔ لیکن حافظ کو چونکہ اس کے شیخ بخاری ہونے میں تردّد ہے اس لئے "خ" کو ہم نے "م" کے بعد لگایا ہے ("م" سے مراد مسلم ہے) اور انصاف کی بات یہ ہے کہ فلیح، عباد اور ان جیسے اور کوئی راوی بھی ضعیف ہیں (اس کے باوجود ان کی روایات صحاح میں پائی جاتی ہیں) امام ابن الصلاح نے اس کی معذرت خواہانہ وجہ بیان کی ہے اور نووی وغیرہ نے بھی ان کا اتباع کیا ہے، اس لئے ان کی طرف مراجعت کرو اور سمجھو ! واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] نسائی النسائی الجمع بین المغرب والعشاء الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

الذی یصلی فیه الصبح بالمزدلفة اخبرنا محمد بن العلاء ثنا ابومعٰویة عن الاعمش عن عمارة[1] الخ **ہفتم:** سنن ابی داؤد حدثنا مسدد وان عبدالواحد بن زیاد وابا عوانة وابا معٰویة حدثوھم عن الاعمش عن عمارة[2]۔

ہشتم: امام طحاوی حدثنا حسین بن نصر ثنا قبیصة بن عقبة والفریابی قالا ثنا سفیٰن عن الاعمش عن عمارة بن عمیر[3] الخ۔ یہ امام اعمش اجل ثقہ ثبت حجت حافظ ضابط کبیر القدر جلیل الفخر اجلہ ائمہ تابعین ورجال صحاح ستّہ سے ہیں جن کی وثاقت عدالت جلالت آفتاب نیمروز سے روشن تر ان کا اہم مبارک سلیمٰن ہے وہی یہاں مراد، کاش تضعیف ابن ارقم دیکھ پانے کی خوشی ملّاجی کی آنکھیں بند نہ کردیتی تو آگے سُوجھتا کہ دنیا میں ایک یہی سلیمٰن نہیں دو ۲ ورق لوٹتے تو اسی تقریب میں تھا: سلیمٰن بن مھران الاعمش ثقة حافظ عارف بالقراءات ورع[4] (سلیمٰن ابن مہران اعمش، ثقہ ہے، حافظ ہے، قراءۃ کو جاننے والا ہے، متقی ہے۔ت) جن حضرات کا جوشِ تمیز اس حد تک پہنچا ہو اُن سے کیا کہا جائے کہ ان سلیمٰن سے راوی بھی آپ نے دیکھے کون ہیں امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج جنہیں التزام تھا کہ ضعیف لوگوں سے حدیث روایت نہ کریں گے جس کی تفصیل فقیر کے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں مذکور وہ اور ابن ارقم سے روایت مگر ناواقفوں سے ان باتوں کی کیا شکایت!

خامسًا: حضرت کو اپنی پرانی مشق صاف کرنے کو اُسی طرح کا ایک اور نام ہاتھ لگا یعنی خالد امام نسائی نے فرمایا تھا: اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبة بیدھڑک حکم لگادیا کہ اس سے مراد خالد بن مخلد رافضی ہے ملّاجی! پانچ پیسے کی شیرینی تو ہم بھی چڑھائیں گے اگر ثبوت دو کہ یہاں خالد سے یہ شخص مراد ہے، مُلّاجی! تم کیا جانو کہ ائمہ محدثین کس حالت میں اپنے شیخ کے مجرد نام بے ذکر ممیّز پر اکتفا کرتے ہیں، ملّاجی صحابہ کرام میں عبداللہ کتنے بکثرت ہیں خصوصًا عبادلہ خمسہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر کیا وجہ ہے کہ جب بصری عن عبداللہ کہے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوں گے، اور کوئی کہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر رواۃ مابعد میں تو عبداللہ صدہا ہیں مگر جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو خواہ مخواہ ابن المبارک ہیں، محمدین کا شمار کون کرسکتا ہے مگر جب بندار کہیں عن محمد عن شعبة تو غندر کے سوا کسی طرف ذہن نہ جائے گا وعلٰی ہذاالقیاس صدہا مثالیں ہیں جنہیں ادنٰی ادنٰی خدامِ حدیث جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔ مُلّاجی! یہ

---

[1] سُنن النسائی الوقت الذی یصلی فیه الصبح بالمزدلفه مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۲/۴۶

[2] سنن ابی داؤد باب الصلٰوۃ بجمع آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۶۷

[3] شرح معانی الاثار الجمع بین اصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

[4] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۲۶۲۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۹۲

خالد امام اجل ثقہ ثبت حافظ جلیل الشان خالد بن حارث بصری ہیں کہ امام شعبہ بن الحجاج بصری کے خُلّص تلامذۃ اور امام اسمٰعیل بن مسعود بصری کے اجل اساتذہ اور رجال صحاح ستّہ سے ہیں اسمٰعیل بن مسعود کو اُن سے اور اُنہیں شعبہ سے اکثار روایت بدرجہ غایت ہے، اسی سنن نسائی میں اسمٰعیل کی بیسیوں روایات اُن سے موجود، ان میں بہت خاص اسی طریق سے ہیں کہ اسمٰعیل خالد بن حارث سے اور خالد شعبہ بن الحجاج سے ان میں بہت جگہ خود اسمٰعیل نے نسبِ خالد مصرحًا بیان کیا ہے۔ بہت جگہ اُنہوں نے حسبِ عادت مطلق چھوڑا۔ امام نسائی نے واضح فرمادیا ہے بہت جگہ سابق ولاحق بیانوں کے اعتماد پر یوں ہی مطلق باقی رکھا ہے میں آپ کا حجاب ناواقفی توڑنے کو ہر قسم کی مصرح روایات سے بہ نشان کتاب وباب کچھ حاضر کروں۔

طریق شعبۃ: (۱) کتاب الافتتاح باب التطبیق اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ عن سلیمٰن[1] الخ۔

(۲) کتاب الطھارۃ باب النضح اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[2] الخ۔

(۳) کتاب المواقیت الرخصہ فی الصلاۃ بعد العصر اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد بن الحارث عن شعبۃ[3] الخ۔

(۴) کتاب الامامۃ، الجماعۃ اذاکانوا اثنین اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[4] الخ۔

(۵) کتاب السھو باب التحری اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[5] الخ۔

(تصریح اسمٰعیل سوی مامر)

(۶) کتاب الامامۃ الرخصۃ للامام فی التطویل اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث[6] الخ۔

---

[1] النسائی باب التطبیق مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۲۳

[2] النسائی باب النضح مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۹

[3] النسائی الرخصۃ فی الصلوٰۃ بعد العصر مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۶۷

[4] النسائی الجماعۃ اذاکانوا اثنین مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۹۷

[5] النسائی باب التحری مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۴۶

[6] النسائی الرخصۃ للامام فی التطویل مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۹۴

(۷) کتاب قیام اللیل، باب وقت رکعتی الفجر اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث الخ[1]۔ (۸) کتاب الزکوٰۃ، عطیۃ المرأۃ بغیر اذن زوجھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد بن حارث الخ[2]۔ (۹) المزارعۃ احادیث النھی عن کری الارض بالثلث والربع اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث الخ[3]۔ (۱۰) القسامۃ والقود، باب عقل الاصابع اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث الخ[4]۔

(التصریح النسائی)

(۱۱) کتاب الحیض مضاجعۃ الحیض فی ثیاب حیضتھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد ھو ابن الحارث الخ[5]۔ (۱۲) قبیل کتاب الجمعۃ باب اذاقیل للرجل ھل صلیت اخبرنا اسمعیل بن مسعود ومحمد بن عبدالاعلی قالا حدثنا خالد ھو ابن الحارث الخ[6]۔ (۱۳) کتاب الصیام التقدم قبل شھر رمضان اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد وھو ابن الحارث[7]۔ (۱۴) المزارعۃ من الاحادیث المذکورۃ اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد وھو ابن الحارث[8]۔ (۱۵) کتاب الاشربۃ الترخیص فی انتباذ البسر اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد یعنی ابن الحارث الخ[9]۔

کیوں مُلّاجی! یہ کیا دین ودیانت ہے کہ حدیثیں رَد کرنے کو ایسے جھُوٹے فقرے بناؤ اور بے تکان جزم کرتے ہوئے پلک تک نہ جھپکاؤ، وہ تو خدا نے خیر کرلی کہ امام نسائی نے اسمٰعیل بن مسعود کہہ دیا تھا کہیں نرا اسمٰعیل ہوتا تو مُلّاجی کو کہتے کیا لگتا کہ یہ حدیث تم اہل سنّت کے نزدیک سخت مردود کہ اس کی سند میں اسمٰعیل دہلوی موجود،

---

[1] سنن النسائی باب وقت رکعتی الفجر مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۰۶

[2] سنن النسائی عطیۃ المراۃ الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۸۹

[3] سنن النسائی الثالث من الشروط فیہ المزارعۃ والوثائق مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۱۴۴

[4] سنن النسائی باب عقل الاصابع مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۲۴۷

[5] سنن النسائی مضاجعۃ الحیض الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۴۳

[6] سنن النسائی باب اذا قیل للرجل الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۶۰

[7] سنن النسائی التقدم قبل شہر رمضان مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۴۹

[8] سنن النسائی المزارعۃ من الاحادیث مذکورۃ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۱۴۶

[9] سنن النسائی الترخیص فی انتباذ البسر الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۳۲۱

مُلّاجی! صرف ایک مسئلے میں اول تا آخر اتنی خرافات، علمِ حدیث کی کُھلی کُھلی باتوں سے یہ جاہلانہ مخالفات، اگر دیدہ ودانستہ ہیں تو شکایت کیا ہے کہ اخفائے حق و تلمیع باطل و تلبیس عامی واغوائے جاہل، طوائف ضالہ کا ہمیشہ داب رہا ہے، اور اگر خود حضرت کی حدیث دانی اتنی ہے تو خدارا خدا اور سول سے حیا کیجئے، اپنے دین دھرم پر دیا کیجئے یہ مُنہ اور اجتہاد کی لپک، یہ لیاقت اور مجتہدین پر ھمک، عمر وفا کرے تو آٹھ دس ۱۰ برس کسی ذی علم مقلد کی کفش برداری کیجئے، حدیث کے متون وشروح واصول ورجال کی کتابیں سمجھ کر پڑھ لیجئے اور یہ نہ شرمایئے کہ بوڑھے طوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں، ہنسنے دو ہنستے ہی گھر بستے ہیں، اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مرگئے جب بھی شہادت، بشرطِ صحت ایمان وحسن نیت **واللہ الھادی لقلب اخبت۔**

الحمدللہ مہرِ حق متجلی ہوا اور آفتابِ صواب متجلی، جن جن احادیث سے جمع بین الصلاتین کا ثبوت نہ سہل ثبوت بلکہ قطعی ثبوت زعم کیا گیا تھا واضح ہُوا کہ اُن میں ایک حرف مثبت مقال نہیں مذہب حنفی اثبات صوری ونفی حقیقی دونوں میں بے دلیل بتادیا تھا، روشن ہُوا کہ قرآن وحدیث اُسی کے موافق دلائل ساطعہ اُسی پر ناطق جن میں رَدوانکار کی اصلاً مجال نہیں، اور بعونہٖ تعالٰی بطفیل مسئلہ وہ تازہ مجملہ کہنہ مشغلہ ادعائے عمل بالحدیث کا اُشغلا اُس کا بھرم بھی من مانتا کھلا کہ ہوا سے غرض ہوس سے کام اور اتباعِ حدیث کا نام بدنام پُرانے پُرانے حد کے سیانے جب اپنی سخن پروری پر آئیں صحیح حدیثوں کو مردود بتائیں ثقہ ائمہ کو مطعون بتائیں، بخاری ومسلم پسِ پشت ڈالیں، اُن کے رواۃ واسانید میں شاخسانے نکالیں، ہزار چھل کریں سو ہزار پیچ جیسے بنے صحیح حدیثیں ہیچ، امام مالک وامام شافعی کی تقلید حرام نہ فقط حرام کہ شرک کا پے غام، مگر جب حنفیّہ کے مقابل دم پر بنے مجتہد چھوڑ مقلدوں کی تقلید سے گاڑھی چھنے، اب ایک ایک شافعی مالکی کو جھک جھک کر سلام اُس کے پاؤں پکڑ اُس کا دامن تھام، یہ بڑا پیشوا وہ بھاری امام، اُن میں جس کا کلام کہیں ہاتھ لگ گیا اگرچہ کیسا ہی ضعیف کتنا ہی خطا، بس خضر مل گئے غنچے کُھل گئے، اندر کے جی کے کواڑ کُھل گئے سب کوفت سوخت کے غبار دُھل گئے، وحی مل گئی ایمان لے آئے اُسی سے حنفیّہ پر حجت لائے، اب خبردار کوئی پیچھے نہ پڑو احبار ورہبان کی آیت نہ پڑھو، چھٹکارے کی گھڑی بچاؤ کا وقت ہے، شرک بلا سے ہو اب تو مکت ہے۔ مسلمانو! حضرات کے یہ انداز دیکھے بھالے اپنا ایمان بچائے سنبھالے، فریب میں نہ آنا یہ زہر در جام ہیں دھوکا نہ کھانا، سبزہ بردام ہیں بے سہاروں کی چال ہر حال بُری ہے تقلید سے بری ائمہ سے بری ہے، بے راہ روی کا دھیان نہ لانا چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلانا، اتباعِ ائمہ راہِ ہُدٰی ہے راہِ ہُدٰی کا والی خدا ہے، **للہ الحمد ولی الھدایۃ منہ البدایۃ والیہ النھایۃ۔**

خلاصۃ الکلام وحسن الختام

الحمدللہ سخن اپنے ذروہ اقصٰی کو پہنچا اب ملخص کلام وحاصل مرام چند باتیں یاد رکھئے:

اوّلا جمع صوری بدلائل صحیحہ روشن ثبوت سے بے پردہ وحجاب اور اُس کا انکار انکارِ آفتاب۔

ثانیا کسی حدیث صحیح میں جمع تقدیم کا نام کو بھی اصلًا پتا نہیں اُس کی نسبت ادعای قطعی ثبوت محض نسج العنکبوت۔

ثالثًا جمع تاخیر میں بھی کوئی حدیث صحیح صریح جیسا کہ ادعا کیا جاتا ہے ہر گز موجود نہیں یا ضعاف ومناکیر ہیں یا محض بے علاقہ یا صاف محتمل اور محتملات سے ہوسِ اثبات مہمل ومختل۔

رابعًا جب جمع صوری پر ثبوت مفسر متعین ناقابل تاویل قائم تو محتملات خصوصًا حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اُسی کی طرف رجوع لازم کہ قاعدہ ارجاع محتمل بہ متعین ہے نہ عکس کہ سراسر نکس۔

خامسًا نماز بعد شہادتین اہم فرائض واعظم ارکان اسلام ہے اور اُس میں رعایت وقت کی فرضیت اور اظہر ضروریاتِ دین سے جسے مسلمانوں کا ایک ایک بچّہ جانتا ہے یونہیں اوقاتِ خمسہ غایت شہرت واستفاضہ پر بالغ حد تواتر ہیں اگر حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حالتِ سفر میں جس کی ضرورت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر شخص کو رہی اور رہتی ہے چار نمازوں کے لئے اوقاتِ مشہورہ معلومہ معروفہ کے سوا قولًا یا فعلًا کوئی اور حکم عطا فرمایا ہوتا تو واجب تھا کہ جس شہرت جلیلہ کے ساتھ اوقاتِ خمسہ منقول ہوئے اُسی طرح یہ نیا وقت بھی نقل کیا جاتا آخر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فعل کسی خلوت میں نہ کیا غزوہ تبوک میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہِ رکاب سعادت مآب تھے اگر حضور جمع فرماتے بلاشبہہ وہ سب کے سب دیکھتے اور کثرت رواۃ سے اسے بھی مشہور کر چھوڑتے یہ کیا کہ ایسی عظیم بات ایسے جلیل فرض کے ایسے ضروری لازم میں ایسی صریح تبدیل ایسے مجمع کثیر کے سامنے واقع ہو اور اُسے یہی دو ایک راوی روایت فرمائیں تو بلاشبہہ یہی جمع صوری فرمائی جس میں نہ وقت بدلا نہ کسی حکم میں تغیر نے راہ پائی کہ اُس کے اشتہار پر دواعی متوفر ہوتے نظرِ انصاف صاف ہو تو صرف ایک یہی کلام تمام دلائل خلاف کے جواب کو بس ہے کہ جب باوصف توفر دواعی نقل آحاد ہے تو لاجرم جمع صوری پر محمول کہ توفر مہجور اور بالفرض کوئی روایت مفسرہ ناقابل تاویل ملے تو متروک العمل کہ ایسی جگہ آحاد رہنا عقل سے دُور۔

سادسًا نمازوں کے لئے تعیین وتخصیص اوقات وآیات قرآن عظیم واحادیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قطعی الثبوت ہے اگر کہیں اُس کا خلاف مانیے تو وہ بھی ویسا ہی قطعی چاہیے جیسے عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل۔

سابعًا بالفرع اگر مثل منع دلائل جمع بھی قابل سمع تسلیم کیجئے تاہم ترجیح منع کو ہے کہ جب حاظر ومبیح مجتمع ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

ثامنًا جانب جمع صرف نقل فعل ہے قول اگر ہے تو جمع صوری میں اور جانب منع دلائل قولیہ وفعلیہ دونوں موجود اور قول فعل پر مرجح تو مجموع قول و فعل محض نقل فعل پر بدرجہ اولٰی۔

تاسعًا افقہیت راوی اور مرجح منع ہے کہ ابن عمر وانس میں کسی کو فقاہت جلیلہ عبداللہ بن مسعود تک رسائی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **تمسکوا بعھد ابن ام عبد** [1]۔ (ابن اُم عبد کی باتوں سے تمسک کیا کرو) رواہ الترمذی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(**نوٹ:** اصل متن ترمذی میں الفاظ یوں ہیں تمسکوا بعھد ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ نذیر احمد)

مرقاۃ میں ہے اسی لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُن کی روایت وقول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں [2]۔ یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاحبِ سِرِّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے:

ان اشبہ الناس دلا وسمتا وھدیا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابن ام عبد [3]۔ رواہ البخاری ف والترمذی والنسائی۔	بیشک چال ڈھال روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے: **کیف ملئ علما** [4] (ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہُوئی) نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **رضیت لامتی مارضی لھا**

---

[1] جامع الترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۱

[2] مرقات المفاتیح جامع المناقب، الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱/۴۰۹

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ بخاری باب جامع المناقب مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۷۴)

(جامع الترمذی، مناقب عبداللہ بن مسعود امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۲)

ف۔ مشکوٰۃ میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں جبکہ ترمذی میں الفاظ یوں ہیں۔ کان اقرب الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابن مسعود اور بخاری میں الفاظ یوں ہیں ماعلم احدًا اقرب سمتا وھدیا ودلا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ابن ام عبد۔

[4] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ عبداللہ بن مسعود امکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۳/۲۵۹

ابن ام عبد[1]۔ (میں نے اپنی اُمت کے لئے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے رواہ الحاکم بسند صحیح۔

لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

ھو عند ائمتنا افقه الصحابة بعد الخلفاء الاربعة[2] ۔	ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاءِ اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (ت)

عاشراً عـــہ اگر بالفرض براہین منع وادلّہ جمع کانٹے کی تول برابر ہی سہی تاہم منع ہی کو ترجیح رہے گی کہ اس میں احتیاط زائد ہے اگر عنداللہ جمع درست بھی ہوئی تو ایک جائز بات ہے جس کے ترک میں بالاجماع گناہ نہیں بلکہ اتفاق اُس کا ترک ہی افضل ہے اور اگر عنداللہ نادرست ہے تو جمع تاخیر میں نماز دانستہ قضا کرنی ہوگی اور جمع تقدیم میں سرے سے ادا ہی نہ ہوگی فرض گردن پر رہے گا تو ایسی بات جس کا ایک پہلو خلاف اولٰی اور دوسری جانب حرام وگناہ کبیرہ ہو عاقل کا کام یہی ہے کہ اُس سے احتراز کرے، یہاں جو ملّاجی ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر لکھ گئے ہیں کہ ف۱ تشکیک مذکور اُس صورت میں جاری ہوتی ہے جس میں طرفین کا مذہب مدلّل بدلائل ہو اور صورت اختلاف کی ہو حالانکہ مسئلہ جمع میں مانعین کا دعوی بے دلیل ہے اور ناجائز کہنا اُن کا خلاف ہے اختلاف نہیں پس اگر صحت میں عمل مدلل بدلائل کے قول بے دلیل شک ڈال دیا کرے تو سیکڑوں اعمالِ باطل ہوجائیں اور حق وباطل میں کچھ تمیز نہ رہے، ان جھُوٹی بالاخوانیوں سینہ زوری کی لَن ترانیوں کا کچّا چٹھّا بعونہ تعالیٰ سب کھُل چُکا مگر حیا کا بھلا ہو جس کے آسرے جیتے ہیں یونہیں تو آفتاب پر خاک اُڑا کر اندھوں کو سُجھادیا کرتے ہیں کہ حنفیّہ کا مذہب بے دلیل وخلاف حدیث ہے، خدا کی شان قرآن عظیم واحادیث رسول کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی اُن قاہر دلیلوں کو جنہیں سُن کر جگر تک دھمک پہنچی ہوگی بے دلیل ٹھہراؤ اور اپنے ضعیف وبے ثبوت قول کو قطعی یقینی مدلل بتاؤ اور عمل بالحدیث ودین ودیانت کا نام لیتے نہ شرماؤ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ع

آدمیاں کم شدند ملک گرفت اجتہاد

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ چند اوراق کہ بنظرِ احقاق حق لکھے۔ مولٰی تعالیٰ عزّوجل اپنے کرم سے قبول فرمائے

عـــہ یعنی نصوص منقول وقواعد اصول سے قطع نظر کرکے بہ مقتضائے عقول ہے۔ (م)

---

[1] المستدرک کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۱۷

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب جامع المناقب الفصل الاول عن عبداللہ بن عمر، مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱۱/ ۴۰۹

ف۱ معیار الحق ص ۴۱۵

شرِ حُسّاد وشامتِ ذنوب سے محفوظ رکھے۔ وجہ ثبات واستقامت مقلدین کرام بنائے، یہ امید تو ان شاء اللہ تعالٰی القریب المجیب نقد وقت ہے مگر دشمنانِ حنفیت کو ہدایت ملنے عناد حنفیّہ کی راہ نہ چلنے کی طرف سے یاس سخت ہے کہ کھلے مکابروں میں جن صاحبوں کی یہ ہمتیں بڑھی ہیں یہ مشقیں چڑھی ہیں اُنہیں آئندہ ایسی اور ان سے بڑھ کر اور ہزار ہٹ دھرمیاں کرتے کیا لگتا ہے، تحریف تعصب مکابری تحکم کا کیا علاج ہے سوا اس کے کہ شرِ شریران سے اپنے رب عزوجل کی پناہ لُوں اور بتوسل روح اکرم امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس سے عرض کروں **رب انّی اعوذبك من همزات الشیٰطین واعوذبك رب ان یحضرون**o **وصلی اللہ تعالٰی علی الهادی الامین الامان المامون محمد واٰله وصحبه الکرام والذین هم بهدیهم یهتدون،** الحمد للہ کہ یہ مبارک رسالہ نفیس عجالہ پانزدہم ماہ رجب مرجب ۱۳۱۳ھ ہجریہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ کو تمام اور بلحاظ تاریخ **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین** ۱۳۱۳ھ نام ہوا **ربّنا تقبل منّا انك انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب الیك واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔**

مسئلہ (۲۸۷) ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نابینا نے صبح کی نماز پڑھاتے وقت ایسی بڑی سورت پڑھی کہ جب نماز شروع کی تھی اُس وقت سُورج نہیں نکلا تھا اور جب سلام پھیرا تو سُورج نکل آیا یہ نماز ہوئی نہیں، بینوا توجّروا۔

الجواب:

نمازِ فجر میں اگر قعدہ سے پہلے آفتاب نکل آیا یعنی ہنوز اتنی دیر جس میں التحیات پڑھ لی جائے نہ بیٹھنے پایا کہ سُورج کی کرن چمکی تو بالاتفاق جاتی رہی اور اگر تحریمہ نماز سے باہر آنے کے بعد نکلا تو بالاتفاق ہو گئی مثلاً جب تک پہلی بار لفظ السلام کہا تھا سورج نہ نکلا تھا السلام کہتے ہی فوراً چمک آیا کہ علیکم ورحمۃ اللہ سورج نکلنے میں کہا تو نماز صحیح ہو گئی کہ فقط السلام کہنا تحریمہ نماز سے باہر کردیتا ہے **الا من علیه سهو بشرط ان یاتی بالسجود** (مگر جس پر سجدہ سہو ہو، بشرطیکہ سجدہ کرے۔ت) اور اگر طلوعِ شمس دونوں امر کے بیچ میں ہوا یعنی قعدہ بقدر تشہد کرچکا اور ہنوز تحریمہ نماز میں تھا کہ آفتاب طالع ہُوا تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جاتی رہی یعنی یہ فرض نفل ہو کر رہ گئے فرضوں کی قضا ذمّہ پر رہی۔

فی الدر المختار: **ولووجد المنافی بلاصنعه**	درمختار میں ہے: ایسا منافیِ نماز کہ جس میں نمازی کے

قبل القعود بطلت اتفاقا، ولو بعده بطلت عنده، کطلوع الشمس فی الفجر۔ ولاتنقلب الصلاۃ نفلا الافیما اذاطلعت [1] اوالخ اھ ملتقطا وفی ش عن الرحمتی عن التجنیس: الامام اذافرغ من صلاته، فلما قال: السلام، جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول: علیکم، لایصیر داخلا فی صلاته، لان ھذا سلام؛ الاتری انه لواراد ان یسلم علی احد فی صلاته ساھیا فقال: السلام، ثم علم فسکت، تفسد صلاته [2]۔	عمل کو دخل نہ ہو، اگر قعدے سے پہلے پایا جائے تو نماز بالاتفاق باطل ہوجائے گی اور اگر قعدے سے بعد پایا جائے توامام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہوجائے گی، مثلاً فجر کی نماز کے دوران سورج کا طلوع ہوجانا اور یہ نماز نفل نہیں بنتی، ہاں اگر طلوع ہو... الخ اور شامی میں رحمتی سے، اس نے تجنیس سے نقل کیا ہے کہ امام جب نماز سے فارغ ہُوا اور کہا "السلام" توایک شخص آیا اور "علیکم" کہنے سے پہلے اقتداء کرلی تو وہ اس نماز میں داخل شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صرف "السلام" کہنا بھی سلام ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بھُول کر نماز میں کسی کو سلام دینا چاہے اور کہے "السلام" پھر اسے یاد آجائے (کہ میں نماز میں ہوں) اور چُپ ہوجائے تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (ت)

مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے اس نابینا امام کو پیش از شروع متنبہ کردیا کریں کہ آج وقت اس قدر ہے پھر بھی اگر تطوّل سے باز نہ آئے اور یونہی نماز کھوئے تو آپ ہی امامت سے معزولی کا مستحق ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۸) از جبل پور عقب کوتوالی مرسلہ مولوی محمد برہان الحق صاحب سلمہ سلخ شعبان ۱۳۳۵ھ

حضور پُرنور بعد سلام نیاز گزارش ضحوہ کبرٰی نکالنے کا کیا قاعدہ ہے ایک بار پہلے ارشاد ہوا تھا مگر غلام بھُول گیا۔

الجواب:

نورِ دیدہ سعادت مولٰنا المکرم جعلہ المولی تعالٰی کا سمہ برہان الحق السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خیریت مزاج جنابِ مولٰنا المکرم اکرمہم السلام وسلمہ سے اطلاع دیجئے اور میرے لئے بھی طلبِ دعا کیجئے ابھی ایک ہفتہ میں تین دورے بخار کے ہوچکے ہیں ضعف قوی ہے اور قوی ضعیف وحسبنا المولی الکریم اللطیف جس دن کا ضحوہ کبرٰی نکالنا منظور ہو اُس دن کے وقتِ صبح ووقتِ غروب کو جمع کرکے تنصیف کریں اور اس پر چھ ۶ گھنٹے بڑھالیں یہ وقت ضحوہ کبرٰی ہوگا اس سے لے کر نصف النہار حقیقی تک نماز مکروہ ہے یہ وقت ہمارے بلاد میں کم سے کم

---

[1] دُرمختار باب الاستخلاف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۷۔۸۸

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۴

۳۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۴۷ منٹ ہوتا ہے مثلًا کل روز پنجشنبہ بحسابِ قواعد بشرط رویت یکم ماہ مبارک ہے اوقات یہ ہیں: نقشے میں تمام اوقات ثانیوں سے اعشاریہ تک تھے جن کے رفع اسقاط کے سبب ۲ء یعنی تفاوت آیا

مثال دوم ۳۰ ماہ مبارک کو انس علیہ السلام[1]، واللہ تعالٰی اعلم

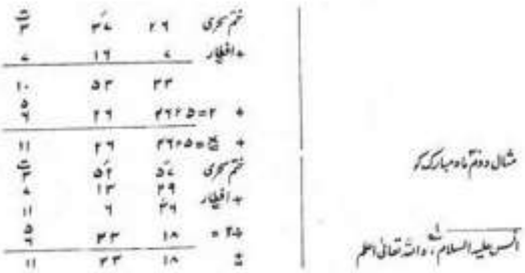

ختم سحری	٢٦	٣٨	٣
+ افطار	٠	١٦	٧
	٣٣	٥٣	١٠
+	[illegible]	٢٦	٥ ٩
+	[illegible]	٢٦	١١
ختم سحری	٥٤	٥٢	٣
	٢٩	١٣	٧
+ افطار	٣٩	٦	١١
= ٢٥	١٨	٣٣	٥ ٩
±	١٨	٣٣	١١

مثال دوم ۳۰ ماہ مبارک کو

انس علیہ السلام، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۸۹) از سہسرام مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ مذکور ۹ رمضان ۱۳۳۵ھ بحضور اعلٰیحضرت عظیم البرکت قبلہ وکعبہ دام ظلّہم الاقدس۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خاکسار حضورِ والا کے قواعدِ فرمودہ کے مطابق برابر وقت نکالا کرتا تھا مگر اس دفعہ جب میں مدراس گیا وہاں مولوی عبداللہ صاحب کی احقر سے ملاقات ہُوئی وہ برابر وقت مدراس شائع کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک تختہ جس پر سال تمام شمسی کے اوقات اُنہوں نے استخراج کرکے شائع کیا ہے مجھے دیا اور یہ کہا کہ: پرچہ میں نے برہلی بھی روانہ کیا ہے تاکہ وہ حضرات میری غلطی پر مجھے متنبہ فرمائیں اس کی طرف توجہ فرمائیے، جناب کو میں بھی اسی غرض سے دیتا ہوں، چنانچہ وہ پرچہ لیتا ہوا میں یہاں آیا ۲۲ جون ۱۹۱۷ء سے میں نے جانچ شروع کیا وقت غروب میرے قاعدہ کے مطابق ۶بج کر ۳ منٹ ۲۵ سیکنڈ اور طلوع ۵بج کر ۴۴ منٹ ۱۹ سکنڈ ہوا اور اس نقشہ میں غروب ۶بج کر ۳۴، اور طلوع ۵بج کر ۴۸ منٹ لکھا ہے، غرض ۳، ۴ منٹ کا فرق ہے عشاء کا وقت نقشہ میں ۷بج کر ۵۶ منٹ لکھا ہے میں پریشان ہوا کہ آخر فن کا جاننے والا اس قدر غلطی کیا کرے گا لاجرم میں نے اپنے ہی مستخرج وقت کو غلط سمجھ کر اس غلطی کی جستجو میں ہُوا تو سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا میں نے بوجہ موافق الجہۃ ہونے کے عرض بلد اور مَیل سے تفریق کرکے حاصل فرق کو جمع کرکے عمل کیا ہے اور جگہ کیلئے مَیل کو عرض بلد سے کم

---

[1] **نوٹ**: انس علیہ السلام، واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ غیر مربوط عبارت اصل مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے۔

کرکے حاصل فرق الح الونح میل سے عمل کرنا ہوتا ہے اور یہاں عرض بلد بہت کم ہونے کی وجہ سے میل کو۔۔۔۔ عرض بلد سے کم کیا گیا ہے اُس کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ وقت تو اخیر پنجاب قریب کشمیر کا ہونا چاہئے جہاں کا۔۔۔۔ عرض لح مط مح ہو کہ الح الونح کو اُس کو تفریق کرکے ی ال — جیچتا ہے اب پریشانی ہے کہ یہاں کا عمل کس طرح ہوگا اگرچہ قاعدہ کے یہ لفظ (اگر موافق الجہۃ ہو تفاضل لیں) اس کو بھی عام ہے اس لئے اس کا قاعدہ ارشاد ہو کہ جب عرض مَیل سے کم ہوگا تو کیا کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

الجواب:

ولدی الاعز جلہ اللہ تعالٰی کاسمہ ظفرالدین المتین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولوی عبداللہ صاحب کا کوئی تختہ اوقاتِ مدراس یہاں نہ آیا صرف ایک چھوٹے رسالہ تحفۃ المصلی کے کہ سمت قبلہ میں ہے دو ۲ نسخے ایک پلندے میں آئے تھے وقت کا قاعدہ یقیناً وہی ہے کہ جب عرض ومَیل متفق الجہۃ ہوں تفاضل لیا جائیگا یعنی اُن میں جو اصغر ہو اکبر سے تفریق کیا جائیگا عرض ہو خواہ مَیل تو مدراس جس کا عرض حہ ء ہے اُس میں راس السرطان کا بعد اقل جس کا میل مَیل کلی الح الر ہے ی حہ الح ہوا، نیز وہ شہر جس کا عرض شمالی لح حہ ہو اُس میں بھی راس السرطان کا بعد اقل وہی ی حہ الح ہوگا غایت یہ کہ مدراس میں یہ بعد سمت الراس سے شمالی ہوگا اور اُس شہر میں جنوبی دونوں نصف اور ان کی جیبیں اور قاطع مَیل سب بدستور رہیں گے اور فرق وقت بوجہ قاطع عرض ہوگا مثلاً صبح وعشا ہے راس السرطان بہ مدراس کا حساب بھیجتا ہوں یہاں مجموعہ اربعہ ۷۸۶ ۸۵۹۲ء۹ ہوا اور وقت عشا ۴۶ ۷ ت آیا اور اس شہر میں مجموعہ ۹۲۸۴۶۱۹ء۹ ہوا اور وقتِ عشا ۸۵۶۳۱ ت ایک گھنٹہ دس ۱۰ منٹ سے زیادہ فرق ہوگیا طلوع وغروب کہ آپ نے نکالے یہی صحیح ہیں جن کی صحت اس پرچہ مؤامرہ سے ظاہر یہ حقیقی وقت ہیں اور اس السرطان کی تعدیل الایام مزید ۳۴ء۳۴ اور وسط ہند سے فصل غربی مدراس ۹ تو مجموعہ ۳۴ء۱۰۳۴ بڑھانے سے مدراس کا وقت ریلوے حاصل ہوگا یہ وقت غروب وہی ہے غروب ۶۲۶۵۴ء۳۱ طلوع ۵۳۳۰۵ء۷۹ + ۳۴ء۱۰۳۴ + ۳۴ء۱۰۳۴ = ۶۳۷۲۸ء۵۵ = ۵۴۳۴۰ء۱۳ جو آپ نے نکالا تین سکنڈ کا تفاوت ان فرقوں سے ہوا کہ آپ نے میل لیا جو ۲۲ جون سنہ حال کو گرینچ کے نصف النہار کا تھا اور میں نے الح حہ الر جو باسقاطِ خفیف ثوانی مَیل کلی ہے پھر آپ نے بُعدِ سَمتی افق مطلق حسبِ دستور سابق کہ میرے یہاں معمول تھا صہ حہ نالیا ہوگا اور اب میں صہ حہ لدمہ رکھتا ہوں البتہ طلوع میں ۳۹ سکنڈ کا تفاوت آنا اس پر دال ہے کہ آپ نے تعدیل الایام ۵۲ اَلی جو ۲۳ جون کی تعدیل مرصدی ہے اور ۹ منٹ فصل طول مل کر ۱۰۵۲ دونوں وقت حقیقی غروب وطلوع پر زائد کیی۔ دلیل یہ کہ آپ کے یہاں

معدل بتعدیلِ ریلوے وقت غروب ۲۵ ۳۷ ۶ت اور طلوع ۱۹ ۴۴ ۵ت
اس کا تمام ۵ ۲۲ ۳۵ ۵ ـ تمام غروب ۵ ۲۲ ۳۵ ۵
= ۲۱ ۴۴
نصف ۱۰ ۵۲
یہی منٹ سکنڈ آگئے جو تعدیل مرصدی ۲۳ جون کے تھے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ آپ کے یہاں وقت حقیقی غروب ۳۲ ۲۶ ۶ت آیا اور طلوع ۲۰ ۳۳ ۵ت تو آپ کے اور یہاں کے محسوب میں ۲۱ سکنڈ کا تفاوت ہے خیر ایسا کثیر نہیں۔ مدراسی صاحب کا حساب یقیناً وجہِ صحت نہیں رکھتا کہ غروب ساڑھے تین منٹ کم ہے اور طلوع سوا چار منٹ زیادہ، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے طلوع وغروب نکالنے کا قاعدہ ہی استعمال نہ کیا بلکہ معمولِ عوام بے علم کی طرح طلوع و غروبِ نجومی حقیقی مرکزی لے کر اُن میں تعدیل ریلوے ملا دی ظلِ میلِ راس السرطان ۹٫۶۳۷۲۶۴۱ اس جیب کی قوس تقریباً ۵ھ س ہے جس کا وقت + ظلِ عرضِ مدراس ۹٫۳۶۵۶۶۴۱ قالجح، غروب نجومی و ت الجح
۹٫۰۰۲۹۲۸۷
طلوع نجومی ۵ لونب | اور دقائق تعدیل بھی

اُنہوں نے لوظاہر وہی ی ق نب لیے ہیں ۔ و الجح ہ لونب
+ ی نب + ی نب
= ولدلہ = مرمد
غروب ۳۴ ۶ت طلوع ۴۸ ۵ت

یہ اُن کا ملنا غلط ہے۔ رہا وقتِ عشاء وہ انہوں نے صحیح دیا ہے پرچہ حساب ملاحظہ ہو۔
وقت حقیقی ۴ ۴۶ ۷ت یہ وقت ہوا
+ تعدیل ریلوے ۱۰ ۳۴
۳۸ ۵۶ ۷ت
سکنڈوں میں فرق ہے وبس۔

مؤامرات

صرف نصف اول
۹٫۹۳۳۸۹۷۶
فاضل ۳۷۷
۹٫۹۳۳۹۳۵۳

طول عرض
مدراس ف ہ — یج د

الجح الر = ۲۷ — ۲۳°
- عرض = ۴ — ۱۳
بعد اقل = ۲۳ — ۱۰

صرف نصف دوم
۹٫۸۷۶۴۵۷۴
فا۱۱ ۵۵۳
۹٫۸۷۶۵۱۲۷

وقت لومربع
۰ — ۴۶ — ۷ت
۱۰٫۲۶۵۶
لوفصل

۱۰۸
۲|۱۱۸ — ۲۳
نصف اول = ۳۰ — ۱۱ — ۵۹
نصف دوم = ۳۰ ۴۸ ۴۸
صرف نصف اول = ۹٫۹۳۳۹۳۵۳
" " دوم = ۹٫۸۷۶۵۱۲۷
قاطع میل = ٫۰۳۷۴۳۷۶
" عرض = ٫۰۱۱۳۹۳۰
لومربع = ۹٫۸۵۹۲۷۸۶
لومربع = ۱۹۷۸
۸۰۸
لا = ۹٫۳۵۱۱
+ لوفصل = ۱۰٫۲۶۵۶
۹٫۶۱۶۷
تحویل = ۴٫۱۳۶
+ وقت لومربع = ۰ — ۴۶ — ۷
عشا = ۴٫۱۳۶ — ۴۶ — ۷
صبح = ۵۵٫۸۶۴ — ۱۳ — ۴

۵۴٫۱ — ۳۴ — ۹۰
۸٫۷۸
بعد سمتی افقی مطلق = ۴۵٫۳۲ — ۳۴ — ۹۰
+ نصف قطر راس السرطان = ۴۵٫۶۷ — ۱۵
بعد حقیقی افقی راس السرطان = ۳۰٫۹۹ — ۵۰ — ۹۰
+ بعد اقل راس السرطان بہ راس = — ۲۳ — ۱۰
مجموعہ = ۳۰٫۹۹ — ۱۳ — ۱۰۱(۲
نصف اول = ۴۵٫۵۰ — ۳۶ — ۵۰

صرف نصف اول
۶٫۸۸۸۰۲۹۸
فا۱۰۴ ۷۸۶
۹٫۸۸۸۱۰۸۴
۴۵٫۵۰
۱۰۳۷
۳۱۸۵۰
۱۳۶۵۰
۴۵۵۰۰
۴۷۱۸۳

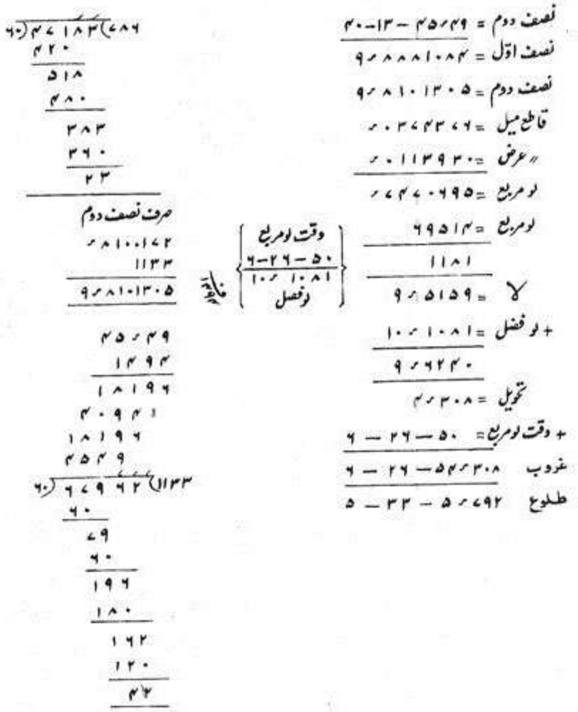

نصف دوم = ۴۰-۱۳-۴۵٫۴۹
نصف اوّل = ۹٫۸۸۸۱۰۸۴
نصف دوم = ۹٫۸۱۰۱۳۰۵
قاطع میل = ٫۰۳۷۴۳۷۶
〃 عرض = ٫۰۱۱۳۹۳۰
لومربع = ٫۷۴۷۰۶۹۵
لومربع = ۶۹۵۱۴
۱۱۸۱
لا = ۹٫۵۱۵۹
+ لوفضل = ۱۰٫۱۰۸۱
۹٫۶۲۴۰
تحویل = ۴٫۳۰۸
+ وقت لومربع = ۶-۲۶-۵۰
غروب ۶-۲۶-۵۴٫۳۰۸
طلوع ۵-۳۳-۵٫۶۹۲

ملاحظہ
وقت لومربع
۶-۲۶-۵۰
۱۰٫ ۱۰۸۱
لوفضل

۶۰) ۴۷۱۸۳ (۷۸۶
۴۲۰
۵۱۸
۴۸۰
۳۸۳
۳۶۰
۲۳
صرف نصف دوم
٫۸۱۰۰۱۷۲
۱۱۳۳
۹٫۸۱۰۱۳۰۵
۴۵٫۴۹
۱۴۹۴
۱۸۱۹۶
۴۰۹۴۱
۱۸۱۹۶
۴۵۴۹
۶۰) ۶۷۹۶۲ (۱۱۳۳
۶۰
۷۹
۶۰
۱۹۶
۱۸۰
۱۶۲
۱۲۰
۴۲

مسئلہ (۲۹۰ و ۲۹۱) از شہر جامع مسجد مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب بخاری طالب علم منظر اسلام

شخصے در نماز فجر بود کہ ناگاہ بشنید کہ گوئندہ میگفت کہ آفتاب برآمد الحال ایں کس در نماز است نماز را بگذارد و بازواپس اعادہ کند یا سلام بدہد بعد از طلوع	کوئی آدمی فجر کی نماز پڑھ رہا تھا اچانک اس نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "سورج نکل آیا ہے" اب یہ آدمی جو فی الحال نماز میں ہے اپنی نماز پُوری کرکے اس کا اعادہ کرے یا

آفتاب بخواند، بینوا توجّروا۔	سلام پھیر دے اور طلوع کے بعد دوبارہ پڑھے؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب:

نماز تمام کند وباز اگر صدق قائل دریابد اعادہ نماید ایں زمان بسیارے از مردم وقت نمی شناسند وبقرب طلوع بانگ برآرند کہ آفتاب برآمد واللہ تعالٰی اعلم۔	نماز پوری کرے، بعد میں اگر ثابت ہوجائے کہ سورج نکلنے والی بات درست تھی تو اعادہ کرے۔ آج کل اکثر لوگ وقت کا صحیح علم نہیں رکھتے اور طلوع قریب ہونے پر شور مچادیتے ہیں کہ سُورج نکل آیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)
سوال دوم: چہ میفرمایند علمائے دین کہ امام نماز صبح را ایں قدر تاخیر میکند کہ از برآمدنِ آفتاب پنج دقیقہ یا دہ دقیقہ مہماند کہ سلام میدہد ایں طور نماز بغیر کراہت ادا میشود یانہ، بینوا توجروا۔	کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک امام صبح کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھاتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سورج طلوع ہونے میں صرف پانچ منٹ یا دس منٹ باقی رہتے ہیں کیا یہ نماز بغیر کراہت کے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔ (ت)

الجواب:

در بحرالرائق وغیرہ تصریح فرمودہ اند کہ وقت فجر وقت ظہر اول تا آخر ہیچ کراہت ندارد یعنی بخلاف باقی اوقات کہ آخر آنہا مکروہ است پس ہر کہ در وقت شناسی دستگاہ کافی دارد بایں طور نماز او بلاشبہ بے کراہت است کہ بُوئے از کراہت ندارد، واللہ تعالٰی اعلم۔	البحرالرائق وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ فجر اور ظہر کے اوقات میں اوّل سے آخر تک کوئی کراہت نہیں ہے بخلاف باقی اوقات کے کہ وہ آخر میں مکروہ ہوجاتے ہیں، اس لئے جو شخص وقت شناسی میں مہارت رکھتا ہو، اگر اس طرح نماز پڑھے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو اس کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے۔ اس میں کراہت کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ (ت)

مسئلہ (۲۹۲تا۲۹۶) از جڑودہ ضلع میرٹھ مسئلہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

(۱) فجر کی نماز کا مستحب وقت کون سا ہے اور جس جگہ اُفق صاف نظر آتا ہو وہاں طلوع کی کیا پہچان ہے؟

(۲) ظہر کا اول وقت کَے بجے ہوتا ہے اور ضلع میرٹھ میں کَے بجے سے کَے بجے تک رہتا ہے اور جماعت کَے بجے ہونا چاہئے موسم گرما اور موسم سرما کب سے کب تک مانے جاتے ہیں اور ان میں ظہر کے مستحب اوقات

کیا ہیں؟

(۳) عصر کا مستحب وقت کون سا ہے، جماعت کَے بجے ہونا چاہئے؟

(۴) جس جگہ اُفق نظر آتا ہو وہاں غروب کی کیا پہچان ہے اور غروب سے کتنی دیر بعد مغرب کی اذان اور جماعت ہونا چاہئے اور مغرب کا وقت کتنی دیر تک رہتا ہے؟

(۵) عشا کا وقت مغرب سے کتنی دیر بعد ہوتا ہے؟

الجواب الملفوظ

(او۵) فجر کا مستحب وقت اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مثلاً اگر آج ایک گھنٹہ بیس منٹ کی صبح ہو تو اس وقت کے طلوع شمس میں چالیس[۴۰] منٹ باقی رہیں اور افضل یہ ہے کہ ایسے وقت ۴۰ یا ۶۰ آیتوں سے پڑھی جائے کہ اگر فسادِ نماز ثابت ہو تو پھر طلوع سے پہلے یونہی اعادہ ہوسکے اس کا لحاظ رکھ کر جتنی بھی تاخیر کی جائے افضل ہے، جب اُفق صاف نظر آتا ہے اور بیچ میں درخت وغیرہ کچھ حائل نہیں تو طلوع یہ ہے کہ آفتاب کی پہلی کرن چمکے اور غروب یہ کہ پچھلی کرن نگاہ سے غائب ہوجائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ظہر کا اول وقت آفتاب نصف النہار سے ڈھلتے ہی شروع ہوتا ہے اور گھنٹوں کے اعتبار سے باختلاف بلاد مختلف ہوگا یہاں تک کہ بعض بلادِ ہندوستان میں بعض ایام میں ریلوے گھڑی سے ۱۲ بجے بھی وقت شروع ہوگا اور بعض یعنی بعض ایام میں ۱۱ بجے سے پہلے ظہر کا وقت ہوجائے گا یہ تعدیل ایام واختلافات طول معلوم ہونے پر موقوف ہے جماعت گرمی میں وقت ظہر کے نصف آخر میں ہو اور جاڑوں میں نصف اول میں، میرٹھ میں کبھی ۵ بجے سے بعد تک وقتِ ظہر باقی رہتا ہے اور کبھی پونے چار بجے سے پہلے ختم ہوجاتا ہے اس میں بیانات کا اختلاف ہے اصل تقسیم اہلِ ہئیت نے یہ کی ہے کہ راس الحمل سے ختم جوزا تک بہار اور راس السرطان سے ختم سنبلہ تک گرما اور راس المیزان سے ختم قوس تک خریف اور راس الجدی سے ختم حُوت تک سرما مگر یہ یہاں کہ فصلوں سے مطابق نہیں آتی، صاحبِ بحر نے ربیع کو گرما سے ملحق کیا ہے اور یہ بھی قرین قیاس کہ آخر ستمبر سے دو ثلث مارچ تک سرما سمجھنا چاہئے اور باقی گرما، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) عصر کا وقت مستحب ہمیشہ اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مگر روزِ ابر تعجیل چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) غروب کا جس وقت یقین ہوجائے اصلاً دیر اذان وافطار میں نہ کی جائے اس کی اذان وجماعت میں فاصلہ نہیں، مغرب کا وقت میرٹھ میں کم از کم ایک گھنٹا ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۶ منٹ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۹۷) از موضع سراں ڈاک خانہ بشندور تحصیل ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

بخدمت جناب فیض مآب سرتاج حنفیان حضرت احمد رضا خان صاحب ادام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی کے بعد بہزار آداب التماس کہ ہم حنفیان کو بڑا فخر ہے کہ آپ جیسے مجتہد فقیہ خلیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی وامام اعظم اس زمانے کے آپ موجود ہیں ان مسئلوں مفصلہ ذیل کی سخت ضرورت ہے مہربانی فرماکر بتحقیق عمیق وتدقیق مایطیق ارشاد فرمادیں عنداللہ ماجور ہوں گے اما مسئلہ اولٰی فی الزوال کی اور شناخت وقت ظہر کی سخت ضرورت ہے میں اس سے بہت حیران ہوں بعض اوقات مجمع عام میں نماز ظہر جو بدخول وقت اوّل ہی پڑھی جاتی ہے مگر مجھے یقین دخولِ وقت کا بھی نہیں ہوتا آپ تحریر فرمائیں کہ بارہ ۱۲ بجے کے بعد ایک دو منٹ پر وقت ظہر داخل ہوتا ہے یا نہیں اور جن دیہات میں حساب گھڑی کا نہ ہو تو مسجد کے دروازہ سے اگر سایہ باہر ایک دو انگشت نکلے تو ظہر داخل ہے یا نہ، پھر جب سایہ بڑھنے میں ہو تو وقت ظہر داخل ہے یا نہ قبل قیام ظہیرہ نصف نہار کے سایہ گھٹتا رہتا ہے نصف نہار کو کھڑا ہوتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے جب سایہ بڑھانے میں ہو تو ظہر داخل ہے یا نہ، اور سایہ اصلی ظہر کے واسطے نکالا جاتا ہے یا نہ شناخت ظہر سفر حضر میں کس طرح ہوتی ہے اور سایہ اصل قبل زوال یا وقت زوال یا بعد زوال کیا ہوتا ہے اور سایہ اصلی بوقتِ دوپہر بطرف شمال ہوتا ہے پس عصر کے واسطے مقیاس کی بیخ سے سایہ اصلی خارج بطرف مشرق کیا جاتا ہے یا کہ بطرف شمال خارج کرکے پھر دوچند کیا جائے فرائد سنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بطرف شمال سایہ اصلی کو چھوڑ کر دوچند کیا جائے۔ عبارت فرائد سنیہ کی یہ ہے۔

معرفۃ فیئ الزوال یغرز خشبۃ مستویۃ فی ارض مستویۃ قبل الزوال فالظل ینقص فاذاوقف لم ینقص ولم یزد فھو قیام الظھیرۃ فاذا اخذ فی الزیادۃ فقد زالت الشمس فخط علی راس الزیادۃ خطاً فیکون من راس الخط الی العود فیئ الزوال فاذا صار ظل العود مثلہ اومثلیہ من راس الخط لامن موضع غرز العود خرج وقت الظھر ودخل وقت العصر وفیئ الزوال یکون الی الشمال[1]۔	فیئ الزوال کی پہچان۔ زوال سے پہلے ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین میں نصب کی جائے تو اس کا سایہ کم ہوتا جائیگا، جب سایہ ٹھہر جائے اور گھٹے بڑھے نہ تو یہ قیام ظہیرہ کا وقت ہے۔ جب بڑھنے لگے تو سورج کا زوال شروع ہوجاتا ہے، اب جہاں سے بڑھنے کا آغاز ہوا ہے وہاں ایک لکیر بطور نشانی لگادو، اس لکیر سے لکڑی تک جو سایہ ہے یہ فیئ الزوال ہے، جب لکڑی کا سایہ اس کی ایک مثل یا دو مثل ہوجائے یعنی لکیر سے، نہ کہ لکڑی کی جڑ سے، تو ظہر کا وقت ختم ہوجائے گا اور عصر کا وقت داخل ہوجائے گا اور زوال کا سایہ شمالی کی جانب ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] فرائد سنیہ

اس مسئلہ کی مجھے سخت ضرورت ہے مہربانی فرما کر اس میں اچھی غور فرما کر پھر ان میں جو جو میرے سوالات ہیں جن کے سبب میں غلطی میں پڑا ہُوں ان کو بنور سواد منور فرماؤ۔

الجواب:

نصف النہار وفیئ الزوال کی یہ کافی پہچان ہے جو آپ نے فرائد سنیہ سے نقل کی ہموار زمین میں سیدھی لکڑی عمودی حالت پر قائم کی جائے اور وقتاً فوقتاً سایہ کو دیکھتے رہیں جب تک سایہ گھٹنے میں ہے دوپہر نہیں ہوا اور جب ٹھہر گیا نصف النہار ہوگیا اس وقت کا سایہ ٹھیک نقطہ شمال کی جانب ہوگا اسے ناپ رکھا جائے کہ یہی فیئ الزوال ہے اس سے پہلے سایہ مغرب کی طرف تھا جب سایہ بڑھنے لگا دوپہر ڈھل گیا اب سایہ مشرق کی طرف ہوجائے گا جب لکڑی کا سایہ مشرق وشمال کے گوشہ میں اُسے فےء الزوال کی مقدار اور لکڑی کے دو مثل کو پہنچ گیا مثلاً آج ٹھیک دوپہر کو لکڑی کا سایہ اُس کا نصف مثل تھا اور اُس وقت خاص نقطہ شمال کو تھا اب وقتاً فوقتاً بڑھے گا اور مشرق کی طرف جھکے گا جب سایہ لکڑی کا ڈھائی مثل ہوجائے عصر ہوگیا اور اس سے زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ صحیح کمپاس سے نہایت ہموار زمین میں سیدھا خط جانبِ قطب کھینچ لیجئے اور اس خط کے جنوبی کنارے پر وہ لکڑی عموداً قائم کیجئے لکڑی کا سایہ جب تک اس خط سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہوا جب سایہ اس خط پر منطبق ہوجائے ٹھیک دوپہر ہے اور اُسی وقت کا سایہ فیئ الزوال ہے جب سایہ اس خط سے مشرق کو ہٹے دوپہر ڈھل گیا مسجد کی مشرقی دیوار اگر سیدھی ہموار اور ٹھیک نقطتین جنوب وشمال کو ہے اور اُس کے دونوں پہلو پر زمین ہموار ہے تو اُس سے بھی شناخت ہوسکتی ہے دیوار کا سایہ جب تک اُس سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہُوا اور جب مشرق کو پڑے دوپہر ڈھل گیا اور جب دونوں پہلوؤں پر سایہ نہ ہو تو ٹھیک دوپہر ہے گھڑیوں کے بارہ ۱۲ سے اس کی شناخت تعدیل الایام وفصل طول جاننے پر منحصر ہے اصل بلدی وقت سے دوپہر کبھی سوا بارہ ۱۲ بجے بھی نہیں ہوتا اور کبھی پونے گیارہ بجے ظہر ہوجاتا ہے اور جبکہ گھڑیاں مقامی وقت پر نہ چلیں بلکہ دوسری جگہ کے وقت پر جیسے ہندوستان میں شرق سے غرب تک ساری گھڑیاں وسطِ ہند کے وقت پر جاری ہیں جس کا طول ۸۲ درجے ۳۰ دقیقے ہے جب تو بہت کثیر تفاوت ہوجائے گا مثلاً جہلم میں ۱۱ فروری کو ۱۲ بج کر انچاس ۴۹ منٹ تک بھی دوپہر نہ ہوگا اور کلکتہ میں نومبر کی چوتھی کو ۱۱ بج کر ۲۰ منٹ پر وقتِ ظہر ہوجائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۹۸) ازمزنگ لاہور مرسلہ ابوالرشید محمد عبدالعزیز خطیب وامام جامع مسجد ملک سردار خان مرحوم ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اوقاتِ نماز جو شارع علیہ السلام نے معین فرمائے ہیں ان کے بیچ میں کسی نماز کا فاصل وقت مقرر کرنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب:

حدیث میں سنّتِ اقدس یوں مروی ہے کہ جب لوگ جلد حاضر ہو جاتے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جلد پڑھ لیتے اور حاضری میں دیر ملاحظہ فرماتے تو تاخیر فرماتے اور کبھی سب لوگ حاضر ہو جاتے اور تاخیر فرماتے یہاں تک کہ ایک بار نماز عشا میں تشریف آوری کا بہت انتظارِ طویل صحابہ کرام نے کیا بہت دیر کے بعد مجبور ہو کر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درِ اقدس پر عرض کی کہ عورتیں اور بچّے سو گئے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا: "رُوئے زمین پر تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کرتا ہو اور تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو"۔ نمازوں کے لئے اگر گھنٹے گھڑی کے حساب سے اگر کوئی وقت معین کرلیا جائے جس سے لوگوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے اور وقت معین پر جلد جمع ہو جائیں جیسا حرمین طیبین میں اب معمول ہے تو اس میں بھی حرج نہیں جبکہ ضعیفوں اور مریضوں پر تکلیف اور جماعت کی تفریق نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۹۹) از مراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی امام عادتًا مغرب کی اذان اُس وقت دَلاوے کہ اُس شہر کی سب مساجد میں یقینا نماز ہو چکی ہو مثلًا ۲۰ منٹ کے بعد اور اپنے پیر کے دکھانے کو یعنی اُس کی موجودگی میں بیس ۲۰ منٹ قبل قصدًا ایسا کرے اور ساتھ ہی اس کے جو سجود و قعود کہ وہ عادتًا کرتا تھا اپنے پیر کی موجودگی اُس سے سہ گنے وقت میں ادا کرے تو یہ اذان و نماز کہاں تک ریا و مکاری پر دال ہے۔

الجواب:

اذانِ مغرب میں بلاوجہ شرعی تاخیر خلاف سنّت ہے پیر کے سامنے جلد دلوانا ریا پر کیوں محمول کیا جائے بلکہ پیر کے خوف یا لحاظ سے اُس خلافِ سنّت کا ترک پیر کے سامنے رکوع و سجود میں دیر بھی خواہ نخواہ ریا اور مکاری پر دلیل نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے سے تاثر بھی ممکن اور مسلمانوں کا فعل حتی الامکان محملِ حسن پر محمول کرنا واجب اور بدگمانی ریا سے کچھ کم حرام نہیں، ہاں اگر رکوع و سجود میں اتنی دیر لگاتا ہو کہ سنّت سے زائد اور مقتدیوں پر گراں ہو تو ضرور گنہگار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم (۳۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلوع آفتاب ہونے کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے اور وہ شخص جس نے کہ سنّتیں فجر کی نہ پڑھی ہوں اور دس بارہ منٹ طلوع میں باقی ہوں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح پر ظہر کی سنت بے پڑھے امامت کر سکتا ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلوع کے بعد کم از کم بیس ۲۰ منٹ کا انتظار واجب ہے۔ دس بارہ منٹ میں سنّتیں اور فرض دونوں ہو سکتے ہیں سنّتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، اگر وقت بقدر فرض ہی کے باقی ہے تو آپ ہی سُنتیں چھوڑے گا پھر اگر جماعت میں کسی نے ابھی سُنّتیں نہ پڑھیں یا جس نے پڑھیں وہ قابلِ امامت نہیں تو جس نے نہ پڑھیں وہی امامت کرے گا اور اگر وقت میں وسعت ہے تو سنّتِ قبلیہ کا ترک گناہ ہے اور اُس کی امامت مکروہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۱) از موضع باکڑی ضلع گورگانوہ ڈاک خانہ ڈھنیہ مسئولہ محمد یسین خان ۱۰ رمضان ۱۳۳۱ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں ایک مولوی صاحب مولود شریف عشا سے لے کر ایک بجے رات تک پڑھتے اور نمازِ عشا بعد مولود شریف کے ایک بجے کے بعد پڑھتے ہیں بغیر عذر کے، فقط۔

الجواب الملفوظ:

نمازِ عشا کی نصف شب سے زائد تاخیر مکروہ ہے اُن کو چاہئے عشا پڑھ کر مجلس شریف پڑھا کریں، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۲) از جے پور بیرون اجمیری دروازہ، کوٹھی حاجی عبدالواجد علی خان مسئولہ حامد حسن قادری ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ مغرب اور افطار کا حکم ایسے وقت دینا کہ چند حضار مسلمانوں کو غروب میں کلام ہو گیا ہے اور ان دونوں کا صحیح وقت کیا اور اس کی شناخت کیا ہے؟

(۲) نمازِ مغرب اور اذانِ عشا میں کس قدر فاصلہ درکار ہے، کیا جس جگہ پر بحساب دھُوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کو اذانِ مغرب ہوتی ہو وہاں آٹھ بجے فرضِ عشا پڑھ سکتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹا پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب و اذانِ عشا میں ہونا چاہئے، اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب مشرق سے سیاہی بلند ہو اور مغرب میں دن چھپے اور آفتاب ڈوبنے پر یقین یعنی پورا ظنِّ غالب ہو جائے اُس وقت افطار کیا جائے اُس کے بعد دیر لگانا نہ چاہئے، یہی علامات حدیث میں ارشاد ہوئیں اور جو عالم مقتدا ہو اور علمِ توقیت جانتا ہو اور اُسے قرائن صحیحہ سے غروب کا یقین ہو گیا ہو وہ افطار کا فتوٰی دے سکتا ہے اگرچہ بعض ناواقفوں کو غروب میں ابھی تردّد ہو **کما دلّ علیہ حدیث انزل فاجدح لنا واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ فاصلے باختلافِ عرض بلد مختلف ہوتے ہیں، ان میں کم از کم ایک گھنٹا ۱۸ منٹ کا فاصلہ ہے سواسات پر آفتاب ڈوبے اور پون گھنٹے بعد عشا ہوجائے ایسا تمام جہان میں کہیں نہیں جس زمانے میں سواسات کے قریب غروب ہوتا ہے اذانِ مغرب وعشا کا فاصلہ اور بھی بہت زائد ہوجاتا ہے مثلًا ان بلاد میں ایک گھنٹا چھتیس منٹ اور پون گھنٹے کا فاصلہ تو ان بلاد میں کسی طرح مذہبِ صاحبین پر بھی صحیح نہیں تو وہ نمازِ عشا از رُوئے مذہبِ حنفی بالکل باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۳) چہ میفر مایند علمائے دین اندرین مسئلہ کہ فرائض داخل نماز درہر صلاۃ فرضیت اویکسان ست یا صرف در نماز فرض، **بینوا توجّروا۔**	کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جو فرائض نماز میں داخل ہیں، ان کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف فرضی نمازوں کے ساتھ مختص ہے؟ بینوا توجّروا۔ (ت)

الجواب:

تکبیر تحریمہ در ہر نماز مطلّقا حتی صلاۃ الجنازۃ ورکوع وسجود وقرأت وقعود درہر نمازِ مطلق اگرچہ نافلہ باشد و قیام درہر نماز فرض وواجب ونیز درسنّت فجر علی الاصح وخروج بصنع خود علی تخریج البروعی بخلاف الکرخی اینہمہ فرض است وتعدیل ارکان واجب وقدرت ہمہ جاشرط است اخرس رابتکبیر وقرأت ومریض مؤمی رابرر کوع وسجود تکلیف ندہند وفی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح للعلامۃ الشرنبلالی الاحدب اذابلغت حدبتہ الرکوع یشیر براسہ للرکوع لانہ عاجز مماھو اعلی[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تکبیر تحریمہ، ہر نماز میں، حتی کہ نماز جنازہ میں بھی۔ رکوع، سجود، قرأت اور قعود (نماز جنازہ کے علاوہ) ہر نماز میں، خواہ نفلی نماز ہو۔ قیام، ہر اس نماز میں جو فرض اور واجب ہو اور اصح قول کے مطابق فجر کی سُنّتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے فجر کی سُنّتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے خارج ہونا بروعی کی تخریج کے مطابق، کرخی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ سب فرائض ہیں اور تعدیل ارکان واجب ہے۔ لیکن استطاعت سب میں شرط ہے۔ گونگا تکبیر وقرأت کا اور اشارہ کرنے والا مریض رکوع وسجود کا مکلّف نہیں ہے۔ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے کہ اگر کُبڑے کا کُبڑاپن رکوع کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو وہ رکوع کے لئے سر سے اشارہ کرے گا کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵

مسئلہ (۳۰۴) نہار عرفی وشرعی میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہار عرفی طلوع مرئی کنارہ شمس سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے

واحترزت بذلك عن النهار النجومی فانه من انطباق مرکز الشمس علی دائرۃ الافق من قبل المشرق الی انطباقه علیها فی جهة المغرب، فیکون العرفی اکبر من النجومی ابدًا بقدر مایطلع نصف کرۃ الشمس ویغرب النصف کمالایخفٰی، ویقدر مایقتضیه الانکسار الافقی فی الجانبین، وهو قدر اربع وثلثین دقیقه من دقائق فلك البروج، فی کل جانب۔	اس سے میں نے احتراز کیا ہے نہار نجومی سے، کیونکہ وہ مشرقی جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے سے شروع ہوتی ہے اور مغربی جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے پر ختم ہوتی ہے تو نہار عرفی، نہار نجومی سے ہمیشہ اتنی بڑی ہوتی ہے جتنی دیر میں سورج کا آدھا کرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دونوں طرف جو افقی انکسار واقع ہوتا ہے اس کے تقاضے کے اندازہ کیا جائے گا اور وہ ہر جانب، فلک بروج کے دقیقوں میں سے چونتیس ۳۴ دقیقوں کے برابر ہوتا ہے۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب مرئی کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اس کے نسف سے پہلے ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ جو تحویل حمل کا دن ہے کہ آفتاب بریلی اور اس کے قریب کے مواضع میں چھ ۶ بجے نکلا اور چھ ۶ بج کر چودہ ۱۴ منٹ پر ڈوبا اور تقریبًا پونے پانچ بجے صادق چمکی تو اس دن نہار شرعی ساڑھے تیرہ (۱/۲ ۱۳) گھنٹے کا ہے جس کا آدھا چھ ۶ گھنٹے پینتالیس ۴۵ منٹ، اسی مقدار کو پونے پانچ (۳/۴ ۴) پر بڑھایا تو ساڑھے گیارہ بجے کا وقت آیا اسی کو ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اس وقت تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ کی نیت جائز ہے اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار حقیقی تک کہ روزِ تحویل حمل یعنی بیس ۲۰ اکیس ۲۱ مارچ کو تقریبًا بارہ بجے سات منٹ پر ہوتا ہے سارا وقت سینتیس ۳۷ منٹ کا وقت استوا ہے جس میں نماز ناجائز وممنوع اور یہ ظاہر کہ یہ مقداریں اختلافِ موسم سے گھٹتی بڑھتی رہیں گی، یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوٰی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزافی القهستانی، القول بان المراد انتصاف النهار العرفی، الی ائمة	قہستانی میں اس قول کو کہ مراد نہار عرفی کا انتصاف ہے، ائمہ ماوراالنہر کی طرف منسوب کیا ہے اور

ماوراء النہر، وبان المراد انتصاف النہار الشرعی، وھو الضحوۃ الکبرٰی الی الزوال، الی ائمۃ خوارزم[1] وھھنا ابحاث سنوردھا ان شاء اللہ تعالٰی فی غیر ھذا التحریر عہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	اس قول کو کہ نہار شرعی کا انتصاف مراد ہے، یعنی ضحوہ کبرٰی زوال تک، ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے اور یہاں کچھ اور بحثیں ہیں جنہیں ہم کسی اور تحریر میں بیان کریں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۵) مسئولہ حافظ علی بخش ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ گنج مسجد خلیفاں ۲۵ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) ۱۴/ اگست کو دھوپ گھڑی سے ۱۱ بج کر ۱۷ منٹ پر اور مدراس ٹائم سے ۱۱ بج کر ۳۳ منٹ سے ضحوہ کبرٰی شروع ہوا اور دھوپ گھڑی سے ۱۲ بجے اور ریلوے ٹائم سے ۱۲ بج کر ۱۶ منٹ پر تمام ہوا تو ضحوہ کبرٰی سے لے کر حقیقی نصف النہار تک کوئی نماز مثل عیدین وجنازہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) مدراسی ٹائم شرعی وقت سے جنوری فروری میں ۲۰ منٹ آگے ہوتا ہے جبکہ شرعی وقت میں ۱۲ بجتے ہیں تو مدراسی ٹائم میں ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ آتے ہیں اگر کسی مسجد میں مدراسی ٹائم سے گھڑی ہو اُسی حساب سے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ باقی ہیں اور زوال دھوپ گھڑی سے مانا جائے گا یا مدراسی ٹائم سے اور یومِ جمعہ کو زوال ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اصح واحسن یہی ہے کہ ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار حقیقی تک سارا وقت وہ ہے جس میں نماز نہیں، ہاں جنازہ اسی وقت میں آیا تو پڑھ سکتے ہیں **لتادیھا کما وجبت**۔

(۲) ہمارے مذہب میں بروز جمعہ بھی وقتِ استوا پر وہی احکام ہیں جسے لوگ وقتِ زوال بولتے ہیں، زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے مدراس وغیرہ کے اوقات کا کچھ لحاظ نہیں، جو اذان زوال سے پہلے ہوئی ناجائز ہوئی زوال آنے پر پھر کہی جائے **کماھو حکم کل اذان اذن قبل الوقت** اب ریلوے گھڑیوں میں جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراسی وقت بھی نہیں بلکہ وسطِ ہند کا وقت ہے جہاں فصل طول ساڑھے بیاسی درجے یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے کا ہے لہٰذا ہندوستان بھر کی گھڑیاں جب سے نو منٹ زائد کردی گئی ہیں اس زیادت پر بھی جنوری کی ابتدائی تاریخوں

عہ بیاض فی الاصل بخط الناسخ ختمہ علی لفظۃ التی فبدلناہ بالتحریر ۱۲ مصحح الفقیر حامد رضا خان غفرلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

میں ۱۲بج کر ۲۰ منٹ سے پہلے زوال ہے، ہاں بعد کی تاریخوں اور فروری میں اتنا اور اتنے سے زائد آنولہ میں ۱۲بج کر ۲۶ منٹ تک ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۶) مسئولہ عبداللہ دُکاندار مقام درو ضلع نینی تال روز سہ شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس میں کہ:

(۱) صبح کاذب اور صبح صادق کی مجھے قَطعی پہچان نہیں ہے کہ صبح صادق کتنی دیر کی ہوتی ہے کل میعاد لگادی جائے کہ گھنٹہ بھر کا یا کم وبیش مجھے لفظوں میں شک رہتا ہے اور بارہ ۱۲ مہینے ایک ہی برابر ہوتا ہے یا کچھ فرق ہے ہر مہینہ کی علیحدہ علیحدہ میعاد لگادیجئے تاکہ تسکین ہو۔

(۲) تہجد کے وقت بیس ۲۰ رکعت قضاپڑھے تو ہر نیت کے ساتھ اقامت کرے یا کہ پہلی نیت کے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹہ انیس منٹ کی ہوتی ہے یعنی صبح صادق ہونے سے طلوعِ آفتاب تک اتنا وقت رہتا ہے یہ مارچ کے مہینہ میں ہے پھر وقت بڑھتا جاتا ہے اخیر جون میں ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہوجاتا ہے اس سے زیادہ صبح کی مقدار ان شہروں میں نہیں ہوتی پھر گھٹتا جاتا ہے اخیر ستمبر میں وہی ایک گھنٹہ انیس منٹ رہ جاتا ہیے چوبیس اکتوبر تک یہی رہتا ہے پھر بڑھتا ہے ۲۲ دسمبر کو ایک گھنٹہ ۲۸ منٹ ہوجاتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں اس سے زیادہ نہیں بڑھتا پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے مارچ میں وہی ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ رہ جاتا ہے انہیں ۱۶ منٹ کے اندر دورہ کرتا ہے یعنی کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۵ منٹ۔

(۲) قضا کہ تنہا پڑھے اس میں ایک دفعہ بھی اقامت نہ چاہئے کہ قضا کرنا گناہ تھا اور گناہ کے چھپانے کا حکم تھا نہ کہ اعلان کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۷) مسئولہ محمد یوسف از فتح پور ڈاکخانہ سیور ضلع بھاگل پور بتاریخ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اوقاتِ نماز کو مقرر کرنا چاہئے یا جس وقت خاص لوگ آلیں اس وقت نماز شروع کرنا چاہئے، **بینوا توجروا۔**

الجواب: عادت کریمہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ تھی جب لوگ جلد جمع ہوجاتے نماز پڑھ لیتے ورنہ دیر فرماتے مگر آج کل لوگوں کو شوقِ جماعت کم ہے وقت مستحب کی تعیین مناسب ہے پھر بھی اگر تاخیر دیکھیں تو اتنا انتظار کریں کہ حاضرین پر بار نہ ہو اور کسی خاص شخص کے انتظار کے لئے تاخیر نہ چاہئے مگر چند صورتوں میں، اول کہ وہ امام معین ہو، دوم عالمِ دین، سوم حاکمِ اسلام، چہارم پابندِ جماعت کہ بعض اوقات مرض وغیرہ عذر

کی وجہ سے اسے دیر ہو جائے، پنجم سر بر آوردہ شریر جس کا انتظار نہ کرنے سے ایذا کا خوف ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۸) از مقام آہور ملک مارواڑ متصل آیر پتورا پیر محمد امیر الدین. بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

نمازِ عصر کے بعد قرآن شریف پڑھنا دیکھ کر یا زبانی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:

بعد نمازِ عصر تلاوت قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یا دپر، مگر جب آفتاب قریب غروب پہنچے اور وقتِ کراہت آئے اُس وقت تلاوت التوی کی جائے اور اذکارِ الٰہیہ کیی جائیں کہ آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۹) بعد نماز عصر کے اور فجر کے سجدہ کرنا یا فقہ پڑھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

جائز ہے مگر جب عصر میں وقتِ کراہت آجائے تو قضا بھی جائز نہیں اور سجدہ مکروہ اگرچہ سہو یا تلاوت کا ہو اور سجدہ شکر تو بعد نمازِ فجر و عصر مطلقاً مکروہ، دُرمختار میں ہے:

وکرہ تحریما، وکل مالایجوز مکروہ، صلاۃ مطلقا، ولوقضاء اوواجبۃ اونفلا اوعلی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسھو، مع شروق واستواء وغروب[1]	مکروہ تحریمی ہے اور جو کام جائز نہ ہو وہ مکروہ ہی ہوتا ہے نماز مطلقاً خواہ قضا ہو، واجب ہو، نفل ہو یا نماز جنازہ ہو۔ اور سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو۔ بوقتِ طلوع، استواء اور غروب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ ان یسجد شکرا بعد الصلاۃ فی الوقت الذی یکرہ فیہ النفل ولایکرہ فی غیرہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم	نماز کے بعد سجدہ شکر کرنا ان اوقات میں مکروہ ہے جن میں نماز مکروہ ہے، اس کے علاوہ مکروہ نہیں (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ یستحب تاخیر العصر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۱/۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطلب طلوع الشمس من مغربہا مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲۷۳/۱

مسئلہ (۳۱۰) از سہاور ضلع ایٹہ مسئولہ اولاد علی صاحب بروز شنبہ بتاریخ ۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) زید نے نمازِ فجر طلوعِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور اُس کے نماز پڑھنے میں آفتاب نکل آیا تو وہ نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) نمازِ مغرب غروبِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور نماز پڑھتے ہی میں آفتاب غروب ہوگیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجرّوا۔**

الجواب:

(۱) نماز فجر میں سلام سے پہلے اگر ایک ذرا سا کنارہ طلوع ہوا نماز نہ ہوگی۔

(۲) اگر ایک نقط بھر کنارہ شمس غروب کو باقی ہے اور اس نے مغرب کی تکبیر تحریمہ کہی نماز نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۱) مسئولہ منشی عبدالرحمٰن صاحب اعظمی از ریاست جے پور گھاٹ دروازہ ۲۴ محرم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز جو اصحاب حنفیّہ کے یہاں اسفار میں ہے کہ وہ کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب سے کتنے پر نماز ختم ہونی چاہئے، اس کی کیا مقدار ہے اور بعد اختتام نمازِ فجر کتنے منٹ طلوعِ آفتاب کو باقی رہنا چاہئیں: مفصّل طور پر بیان فرمایا جائے، **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کما فی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے **اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر**[1] (فجر کو خُوب روشن کرو کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ ت) مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولٰی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہوسکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۱۲) مرسلہ ولی احمد قلعی گر رانی کھیت صدر بازار ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

جناب پیر صاحب قبلہ السلام علیکم، بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ جمعہ کا وقت جاڑے کے دنوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے اور گرمیوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے خلاصہ حال سے براہِ مہربانی اطلاع دیجئے اور عصر کا وقت کتنے بجے تک رہتا ہے یہ بھی اطلاع دیجئے ایک شخص اعتراض کرتے ہیں جمعہ کے وقت کا اس وجہ سے آپ کو تکلیف دی فقط والسّلام۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝۱۰۳

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب تعجیل الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۱

الجواب:

جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے سایہ جب تک سایہ اصل کے سوا دو مثل کو پہنچے جمعہ وظہر دونوں کا وقت باقی رہتا ہے۔ بریلی میں ریلوے وقت سے جاڑوں میں کم از کم ۳ بج کر چالیس ۴۰ منٹ تک وقت رہتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ ۵ بج کے ۷ منٹ تک، عصر کا وقت غروب تک ہے اور اس سے تقریبًا بیس ۲۰ منٹ پہلے وقتِ کراہت شروع ہوجاتا ہے، غروب جاڑوں میں ۵ بج کر ساڑھے ۱۵ منٹ پر ہوتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ سات ۷ بج کے چودہ ۱۴ منٹ پر، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۳) ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو ۲ نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز ہے، **قال اللہ تعالٰی:** اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾[1] (بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا) کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کھو کر پڑھنا روا بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ ان تؤخر صلاۃ حتی یدخل وقت صلاۃ اخری۔[2]	سونے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگنے میں ہے کہ تو ایک نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ دوسرے نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی رواہ مسلم واحمد وابوداود والطحاوی وابن حبان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سفر وحضر میں حاضر بارگاہِ رسالت پناہ ہمرکاب نبوت مآب رہا کرتے صاف صریح انکار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کو کبھی دو ۲ نمازیں جمع فرماتے نہ دیکھا مگر مزدلفہ عرفات میں جہاں کی جمع ہنگام حج حجاج کے لئے سب کے نزدیک متفق علیہ ہے نویں تاریخ عرفات میں ظہر وعصر پھر نویں شب مزدلفہ میں مغرب وعشا ملا کر پڑھتے ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی وشرح معانی الاثار امام طحاوی میں اُس جناب

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

[2] مسند احمد بن حنبل مسانید ابن ابی قتادۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۰۵

سے ہے: **قال مارأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتہا الاصلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتہا** [1]۔ **وفی لفظ للنسائی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلاۃ لوقتہا الابجمع وعرفات** [2]۔ سیدنا امام محمد مؤطا شریف میں بسند صحیح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: **انہ کتب فی الافاق ینہاھم ان یجمعوا بین الصلاتین ویخبرھم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر** [3] (یعنی اُس جناب خلافت مآب ناطق بالحق والصواب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان تحریر فرما بھیجے کہ کوئی شخص دو۲ نمازیں جمع نہ کرے اور اُن میں ارشاد فرمایا کہ ایک وقت میں دو۲ نمازیں ملانا کبیرہ گناہوں سے ایک گناہ کبیرہ ہے) مخالفین کے پاس جمع حقیقی پر قرآن وحدیث سے اصلًا کوئی دلیل نہیں جو کچھ پیش کرتے ہیں یا تو جمع صوری صریح ہے یعنی ظہر یا مغرب کو اُس کے ایسے آخر وقت میں پڑھنا کہ فارغ ہوتے ہی فورًا یا ایک وقفہ قلیل کے بعد عصر یا عشا کا وقت آجائے پھر وقت ہوتے ہی معًا عصر یا عشا کا پڑھ لینا کہ حقیقت میں تو ہر نماز اپنے وقت پر ہُوئی مگر دیکھنے میں مل گئیں ایسی جمع مریض ومسافر کے لئے ہم بھی جائز مانتے ہیں اور حدیثوں سے یہی ثابت ہے یا محض مجمل ہے جس میں جمع حقیقی کی اصلًا بُو نہیں یا صاف محتمل کہ احادیث جمع صوری سے بہت اچھے طور پر متفق ہو سکتی ہے غرض کوئی حدیث صحیح وصریح مفسر اُن کے ہاتھ میں اصلا نہیں بعونہٖ تعالٰی اس کا نہایت شافی ووافی بیان فقیر نے رسالہ **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین** ۱۳۱۳ھ میں لکھا کہ اس سوال کے آنے پر تحریر کیا جسے تحقیق حق منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے **وباللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۴) مرسلہ جناب مولانا مولوی شاہ عبدالغفار صاحب قادری قدوسی مدرس اول مدرسہ جامع العلوم معسکر بنگلور

مولٰنا المولوی جناب مولوی احمد رضا خان صاحب قادری الحنفی البرکاتی البریلوی ادام برکاتکم والطافکم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم حضرت قاضی مفتی ارتضا علی خاں صاحب جو وقت اخراج کے اس طور سے کہ پہلے ایک تختہ اصطرلاب اپنے سامنے رکھے تھے اور دو دائرہ ہندیہ پتھّر پر تیار کرکے اصطرلاب پر شاقول پھرائے اور دائرہ ہندیہ پر نظر کرکے ایسا ایک ہی کامل محنت کرکے یہ رسالہ لکھے ہیں آپ اس سے عرض کرتا ہوں کہ مدراس تیرہ ۱۳

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس لصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۷

[2] سنن النسائی الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، مطبوعہ، سلفیہ لاہور، ۲/ ۳۹

[3] مؤطا امام محمد، باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس مجتبائی لاہور ص ۱۳۲

درجہ پر واقع ہے اور یہ معکسر بنگلور دوسوسترہ میل پر ساڑھے سترہ درجہ پر ہے ہم اس حساب سے ۵ لحظہ بڑھ کر لیتے ہیں اس رسالہ میں جو ۱۵ لحظہ دیری کرنا لکھے ہیں حاجت نہیں ریلوے حساب سے مدراس اور یہاں دو ۲ لحظہ ہی کا فرق ہے اگر ۵ لحظہ تاخیر کریں تو کافی رہا آپ کا بریلی شہر اس حساب کے موافق ہر گز نہ ہوگا کیونکہ اغلبًا شاید چودہ ۱۴ درجہ پر ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اختلاف اوقات بہ تقدم وتاخر تو ضرور تبدیل طول بلد سے ہوجاتا ہے مگر وہ وجہ تغیر حساب نہیں مثلًا جس بلد میں طلوع شمس کسی جز میں سات بجے پر ہو تو اس عرض کے جتنے بلاد وآفاق ہیں سب میں طلوع شمس جز مذکور میں سات ۷ ہی بجے ہوگا بلاتفاوت اگرچہ بلد شرقی میں سات پہلے بجیں گے اور غربی میں بعد ہاں اختلاف عرض موجب تزاید وتناقص وتغیر حساب ہوتا ہے کہ اس کے باعث تعدیل النہار ومطالع البروج وقوس النہار وقوس اللیل وغایت ارتفاع وغایت انحفاض وغیرہا امور جن پر ابتنائے حساب اوقات ہے متبدل ہوجاتے ہیں مدراس بنگلور کے عرض میں ایسا تفاوت نہیں کہ تغیر معتدبہ دے، مدراس تیرہ ۱۳ درجے ۵ دقیقہ ہے اور بنگلور جہاں تک مجھے مراجعت اطلس سے معلوم ہوا ہے علی قول بارہ ۱۲ درجے اُنسٹھ ۵۹ دقیقہ اور علی قول آخر ۱۲ درجے ۵۵ دقیقے پر ہے۔ یہ چھ ۶ یا دس ۱۰ دقیقے کا تفاوت چنداں مغیر اوقات نہ ہوگا، پانچ دقیقہ ساعت جو آپ نے مقرر فرمائے کثیر ہیں. بریلی کا عرض ۲۸ درجے ۲۱ دقیقے ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر کا کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے اور جو شخص نہایت اندھیرے میں اول وقت نمازِ فجر پڑھے اور لوگوں کو اُسی وقت پڑھنے کی تاکید کرے اور کہے بعد روشنی کے نماز مکروہ ہوتی ہے وہ شخص سچّا ہے یا نہیں اور وہ نماز اُس کی مستحب وقت پر ہوئی یا نہیں، اور مستحب وقت اس نماز کا کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وقت نماز فجر کا طلوع یا انتشار صبح صادق سے ہے علی اختلاف المشائخ اور انتہا اس کی طلوع اول کنارہ شمس ہے اور ہمارے علماء کے نزدیک مردوں کو دوامًا ہر زمان وہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہوجائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس چاہئے **صرح به فی عامة کتبهم** (فقہا کی عامہ کتب میں اس بات کی تصریح ہے) اس میں احادیث صریحہ معتبرہ دارد، ترمذی ابوداود ونسائی دارمی ابن حبان طبرانی حضرت رافع بن خدیج سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر[1] (یعنی صبح کو خوب روشن کرو کہ اسفار میں اجر زیادہ ہے)

ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ولفظ الطبرانی: **فکلما اسفرتم بالفجر فانہ اعظم للاجر**[2]۔ ولفظ ابن حبان: **کلما اصبحتم بالصبح فانہ اعظم لاجورکم**[3] ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ جس قدر اسفار میں مبالغہ کروگے ثواب زیادہ پاؤگے اور طبرانی وابن عدی نے انہی صحابی سے روایت کیا:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبلال: یابلال! اناد بصلاۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان اس وقت دیا کرو جب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ لیں بسبب روشنی کے۔

اور پُرظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہوجائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی، ابن خزیمہ اپنی صحیح اور امام طحاوی شرح معانی الاثار میں بسند صحیح حضرت ابرہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

مااجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی شیئ، کما اجتمعوا علی التنویر[5]۔	اصحابِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کسی بات پر اتفاق نہ کیا جیسا تنویر واسفار پر۔

حدیث صحیحین سے ثابت کہ نمازِ فجر اوّل وقت پڑھنا سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے خلاف تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ میں حضور کے مغرب کو بوقتِ عشااور فجر کو اول وقت پڑھنے کی نسبت فرمایا:

ان ھاتین الصلاتین حولتا عن وقتیھا فی ھذا المکان[6] (یعنی یہ دونوں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب تعجیل الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۱، جامع الترمذی ماجاء بالاسفار بالفجر مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۲

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رافع بن خدیج مطبوعہ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۴۸۷، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۴/ ۲۳

[4] مجمع الزوائد باب وقت صلاۃ الصبح مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۱/ ۳۱۶

[5] شرح معانی الاثار باب الوقت الذی یصلی ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۶

[6] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۸

نمازیں اپنے وقت سے پھیر دی گئیں اس مکان میں) بخاری و مسلم کی دُوسری روایت میں ہے: **صلی الفجر قبل وقتھا بغلس**[1] صبح کی نماز پڑھی قبل اس کے وقت کے تاریکی میں اور قبل وقت سے قبل از طلوع فجر مراد نہیں کہ یہ خلاف اجماع ہے معہذا حدیث بخاری سے ثابت کہ فجر طالع ہوچکی تھی تو بالضرور قبل از وقت معہود مقصود ہے وہوالمطلوب، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اس حدیث کے راوی ہیں حضر و سفر میں ملازمت والا سے مشرف رہتے یہاں تک کہ لوگ انہیں اہل بیت نبوت سے گمان کرتے اور ان کے لئے استیذان معاف تھا **کل ذلك ثابت بالاحادیث** (یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔ت) تواُن کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ کسی نماز کو غیر وقت پر پڑھا ہو سوااِن دو ۲ نمازوں کے، اس مضمون کا مؤکد ومؤید ہے اور حکمت فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیر جماعت ہے جو شارع کو مطلوب ومحبوب اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا اور یہ دونوں ناپسند ومکروہ، اسی لئے امام کو تخفیف صلاۃ اور کبیر وضعیف ومریض حاجتمند کی مراعات کا حکم فرمایا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جماعت میں قرأت طویل پڑھی لوگ شاکی ہُوئے، ارشاد ہوا:

یامعاذا افتان انت؟ یامعاذ! افتان انت؟ قالہ ثلثا[2] اھ۔	اے معاذ! کیا تم، لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی۔ (ت)

اور اوّل وقت نماز کی افضلیت اگر مطلقاً تسلیم کر بھی لی جائے تاہم دفع مفاسد جلب مصالح سے اہم واقدم ہے آخر نہ دیکھا کہ تطویل قرأت پر عتاب ہوا حالانکہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن وافضل ہی ہے معہذا نماز فجر کے بعد تا باشراق ذکرِ الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار، اب رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے، بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو ۲ حصے کئے جائیں حصّہ اوّل تغلیس اور آخر میں اسفار ہے۔ اور امام حلوائی وقاضی امام ابوعلی نسفی وغیرہما عامہ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقرأت مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کرکے پھر اُسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے، بعض کہتے ہیں کہ نہایت تاخیر چاہئے کہ فساد موہوم ہے اور اسفار مستحب، مستحب کو موہوم کیلئے نہ چھوڑیں گے مگر ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہوجائے بالاجماع مکروہ،

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب التغلیس بصلوٰۃ الصبح کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۷

[2] صحیح مسلم، باب قرأۃ فی العشاء، بصلوٰۃ الصبح کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۷

ففی غنیۃ المستملی للعلامۃ الحلبی اثرا عن البدائع، وحدہ (یعنی التغلیس) مادام فی النصف الاول من الوقت۔ وفیھا، عن الفتاوی الخانیۃ، وحد التنویر ماقال شمس الائمۃ الحلوائی والقاضی الامام ابوعلی النسفی: انه یبدأ الصلوۃ بعد انتشار البیاض فی وقت لوصلی الفجر بقرأۃ مسنونۃ مابین اربعین اٰیۃ الی ستین اٰیۃ، ویرتل القرأۃ، فاذا فرغ من الصلاۃ، ثم ظھرله سھو فی طھارتہ، یمکنه ان یتوضأ ویعید الصلاۃ قبل طلوع الشمس۔ کما فعل ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ وعلی ھذا، مافی محیط رضی الدین والخلاصۃ والکافی وغیرھا [1]؛ انتھٰی

قلت: ومثله فی فتاوی قاضی خان، ونحوہ فی الفتاوی العالمگیریۃ عن التبیین۔ وقیل: یؤخرھا جدا، لان الفساد موھوم فلم یترك المستحب

غنیۃ المستملی میں علّامہ حلبی نے بدائع سے یہ اثر نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار (یعنی تغلیس کی) یہ ہے کہ وقتِ فجر کے پہلے نصف تک۔ اسی میں فتاوٰی خانیہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ حلوائی اور قاضی امام ابوعلی نسفی کے بقول تنویر کی مقدار یہ ہے کہ نماز سفیدی پھیلنے کے بعد اس وقت شروع کرے کہ اگر فجر کی نماز قرأۃ مسنونہ سے پڑھے، اور جب نماز سے فارغ ہو تو یاد آئے کہ طہارت میں سہو ہوگیا تھا تو (اتنا وقت باقی ہو کہ) وضو کرکے طلوع سے پہلے دوبارہ نماز پڑھ سکے، جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کیا تھا۔ محیط رضی الدین، خلاصہ اور کافی وغیرہ میں بھی اسی کے مطابق ہے۔ انتہی۔

میں نے کہا، اسی کے مطابق فتاوٰی قاضی خان میں بھی ہے اور عالمگیری میں بھی تبیین سے منقول ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ (نماز فجر میں) بہت زیادہ تاخیر کرے کیونکہ (نماز کے بعد طہارت میں غلطی رہ جانے کا خیال آنا اور اس طرح) نماز کا فاسد ہونا، محض فرضی صورت ہے،

---

[1] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی، شرط خامس الوقت، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۰۶

نوٹ: اعلٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ففی غنیۃ المستملی فرماکر منیۃ المصلی کی شرح حلبی کبیر کی طرف اشارہ کیا ہے، فقیر نے حلبی کبیر کو کافی کوشش کے ساتھ دیکھا ہے۔ اس میں یہ عبارت نہیں مل سکی، ہوسکتا ہے کاتب کی غلطی سے غنیۃ المستملی لکھا گیا ہو اصل لفظ حلیۃ المحلی ہو، کیونکہ التعلیق المجلی جو منیۃ المصلی کی شرح پر ایک حاشیہ ہے۔ اس میں یہ عبارت حلیۃ المحلی کے حوالہ سے ملی ہے اور چونکہ حلیۃ المحلی بھی اس وقت دستیاب نہیں۔ اسی لئے التعلیق المحلی سے حوالہ نقل کیا ہے۔ (نذیر احمد سعیدی)

لاجله۔ وقیل: حده ان یری مواضع النبل۔ ثم کمافی محیط رضی الدین وغیره، لایؤخرها تاخیرا یقع الشك فی طلوع الشمس[1]۔ انتهٰی ملخصًا۔ وفی البحرالرائق، قالوا: یسفربها بحیث لوظهر فساد صلاته یمکنه ان یعیدها فی الوقت، بقرأة مستحبة۔ وقیل: یؤخرها جدا، لان الفساد موهوم فلایترك المستحب لاجله۔ وهوظاهر اطلاق الکتاب (یعنی الکنز، حیث قال: وندب تاخیر الفجر، ولم یقید بشیئ) لکن لایؤخرها بحیث یقع الشك فی طلوع الشمس۔ وفی السراج الوهاج: حدالاسفار ان یصلی فی النصف الثانی، ولایخفی ان الحاج بمزدلفة لایؤخرها۔ وفی المبتغی، بالغین المعجمة، الافضل للمرأة فی الفجر الغلس، وفی غیرها الانتظار الی فراغ الرجال عن الجماعة[2]۔ انتهی مافی البحر۔ وفی الدرالمختار: والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر بأسفار والختم به، هوالمختار، بحیث یرتل اربعین اٰیة ثم یعیده بطهارة لوفسد۔ وقیل: یؤخرجدا، لان الفساد موهوم، الالحاج بمزدلفة،

اس لئے اس کی وجہ سے مستحب (تنویر) کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اتنی تنویر ہونی چاہئے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آسکے۔ پھر جیسا کہ محیط وغیرہ میں ہے۔ یہ خیال رکھے اتنی تاخیر نہ ہونے پائے کہ سورج طلوع ہونے کا شک ہونے لگے۔ انتہٰی ملخصا۔ اور بحرالرائق میں ہے علماء نے کہا ہے کہ اتنی تنویر کرے کہ اگر (نماز کے بعد) نماز کے فاسد ہونے کا پتہ چلے تو قراءتِ مستحبہ کے ساتھ اسی وقت میں لوٹا سکے۔ اور بعض نے کہا کہ بہت تاخیر کرے کیونکہ (اس طرح نماز کا) فاسد ہونا ایک مفروضہ ہے، اس کی وجہ سے مستحب کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کتاب کے اطلاق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے (کتاب سے مراد کنز ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ فجر کی تاخیر مستحب ہے اور کوئی قید نہیں لگائی) لیکن اتنی تاخیر بہرحال نہ کرے کہ سورج چڑھ جانے کا شک ہونے لگے۔ اور السراج الوہاج میں ہے کہ تنویر کی مقدار یہ ہے کہ وقت کے نصف ثانی میں پڑھے، لیکن واضح رہے کہ مزدلفہ میں حاجی تاخیر نہ کرے۔ اور مبتغٰی میں ہے کہ عورت کے لئے صبح میں تغلیس بہتر ہے، اور دیگر نمازوں میں لوگوں کے جماعت سے فارغ ہونے تک انتظار بہتر ہے۔ انتہی مافی البحر۔ اور درمختار میں ہے کہ مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ صبح

---

[1] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی، شرط خامس الوقت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۰۶

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

فالتغلیس افضل، کمرأة مطلقا[1]۔	کی نماز شروع بھی تنویر میں کرے اور ختم بھی تنویر میں کرے۔ یہی مختار ہے، اس طرح کہ اس میں چالیس ۴۰ آیتیں ترتیل سے پڑھے اور بعد میں اگر فاسد ہونے کا پتہ چلے تو وضو کرکے لوٹا سکے، اور بعض نے کہا ہے کہ بہت مؤخر کرے کیونکہ ایسا فاسد ہونا موہوم ہے، البتہ مزدلفہ میں حاجی کیلئے تغلیس بہتر ہے جیسا کہ عورت کے لئے ہر جگہ تغلیس بہتر ہے۔ (ت)

اُس شخص کا اول وقت اندھیرے میں نماز پڑھنا سنت کی مخالفت کرنا ہے اور اُن کو اس کی تاکید کرنی مخالف سنّت کی طرف بلانا ہے اور یہ کہنا کہ روشنی میں نماز مکروہ ہوتی ہے سنّت کو مکروہ کہنا اور شریعت مطہرہ پر بہتان اٹھانا ہے، اللہ تعالٰی ہدایت دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت مستحب ظہر کا گرما میں کیا ہے اور جو شخص موسم مذکور میں بعد زوال اوّل وقت نمازِ ظہر پڑھے اور لوگوں کو بھی تاکید کرے کہ وقت اولٰی یہی ہے، آیا وہ شخص حق پر ہے یا ناحق پر، بینوا توجروا۔

الجواب:

موسم گرما میں ظہر کا ابراد کرکے پڑھنا مستحب ہے تمام کتب حنفیّہ میں یہ معنی مصرح ہے اور اوّل وقت میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکمِ اقدس سے عدول۔ حضور فرماتے ہیں:

اذا اشتد الحر فابردوا بالظهر، فان شدّة الحرّ من فيح جهنم[2]۔ متفق عليه۔	جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرو کہ شدّتِ گرمی وسعت دم دوزخ سے ہے۔

اور بخاری ونسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للنسائی قال:

كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا كان الحر ابرد الصلاة واذا كان البرد عجل[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے اور جب سردی ہوتی تعجیل فرماتے۔

اور بخاری مسلم ابوداود ابن ماجہ نے سیدنا ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، قال:

اذن مؤذن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم	یعنی مؤذنِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ ظہر

---

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۰/۱

[2] صحیح لمسلم استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۲۲۴/۱

[3] سنن النسائی تعجیل الظہر فے البرد مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۵۸/۱

الظهر۔ فقال: ابرد، ابرد، اوقال: انتظر، انتظر، وقال: شدّة الحرّ من فیح جهنّم، فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاة۔ حتی رأینا فیئ التلول[1]۔	دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا فرمایا: انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا، سخت گرما جہنم کی وسعتِ نفس سے ہے تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو، یہاں تک کہ ہم نے دیکھا ٹیلوں کا سایہ۔

دوسرے طریق میں ہے:

کنا مع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی السفر فاراد المؤذن ان یؤذن الظهر فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی رأینا فیئ التلول[2] الحدیث۔	ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر پھر چاہا کہ اذان دے پھر فرمایا: ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔

اور مسلم میں ابراہیم کے طریق میں شعبہ سے مؤذن کا تین بار ارادہ اور حضور کا یہی حکم فرمانا وارد ہوا **قلت و مسلم ثقة فزیادته مقبولة** (میں نے کہا مسلم ثقہ ہے اس لئے اس کا اضافہ مقبول ہے۔ ت)

اقول: اب یہاں سے مبالغہ تاخیر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ مؤذن نے تین بار اذان کا ارادہ کیا اور ہر دفعہ ابراد کا حکم ہوا اور یقینا معلوم ہے کہ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ ضرور تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور وہ وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو ورنہ لازم آئے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تعمیلِ حکم نہ کی اور جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بھی دیر میں ہوئی ہوگی۔ علما فرماتے ہیں ٹیلے غالبًا بسیط اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اُن کا سایہ دوپہر کے بہت دیر بعد ظاہر ہوتا بخلاف اشیائے مستطیلہ مانند منار و دیوار وغیرہما، امام ہمام احمد بن محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: ٹیلوں کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا مگر جب اکثر وقت ظہر کا جاتا رہے ابوداؤد و نسائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں

قال: کان قدر صلاة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الظهر فی الصیف، ثلثة اقدام	گرمی میں نماز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مقدار تین قدم سے پانچ قدم

---

[1] سنن ابی داود وقت صلوٰۃ الظہر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۸

[2] سنن ابی داود وقت صلوٰۃ الظہر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۸

الی خمسة اقدام [1]۔	تک تھے۔

یعنی جب سایہ ہر چیز کا اس کے ساتویں حصّہ کے تین یا پانچ مثل ہو جاتا تو حضور پُر نور نماز ادا فرماتے اور معلوم ہے کہ حرمین شریفین زادہما اللہ تعالٰی شرفاً میں گرمی کے موسم میں اس قدر سایہ نہایت دیر میں واقع ہوگا کہ وہاں سایہ اصلی اس موسم میں نہایت قلّت پر ہوتا ہے بعض اوقات میں دو ۲ انگل سے زائد نہیں پڑتا اور مکہ معظّمہ میں تو بعض اوقات یعنی آفتاب سمت الراس پر گزرے مطلقاً نہیں ہوتا، یہ بات وہاں اُس وقت ہوتی ہے جب آفتاب ہشتم جوزا یا بست ودوم سرطان پر ہو یعنی ۳۰ مئی اور ۲۴ جولائی،

اخرج ابوداود والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: امنی جبریل عندالبیت مرتین، فصلی بی الظھر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراك [2]، الحدیث۔ وفی البحرالرائق عن المبسوط، واعلم ان لکل شیئ ظلا وقت الزوال الابمکة والمدینة فی اطول ایام السنة، لان الشمس فیھا تاخذ الحیطان الاربعة [3] اھ **اقول:** وکانہ رحمہ اللہ، اطلق العدم واراد القلة، والا فالمدینة الطیبة عرضھا "الہ حہ" زائدا علی المیل کلی بدرجة وثلث وثلثین دقیقة، فکیف ینعدم فیھا الظل؟ ومکة عرضھا "کام حہ" اقل من المیل الاعظم بدرجة وسبع واربعین دقیقة، فلا ینعدم فیھا الظل	ابوداود وترمذی نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل بیت اللہ کے پاس دو ۲ مرتبہ میرے امام بنے، تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے جتنا ہوگیا، الحدیث۔ اور بحر الرائق میں مبسوط سے منقول ہے کہ جن لو، زوال کے وقت ہر چیز کا سایہ ہوتا ہے، مگر سال کے سب سے طویل دن میں مکّہ اور مدینہ میں سایہ نہیں ہوتا کیونکہ ان دنوں سورج چاروں دیواروں پر پڑرہا ہوتا ہے، اھ۔ **میں کہتا ہوں:** یوں لگتا ہے کہ صاحبِ مبسوط رحمہ اللہ تعالٰی نے سایہ نہ ہونے سے مراد سایہ تھوڑا ہونا لیا ہے، ورنہ مدینہ طیبہ کا عرض "الہ" ہے جو میلِ کلی سے ایک درجہ اور تینتیس دقیقہ زائد ہے، تو وہاں سایہ کیسے معدوم ہوسکتا ہے؟ اور مکہ کا عرض "کام حہ" ہے جو میلِ اعظم سے ایک درجہ اور سینتالیس دقیقہ کم ہے، اس لئے سب سے طویل دن میں

---

[1] سنن النسائی باب الابراد بالظھر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۹

[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۶

[3] البحر الرائق کتاب الصلوٰہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

فی اطول الایام؛ بل یکون جنوبیا، وانما ینعدم حیث ذکرنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہاں سایہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ جنوبی طرف ہوتا ہے۔ معدوم ہونے کا وقت وہ ہے جو ہم ذکر کرآئے ہیں (یعنی جب آفتاب سمت الراس پر گزرے)۔ (ت)

اور حد ابراد فصل شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باحادیث سیدنا ابی ذر وسیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما معلوم ہوچکی مگر سایہ کا حال اختلاف بلاد سے مختلف ہوتا ہے اور فقہ میں اس کی یہ حد ذکر کی گئی کہ سائے سائے میں مسجد تک چلاآئے فی الدرالمختار **وتاخیر الصیف بحیث یمشی فی الظل**[1] اور اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہوا اور بحرالرائق میں ہے کہ قبل اس کے کہ سایہ ایک مثل کو پہنچے ادا کرے **حیث قال وحدہ ان یصلی قبل المثل**[2] شاید یہ اس پر مبنی ہے کہ انتہائے وقت ظہر میں علما مختلف ہیں امام کے نزدیک دو۲ مثل اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل معتبر ہے تو بہتر یہ ہے کہ ایک مثل تک ادا ہوجائے ورنہ ہدایہ میں تصریح کرتے ہیں کہ ظہر میں ابراد کا حکم ہے اور حرمین شریفین میں جب سایہ ایک مثل کو پہنچتا ہے عین اشتداد گرمی کا وقت ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] دُر مختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

فصل فی اماکن الصّلٰوۃ

مسئلہ (۳۱۷) از مقام چتور گڑھ علاقہ اُدیپور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب بتاریخ ۱۶ ربیع الاول شریف بروز سہ شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایسی جگہ نماز کا وقت آیا کہ دُور دُور تک زمین تر اور ناپاک ہے اگر سجدہ کرتا ہے تو کپڑے تر ہو کر ناپاک ہوتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کہ نیچے بچھا کر اس پر کپڑا پاک ڈال کر نماز پڑھے تو ایسی صورت میں کس طرح نماز ادا کرے اشارہ سے یا سجدہ ورکوع سے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرع مطہر کسی وقت کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں مگر ایسی صورت میں قبل از وقوع بے اندیشہ صحیحہ وقوع فرض کرکے سوال کرنا وبال لانا ہے اور کبھی اُسے مشکل میں مبتلا کر دینا ہے، حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن نفل المسائل[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بے ضرورت مسائل پُوچھنے سے منع کیا ہے۔ (ت)

رہا سوال کا جواب، وہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ[2]	(اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا۔ ت)

---

[1]

[2] القرآن ۲/ ۲۸۶

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [1] (جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرو۔ت) **وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ** ؕ [2] (اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ت) نماز کھڑے کھڑے اشارے سے پڑھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۸) مسئولہ محمد خان نمبردار بڑرودہ ڈاک خانہ پنڈراول ضلع بلند شہر یک شنبہ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع بڑودہ ضلع بلند شہر میں کوئی عیدگاہ نہیں ہے عرصہ تخمیناً ۸ سال کا ہوا جب میں نے آبادی دیہہ جانب اُتر جنگل اوسر بملکیت خود میں نے ایک چونترہ خام واسطے عیدگاہ کے بنوایا تھا جس کی بنیاد جناب مولٰنا بہاء الدین شاہ صاحب ساکن مرشد آباد نے رکھی تھی اس جنگل اوسر میں جگہ عیدگاہ و متصل چونترہ عیدگاہ اہل ہنود کے مُردے جلا کرتے تھے جب چونترہ عیدگاہ قائم ہوگیا تو اہل ہنود نے دوسری جگہ مُردے جلانے شروع کردیے اب بعض اشخاص اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرگھٹ قبر کی تعریف میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہوا و بارش سے ہڈیاں وخاک بہہ جاتی ہے اور قبر کے اندر مُردہ دفن ہوتا ہے امید کہ جواب سے معزز فرمایا جائے۔

الجواب:

اگر چوترہ ایسی مٹّی سے بنایا گیا جس میں مُردہ ہندوؤں کی نجاست نہ تھی یا اُس زمین کی مٹّی جہاں تک اُن کی نجاستیں تھیں کھود کر پھنکوادی پھر اُس زمین ہی کو نماز کے لئے کردیا تو اس میں کوئی حرج نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنافرمائی وہ ایک نخلستان تھا جس میں مشرکین دفن ہوتے تھے **فامر بقبور المشرکین** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی[3] **کمافی صحیح البخاری وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۹) مسئولہ شمشیر خاں درگارہ جیلانی موضع بڑودہ ضلع بلند شہر معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب محمود آبادی سہ شنبہ ۲۳ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ کو جس میں ہڈیاں تک مشرکین کی نظر آتی ہیں اُسے چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کرنے سے خاطی وگنہگار تو نہ ہوں گے اختلاف اُس

---

[1] القرآن ۱۶/۶۴

[2] القرآن ۷۸/۲۲

[3] صحیح البخاری باب ہل ینبش قبور مشرکین الجاہلیۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۶۱/۱

چبوترہ پر نماز ادا کرنے سے اکثر لوگوں کو ہے بلکہ کئی سال ہوئے جب سے چبوترہ بنایا گیا اکثر مسلمان دوسری جگہ نماز پڑھنے جاتے تھے اس سال سبھوں نے مل کر عیدگاہ پختہ بنوانا شروع کردی، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب :

۱۶ شعبان کو یہ سوال آیا تھا جواب دیا گیا کہ اگر چبوترہ کی مٹّی میں نجاست کی آمیزش نہیں یا زمین ہی کھود کر اُن نجاستوں سے پاک کردی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں اب سوال میں اظہار ہے کہ اس میں مشرکوں کی ہڈیاں تک نظر آتی ہیں ایسی حالت میں اُس پر نماز پڑھنا ہی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۲۰) ازندی پار بتی علاقہ ریاست گوالیار گونا باور ریلوے ڈاک خانہ ندی مذکور مرسلہ سید کرامت علی صاحب محرر منشی محمد امین صاحب ٹھیکیدار ریلوے مذکور ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

بخدمت فیض درجت جناب مولانا ومرشدنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام اقبالہ بعد السلام علیک واضح رائے شریف ہو کہ بوجہ چند ضروریات کے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ بنظر توجہ بزرگانہ جواب سے معزز فرمایا جاؤں، **اوّل**۱ یہ کہ جس مکان میں کوئی شخص شراب پیئے اس میں نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ **دوسرے**۲ یہ کہ جائے نماز برابر کسی شخص کی چارپائی کے بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اُس صورت میں کہ اُس چارپائی پر وہ شخص سوتا ہو یا بیٹھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

مکرمی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اگر وہ شخص وہاں اُس وقت شراب پینے میں مشغول نہیں، نہ وہاں شراب کی نجاست ہے تو ایسے وقت وہاں نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں اور اگر بالفعل وہ شخص شراب پی رہا ہے تو بلاضرورت وہاں نماز نہ پڑھے کہ شراب خور پر بحکم احادیث صحیحہ لعنتِ الٰہی اُترتی ہے اور محلِ نزولِ لعنت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اس لئے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قومِ ثمود کی جائے ہلاک میں نماز نہ پڑھی کہ وہاں عذاب نازل ہُوا تھا نیز شراب پیتے وقت شیطان حاضر اور اس کا غلبہ واستیلا ظاہر ہے اور محل غلبہ شیطان میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اسی لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ تعریس جب نمازِ فجر سوتے میں قضا ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھو کہ یہاں تمہارے پاس شیطان حاضر ہوا تھا حالانکہ وہ فوت قصدی نہ تھا سوتے سے آنکھ بحکمتِ الٰہی نہ کھلی تھی اور اگر وہ مکان ہی شراب خوری کا ہو کہ فسّاق فجّار اپنا یہ مجمع ناجائز وہاں کیا کرتے ہوں جب تو بدرجہ اولٰی وہاں نماز مکروہ ہے کہ اب وہ مکان حمام سے زیادہ مرجع وماوائے شیاطین ہے اور علماء نے حمام میں کراہت نماز کی یہ وجہ ارشاد فرمائی کہ وہ شیطان کا ماوٰی ہے

کمافی ردالمحتار وغیرہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) اگر کوئی شخص چارپائی پر بیٹھا خواہ لیٹا ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے تو اس کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اُس طرف پیٹھ کیے سورہا ہے جب بھی مضائقہ نہیں، مگر سوتے کے پیچھے پڑھنے سے احتراز مناسب ہے دو ۲ وجہ سے، ایک یہ کہ کیا معلوم اس کے نماز پڑھنے میں وہ اس طرف کروٹ لے اور ادھر اس کا مُنہ ہو جائے، دوسرے محتمل ہے کہ سوتے میں اس سے کوئی ایسی شے صادر ہو جس سے نماز میں اسے ہنسی آجانے کا اندیشہ ہو **المسألۃ فی ردالمحتار عن الغنیۃ والوجہ الاول مما زدتہ** (یہ مسئلہ درمختار میں غنیہ سے منقول ہے اور پہلی وجہ کا میں نے اضافہ کیا ہے) (ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۱) از موضع منڈنپور تھانہ ڈاکخانہ میر گنج ضلع بریلی مرسلہ غلام ربانی صاحب زمیندار یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جنگل میں ہے اور نماز کا وقت ہوگیا تو کھیت یا بنجر ملکیت غیر میں نماز پڑھ لے تو نماز ہوگی یا نہیں اور ٹانڈ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

دوسرے کی کھیتی میں نماز پڑھنا ممنوع ہے بے اس کی اجازت صریح کے گنہگار ہوگا مگر نماز ادا ہو جائیگی اور بنجر میں پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یونہی وہ کھیت جس میں کھیتی نہ ہو۔ ٹانڈ پر نماز نہیں ہو سکتی مگر اس حالت میں کہ وہ مثل تخت کے ہو مثلاً لکڑیاں باندھ کر اُن پر تخت رکھ لیے ہوں یا خود تخت ہی باندھ لیا ہو یا ایسا سخت بُنا ہوا ہو کہ سجدہ میں سر ٹھہر جائے زور کرنے سے زیادہ نیچا نہ جھکے، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۲۲) از مین پوری مکان مولوی محمد حسن صاحب وکیل مرسلہ شیخ انوارالحسن صاحب ابن مولوی صاحب مذکور ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے کے سبب بندر ہوگئے یہ بات ثابت ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اُس پر مستقر ہو جائے یعنی اُس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کریں اس سے زائد نہ دبے ایسی چیز پر نماز جائز ہے خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاڑی کا کھٹولا یا کوئی شے، اور یہ جو جاہلوں میں بلکہ عورتوں میں مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے سے مسخ ہوگئے محض غلط و باطل ہے۔ علّامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

ضابطه ان لایتسفل بالتسفیل، فحینئذ جاز سجوده علیه[1]۔	اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر دبانے سے نیچے نہ دبے تو اس پر سجدہ جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تفسیره، ان الساجد لوبالغ لایتسفل رأسه ابلغ من ذلک، فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة انکانت علی الارض[2]۔	اس کی تشریح یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اگر سر کو مزید نیچے کرنا چاہے تو نہ کرسکے، اس لئے دبیز کپڑے پر، پھُوڑی پر، گندم پر، جَو پر، تخت پر اور گاڑی پر اگر وہ زمین پر کھڑی ہو تو سجدہ صحیح ہے۔ (ت)

نظر کیجئے تو یہ خاص مسئلہ کا جزیہ ہے زبانِ عرب میں سریر تخت وچارپائی دونوں کو شامل ہے **کما لایخفی علی من طالع الاحادیث الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۳) از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ جناب سید فخر الحسن صاحب نبیرہ مولوی نبی بخش صاحب مرحوم مفتی خیر آباد۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندرین مسائل:

(۱) حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تحت حدیث شریف **الارض کلها مسجد الا المقبرة** اھ تحریر فرمایا ہے:

امّا مقبره از جهت آنکه غالب دروے قذرات واختلاط تربت اوست بانچه جدا میگردد از مردها از نجاست واگر مکان طاهر ونظیف باشد پس هیچ باکے نیست وکراهتے نه وبعض برانند که نماز در مقبره مکروه است مطلقًا از جهت ظاهر ایں حدیث[3]۔	قبرستان میں نماز اس وجہ سے مکروہ ہے کہ عام طور پر وہاں گندگی ہوتی ہے اور اس کی مٹی مُردوں سے برآمد ہونے والی نجاستوں سے مخلوط ہوتی ہے اور اگر جگہ پاک اور سُتھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قبرستان میں بہر صورت نماز پڑھنی منع ہے اس حدیث کی بنا پر۔ (ت)

اور کتاب حصہ دوم سرور عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی کی حسب ذیل عبارت ہے: "حدیث میں وارد ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے اور اس کی شرح میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے اُس

---

[1] غنیۃ المستملی الخامس من فرائض الصلوٰۃ السجدۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۹

[2] ردالمحتار فصل فی تالیف الصلوٰۃ الٰی انتہائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷۰

[3] اشعۃ اللمعات باب المساجد الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۳۷

میں بہتر قول یہ ہے کہ اس وجہ سے منع ہے کہ اس میں ایک قسم کی مشابہت کفار کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے اور اس سبب سے یہ حکم ضروری ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور حنفیّہ کے کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر قبر نمازی کے سامنے ہو تو یہ زیادہ مکروہ ہے اور اگر قبر داہنے یا بائیں جانب ہو تو اُس سے کم مکروہ ہے اور اگر قبر نمازی کے پیچھے ہو تو یہ اس سے بھی کم مکروہ ہے اور یہی قول اصح ہے اور علما کا عمل اسی پر ہے، اور شافعیہ کے فقہا نے لکھا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ نجاست کی جگہ ہے، تو یہ صحیح نہیں[1] ہے"۔

حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے اپنے قول کی تائید میں کسی کتاب یا قول کسی مجتہد وامام کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنا مذہب تحریر فرمارہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لفظ عمل علمائے حنفیّہ اور کتب فقہ سے اپنے قول کو مضبوط تو کیا ہے مگر کوئی صاف پتا کسی کتاب یا قول کا نہیں تحریر کیا ہے جس سے اطمینان حاصل کیا جائے مگر شاہ صاحب موصوف کے فتوے کے زور دار عبارت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اُس مذہب کو اختیار کیا ہے جو مذہب اصح اور مختار حضرات علمائے حنفیّہ کے خلاف اور ملّتِ شافعیہ کے مطابق ہے جو علمائے حنفیّہ کے نزدیک غیر صحیح ہے اور اپنے اس غیر صحیح مذہب کو اس قدر قوی کیا ہے کہ اُس کی تائید میں فرماتے ہیں:

اگر مکان طاہر ونظیف باشد پس ہیچ باکے نیست و کراہتے نہ۔	اگر جگہ پاک وستھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ (ت)

اس سوال کا جواب ایسی تفصیل کے ساتھ بحوالہ کُتب فقہ حنفیّہ تحریر فرمایا جائے کہ جس سے تناقض اقوال حضرات شیخ علیہ الرحمۃ وشاہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا بخوبی فیصلہ ہو کر آئندہ کے واسطے کوئی جھگڑا باقی نہ رہے اور کسی مخالف کو ازرُوئے دلیل نفی انکار کا موقع نہ ہوسکے۔

(۲) لفظ مقبرہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے سے کونسا مقام مراد ہے آیا محض وہی مقامات ہیں جہاں معمولاً مردگان دفن کیے جاتے ہیں مگر وہاں متعدد قبور سابقہ موجود ہیں یا وہ مقام بھی مراد ہے کہ بوجہ وصیت وغیرہ کے اندر کسی مکان کے یا متصل کسی مسجد کے یا نیچے کسی درخت کے کوئی میت مدفون کی گئی اور اب وہاں قبر موجود ہے یا کسی میدان میں اتفاقیہ کسی وجہ سے ایک یا دو مردے دفن کردیے گئے اور قبر موجود ہے یا کسی جگہ کوئی قبر اتفاقیہ ہے اور اصطلاح عام میں وہ مقام لفظ قبرستان سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے ہر چہار مقامات متذکرہ بالا کی نسبت کیا کیا حکم ہے اور کون کون مقامات حکمِ مقبرہ میں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے داخل نہیں ہیں۔

(۳) بموجب فتوٰی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اگر یمیناً وشمالاً وخلفاً قبر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے تو ضرور ہوا

---

[1] فتاوٰی عزیزی الصلوٰۃ فی المقابر کتب خانہ رحیمیہ یوپی (بھارت) ۲/ ۱۰

کہ متصل قبراندر مقبرہ جو جگہ نماز کے واسطے حاصل کی گئی یا متصل قبر اتفاقیہ کے یا بیرون مقبرہ غیر محاط متصل اُس کے واسطے دفع کراہت نماز کے سترہ کی یا مقدار فاصلے کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بصورت سامنے قبر ہونے کے سترہ یا فاصلہ کی ضرورت کتبِ فقہ سے معلوم ہوتی ہے اس کی نسبت جو حکم موافق قولِ اصح اور موافقِ عملِ حضراتِ علمائے حنفیّہ ہو، تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نماز قبر پر مطلقاً مکروہ وممنوع ہے بلکہ قبر پر پاؤں رکھنا ہی جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

یأثم بوطء القبورلان سقف القبر حق المیت[1] اھ وقد حققنا فی اھلاك الوھابین[2]۔	قبروں پر پاؤں رکھنے سے گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے اھ اور اس کی تحقیق ہم نے اہلاک الوہابیین میں کی ہے۔ (ت)

اور قبر کی طرف بھی نماز مکروہ وممنوع ہے جبکہ سترہ نہ ہو اور صحرا یا مسجد کبیر میں قبر موضع سجود میں ہو یعنی اتنے فاصلے پر جبکہ یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے اور اپنی نگاہِ خاص موضع سجود پر جمی رکھے تو اس پر نظر پڑے کہ نگاہ کا قاعدہ ہے جس محل خاص پر اُسے جمایا جائے اُس سے کچھ دُور آگے بڑھتی ہے مذہب اصح میں بحالت مذکورہ جہاں تک نگاہ پہنچے سب موضع سجود ہے کمانص علیہ فی الحلیۃ وغیرھا۔ مجتبٰی۔ پھر بحر پھر فتح اللہ المعین میں ہے:

یکرہ ان یطائر القبر اویجلس اوینام علیه اویصلی علیه اوالیه[3]۔	مکروہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھے یا سوئے یا اس پر نماز پڑھے یا اس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھے۔ (ت)

جنائز حلیہ پھر جنائز ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصّلاۃ علیه والیه لورود النھی عن ذلك[4]۔	قبر کے اوپر یا اس کی طرف نماز مکروہ ہے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

[2] واضح رہے کہ "اہلاک الوہابین علٰی توہین قبور المسلمین" فتاوٰی رضویہ کے اِس مقام کے مترجم قاضی عبدالدائم دائم کے نانا جان قاضی محمد عمرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس پر اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے افادات کا اضافہ فرمایا ہے۔ (دائم)

[3] فتح المعین علٰی شرح الکنز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۶۲

[4] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیت واہداء ثوابہا لہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۶۷

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

انکان بینه وبین القبر مقدار مالوکان فی الصّلاۃ ویمرّ انسان لایکرہ، فھنا ایضًا لایکرہ۔ کذا فی التتارخانیة[1]۔	اگر اس کے درمیان اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر یہ شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولایفسدھا مرورمارّ فی الصحراء او بمسجد کبیر بموضع سجودہ، فی الاصح، او مرورہ بین یدیه الی حائط القبلة فی بیت ومسجد صغیر، فانه کبقعة واحدۃ؛ وان اثم المار[2] اھ۔	اصح یہ ہے کہ صحرا یا بڑی مسجد میں نمازی کی جائے سجدہ سے کسی کا گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ اسی طرح گھر میں یا چھوٹی مسجد میں کہ چھوٹی مسجد ایک ہی قطعے کے حکم میں ہے، کسی کا قبلے والی جانب سے نمازی کے آگے سے گزرنا، نماز کو فاسد نہیں گزرتا، اگرچہ گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے۔ (ت)

اور اگر قبر دہنے بائیں یا پیچھے ہے تو اصلاً موجبِ کراہت نہیں، جامع المضمرات پھر جامع الرموز پھر طحطاوی علٰی مراقی الفلاح وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

لاتکرہ الصلاۃ الی جھة قبر الا اذاکان بین یدیه، بحیث لوصلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیه[3]۔	قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے ہاں اگر قبر بالکل اس کے سامنے ہو کہ اگر وہ خاشعین والی نماز پڑھے تو قبر پر اس کی نظر پڑے، اس صورت میں مکروہ ہے۔ (ت)

علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث **لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد** (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ ت) تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن الملک: انما حرم اتخاذ المساجد علیھا لان فی الصلاۃ فیھا استنانا بسنة الیھود۔ اھ	ابن الملک نے کہا ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اس لئے حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان میں نماز پڑھنا یہودیوں کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیما یکرہ فے الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

[2] الدرالمختار مایفسدہ الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[3] ردالمحتار مایفسدہ الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴

وقید"علیھا"یفید ان اتخاذ المساجد بجنبھا لاباس بہ۔ویدل علیہ قولہ علیہ السلام : لعن اللہ الیھود والنصارٰی،الّذین اتّخذوا قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد[1]۔اھ	طریقے کی پیروی ہے۔اھ اور "قبروں پر" کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر "قبروں کے پاس" مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ یہود ونصارٰی پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا،اسی پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

بلکہ اگر مزاراتِ اولیائے کرام ہوں اور اُن کی ارواح طیبہ سے استمداد کے لئے ان کی قبور کریمہ کے پاس دہنے یا بائیں نماز پڑھے تو اور زیادہ موجب برکت ہے،امام علّامہ قاضی عیاض مالکی شرح صحیح مسلم شریف پھر علامہ طیبی شافعی شرح مشکوٰۃ شریف پھر علّامہ علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

کانت الیھود والنصارٰی یسجدون بقبور انبیائھم ویجعلونھاقبلۃ ویتوجھون فی الصلاۃ نحوھا،فقداتخذوھااوثانا،فلذلک لعنھم، ومنع المسلمین عن مثل ذلک،امامن اتخذ مسجدا فی جوارصالح،اوصلی فی مقبرۃ،وقصد الاستظھار بروحہ،اووصول اثرمامن اثر عبادتہ الیہ،لاللتعظیم لہ والتوجہ نحوہ، فلاحرج علیہ؛الاتری ان مرقد اسمعیل علیہ الصلاۃ والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم،ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ[2]۔	یہود ونصارٰی اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے،انہیں اپنا قبلہ بنالیتے تھے اور نماز میں انہی کی طرف منہ کرتے تھے،اس طرح انہوں نے قبروں کو بُت بنالیا تھا اس لئے آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں کو ایسے کاموں سے منع کیا،رہا وہ آدمی جو کسی صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائے یا مقبرے میں نماز پڑھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس صالح انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات میں سے کچھ اثر اِس تک بھی پہنچ جائے،اور قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو،تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔کیا تم نہیں جانتے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے،اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام مقامات سے افضل ہے جنہیں کوئی نمازی، نماز پڑھنے کیلئے تلاش کرتا ہے۔(ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ،الفصل الاول مطبع امدادیہ ملتان ۲/ ۲۱۹

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ،الفصل الاول مطبع امدادیہ ملتان ۲/ ۲۰۲

علّامہ طاہر حنفی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ کانوا یجعلونھا قبلۃ، یسجدون الیھا فی الصلاۃ، کالوثن، واما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح، اوصلی فی مقبرۃ، قاصدا بہ الاستظھار بروحہ، اووصول اثر مامن اٰثار عبادتہ الیہ، لاالتوجہ نحوہ والتعظیم لہ، فلا حرج فیہ؛ الایری ان مرقد اسمٰعیل فی الحجر فی المسجد الحرام والصّلوٰۃ فیہ افضل[1]۔	لعنت بھیجے اللہ تعالٰی یہود ونصارٰی پر کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا یعنی ان کو قبلہ بنالیا اور نماز میں انہی کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسا کہ بُت کے رُوبرو۔ ہاں اگر کسی نیک انسان کے پڑوس میں کوئی شخص مسجد بنائے یا ایسے ہی مقبرے میں نماز پڑھے اور مقصد یہ ہو کہ اس نیک انسان کی رُوح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات سے کچھ اثر اس شخص تک پہنچ جائے، یہ مقصد نہ ہو کہ اس کی طرف منہ کرے اور اس کی تعظیم کرے، تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیا معلوم نہیں ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجدِ حرام میں ہے، اس کے باوجود اس میں نماز افضل ہے۔ (ت)

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی پھر امام علامہ بدر الدین محمودِ عینی حنفی عمدۃ القاری پھر علّامہ احمد محمد خطیب قسطلانی شافعی ارشاد الساری شروح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرک بقرب منہ، لاالتعظیم ولاالتوجہ الیہ، فلا یدخل فی الوعید المذکور[2] اھ	جو شخص کسی نیک انسان کے پڑوس میں قبر بنائے اور مقصد یہ ہو کہ اس کے قُرب سے برکت حاصل کرے، اس کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو تو ایسا شخص حدیث میں مذکور وعید (یعنی لعنت) میں داخل نہیں ہوگا اھ (ت)

امام علّامہ تورپشتی حنفی شرح مصابیح میں زیرِ حدیث اتخذوا قبور انبیاھُم مساجد فرماتے ہیں:

ھو مخرج علی وجھین، احدھما، انھم کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیما لھم وقصدا للعبادۃ فی ذلک۔ وثانیھما، انھم کانوا یتحرون الصلوٰۃ فی مدافن الانبیاء والتوجہ	اس کی دو۲ وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ یہود ونصارٰی قبورِ انبیاء کو بطورِ تعظیم اور بقصدِ عبادت سجدہ کیا کرتے تھے، دُوسری یہ کہ وہ انبیاء کے مقبروں میں نماز پڑھنے کی خصوصی طور پر کوشش کرتے تھے اور نماز میں ان کی طرف

---

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ قبر مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۰۴

[2] ارشاد الساری باب جواز الدفن بالدلیل مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۴۳۸

الی قبورھم فی حالۃ الصلوٰۃ، وکلا الطریقین غیرمرضیۃ، فاما اذا وجد بقربھا موضع بنی للصلوٰۃ، اومکانا یسلم المصلی فیہ عن التوجہ الی القبور، فانہ فی فسخۃ من الامر۔ وکذلك اذا صلی فی موضع قد اشتھر بان فیہ مدفن نبی، ولم یرفیہ للقبر علما، ولم یکن قصدہ ماذکرناہ من الشرك الخفی؛ اذ قد تواطأت اخبار الامم علی ان مدفن اسمعیل علیہ الصلوۃ والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، وھذا المسجد افضل مکان یتحری الصلاۃ فیہ[1] اھ مختصرًا	منہ کرتے تھے اور یہ دونوں طریقے ناپسندیدہ ہیں۔ ہاں اگر قبرستان کے قریب کوئی ایسی جگہ ہو جو بنائی ہی نماز کے لئے گئی ہو یا ایسی جگہ ہو کہ وہاں نماز پڑھنے والے کا منہ قبروں کی طرف نہ ہوتا ہو تو ایسی جگہوں پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر کسی ایسی جگہ میں نماز پڑھے جہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں کس نبی کا مدفن ہے لیکن قبر کی کوئی علامت نظر نہ آتی ہو اور نمازی کا مقصد بھی شرک خفی نہ ہو (تو نماز پڑھنی جائز ہے) کیونکہ روایات اس پر متفق ہیں کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام جگہوں سے افضل ہے جہاں نماز پڑھنے کی جستجو کی جاتی ہے اھ مختصرًا (ت)

شیخ محقق حنفی لمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

وفی شرح الشیخ ایضا مثلہ، حیث قال: وخرج بذلك اتخاذ مسجد بجوار نبی اوصالح، والصلاۃ عند قبرہ، لالتعظیمہ والتوجہ نحوہ؛ بل لحصول مددمنہ، حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ لتلك الروح الطاھرۃ، فلاحرج فی ذلک، لماوردان قبر اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام فی الحجر تحت المیزاب، وان فی الحطیم، بین الحجر الاسود وزمزم، قبر سبعین نبیا، ولم ینہ احد عن الصلاۃ فیہ اھ وکلام الشارحین متطابق فی ذلك[2]۔	اور شیخ کی شرح میں بھی اسی طرح ہے۔ چنانچہ شیخ نے کہا ہے کہ اس سے وہ صورت خارج ہوگئی جس میں کسی نبی یا صالح کے پاس اس لئے مسجد بنائی جائے کہ اس کی قبر کے پاس نماز پڑھی جائے، لیکن مقصود قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا نہ ہو بلکہ غرض یہ ہو کہ صاحبِ قبر سے مدد حاصل کی جائے تاکہ اس پاک روح کے قُرب کی وجہ سے عبادت مکمل ہوجائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ہے اور حطیم کے پاس حجر اسود اور زمزم کے درمیان ستّر انبیاء کی قبریں ہیں، اس کے باوجود وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہیں کیا اھ اس مسئلہ میں تمام شارحین نے ایسی ہی گفتگو کی ہے۔ (ت)

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ حدیث ۷۱۲ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

[2] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ حدیث ۷۱۲ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

امام اجل برہان الدین فرغانی حنفی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

قال ابو یوسف: ان کان موازیًا للکعبة تکرہ صلاته، وانکان عن یمینه ویسارہ لاتکرہ[1]۔	ابویوسف نے کہا ہے کہ اگر قبر قبلے والی جانب ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر دائیں بائیں ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ حاوی۔ (ت)

پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ان کانت القبور ماوراء المصلی لایکرہ، فانه ان کان بینه وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلاۃ ویمر انسان لایکرہ، فههنا ایضا لایکرہ[2]۔	قبریں نمازی کے پیچھے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر سامنے بھی ہوں لیکن اتنے فاصلے پر ہوں کہ اگر یہ شخص نماز میں ہو اور کوئی سامنے سے گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

اور یہ امر کہ سامنے ہونا زیادہ مکروہ ہے اور دہنے بائیں اس سے کم اور پیچھے ہونا اس سے بھی کم کتب حنفیّہ میں تصویر جاندار کی نسبت ہے نہ کہ قبر کی، ردالمحتار میں زیر قول درمختار **واختلف فیما اذاکان التمثال خلفه، والاظهر الکراهة**[3] (اگر تصویر اس کے پیچھے ہو تو اس میں اختلاف ہے، اظہر یہی ہے کہ مکروہ ہے۔ ت) تحریر فرماتے ہیں:

وفی البحر، قالوا: واشدها کراهة مایکون علی القبلة امام المصلی، ثم مایکون فوق راسه، ثم مایکون عن یمینه ویسارہ علی الحائط، ثم مایکون خلفه علی الحائط اوالستر[4] اھ	اور بحر میں ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے جب تصویر قبلے والی طرف ہو اور نمازی کے سامنے ہو، پھر جو اس کے سر کے اوپر ہو، پھر جو اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہو، پھر جو اس کے پیچھے دیوار پر یا پردے پر ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

انما خص الصورۃ لانه یکرہ فی جهة القبر الا اذاکان بین یدیه۔ کما	تصویر کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ قبر کی طرف منہ کرنا مکروہ نہیں ہے، جب تک قبر بالکل رُوبرو نہ ہو،

---

[1] کتاب التجنیس والمزید

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

[3] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[4] ردالمحتار مطلب فی الغرس فی المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۹

فی جنائز المضمرات[1]۔	جیسا کہ مضمرات کی کتاب الجنائز میں ہے۔(ت)

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا قبر قبر، وہ نماز ہی میں آگے بڑھ گئے، اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ قبر کی طرف ہی نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ اور سمت۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

ورأی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ یصلی عند قبر، فقال: القبر، القبر، ولم یامرہ بالاعادۃ[2]۔	اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: قبر، قبر (یعنی قبر سے بچو) مگر انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔(ت)

امام علامہ عینی اُس کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

ھذا التعلیق رواہ وکیع بن الجراح فی مصنفہ، فیما حکاہ ابن حزم عن سفیٰن بن سعید عن حمید عن انس، قال: رانی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اصلی الی قبر فنھانی، فقال: القبر امامک۔ قال: وعن معمر عن ثابت عن انس، قال: رانی عمر اصلی عندقبر، فقال لی: القبر، لاتصل الیہ۔ قال ثابت: فکان انس یاخذ بیدی، اذااراد ان یصلی فیتنحی عن القبور۔ ورواہ ابو نعیم شیخ البخاری عن حریث بن السائب، قال: سمعت الحسن یقول بینا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ یصلی الی قبر فناداہ عمر، القبر، القبر، وظن انہ یعنی:	اِس تعلیق کو وکیع ابن جراح نے اپنے مصنّف میں ذکر کیا ہے جیسا کہ اس کو ابن حزم نے سفیان ابن سعید سے، اس نے حمید سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے، انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ مجھے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے منع کیا اور کہا: "تمہارے سامنے قبر ہے"۔ ابن حزم نے کہا کہ معمر نے ثابت سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر نے مجھے ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا: "قبر، اس کی طرف نماز مت پڑھو"۔ ثابت نے کہا کہ اس کے بعد انس جب نماز پڑھنا چاہتے تھے تو میرا ہاتھ تھام لیتے تھے اور قبروں سے ایک طرف ہٹ جاتے تھے۔ اور بخاری کے استاد ابو نعیم نے حریث ابن السائب

---

[1] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ، المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۶

[2] صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ مکانھا مساجد مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۱

القمر، فلما رأی انه یعنی: القبر، تقدم وصلی وجاز القبر [1] اھ اقول: وبه ظهر ان معنی "عند قبر" فی تعلیق البخاری "الی قبر" وبمثله صنع العینی، اذقال بعد ما نقلنا عنه قوله: القبر، القبر ای اتصلی عند القبر [2] اھ۔ بل فی نفس حدیث انس بروایة ثابت، رأنی عمر اصل عند قبر، فقال لاتصل الیه [3]۔ کماسمعت۔ وبه اتضح مافی الملتقی، یکره وطء القبر والجلوس والنوم علیه والصلوة عنده [4] اھ فافهم واستقم۔	سے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے حسن کو کہتے سنا ہے کہ ایک دن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قبر کی طرف نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آواز دی: "قبر، قبر"۔ انہوں نے سمجھا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ "قمر" کہہ رہے ہیں، جب انہیں یقین ہوگیا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قبر" کہا ہے تو آگے بڑھ کر نماز پڑھنے لگے اور قبر سے گزر گئے۔ مَیں کہتا ہوں اس سے واضح ہوگیا کہ بخاری کی تعلیق میں "قبر کے پاس" سے مراد "قبر کی طرف" ہے۔ عینی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے، چنانچہ انہوں نے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول "قبر، قبر" کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا تم "قبر کی طرف" نماز پڑھ رہے ہو! بلکہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ ثابت جو روایت آتی ہے اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ "قبر کی طرف" نماز مت پڑھو، جیسا کہ یہ روایت تم پہلے سُن چکے ہو اسی سے واضح ہوگیا جو ملتقی میں ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا، اس پر بیٹھنا، اس پر سونا اور اس کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے اھ (یعنی یہاں بھی "اس کے پاس" سے مراد "اس کی طرف" ہے۔ اس کو سمجھو اور استقامت اختیار کرو۔ (ت)

مسئلہ تو قبر کا تھا، رہا مقبرہ اُس میں بھی اصل منشائے کراہت قبر ہے اور اس کی تعلیلیں ہمارے علمائے حنفیّہ ہی نے تین طور پر کی ہیں ایک تشبہ اہلِ کتاب دوسرے یہ کہ عبادت اصنام اسی طرح پیدا ہوئی تیسرے محلِ نجاسات ہونا جیسے شیخ محقق نے اختیار فرمایا، حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

واختلف فی علته، فقیل: لان فیها عظام الموتی وصدیدهم، وهو نجس۔ وفیه نظر، وقیل: لان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔ و قیل لانه تشبه بالیهود۔ وعلیه	اس میں اختلاف ہے کہ کراہت کی علّت کیا ہے، بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس میں مُردوں کی ہڈیاں اور پیپ ہوتی ہے جو کہ نجس ہے لیکن اس پر اعتراض ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بتوں کی عبادت کا آغاز اسی طرح ہوا تھا کہ لوگوں نے

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۴/ ۱۷۲

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۴/ ۱۷۲

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۴/ ۱۷۲

[4] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۷

مشی فی الخانیة [1]۔	نیک ہستیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ خانیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ پہلی دو ۲ تعلیلیں صرف اُس صورت کی کراہت بتاتی ہیں کہ نماز قبر کی طرف ہو کہ دہنے بائیں یا قبر کو پیچھے لے کر نہ شبہہ عبادت ہے نہ تشبّہ یہود، خود شاہ صاحب سے سائل نے نقل کیا کہ یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے انتہی ولہٰذا شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے لمعات التنقیح میں زیرِ حدیث **اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولاتتخذوھا قبورا** (گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ ت) فرمایا:

ای ولاتکونوا فی البیوت کالمیت، الذی لایعمل، اوتکونوا نائمین فتکونوا مشابھین للاموات، لان النوم اخوالموت، غیرمشتغلین بالعبادة، ثم اعلم، انھم اختلفوا فی الصلاة فی المقبرة، فکرھھاجماعة، وان کان المکان طاھرا، فتارة احتجوا بھذا الحدیث، لانه یدل علی ان الصلوٰة لاتکون فی المقبرة، لانه جعل کونھا قبورا کنایة عن عدم الصلاة فیھا، فیفھم ان لاصلوٰة فیھا۔ وھذاضعیف لماذکرنامن معناه، علی انه ان دل فانما یدل علی عدم الصلاة فی القبر، لافی المقبرة، فافھم۔ وتارة بالحدیث السابق (ای قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لعن الله الیھود والنصارٰی اتخذوا قبورا نبیائھم مساجد) وھو ایضا لایتم لماعلم من المراد به (ای ماقدمناه عنه عن التورپشتی وغیره من الشراح، فانه انما	یعنی تم گھروں میں اس طرح نہ رہا کرو جس طرح مُردہ ہوتا ہے کہ کوئی عمل نہیں کرتا، یا یہ مراد ہے کہ تم سوئے نہ رہا کرو، جس طرح مُردے سوئے پڑے ہیں، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ مردوں کی طرح تم بھی کوئی عبادت نہ کرو۔ پھر یہ بات جانو کہ مقبرے میں نماز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو مکروہ قرار دیتی ہے، اگرچہ جگہ پاک ہو، اور اس پر کبھی تو اسی حدیث کو دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "گھروں کو قبریں نہ بناؤ" سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرے میں نماز نہیں ہوتی۔ لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کا صحیح مفہوم ہم بیان کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر یہ حدیث نماز کے نہ ہونے پر دلالت کرے گی، تو قبر میں نماز نہ ہونے پر دلالت کرے گی نہ کہ مقبرے میں نہ ہونے پر۔ (جبکہ گفتگو مقبرے کے بارے میں ہو رہی ہے) اس کو سمجھو، اور کبھی اس کی دلیل کو وہ حدیث پیش

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۹

یدل علی منع التوجه الی القبر، لا الصلاۃ فی المقبرۃ مطلقا) ومنهم من ذهب الی ان الصلاۃ فیها جائزۃ، ان کانت التربة طاهرۃ والمکان طیبا، ولم یکن من صدید الموتی ومایفصل عنهم من النجاسات[1] اھ	کرتے ہیں جو گزر چکی ہے (یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان کہ اللہ تعالٰی نے ان یہود ونصارٰی پر لعنت کی جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا) یہ دلیل بھی نامکمل ہے جیسا کہ اس حدیث کی مراد سے معلوم ہوچکا (یعنی ہم نے تورپشتی وغیرہ شراح سے جو نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مقبرے میں مطلقًا نماز کی ممانعت۔ اور بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ مقبرے میں نماز جائز ہے بشرطیکہ وہاں کی مٹی پاک ہو، جگہ عمدہ ہو اور مردوں سے پیپ اور دیگر جو نجاستیں خارج ہوتی ہیں، وہاں نہ ہوں اھ (ت)

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ ت) تحقیق یہ ہے کہ عامہ مقابر میں ہر جگہ مظنہ قبر ہے مگر یہ کہ کوئی محل ابتدا سے دفن ہونے سے محفوظ رہا ہو اور معلوم ہو کہ یہاں دفن واقع نہ ہوا، ولہٰذا ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ مقبرہ میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اُس میں چلنا حرام ہے کہ قبورِ مسلمین کی بے ادبی ہوگی طحاوی وردالمحتار فصل استنجا میں زیر قول ماتن **یکرہ بول فی مقابر** (مقبروں میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ ت) فرماتے ہیں:

لان المیت یتاذی بما یتاذی به الحی، والظاهر انها تحریمیة لانهم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فیها حرام، فهذا اولٰی[2]۔	کیونکہ جس کام سے زندہ انسان کو ایذاء پہنچتی ہے اُس سے مُردے کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ کراہت تحریمی مراد ہے، کیونکہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ مقبرے میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے، تو پیشاب کرنا تو بطریقِ اَولٰی حرام ہوگا۔ (ت)

پھر قبریں کھودنے میں بطن زمین کی مٹّی اُوپر آتی ہے اور وہ اکثر وہی ہوتی ہے جو پہلے گلے ہُوئے اجسام کی نجاسات سے متنجس ہوچکی اور بند کرنے میں سب مٹّی صرف نہیں ہوجاتی تو جابجا متنجس مٹی کا پھیلا ہونا مظنون ہوتا ہے اور مظنہ قبر ومظنہ نجاست دونوں کراہت تنزیہہ کیلئے کافی ہیں کہ ظن اگر غالب ہوتا جو فقہیات میں ملتحق بیقین ہے تو بوجہ علت اول حکمِ کراہتِ تحریم ہوتا اور بوجہ علت ثانی بغیر کچھ بچھائے بطلانِ نماز کا حکم دیا جاتا ازانجا کہ ظن اس حد کا نہیں صرف کراہت تنزیہہ رہی اور اب یہ حکم حکم صلاۃ علی القبر اور الی القبر سے جُدا پیدا ہوا کہ اس میں پیچھے یا آگے کسی قبر کا معلوم ہونا ضرور نہیں قبور معلومہ اگرچہ دہنے بائیں یا پیچھے ہوں جبکہ یہ زمین ایسی ہے جس میں قبر ونجاست کا مظنہ ہے حکمِ کراہت دیا جائے گا یہی محمل ہے اس کلام کا جو علّامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں زیر قول شرنبلالی **تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ** نقل فرمایا **سواء کانت فوقه اوخلفه اوتحت ماهو واقف علیه**[3] الخ (برابر ہے کہ مقبرہ

---

[1] لمعات التنقیح باب المساجد ومواضع الصلوۃ حدیث ۷۱۴ مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۳

[2] ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبع مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۲۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

اس کے اُوپر ہو یا پیچھے ہو یا جس چیز پر یہ کھڑا ہے اس کے نیچے ہو۔ت) اور یہی منشا ہے اطلاق متون کا ورنہ اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف وپاک ہو کہ نہ اُس میں قبر ہو نہ مصلی کا قبر سے سامنا ہو تو وہاں نماز ہر گز مکروہ نہیں خانیہ[۱] ومنیہ[۲] وزاد[۳] الفقیر امام ابن الہمام وحلیہ[۴] وغنیہ[۵] وبحر الرائق[۶] وشرنبلالی[۷] علی الدرر وحلبی[۸] وطحطاوی[۹] وردالمحتار[۱۰] وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

لاباس بالصلاۃ فیھا اذاکان فیھا موضع اعد للصلاۃ ولیس فیه قبر ولانجاسة [1]۔	مقبرے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو۔(ت)

زاد الفقیر کی عبارت یہ ہے:

تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیھا موضع اعد للصلاۃ لانجاسة فیه ولاقذر [2] فیه اھ۔	مقبرے میں نماز مکروہ ہے، لیکن اگر وہاں نماز کے لئے کوئی جگہ تیار کی گئی ہو جس میں نجاست اور گندگی نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔(ت)

اس تحقیق سے پہلے **تین سوالوں کا جواب** ظاہر ہوگیا کہ قبر پر نماز مطلقًا مکروہ ہے اور قبر کی طرف بھی جبکہ قبر موضع سجود میں مطلقًا یا گھر یا مسجد صغیر میں جانب قبلہ بلاحائل ہو اور اس کے لئے کچھ بہت سے قبور ہونا درکار نہیں، تنہا ایک ہی قبر ہو جب بھی یہی حکم ہے اور قبر دہنے یا بائیں یا پیچھے ہو اور زمین جہاں نماز پڑھتا ہے پاک وصاف ہو تو اصلًا کراہت نہیں، یہ حکم حضرت شیخ محقق نے نہ اپنی طرف سے لکھا نہ علمائے حنفیّہ کے قول کے خلاف بلکہ عامہ کتب حنفیّہ میں اس کی صاف تصریح ہے جیسا کہ گزرا اور جب اس میں کراہت ہی نہیں تو سُترہ کی کیا حاجت اور مقابر میں جہاں مُردے دفن ہوتے چلے آئے ہیں اور ان میں قبر یا نجاست کا مظنہ ہے نماز مطلقًا مکروہ ہے اگرچہ قبور معلومہ پیچھے ہی ہوں مگر اُس صورت میں کہ کوئی زمین پاک صاف معلوم ہو اور اس کے قبلہ میں قبر بلاحائل بمعنی مذکور نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۹۶

باب الاذان والاقامۃ

مسئلہ (۳۲۴): کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد صلاۃ کہنا جس طرح یہاں رمضان مبارک میں معمول ہے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاعِ مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے "صلاۃ" کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر، مثلاً کسی سے کہنا اذان ہو گئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آگئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تثویب ہے اور اس کا اور صلاۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عامہ کتب مذہب **متون مثل** تنویر[۱] الابصار وقایہ[۲] ونقایہ[۳] وغررالاحکام[۴] وکنز[۵] وغررالاذکار[۶] ووافی[۷] وملتقی[۸] واصلاح[۹] نورالایضاح[۱۰] **وشروح** مانند درمختار[۱۱] وردالمحتار[۱۲] واصلاح[۹] وطحطاوی[۱۳] وعنایہ[۱۴] ونہایہ[۱۵] وغنیہ[۱۶] شرح منیہ وصغیری[۱۷] وبحرالرائق[۱۸] ونہرالفائق[۱۹] وتبیین الحقائق[۲۰] وبرجندی[۲۱] وقہستانی[۲۲] ودرر[۲۳] وابن ملک[۲۴] وکافی[۲۵] ومجتبیٰ[۲۶] وایضاح[۲۷] وامدادالفتاح[۲۸] ومراقی الفلاح[۲۹] وحاشیہ مراقی للعلامۃ الطحطاوی[۳۰] **وفتاوٰی مثل** ظہیریہ[۳۱] وخانیہ[۳۲] وخلاصہ[۳۳] وخزانۃ المفتین[۳۴] وجواہر اخلاطی[۳۵] وعلمگیری[۳۶] وغیرہا مالامال ہیں، وھو الذی علیہ عامۃ الائمۃ المتاخرین والخلاف خلاف زمان لابرھان (عام ائمہ متاخرین اسی پر ہیں اور یہ اختلاف زمانی اختلاف ہے برہانی نہیں۔ ت)

مختصر الوقایہ میں ہے: **التثویب حسن فی کل صلاۃ**[1] (تثویب ہر نماز کے لئے بہتر ہے۔ ت) متن علامہ غزی تمرتاشی میں ہے: **یثوب الا فی المغرب**[2] (مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے تثویب کہی جائے۔ ت) شرح محقق علائی میں ہے: **یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ**[3] الخ (اذان اور اقامت کے درمیان متعارف ومروجہ طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے تثویب کہی جائے۔ الخ ت) حاشیہ آفندی محمد بن عابدین میں ہے:

قولہ یثوب، التثویب العود الی الاعلام بعد الاعلام درر قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ قولہ بماتعارفوہ کتنحنح اوقام قام اوالصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلامًا مخالفًا لذلک جاز نہر عن المجتبی[4] اھ ملتقطًا۔	قولہ یثوب، تثویب، اطلاع کے بعد اطلاع کو کہا جاتا ہے۔ درر، قولہ فی الکل یعنی تمام نمازوں میں کہنی چاہئے کیونکہ امورِ دینیہ کے بجالانے میں بہت سُستی وکاہلی آچکی ہے، قولہ بماتعار فوامثلًا کھانسنا یا نماز کھڑی ہو گئی نماز کھڑی ہو گئی یا نماز نماز، اگر کوئی اور طریقہ اس کے علاوہ اپنالیں تب بھی جائز ہے۔ نہر نے مجتبی سے نقل کیا ہے، اختصارًا۔ (ت)

شرح الوافی للامام المصنّف العلام حافظ الدین ابی البرکات النسفی میں ہے:

تثویب کل بلدۃ علی ماتعارفوہ لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانمایحصل ذلک بماتعارفوہ اھ ملخصًا[5]	ہر شہر کی تثویب اسی طریقہ پر ہوگی جو وہاں متعارف ہے کیونکہ یہ اعلان میں مبالغہ کے لئے ہے اور وہ متعارف ومشہور طریقہ سے حاصل ہوگا۔ (ت)

اور ماہ مبارک رمضان سے اُس کی تخصیص بے جا نہیں کہ لوگ افطار کے بعد کھانے پینے میں مشغول اور نفس آرام کی طرف مائل ہوتے ہیں لہٰذا تنبیہ بعد تنبیہ مناسب ہُوئی جس طرح نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ فجر میں **الصلاۃ خیر من النوم**[6] مقرر کرنے کی اجازت عطا فرمائی **اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر**

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲

[2] درمختار فصل الاذان مجتبائی دہلی ۱/۶۳

[3] درمختار فصل الاذان مجتبائی دہلی ۱/۶۳

[4] ردالمحتار، فصل الاذان، مصطفی البابی مصر، ۱/۲۸۶

[5] شرح الوافی للنسفی

[6] المعجم الکبیر للطبرانی مسند بلال بن رباح مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۳۵۵

عن سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنه (طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ نقل کیا ہے۔ ت)

ہدایہ میں ہے: خص الفجر به لانه وقت نوم وغفلة [1] (وقتِ فجر کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ ت)

بالجملہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر مسلمانوں میں نزاع ڈالی جائے اور فتنہ انگیزی کرکے تفریق جماعت کی راہ نکالی جائے جو ایسا کرتا ہے سخت جاہل اور مقاصد شرع سے بالکل غافل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۵) از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب مارہروی ۲۰ صفر ۱۳۱۱ھ اذان دینا اندر مسجد کے آپ نے فرمایا تھا مکروہ ہے، میں نے یہاں کے لوگوں سے ذکر کیا اُن لوگوں نے کتاب کا ثبوت چاہا اُمید کہ نام کتاب مع بیان مقام کہ فلاں مقام پر لکھا ہے تکلیف فرماکر لکھا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ کون سا مکروہ ہے؟

الجواب:

فتاوائے امام اجل قاضی خان وفتاوائے خلاصہ وبحر الرائق شرح کنز الدقائق وشرح نقایہ للعلامۃ عبد العلی البرجندی وفتاوی علمگیریہ وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح وفتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع وکراہت کی تصریح فرمائی امام فخر الملّۃ والدّین اوزجندی فرماتے ہیں: ینبغی ان یؤذن علی المئذنة او خارج السجد ولا یؤذن فی المسجد [2]۔ اذان مینار پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ (ت) امام طاہر بن احمد بخاری فرماتے ہیں: لا یؤذن فی المسجد [3] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) علامہ زین بن نجیم وعلامہ عبد العلی برجندی نے ان سے اور فتاوائے ہندیہ میں امام قاضی خان سے عباراتِ مذکورہ نقل فرماکر مقرر رکھیں علّامہ سید احمد مصری نے فرمایا: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القہستانی عن النظم [4] (مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے۔ ت) امام اجل کمال الدین

---

[1] ہدایہ باب الاذان، مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۷۰

[2] فتاوٰی قاضی خان، مسائل الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۷

[3] خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۹

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

محمد بن الہمام فرماتے ہیں:

الاقامة فی المسجد ولابدمنه واماالاذان فعلی المئذنة فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد [1] ۔	تکبیر مسجد کے اندر کہی جائے اور اس کے بغیر کوئی اور صورت نہیں البتہ اذان منارہ پر دی جائے، اگر وہ نہ ہو تو فنائے مسجد میں دینی چاہئے اور فقہا نے بیان کیا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت)

اور اس مسئلہ میں نوع کراہت کی تصریح کلمات علما سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغہ "**لایفعل**" سے متبادر کراہت تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہرًا مشیر ممانعت وعدم اباحت ہوتی ہے علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج نے حلیہ میں فرمایا: **قول المص لایزید یشیر الی عدم اباحة الزیادة** [2] (مصنف کا قول "**لا یزید**" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ زیادتی جائز نہیں۔ ت) نظیر اس کی "**یفعل ویقول**" ہے کہ ظاہرًا مفید وجوب ہے **کما نص علیه ایضًا فیها** (جیسا کہ اس پر بھی اس میں تصریح ہے۔ ت) یونہی عبارت نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالبًا کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے:

کمافی الدرالمختاروردالمھتار وغیرھما من الاسفار ویؤیدہ منع رفع الصوت فی المساجد کمافی حدیث ابن ماجة جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم ورفع اصواتکم [3] وقدنھوا عن رفع الصوت بحضرة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وحذروا علی ذلك من حبط الاعمال والحضرةالالٰھیة احق بالادب کماتری یوم القیمة"وخشعت الاصوات للرحمٰن فلاتسمع الاھمسا"وبھذا یضعف مایظن ان لیس	جیسا کہ دُرمختار، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں ہے اور مساجدمیں بلند آواز سے منع کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے، اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچّوں سے، دیوانوں سے، تلواروں کو سَونتنے سے اور آوازوں کو بلند کرنے والوں سے محفوظ رکھو، اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر تمام اعمال کے ضائع ہونے کی دھمکی دی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی اس ادب واحترام کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ تم قیامت کے روز دیکھوگے رحمٰن

---

[1] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[2] حلیہ

[3] سُنن ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۵

فیہ الاخلاف السنۃ فلایکرہ الاتنزیھا علی ان التحقیق ان خلاف السنۃ المتوسطۃ متوسط بین کراھتی التنزیہ والتحریم وھو المُعبّر بالاساءۃ کماسیظھر لمن لہ المام بخدمۃ العلمین الشرفین الفقہ والحدیث فلیراجع ولیحرر واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کے لئے تمام آوازیں پست ہوجائیں گی تو تُو نہیں سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔ اس گفتگو سے یہ گمان وقول ضعیف ہوجاتا ہے کہ یہ عمل صرف خلاف سنت ہے تو اس میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق یہ ہے سنتِ متوسطہ کا خلاف کراہت تنزیہی اور تحریمی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو "اساءۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ اس شخص پر ظاہر ہوجائیگا جس نے دو مقدس علوم حدیث وفقہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے ذہن نشین کرنا چاہئے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ (۳۲۶) ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمیع وقت پنجگانہ نماز میں بعد اذان کے لازم پکڑنا مؤذن کا ہر نمازی کو بآواز بلانا اور نمازیوں کا اسی لحاظ سے اذان پر خیال نہ رکھنا بلکہ بعد اذان کے بُلانے سے آنا اس صورت میں بلانا مؤذن کا بعد اذان کے چاہئے یا نہیں، دوسرے یہ کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟ اور فجر کی سنتیں بعد جماعتِ فرض مسبوق ادا کرے درست ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جب نمازی اذان سے آجاتے ہوں تو بلاوجہ بعد اذان ہر شخص کو جُدا جدا بلانے کا التزام کرنا جس سے اُنہیں اذان پر آنے کی عادت جاتی رہے نہ چاہئے **فان فیہ علی ھذا التقدیر اخلاء للاذان عمایقصد بہ** (کیونکہ ایسی صورت میں اذان کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ ت) اور وقت کراہت تک انتظارِ امام میں ہر گز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادت اجر وتحصیلِ فضیلت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اُس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اُتنا ہی ثواب ہے کہ یہ سارا وقت اُن کا نماز ہی میں لکھا جائیگا،

وقدصحّ عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انتظار النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی مضی نحومن شطر اللیل وقداقرھم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انکم لن تزالوا فی صلاۃ	یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم رات گئے تک نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انتظار کرتے حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکے اس عمل کی تصویب فرمائی اور ارشاد فرمایا: جتنا وقت تم نماز کا انتظار کرتے ہو

ما انتظرتم الصلاۃ[1]۔	یہ سارا وقت تم نماز میں ہی ہوتے ہو۔ (ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک کہ حاضرین پر شاق نہ ہو۔

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃ عن المنتقی للامام الحاکم الشھید ان تاخیر المؤذن وتطویل القرأۃ لادراک بعض الناس حرام ھذا اذا کان لاھل الدنیا تطویلًا وتاخیرًا یشق علی الناس والحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ ولاباس بان ینتظر الامام انتظارًا وسطا[2]۔	انقرویہ میں تاتارخانیہ سے اور اس میں امام حاکم الشہید کی منتقی سے ہے کہ مؤذن کا اقامت کو مؤخر کرنا اور امام کا قرأت کو لمبا کرنا تاکہ بعض خاص لوگ جماعت کو پالیں حرام ہے یہ حرمت اس وقت ہے جب یہ طوالت وتاخیر کسی دنیا دار کے لئے ہو اور لوگوں پر یہ شاق گزرے حاصل یہ ہے کہ تھوڑی تاخیر تاکہ اہلِ خیر شریک ہوجائیں مکروہ نہیں، امام کو اوسط درجہ کا انتظار کرنا جائز ہے۔ (ت)

اور سنّتِ فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لیے سُنّتیں رہ گئیں اُن کی قضا کرے تو بعد بلندیِ آفتاب پیش از نصف النہار شرعی کرے طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع وناجائز ہے۔

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاصلاۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس[3]۔	کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صبح کے بعد کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۳۲۷) ازکلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن کی بغیر اجازت دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت عدمِ جواز بدون اجازتِ مؤذن سائل حدیث شریف سے سند چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ناجائز نہیں، ہاں خلاف اولی ہے اگر مؤذن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ مسند امام احمد وسنن اربعہ وشرح معانی الآثار میں زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، میں نے اذان

---

[1] الصحیح لمسلم باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۵

[3] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۳

کہی تھی بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تکبیر کہنی چاہی فرمایا: **یقیم اخو صداء فان من اذن فھو یقیم**[1] قبیلہ صداء کا بھائی اقامت کہے گا کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ فی الدر المختار (درمختار میں ہے):

اقام غیر من اذن بغیبتہ ای المؤذن لایکرہ مطلقا وان بحضورہ کرہ ان لحقہ وحشۃ[2]۔	مؤذن کی غیر موجودگی میں غیر کا تکبیر کہنا مطلقًا مکروہ نہیں البتہ جب مؤذن موجود ہو اور اس پر گراں گزرے تو مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذااختیارخواھر زادہ ومشی علیہ فی الدرر والخانیۃ لکن فی الخلاصۃ وان لم یرض بہ یکرہ وجواب الروایۃ انہ لاباس بہ مطلقا اھ قلت وبہ صرح الامام الطحاوی فی معانی الآثار معزیاالی ائمتناالثلثۃوقال فی البحر ویدل علیہ اطلاق قول المجمع ولانکرھامن غیرہ فمافی شرحہ لابن ملك من انہ لوحضرولم یرض یکرہ اتفاقا فیہ نظر اھ وکذایدل علیہ اطلاق الکافی معللا بان کل واحد ذکر فلاباس بان یأتی بکل واحد رجل اٰخر ولکن الافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم[3] اھ الخ	یہ خواہر زادہ کا مختار ہے اور یہی درر اور خانیہ میں ہے لیکن خلاصہ میں ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو کراہت ہے اور روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلقًا کوئی حرج نہیں اھ میں کہتا ہوں امام طحاوی سے معانی الآثار میں ہمارے تینوں ائمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہی تصریح کی ہے، اور بحر میں فرمایا قول مجمع کا اطلاق کہ ہم اسے غیر سے مکروہ نہیں سمجھتے اسی پر دال ہے اس کی شرح لابن ملک میں جو ہے کہ اگر مؤذن موجود ہو اور وہ راضی نہ ہو تو اتفاقًا مکروہ ہے اس میں نظر ہے اور کافی کا اطلاق بھی اسی پر دال ہے اور استدلال یہ ہے کہ ہر ایک ذکر ہے اگر ہر ایک ذکر کو دُوسرا بجالائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں افضل یہ ہے کہ مؤذن ہی تکبیر کہے۔ (ت)

---

[1] شرح معانی الآثار باب الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الاٰخر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۸/۱

[2] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۴/۱

[3] ردالمحتار مطلب فی المؤذن اذاکان غیر محتسب فی اذانہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۱/۱

اقول: اذا حملنا الکراھۃ علی کراھۃ التنزیہ ونَفیھا علی التحریم حصل الوفاق الاتری الی قول الکافی النافی کیف یقول لاباس ولکن الافضل وکذلك عبرالامام الطحاوی وغیرہ بلاباس وقدصرحوا ان مرجعه الی کراھۃ التنزیہ۔	**اقول:** جب ہم کراہت کو کراہت تنزیہی اور اسکی نفی کو کراہت تحریم پر محمول کریں تومسئلہ میں اتفاق ہوجائے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کافی نے نفیِ کراہت کا قول کرتے ہوئے "لاباس" اور "لکن الافضل" کہا اور اسی طرح امام طحاوی وغیرہ نے بھی "لابأس" سے تعبیر کیا حالانکہ فقہاً نے تصریح کی ہے کہ اس سے کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔ (ت)

پھر یہ استمرار کا دعوی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے تھے کسی حدیث سے ثابت نہیں، ہاں حدیث میں ایک بار کا یہ ذکر آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، ارشاد ہوا: بلال کو سکھا دو کہ اُن کی آواز بلند تر ہے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہنے اذان کہی جب تکبیر کہنی چاہی عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نادم ہُوئے اور عرض کی: خواب تو میں نے دیکھا تھا میں تکبیر کہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تو تمہیں کہو۔ انہوں نے تکبیر کہی رواہ الامام احمد وابوداود[1] والطحاوی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد، ابوداؤد اور طحاوی نے اُنہیں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) یہ حدیث کچھ ہمارے مخالف نہیں کہ کلام اُس صورت میں ہے جب مؤذن کو ناگوار گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذن کے بعد بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ناگواری کا کیا احتمال، مع ہذا یہ حدیث ابتدائے امر کی ہے کہ وہ پہلی اذان تھی کہ اسلام میں کہی گئی اور حدیث متقدم اُس سے متاخر ہے تاہم ثبوت صرف افضلیت کا ہے نہ کہ اقامتِ غیر کی ممانعت **کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۲۸) ۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اُس کا جواب دینا اور جب وہ خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دُعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہر گزنہ چاہئے یہی احوط ہے ردالمحتار میں ہے: **اجابۃ الاذان ح مکروھۃ**[2] (اذان کا جواب

---

[1] سنن ابی داؤد الرجل یؤذن ویقیم آخر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۶

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۷

اُس وقت مکروہ ہے۔ ت) نہر الفائق پھر دُرمختار میں ہے:

ینبغی ان لایجیب بلسانه اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب[1]۔	اس بات پر اتفاق ہے کہ خطیب کے سامنے کی اذان کا جواب زبانی نہیں دینا چاہئے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرة ان کان والا فقیامه للصعود فلاصلاۃ ولاکلام الی تمامها وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبة وبعدما اذاجلس عندالثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالأخرة اماغیرہ فیکرہ اجماعًا وعلی هذا فالترقیة المتعارفة فی زماننا تکرہ عندہ والعجب ان المرقی ینهی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثه ثم یقول انصتوا رحمکم الله[2] اھ ملخصا	اور جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہونا معتبر ہے۔ تو اس وقت سے تمام خطبہ تک نہ کوئی نماز جائز ہے نہ کوئی کلام۔ اور صاحبین نے کہا: خطبہ سے پہلے اور بعد کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں حرج نہیں۔ اور اختلاف امام صاحب اور صاحبین کا اس کلام میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو، کلامِ آخرت کے علاوہ دنیاوی کلام بالاتفاق مکروہ ہے۔ اسی بنا پر (خطیب کے سامنے) آیہ کریمہ ان الله وملئکة الخ کا پڑھنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں معروف ہے امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے، تعجب اس بات کا ہے کہ آیت مذکورہ کو پڑھنے والا حدیث شریف کے تقاضے کے مطابق دوسروں کو نیکی کا حکم دینے سے منع کرتا ہے پھر خود کہتا ہے چُپ رہو۔ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے اھ ملخصا (ت)

ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفّظ اصلًا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کماافادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذہب (جیسا کہ ملّا علی قاری کے بیان سے مستفاد ہے اور دیگر فروع کتب مذہب میں ہیں۔ ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دعا کرے بلاشبہہ جائز ہے وقد صح کلا الامرین عن سیدالکونین صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ (صحیح بخاری وغیرہ میں ہے یہ دونوں امور سید کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ت) یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نهایة العنایة وازالة الاوهام فی فتاوٰنا بتافیق الملك العلام (اس مقام کی خوب تفصیل اور ازالہ اوہام اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کئے ہیں۔ ت) والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرالمختار، باب الاذان، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

مسئلہ (۳۲۹) از موضع بکہ جبنی والہ علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خان مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

[1] کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے اذلا حظر من الشرع (اس میں شرعًا کوئی ممانعت نہیں۔ ت) اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکرِ الٰہی باعثِ نزول رحمتِ الٰہی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۰) [2] دفعِ وبا کے لئے اذان درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبا لکھا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۱) [3] بعد دفن میت قبر پر اذان جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ ایذان الاجر فی اذان القبر لکھا، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۲) ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں اذان دہنے ہاتھ کو ہونا چاہئے کہ دہنے ہاتھ کو فضیلت ہے اور بعض کہتے ہیں بلکہ بائیں ہاتھ کو، اس میں شرعًا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اذان منارہ پر کہی جائے جس طرف واقع ہو یا بیرونِ مسجد جدھر زیادہ نافع ہو، مثلاً ایک جانب کوئی موضع رفیع زائد ہے یا اُس طرف مسلمانوں کی آبادی دُور تک ہے تو اُسی سمت ہونی چاہئے کہ اصل مقصود اذان تبلیغ واعلام ہے جس طرف یہ مقصود زیادہ پایا جاوے وہی افضل ہے باقی دہنے بائیں کی کوئی تخصیص شرع مطہر سے ثابت نہیں، ہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذافی فتاوی قاضی خان السنۃ ان یؤذن فی موضع عالٍ یکون اسمع	اذان منارہ پر یا مسجد سے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے کذافی فتاوٰی قاضی خان سنّت یہ ہے کہ اذان ایسے بلند مقام پر دی جائے کہ گردونواح کے

لجیرانه ویرفع صوته کذافی البحر الرائق[1] اھ۔	لوگوں کو آواز خوب سنائی دے اور اذان میں آواز بلند رکھے، کذافی البحرالرائق۔ (ت)

مع ہذا کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانبیں دہنی اور دونوں بائیں ہیں کہ جو قبلہ رُو کھڑا ہو اس کی دہنی طرف کعبہ معظّمہ ومسجد کی بائیں ہے اور اُس کی بائیں کعبہ ومسجد کی دہنی تو جب دونوں طرف نفع برابر ہو دونوں یکساں ہیں، واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۳) اذان واقامت کس جانب کو چاہئے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جس مسجد میں اذان کے لئے منارہ بنا ہو جب تو اُس کی جہت خود معین ہے اُس منارہ پر اذان دینا چاہئے خواہ وہ کسی جانب ہو۔

فی البحرالرائق تحت قوله ویجلس بینهما السنة ان یکون الاذان فی المنارة[2] الخ۔	البحرالرائق میں ماتن کے قول "و یجلس بینهما" کے تحت ہے کہ سنّت یہ ہے کہ اذان منارہ پر دی جائے الخ (ت)

اور جہاں نہ ہو تو نظر فقہی میں انسب یہ کہ جس طرف حاجت زائد ہو اُسی جانب کو اختیار کرے مثلاً ایک جانب مسلمان زیادہ رہتے ہیں یا اُس طرف مکان اُن کے دُور ہیں تو وہی جانب اذان کے لئے انسب ہے۔

فانه انما شرع للاعلام فماکان ادخل فی المقصود کان احسن بل رایت ائمتنا ربما مالوا الی هذا المعنی والیه اشاروا من دون تعیین لجهة ففی البحر الرائق وردالمحتار عن السراج ینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران[3]۔	اذان کی مشروعیت نماز کی اطلاع کے لئے ہے تو یہ مقصود جس احسن طریقہ سے حاصل ہوگا اسے اپنایا جائے بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ائمہ عموماً اسی معنی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی جہت کا تعین نہیں کیا۔ البحرالرائق اور ردالمحتار میں سراج کے حوالے سے ہے مؤذن ایسی جگہ اذان دے کہ وہاں سے گردونواح کے لوگوں کو زیادہ آواز پہنچے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ وکیفیتہا مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

[2] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۳

اور اقامت کی نسبت بھی تعیین جہت کہ دہنی جانب ہو یا بائیں فقیر کی نظر سے نہ گزری بلکہ ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام خود اذان واقامت کہے،

فی الدرالمختار الافضل کون الامام ھو المؤذن[1] انتھی وفی فتح القدیر الافضل کون الامام ھو المؤذن وھذا مذھبنا وعلیہ کان ابوحنیفۃ[2] انتھی وفی ردالمحتار السنۃ ان یقیم المؤذن[3] انتھی وفیہ عن السراج ان اباحنیفۃ کان یباشر الاذان والاقامۃ بنفسہ[4]۔	درمختار میں ہے کہ افضل یہی ہے کہ امام خود مؤذن ہو، انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ امام کا ہی مؤذن ہونا افضل ہے، یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی امام اعظم کی رائے ہے، انتہی۔ اور ردالمحتار میں ہے سنت یہ ہے کہ مؤذن تکبیر کہے، انتہی۔ اور اسی میں سراج سے ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اذان واقامت خود کہتے تھے۔ (ت)

اور علماء جائز رکھتے ہیں کہ جہاں اذان ہُوئی وہیں اقامت بھی کہی جائے، اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے پھر جب بیانِ افضلیت پر آتے ہیں تو اسی قدر فرماتے ہیں کہ اقامت کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اور یہاں لفظ کو مطلق چھوڑتے ہیں تخصیصِ جہت کچھ نہیں کرتے،

فی البحرالرائق یستحب التحول للاقامۃ الی غیر موضع الاذان[5] انتھی وفیہ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض[6]۔	البحرالرائق میں ہے تکبیر کے لئے اذان کی جگہ بدل لینا مستحب ہے انتہی۔ اور اسی میں ہے اذان کا بلند جگہ اور تکبیر کا نیچے زمین پر ہونا مسنون ہے۔ (ت)

ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذاتِ امام پھر جانبِ راست مناسب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۴) ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذانیں واسطے طلبِ باراں کے مسجدوں میں کہنا درست ہے

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۵/۱

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۲۳/۱

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۸۶/۱

[4] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۵/۱

[5] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۱/۱

[6] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۵/۱

یا نہیں؟ اور اس طرح سے بھی واسطے طلبِ باراں کے اذانیں کہنے کا ثبوت ہے کہ امام سورہ پڑھے اور ہر مبین پر اذان کہے اور سب مقتدی بھی اس کے ساتھ اذانیں کہیں، مطلق اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھ کر ان کو ہلانا اور گھمانا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد کے اندر وقتی اذان کہنا مکروہ ہے کمافی فتح القدیر وغیرہ (جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ ت) مگر اذان بغرضِ طلب باراں یا دفعِ وبا بہ نیت اذان واعلان وطلب مردمان نہیں ہوتی بلکہ بہ نیت ذکر اور ذکر مسجد میں جائز ہے پھر اولٰی یہ ہے کہ بیرون مسجد فیصل وغیرہ رہو اور اس میں اصلًا کوئی حرج نہیں کہ اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکرِ الٰہی باعث نزولِ رحمتِ ہے، یونہی طریقہ مذکورۂ یس واذان بھی از قبیل اعمال ہے جس کے لئے اس سے زیادہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں کہ شرع سے اس کی ممانعت نہیں آئی یس شریف کیلئے حدیث میں آیا: یس لماقرء لہ سورۂ یس اُس کام کے لئے ہے جس لئے پڑھی جائے یعنی جس نیت سے پڑھی جائے اللہ تعالٰی عطا فرمائے۔ اذان میں انگلیاں کان میں رکھنا مسنون ومستحب ہے مگر ہلانا اور گھمانا حرکت فضول ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۵) ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بے وضو اذان کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جائز ہے بایں معنے کہ اذان ہوجائے گی مگر چاہئے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ولہذا علّامہ شرنبلالی نے نظر بحدیث کراہت اختیار فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۶) از ریاست رام پور بزریہ ملاظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب اسلام آبادی

۱۵ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

الاستفتاء ماقولکم رحمکم اللہ ربکم فی اذان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ھل ھواذن بنفسہ علیہ الصلاۃ والسلام ام لا ولوکان مرۃ فی عمرہ علیہ الصلاۃ والسلام، وفی ابتداء وجوب صلاۃ الجنازۃ علی المیت ایّ زمان کان	سوال: اے علماء (اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے) اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں، اگرچہ تمام عمر میں ایک دفعہ ہو۔ اور میت پر نماز جنازہ کے وجوب کی ابتداء کب ہُوئی؟ سب سے پہلے کس کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی؟ کیا یہ مدینہ منورہ

وعلی من صلی اوّلا، فی المدینة المنورة وجبت ام فی المکّة المعظمة واول الصلاة صلیها رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی ای صحابی کانت، وما کان اسمه رضی الله تعالٰی عنه بیّنوا توجروا۔	میں لازم ہوئی یا مکہ مکرمہ میں؟ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس صحابی کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی؟ اس صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

قال فی الدرمختار وفی الضیاء انه علیه الصّلاة والسّلام اذن فی سفر بنفسه واقام وصلی الظهر وقد حققناه فی الخزائن[1] اھ قال فی ردالمحتار، حیث قال بعد ماهنا هذا وفی شرح البخاری لابن حجر ومما یکثر السؤال عنه، هل باشر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الاذان بنفسه وقداخرج الترمذی، انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذن فی سفر وصلی باصحابه وجزم به النووی وقواه، ولکن وجد فی مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالًا فاذن فعلم ان فی روایة الترمذی اختصارا وان معنی قوله اذن امر بلالًا کما یقال اعطی الخلیفة العالم الفلانی کذا وانما باشر العطاء غیره[2] اھ ورأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار مانصه اقول لکن سیأتی صفة الصلاة عند	درمختار میں فرمایا اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق کی ہے اھ ردالمحتار میں کہا وہاں اس گفتگو کے بعد یہ فرمایا کہ ابنِ حجر کی فتح الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنٰی یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے اھ

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۵

ذکر التشھدعن تحفةالامام ابن حجرالمکی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلّم اذن مرّة فی سفر فقال فی تشھدہ"اشھد انّی رسول الله"وقد اشارابن حجرالی صحته، وھذانص مفسر لایقبل التأویل، وبه یتقوّٰی تقویة الامام النووی رحمه الله تعالٰی اھ ماکتبت، وبه ظھر الجواب عن المسألة الاولی، واما بدء صلاة الجنازة فکان من لدن سیدنا اٰدم علیه الصّلاة والسلام، اخرج الحاکم فی المستدرك والطبرانی والبیھقی فی سننه عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهماقال اٰخرماکبرالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی الجنازةاربع تکبیرات، وکبر عمر علٰی ابی بکرا ربعا، وکبر ابن عمر علٰی عمر اربعا وکبر الحسن بن علٰی علی اربعا، وکبر الحسین بن علی علی الحسن بن علی اربعا، وکبرت الملٰئکة علی اٰدم اربعا،[1] ولم تشرع فی الاسلام فی المدینة المنورةاخرج الادم الواقدی من حدیث حکیم بن حزام رضی الله تعالٰی عنه فی ام المؤمنین خدیجةرضی الله تعالٰی عنها انهاتوفیت سنة عشر من البعثةبعدخروج بنی ھاشم من الشعب ودفنت بالحجون ونزل النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی حفرتها و

مجھے اس بارے میں مزید جو سمجھ آئی اسے میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کیا ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں **اقول:** عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد میں تحفہ امام ابن حجر مکّی سے آرہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے اشھد انّی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی اور تقویت ملتی ہے اھ (میری تحریر ختم ہوئی) اس سے پہلے سوال کا جواب آگیا۔ باقی رہی جنازہ کی ابتداء، تو یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے دور سے ہے۔ حاکم نے مستدرک، طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پر جو آخری عمر میں تکبیرات کہیں وہ چار تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چار تکبیرات کہیں، اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر، امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چار تکبیرات کہیں، ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہیں اور اسلام میں وجوبِ نماز جنازہ کا حکم

---

[1] المستدرک للحاکم التکبیر علی الجنائز اربع مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۸۶

لم تکن شرعۃ الصلاۃ علی الجنائز [1] اھ وقال الامام ابن حجر العسقلانی فی الاصابۃ فی ترجمۃ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر الواقدی انہ مات علی راس تسعۃ اشھر من الھجرۃ رواہ الحاکم فی المستدرك وقال الواقدی کان ذلك فی شوال قال البغوی بلغنی انہ اول من مات من الصحابۃ بعد الھجرۃ وانہ اوّل میت صلی علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2] اھ وبہ اتضح الجواب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مدینہ منورہ میں نازل ہوا، امام واقدی نے حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کا وصال بعثت کے دسویں سال شعبِ ابی طالب سے خروج کے بعد ہُوا اور آپ کو حجون کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود ان کی لحد میں اترے اور اس وقت میت پر جنازہ کا حکم نہیں تھا اھ اور امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احوال میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا وصال ہجرت کے بعد نویں مہینے کے آخر میں ہُوا، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور بقول واقدی یہ شوال کا مہینہ تھا، بغوی نے کہا کہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے اسی صحابی کا وصال ہوا، اور یہ پہلے صحابی کی میت تھی جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اور اس سے جواب واضح ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۳۷) از شہر کہنہ ۲۳ شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے مسجد کے اندر زنا کیا نعوذ باللہ من ذلک اب زید مسجد میں مؤذن رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ زید کو مسجد میں رکھنے کے واسطے کوشش اور حجت کرتے ہیں اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نسأل اللہ العافیۃ (اللہ تعالٰی سے عافیت کا سوال ہے۔ ت) اگر یہ امر ثابت ہے تو پر ظاہر کہ زید اخبثِ فسّاق وفجّار ہے اور فاسق کی اذان اگرچہ اقامتِ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا، نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ ونماز میں اعتماد جائز۔ لہٰذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے، تو جب تک یہ شخص صدق دل سے تائب نہ ہو

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ خدیجہ بنت خویلد نمبر ۳۳۵ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲۸۳/۴

[2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ اسعد بن زرارہ نمبر ۱۱۱ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳۴۹/۱

اُسے ہر گز مؤذن نہ رکھا جائے مسجد سے جُدا کر دینا ضرور ہے۔ در مختار میں ہے:

جزم المصنّف بعدم صحة اذان مجنون ومعتوہ وصبی لایعقل، قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات[1]۔	مصنّف نے دیوانے، ناقص العقل اور نا سمجھ بچّہ کی اذان کے بارے میں عدمِ صحت کا قول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کافر وفاسق کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ امورِ دینیہ میں ان کا قول قابلِ قبول نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المقصود الاصلی من الاذان فی الشرع الاعلام بدخول اوقات الصلاۃ، ثم صار من شعار الاسلام فی کل بلدۃ اوناحیة من البلاد الواسعة فمن حیث الاعلام بدخول الوقت وقبول قولہ لابد من الاسلام والعقل والبلوغ والعدالة فاذا اتصف المؤذن بھذہ الصفات یصح اذانہ والا فلایصح من حیث الاعتماد علیہ، واما من حیث اقامة الشعار النّافیة للاثم عن اھل البلدۃ فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لایعقل، فیعاد اذان الکل ندبا علی الصح کماقدمناہ عن القھستانی[2] اھ ملخصا۔	اذان کا مقصودِ اصلی شرع میں اوقاتِ نماز کے دخول کی اطلاع ہے پھر یہ تمام ممالک اور بڑے شہروں کے اطراف میں شعائر اسلام کا درجہ پاچکی ہے تو دخولِ وقت کی اطلاع اور اس کے قول کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قائل مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہو، اگر مؤذن ان صفات کے ساتھ متصف ہُوا تو اس کی اذان درست ہوگی اور اگر اس میں یہ صفات نہیں تو اس پر اعتماد ہونے کی حیثیت درست نہ ہوگی البتہ اس حیثیت سے کہ یہ ان شعائر میں سے ہے جو تمام شہر والوں کو گناہ سے بچاتی ہے تو یہ بچّہ نا سمجھ کے علاوہ ہر کسی کی صحیح ہوگی لہٰذا اصح یہ ہے کہ ان تمام کی اذان کالوٹانا مستحب ہے جیساکہ ہم نے قہستانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اور جواُس کی حمایت میں فضول حجت کرتے ہیں امر ناحق کے مددگار بنتے ہیں اُنہیں باز آنا چاہئے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ خیانت کرنے والوں کا وکیل نہ بن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۸) از نقشبندی محلّہ بریلی مسئولہ منشی احمد حسین صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین صلاۃ کے بارہ میں کہ بروز جمعہ بعض مسجدوں میں لوگوں نے بعد اذان کے صلاۃ کا

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۹۰

معمول رکھا ہے اکثر آدمی اذان سُن کر مسجد میں فورًا حاضر نہیں ہوتے صلاۃ کے منتظر رہتے ہیں جب اذان سے کچھ دیر کے بعد صلاۃ ہوتی ہے تو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یہ فعل جائز ہے یا ناجائز، اور بعد اذان کے مسجد کے اندر سے کسی باہر کے شخص کو نماز کے واسطے پکارنا درست ہے یا نادرست؟

الجواب:

صلاۃ جائز ہے مگر جمعہ کے دن اذانِ اوّل سُن کر نہ آنا حرام ہے **هو الصحيح المعتمد كما في الدر المختار وغيره** (صحیح اور معتمد یہی ہے جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) اگر صلاۃ کی وجہ سے یہ سُستی ہو جمعہ کے دن صلاۃ کا ترک کرنا ضرور ہے بعد اذان باہر والے کو آواز دینے میں حرج نہیں جب کوئی محذور شرعی نہ ہو مثلًا بعد شروع خطبہ آواز دینا حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۹) از بنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگاباڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن دونوں اذان بآوازِ بلند چاہئے یا اوّل بآوازِ بلند اور ثانی پست کرکے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: دونوں اذانیں پُوری آواز سے خوب بلند کہی جائیں جس طرح اذان میں سنّت ہے آج کل جو عوام دوسری اذان کو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے پست آواز سے مثل تکبیر کے کہہ لیتے ہیں محض جہالت ہے اس سے سنّت ادا نہیں ہوتی، اصل اذان زمانہ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزمانہ صدیقِ اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما میں یہی تھی، پہلی اذان امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے زائد فرمائی ہے کما ثبت فی الصحیحین وغیرهما (جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ثابت ہے۔ ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۰) اگر نمازیوں کو نماز کے وقت سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ان کی اجازت سے یا بغیر اجازت اُن کے مکانوں پر جاکر فجر کی نماز کے واسطے بتاکید جگادیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نماز کے لئے جگانا موجبِ ثواب ہے مگر وقت سے اتنا پہلے جگانے کی کیا حاجت ہے البتہ ایسے وقت جگائے کہ استنجاء ووضو وغیرہ سے فارغ ہوکر سُنّتیں پڑھے اور تکبیر اولٰی میں شامل ہوجائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۱) اذان مسجد میں صبح کاذب میں کہنا چاہئے یا صبح صادق میں؟

الجواب:

ہمارے مذہب میں اذان قبل وقت جائز نہیں اگرچہ فجر کی ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۲) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں صلاۃ پکارنا عیدین وجمعہ میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عیدین[1] میں "**الصلوٰۃ جامعۃ**" کہا جائے، اور جمعہ میں تثویب حسبِ استحسان متاخرین جائز ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہاں کے نمازیوں کی حالت ومصلحت پر نظر کی جائے اگر وہ لوگ اذان سُن کر خود جمع ہو جاتے ہیں تو تثویب ہر گز نہ کہی جائے کہ اُن سے یہ عادتِ حسنہ چھُڑا کر انتظار تثویب کا خوگر کردینا ہوگا اور جہاں ایسا نہیں بلکہ اُس کی حاجت اور اُس کے فعل میں مصلحت ہے وہاں کہی جائے **ھذا ھو التحقیق وبہ یحصل التوفیق** (تحقیق یہی ہے اور اس سے مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۴۳) [1]سوائے اذان کے آواز دینا کہ چلو جماعت تیار ہے یا کسی نمازیِ پنج وقتہ یا امام کو آواز دینا یا روز کے نمازی آنے والوں کا وقتِ آخر تک انتظار کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب[2]**:**

آخر وقت تک انتظار کرنا بایں معنے کہ وقتِ کراہت آجائے مطلقاً مکروہ ہے اور وقت استحباب تک اگر قوم حاضر ہے اور شخص منتظر مرد شریر نہیں جس سے خوفِ ایذا ہو اور انتظار حاضرین پر ثقیل ہوگا تو قدرِ سنّت سے زیادہ انتظار مکروہ ہے اور اگر ابھی لوگ حاضر ہی نہیں یا منتظَر سے ترک انتظار میں خوفِ ایذا ہے یا سب حاضرین انتظار پر بدل راضی ہیں تو حرج نہیں اور بقدرِ سنّت تو انتظار ہمیشہ ہی چاہئے جب تک وقتِ کراہت نہ آئے، انتظار مسنون، جو عوام میں بقدر چار رکعت کے مشہور ہے بے اصل ہے بلکہ اس کی حد غیر مغرب میں یہ ہے کہ اذان سُن کر جسے وضو نہ ہو وضو کرے کھاتا ہو تو اس سے فارغ ہو جائے حاجت کی ضرورت ہو تو اس سے انفراغ وطہارت کے بعد حاضر مسجد ہو جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۴) از مدرسہ اشاعۃ العلوم دوم جمادی الاولے ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعوی کرتا ہے کہ جب تک سب مقتدی کھڑے نہ ہولیں اور صف سیدھی نہ ہو اور امام اپنی جانماز پر کھڑا نہ ہو تب تک اقامت نہ کہی جائے اور عمرو دعوی کرتا ہے کہ مقتدی اور امام کو پہلے ہی سے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ اقامت شروع کی اور مؤذن "**حی علی الفلاح**"

تک پہنچ جائے اُس وقت امام ومقتدی کھڑے ہوجائیں اور جس وقت "قدقامت الصلاۃ" کہے تب امام تکبیر کہے اب ان دونوں میں کون حق پر ہے، دیگر صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ میں امام کو تشہدیں پائے یا سجدہ سہو میں اب جمعہ اُس کا ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:

عمرو حق پر ہے کھڑے ہو کر تکبیر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہورہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر "حی علی الفلاح" تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو، وقایہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم عند"حی علی الصلاۃ" ویشرع عند"قدقامت الصلاۃ"[1]۔	امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ" پر کھڑے ہوں اور "قد قامت الصلاۃ" کے الفاظ پر امام نماز شروع کردے۔ (ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ ھو الصحیح[2]۔	ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک جب اقامت کہنے والا "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت امام اور تمام نمازی کھڑے ہوں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

جامع المضمرات وعالمگیریہ وردالمحتار میں ہے:

اذادخل الرجل عندالاقامۃ یکرہ لہ الانتظارقائمًا ولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ المؤذن قولہ"حی علی الفلاح"[3]۔	جب کوئی نمازی تکبیر کے وقت آئے تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے پھر جب مؤذّن "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت کھڑا ہو۔ (ت)

اسی طرح بہت کتب میں ہے۔

اقول: ولاتعارض عندی بین قول الوقایۃ واتباعھا یقومون عند"حی الصلاۃ" والمحیط والمضمرات ومن معھما عند"حی علی الفلاح"فانا اذا	**اقول:** صاحبِ وقایہ اور ان کے متبعین "حی علی الصلاۃ" کے موقعہ پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط، مضمرات اور ان کی جماعت "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونے کا قول

---

[1] مختصر الوقایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۷

حملنا الاول علی الانتهاء والاٰخر علی الابتداء اتحد القولان، ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح وھذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح ولعل ھذا اولی ممافی مجمع الانھر من قوله وفی الوقایة ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ ای قبیله[1] اھ	کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جب ہم پہلے قول کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ" پُورا کرکے حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اس کی تائید مضمرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن "حی علی الفلاح" پر پہنچے اور یہ اس سے بہتر ہے جو مجمع الانہر میں اس کا قول ہے: وقایہ میں ہے کہ امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ" کے وقت یعنی اس سے تھوڑا سا پہلے کھڑے ہوں اھ۔ (ت)

یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتقوموا حتی ترونی (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو۲ صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صفت سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہوجائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پُوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اصلاً کھڑے نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں، ہندیہ میں بعد عبارت مذکور ہے:

فاما اذاکان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلماجاوز صفا قام ذلك الصف والیه مال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی وشیخ الاسلام خواھرزادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کمارأوا الامام وان کان المؤذن والامام واحدا	اگر امام مسجد سے باہر ہو اگر وہ صفوں کی جانب سے مسجد میں داخل ہو تو جس صف سے وہ گزرے وہ صف کھڑی ہوجائے، شمس الائمہ حلوانی، سرخسی، شیخ الاسلام خواہرزادہ اسی طرف گئے ہیں، اور اگر امام اُن کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو اُسے دیکھتے ہی تمام مقتدی کھڑے ہوجائیں، اگر مؤذن اور امام ایک ہی ہے پس اگر اس نے مسجد کے اندر

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاذان مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸

فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ عن الاقامۃ وان اقام خارج المسجد فمشایخنا اتفقوا علی انھم لایقومون مالم یدخل الامام المسجد ویکبر الامام قبیل قولہ قدقامت الصلاۃ قال الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی وھو الصحیح ھکذا فی المحیط[1]۔	ہی تکبیر کہی تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک وہ تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے اور اگر اس نے خارج از مسجد تکبیر کہی تو ہمارے تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو اور امام "**قدقامت الصلاۃ**" کے تھوڑا پہلے تکبیر تحریمہ کہے امام شمس الائمہ حلوانی کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، محیط میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جمعہ بھی ہمارے امام کے نزدیک اس بارے میں مثل اور نمازوں کے ہے سلام سے پہلے جو شریک ہو لیا اس نے جمعہ پالیا دو ۲ ہی رکعت پڑھے، در مختار میں ہے:

من ادرکھافی تشھداوسجود سھو علی القول بہ فیھایتمھا جمعۃ خلافا لمحمد[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے جمعہ کی نماز میں تشہد یا سجدہ سہو میں اس قول پر جو جمعہ میں سجدہ سہو کا قول کرتے ہیں امام کو پایا تو وہ نماز کو جمعہ کے طور پر پُورا کرے اس میں امام محمد کا اختلاف ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۴۵) ایک طالب علم اذان میں **حی علی الصلاۃ** ایک بار دہنی طرف منہ پھیر کر کہتے ہیں اور پھر بائیں طرف مُنہ پھیر کر ایک بار **حی علی الفلاح** کہتے ہیں اور پھر دہنی طرف منہ پھیر کر ایک بار **حی علی الصلاۃ** اور پھر بائیں طرف منہ پھیر کر **حی علی الفلاح** کہتے ہیں اور اس طرح اذان دینے کو افضل کہتے ہیں اور حاشیہ ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں اس طرح آیا ہے، یہ قول اُن کا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح اذان دیا کریں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ محض غلط وخلافِ سنّت ہے، علمگیریہ ومحیط سرخسی میں ہے: **یرتب بین کلمات الاذان والاقامۃ کماشرع**[3] کلماتِ اذان وتکبیر میں اسی ترتیب کا قائم رہنا ضروری ہے جس پر مشروع ہوئے ہیں۔ ت) مسند احمد وسُنن ابی داؤد وغیرہما میں عبداللہ بن زید عبد ربّہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث تعلیمِ اذان میں ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۷

[2] در مختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶

فرشتے نے کہا یوں کہا کرو (کلماتِ اذان یہ ہیں):

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا اِلٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان لا الٰہ الااللّٰہ، اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ، اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالٰہ الاّ اللہ[1]۔

عبداللہ بن زید نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے میں نے عرض کی، حضور نے فرمایا:

ان ھذہ لرؤیا حق ان شاء اللہ تعالٰی، ثم امر بالتاذین، فکان بلال مولی ابی بکر یؤذن بذلک[2]۔	اِن شاء اللہ تعالٰی یہ خواب بیشک حق ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال مولٰی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اذان کا حکم دیا وہ اس طور پر مذکور پر اذان دیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم وسنن نسائی وغیرہما میں ابومحذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُنہیں اذان تعلیم فرمائی اس میں بھی شہادتین کے بعد یوں ہی ہے: حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالٰہ الا اللہ[3]۔ غرض دونوں حی علی الصلاۃ ایک ساتھ، پھر دونوں حی علی الفلاح ایک ساتھ پڑھنے میں کوئی شک نہیں، ہاں بعض علما نے مُنہ پھیرنے میں یہ طریقہ رکھا ہے کہ ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الصلاۃ پھر اسی کو بائیں طرف کہے، پھر ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الفلاح پھر اسی کو بائیں طرف کہے، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی، مگر صحیح وہی ہے کہ دونوں بار حی علی الصلاۃ دہنی طرف کہہ کر دونوں بار حی علی الفلاح بائیں طرف کہے۔ ردالمحتار میں ہے: **یلتفت فیھمایمینًا بالصلٰوۃ ویسارًا بالفلاح وھو الاصح** (اصح یہ ہے دونوں میں حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں طرف حی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف منہ پھیرے۔ ت) "قہستانی عن المنیۃ" **وھو الصحیح کمافی البحر والتبیین** (اور صحیح یہی ہے جیساکہ بحر وتبیین میں ہے۔ ت) **وقال مشایخ مرو یمنۃ ویسرۃ فی کل، قال فی الفتح**

---

[1] سنن ابی داؤد باب کیف الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۲

[2] سنن ابی داؤد باب کیف الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۲

[3] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب بدء الاذان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۵

الثانی اوجه وردہ الرملی بانه خلاف الصحیح المنقول عن السلف [1] اھ باختصار مشائخ مرو نے کہا ہے کہ ہر ایک میں دائیں اور بائیں منہ پھیرے (جیسے کہ قہستانی میں ہے) فتح میں ہے کہ دوسرا قول اوجہ ہے، اور رملی نے اس کا رَد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسلاف سے منقول صحیح قول کے منافی ہے اھ اختصار۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۶) ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

بعد اذان کے پھر کسی خاص شخص کو پکارنا بالخصوص خودی والے کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد اذان کے سلطانِ اسلام و قاضی شرع وعالم دین کی خدمتوں میں مؤذن دوبارہ اطلاع کے واسطے مؤدبانہ حاضر ہو یہی سنّت ہے باقی لوگوں میں اگر سامنے سے گزریں تو کہہ دینا کہ نماز کو آؤ جماعت تیار ہے، یا مسجد کو جاتے راہ میں جو ملیں اُنہیں تاکید کرتے آنا مضائقہ نہیں رکھتا مگر گھر پر آدمی بھیج کر بلانے کی حاجت نہیں خصوصًا خودی والے متکبر کو کہ متکبر شرعًا مستحقِ توہین ہے نہ لائقِ رعایت جبکہ مظنہ فتنہ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۴۷) منشی عبدالقادر صاحب میسوری

یہاں یہ دستور ہے کہ نماز پنجگانہ وعیدین و نمازِ جنازہ میں شہروں اور قریہ وغیرہ سب جا صلاۃ صلاۃ پکار کر کہتے ہیں یہ صلاۃ پکارنا کیسا ہے کس زمانہ و کن بزرگوں سے ابتدا جاری ہے اس کے پکارنے سے نماز میں خلل ہے یا نہیں، یہاں چند صاحبان صلاۃ پکارنا بدعت یعنی ناجائز سمجھتے ہیں ازراہِ مہربانی جواب تحریر کریں۔

الجواب:

عیدین میں الصّلاۃ جامعۃ [2] (نماز کی جماعت تیار ہے۔ ت) باآواز بلند دوبار پکارنا مستحب ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

یستحب ان ینادی لها الصلٰوة جامعة بالاتفاق [3]۔	یہ آواز دینا کہ جماعت تیار ہے بالاتفاق مستحب ہے۔ (ت)

سوائے مغرب ہر نماز میں صلاۃ پکارنا یعنی دوبارہ اعلان کرنا ائمہ متاخرین نے مستحب رکھا ہے بلکہ

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۵

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

درمختار میں سب نمازوں کی نسبت لکھا:

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ[1]۔	متعارف طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے اذان واقامت کے درمیان تثویب کہنی چاہئے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظھورالتوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر ومارأہ المسلمون حسنًا فھو عنداللہ حسنٌ[2]۔ اھ	"فی الکل" سے مراد یہ ہے کہ تمام نمازوں میں تثویب کہے کیونکہ دینی امور میں سُستی غالب آچکی ہے۔ عنایہ میں ہے کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویب فجر کو باقی رکھتے ہوئے مغرب کی نماز کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے اھ (ت)

نمازِ جنازہ میں حرمین شریفین میں دستور ہے کہ مؤذن بآواز بلند کہتے ہیں: **الصلاۃ علی المیت یرحمکم اللہ** (میت پر نمازِ جنازہ ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ ت) اور یہ سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں داخل ہے کہ **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ**[3] (اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بُلائے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی الھدٰی فلہ اجرہ واجر من تبعہ[4]۔	جو کسی نیک بات کی طرف بُلائے اُس کے لئے اُس کا خود اپنا اجر ہے اور جتنے اُس نیک فعل میں شریک ہوں ان سب کا ثواب ہے، اور انکے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور زعمِ بدعت کا رَد ہزار بار ہوچکا، ہر نَو پیدا بات ناجائز نہیں ورنہ خود مدرسے بنانا، کتابیں تصنیف کرنا، صرف ونحو وغیرہما علوم کہ زمانہ رسالت میں نہ پڑھے تھے، پڑھنا پڑھانا سب حرام ہوجائے اور اسے کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا خود یہ اہلِ بدعت ہزارہا جدید باتیں کرتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں اس ہیئت کذائی سے موجود نہ تھیں، بعد کو حادث ہوئیں مگر اپنے لئے جو چاہیں حلال کرلیتے ہیں واللہ سبحنہ وتعالٰی

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۶

[3] القرآن ۴۱/۳۳

[4] مسلم شریف باب من سن سنۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۱

نوٹ: مسلم شریف کے الفاظ یوں ہیں من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیئا الخ۔ نذیر احمد سعیدی

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۳۴۸) از دمن خرو عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اقامت کے قبل درود شریف بآواز بلند پڑھتاہے اوراس کے ساتھ ہی اقامت یعنی تکبیر شروع کردیتاہے کہ جس سے عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف اقامت کا جزئ ہے اور عمرو درود شریف نہیں پڑھتا صرف اقامت کہتا ہے توزید کو یہ فعل اس کا ناپسند آتا ہے اور اصرار سے اس کو پڑھنے کو کہتا ہے اس صورت میں درود شریف جہر سے پڑھنا اور زید کا اصرار کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلًا کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۹) از کیمپ میرٹھ کوٹھی خان بہادر کمرہ شیخ علاءُ الدین صاحب مرسلہ سید حسن صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ باعثِ استفساریہ ہے کہ اگر صبح کی اذان لوگوں کو سحری کے وقت کے اختتام سے آگاہی کے واسطے صبح صادق نکلنے سے آٹھ یا دس منٹ پہلے دے دی جایا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اذان وقت سے پہلے دینی مطلقًا ناجائز وممنوع ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

لایؤذن قبل الوقت ویعاد فیہ وانکار السلف علی من یؤذن بلیل دلیل علی انہ لم یجز قبل الوقت[1]۔	قبل از وقت اذان نہ دی جائے اور اگر دے دی جائے تو وقت کے اندر پھر لوٹائی جائے اور اسلاف کارات کو اذان دینے والے پر انکار اس بات کی دلیل ہے کہ قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ (ت)

البحر الرائق میں ہے: **لایجوز قبلہ**[2] (قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ ت)

ختم سحری کے لئے صلاۃ وغیرہ کوئی اور اصطلاح مقرر کرسکتے ہیں اور وہ بھی چار پانچ منٹ سے زیادہ وقت صحیح سے مقدم نہ ہو کہ تاخیرِ سحور سنّت اور اس میں برکت ہے اور زیادہ اول سے منع کردینا فتوائے باطل وبدعت وخلافِ شریعت ہے پھر یہ بھی اس کے لئے ہے

---

[1] تبیین الحقائق باب الاذان مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۹۳/۱

[2] البحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۲/۱

جو وقت صحیح جانتا ہو نہ وہ آج کل کی عام جنتریوں میں چھپا یا چھپتا ہے کہ اکثر باطل وضلالت ہے اُنہیں میں سے میرٹھ کی "دوامی جنتری" بھی سراپا غلط وبطالت ہے یوہیں ہمیشہ رات کا فلاں معین حصّہ چھوڑنا محض نادانی وجہالت ہے ان مجمل الفاظ کی تشریح اول طبع ہوچکی اور بعض فتوائے دیگر مفصلہ سے معلوم ہوگی **بعونہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۵۰) از ملک گجرات بھڑوچ محلّہ گھونسواڑہ آملہ مسجد مرسلہ محمد الدین مجددی ۱۷جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنّتِ جمعہ پڑھنے کے لئے ملک گجرات کے بعض مقام میں جو ایک صلاۃ سنت قبل جمعہ پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے روز جمعہ کے پکارتا ہے اور بغیر صلاۃ سنت قبل الجمعہ پکارنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس صلاۃ سنت قبل جمعہ کا مسجد میں جمع ہوکر انتظار کرتے ہیں تاکہ مؤذن یہ صلاۃ سنت کی پکارے تو سنت قبل جمعہ پڑھیں الفاظ یہ ہیں: **الصلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ** (جمعہ سے پہلی سنّتیں ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ت) کیا ان الفاظ سے صلاۃ کہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت ہے یا مستحب ہے اور کس مجتہد نے اسلام میں اس کو جاری کیا ہے اور یہ صلاۃ سنت قبل الجمعہ اگر کوئی شخص نہ پکارے اور سُنتیں جمعہ کی پڑھ لے تو سنّتیں ہوجاتی ہیں یا نہیں اور نہ پکارنے سے مرتکب گناہ کا ہوگا یا نہیں، نماز جمعہ اور سنتِ جمعہ میں بھی نہ پکارنے سے قصور لازم آتا ہے یا نہیں، اور نہ کہنے والا مذہب امام اعظم کا مقلّد رہتا ہے یا وہابی نجدی ہوکر اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، کیا وہ بے ایمان ہوجاتا ہے، کیا تثویب جس کو فقہائے حنفیّہ نے مستحسن فرمایا ہے وہ یہی صلاۃ سنت قبل الجمعہ ہے یا اُس کی کوئی اور صورت ہے؟ مستند کتب حنفیّہ سے ثبوت مع دلائل تحریر فرماکر اجرِ عظیم پائیں مہر مع دستخط علمائے کرام ثبت ہو۔

الجواب:

تثویب جسے ہمارے علمائے متاخرین نے نظر بحال زمانہ جائز رکھا اور مستحب و مستحسن سمجھا وہ اعلام بعد اعلام ہے اور اس کے لئے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انہیں لفظوں سے کہ **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ تعالٰی** (نماز جمعہ سے پہلے سنت نماز ادا کرلو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ت) تو اس وجہ پر کہنا زیر مستحب داخل ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ الافی المغرب[1]۔	مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت میں تمام لوگوں کے لئے اذان واقامت کے درمیان معروف طریقہ پر تثویب کہی جائے۔(ت)

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

ردالمحتار میں ہے:

بما تعارفوه کتنحنح اوقامت قامت، اوالصلٰوۃ الصلٰوۃ، ولواحدثوا اعلاما مخالفا لذلك جاز، نهر عن المجتبٰی[1]۔	بماتعارفوہ سے مراد مثلاً کھانسنا، نماز کھڑی ہو گئی، نماز کھڑی ہو گئی، نماز، نماز، اور اگر اس کے علاوہ کوئی الفاظ اطلاع کے لئے مخصوص کرلیے جائیں تو جائز ہیں۔ نہر نے مجتبٰی سے نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی میں عنایہ سے ہے:

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة، علی حسب ماتعارفوه فی جمع الصلوات سوی المغرب، مع ابقاء الاول، یعنی الاصل، وھو تثویب الفجر، ومارأه المسلمون حسنًا، فهو عندالله حسنٌ[2]۔	کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویبِ فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

مگر اس پر اور باتیں جو اضافہ کیں بے اصل و باطل ہیں: (مثلاً)

(۱) جب تک یہ صلاۃ نہ پکاری جائے سنّتِ جمعہ نہ پڑھنا۔

(۲) مسجد میں جمع ہو کر اس پکارنے کا منتظر رہنا گویا سنتِ قبل الجمعہ کو اذان مؤذن کا محتاج کر رکھا ہے کہ وہ صلاۃ پکار کر اجازت دے تو پڑھیں یہ بدعت ہے۔

(۳) بغیر اس کے یہ سمجھا کہ سُنّتیں نہ ہوں گی۔

(۴) نہ پکارنے کو گناہ جاننا۔

(۵) نہ پکارنے سے نمازِ جمعہ میں قصور سمجھنا۔

(۶) نہ پکارنے والے کو تقلیدِ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے باہر خیال کرنا۔

(۷) معاذاللہ اسے وہابی و بے ایمان گمان کرنا یہ پانچوں اعتقاد باطل وضلال ہیں، ان کے معتقدین پر توبہ فرض قطعی ہے اور ان ساتوں رسوم وخیالاتِ باطلہ کا ہدم واعدام لازم ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۷

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۷

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں سے نہیں پس وہ مردود ہوگی۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۱) جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

نمازِ جمعہ میں اذان کے بعد پھر صلاۃ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اذان کے بعد صلاۃ تثویب ہے اور تثویب کو علماء نے ہر نماز میں مستحب رکھا ہے۔ درمختار میں ہے۔

یثوب فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب[2]۔	مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت تمام لوگوں کے لئے متعارف طریقے پر تثویب کہنی چاہئے۔ (ت)

عنایہ میں ہے: فی جمیع الصلوات سوی المغرب[3] (مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب جائز ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

التسلیم بعد الاذان حدث فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ[4]۔	اذان کے بعد صلاۃ وسلام ہر سوموار کو عشاء کی نماز کے موقعہ پر پڑھا جاتا تھا پھر جمعہ کے دن شروع ہوا اس کے دس سال بعد مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان کے بعد شروع کردیا گیا پھر مغرب میں بھی دو دفعہ پڑھا جانا شروع ہوگیا اور بدعتِ حسنہ ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یؤذن ثانیا بین یدی الخطیب افاد بوحدۃ الفعل ان المؤذن اذا کان اکثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد ولا یجتمعون کما فی الجلابی والتمرتاشی ذکرہ	اور مؤذن دُوسری بار خطیب کے سامنے اذان دے (جب خطبہ پڑھنے کے لئے وہ منبر پر بیٹھے) ماتن نے فعلِ مؤذن کو بصیغہ واحد لاکر افادہ کیا کہ جب مؤذن ایک سے زیادہ ہوں تو اذان یکے بعد دیگرے کہیں

---

[1] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳

[2] درمختار باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[3] عنایۃ مع فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۱۴

[4] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

القہستانی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	سب مل کر نہ کہیں۔ جیسا کہ جلابی اور تمرتاشی میں ہے۔ اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۲) **اوّلاً** از شہر بھڑوچ لال بازار چنار واڑ مرسلہ عباس میاں صاحب و مولوی علی میاں صاحب ابن مولوی محمد نصر اللہ صاحب صدیقی۔

ثانیاً از احمد آباد محلّہ خان پور متصل درگاہ حضرت شاہ وجیہ الدین صاحب علوی مرسلہ جناب شاہ سید احمد صاحب ابن سید غلام وجیہ الدین صاحب علوی ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

مرشدنا جناب مولٰنا حاجی مولوی احمد رضا خان صاحب بعد سلام علیک کے بندہ، غلام خاکسار عباس میاں کی طرف سے عرض خدمت بابرکات میں یہ ہے کہ ایک سال سے یہ فتنہ ہمارے شہر میں پڑا ہے کہ جو شخص صلاۃِ جمعہ کہے وہ گناہ کرتا ہے اور بدعتی اُس کو کہتے ہیں اور گمراہ جانتے ہیں اور دلیلیں مولوی خُرم علی اور ترجمہ غایۃ الاوطار سے اور مائۃ مسائل کی پیش کرتے ہیں اور مولوی اشرف علی اور گنگوہی کی کتابوں کی سند لاتے ہیں اور آپ کا فتوٰی جو اس خط کے ہمراہ رکھا ہے جس کی مہر میں ۱۳۰۱ھ ہے وہ ہر ایک کو دکھاتے ہیں حضور جو آپ نے سات ۷ اعتقاد باطل وضلال لکھے ہیں وہ ہمارا کہنا نہیں فقط اتنا ہے کہ روزِ جمعہ کو ندا جو معمول مدتِ مدید سے چلا آتا ہے اور اس کے لئے اول ایک رسالہ نور الشمعہ چھپ گیا ہے اس میں لکھا ہے یہ ندا جائز بلکہ مستحسن ہے اور جناب مولوی نذیر احمد خان صاحب احمد آبادی نے ایک فتوٰی اس ندا کے جواز میں دیا ہے اور تمام کہتے ہیں مدت مدید سے اس کو اب یہ شخص منع کرتا اور بدعتی کہنا گناہ بتاتا ہے اور جھُوٹے سوال لکھتا اور جواب منگواتا ہے غلام گنہگار ہے خدا آپ بزرگوار کی دعا اور طفیل غوث الورٰی کے میرے گناہ بخشے آمین! عباس میاں ولد علی میاں۔

خط ثانی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجمع البرکات حامی شرع مبین مولانا واولٰنا جناب مولوی احمد رضا خان صاحب از جانب فقیر حقیر سید احمد علوی الوجیہی بعد تبلیغ مراسم نیاز عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ جناب عالی بندہ نے مستشار العلماء لاہور آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے کہ اس اشتہار کو ملاحظہ فرمائیں اس کا بانی کار محمد دین ایک پنجابی ہے پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوا اور دیوبند و گنگوہ میں جاکر کچھ پڑھا فی الحال بھڑوچ میں رہتا ہے اور سلسلہ پیری مریدی کا ضلع بھڑوچ کے گاؤں میں جاری کیا ہے قبلہ عالم نفس تثویب کا یہ شخص منکر ہے کہ تثویب کا ثبوت کسی کتاب حنفیّہ سے نہیں یہ بدعتِ مذمومہ ہے آپ نے تثویب کو اسی مستشار العلما میں بہت اچھی طرح سے ثابت کردیا ہے بندہ جب یہ پیش کرتا ہے کہ دیکھو اسی اشتہار میں مولوی صاحب نے

---

[1] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

تثویب کو بحمد اللہ کتاب حنفیّہ سے ثابت کیا ہے اور تم لوگ نفسِ تثویب کے منکر ہو اور جو شخص پکارتا ہے اس کو بدعتی کہتے ہو، تو وہ اور اس کے لواحق جواب دیتے ہیں کہ ایک شخص کے فتوے پر عمل چاہئے یا دس کے ایسے جواب دیتے ہیں، یہ مستشار العلما اس نے چھپوا کر تمام گاؤں میں بانٹ دیے ہیں تحریرات سے بہت جلد مشرف فرمانا کہ جو کدورتیں ان کے دلوں میں جم گئی ہیں آپ کی تحریر کی برکت سے اللہ پاک دُور فرمائے، آمین۔ رقیمہ نیاز سید احمد علوی الوجیہی

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم لك الحمد صل علی المصطفی واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہم خادمان دارالافتاء جواب سے پہلے کچھ دیوبندی خیانتیں گزارش کریں جن سے واضح ہو کہ ان حضرات کی حیاودیانت کس درجہ تک پہنچتی ہے اور ایسوں سے مخاطبہ کا کیا موقع رہا ہے اُس کے بعد اصل سوال تثویب کا جواب جو بعون الوہاب اعلٰحضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا مجموعہ مبارکہ فتاوائے رضویہ سے نقل کریں و باللہ التوفیق یہاں خیانت ہائے دیوبندیہ پر یہ امر یہاں داعی ہوا کہ دارالافتاء کا فتوٰی تثویب جمعہ جو جناب کے مرسلہ رسالہ میں محمد دین صاحب یا ان کے طرفداروں نے شائع کیا جس کا سوال دارالافتا میں ملک گجرات شہر بھڑوچ محلّہ گھونسواڑہ مسجد آملہ سے محمد دین مجددی نے بھیجا، اور ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ کو اس کا جواب دارالافتا سے امضا ہوا جس کی نقل فتاوائے اعلٰحضرت کی جلد دوم کتاب الصلاۃ میں ہے۔ اس میں شائع کنندہ نے سخت تحریفیں کیں جو کسی حیادار مسلمان کو زیبا نہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ نو مسلم دیوبند و گنگوہ کے تعلیم یافتہ ہیں تو اس کا تعجب جاتا رہا کہ حضرات دیوبند کا یہ قدیم شیوہ ہے لہٰذا اطلاع مسلمین کے لئے ان کی خیانتوں کا تذکرہ ضرور ہوا کہ مسلمان ان صاحبوں کی عادت پہچان لیں اور ان کے ضرر سے محفوظ رہیں کسی مسئلہ میں ان کے شور غل پر کبھی کان نہ رکھیں کہ کوئی عقل مند ایسی خصلت والوں کی بات پر کان نہیں دھرتا۔

دیوبندی خیانتوں کے نمونے

جو شخص کلمہ پڑھتا اور اللہ تعالٰی کو ایک رسول کو برحق جانتا ہو وہ ایک ساعت انصاف و ایمان کی نگاہ سے ملاحظہ کرے آیا ایسی خیانتیں اہلِ حق کرتے ہیں یا وہ کھلے باطل والے جو ہر طرح اپنی باطل پروری سے عاجز آگئے اور ناچار ایسی شرمناک حرکات پر اُترے، کیا کوئی ذی عقل ایسوں کی کسی بات پر کان دھرنا گوارا کرے گا یا اُنہیں کسی انسان کا قابل خطاب جانے گا، جو ایمان سے کچھ بھی علاقہ رکھتا ہے وہ ایمان کی نگاہ سے دیکھے اور انصاف کرے

اور ہٹ دھرم بے حیا کا کہیں علاج نہیں، ہم پہلے فتوائے تثویب میں اُن کی خیانتوں کو ذکر کریں گے کہ یہ سوال اسی سے متعلق ہے پھر ان کے بڑوں کی بھاری خیانتیں زیرِ ذکر لائیں گے کہ معلوم ہو کہ یہ خُوبیاں چھوٹوں نے بڑوں ہی سے سیکھیں ع

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلی خیانت فتوائے مبارکہ میں اس عبارت کے بعد کہ اس کیلئے کوئی صیغہ معین نہیں یہ عبارت تھی بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انہیں لفظوں سے کہ **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ** تو اس وجہ پر یہ کہنا زیر مستحب داخل ہوسکتا ہے بھلا اس کا زیر مستحب داخل ہونا انہیں کب گوارا ہوتا لہٰذا اسے ایک دم ہضم فرمالیا۔

دوسری خیانت عبارت ردالمحتار او قامت تک نقل کرکے "الخ" بنادیا حالانکہ فتوائے مبارکہ میں وہ یوں تھی:

او قامت قامت او الصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلك جاز نهر عن المجتبی۔[1]	نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی، نماز، نماز، اگر کوئی اور اصطلاح بھی اطلاع کے لئے بنائی جائے تو جائز ہے یہ نہر میں مجتبٰی سے نقل ہے۔ (ت)

یہ عبارت اعلٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ کے اس ارشاد کی صریح دلیل تھی کہ اس وجہ پر **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ** کہنا بھی مستحب ہوگا لہٰذا اسے بھی کترلیا۔

تیسری خیانت اس کے بعد فتوائے مبارکہ میں یہ عبارت تھی: اُسی میں عنایہ سے ہے:

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وماراٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن۔[2]	متاخرین نے اصل یعنی تثویبِ فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

یہ بھی اسی جرم پر اڑالی گئی کہ اُس میں بھی اس کی دلیل کو علی حسب ماتعارفوہ موجود تھا۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۷

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۶

چوتھی خیانت فتوائے مبارکہ میں تھا یہ پانچوں اعتقاد باطل وضلال ہیں اس میں ساتوں اعتقاد بنالیے کہ اگر پانچ اعتقاد اخیر جو مسلمانوں کی طرف نسبت کیے ثابت نہ ہوسکیں تو اگلی دو۲ باتوں کو بھی بزورِ خیانت اعتقاد میں داخل کرکے مسلمانان بھرڑوچ اہل سنّت کا فاسد العقیدہ ہونا بتا سکیں۔

پانچویں خیانت اس کے اخیر میں اعلٰحضرت کی مہر یہ چھاپی محمدی سنی حنفی قادری عبدالمصطفٰی احمد رضا خان ۱۳۰۱ یہ مہر بھی اپنی طرف سے بنالی یہ مہر ۱۳۲۷ھ میں گم ہوگئی تھی تو ۱۳۲۹ھ کے فتوے میں کہاں سے آئی بلکہ اس پر ۱۳۲۸ھ کی مہر تھی جو اصل مسئلہ کے جواب پر اخیر میں آپ ملاحظہ کریں گے اس میں شعر کندہ ہے:

یا مصطفٰی یا رحمۃ الرحمٰن
یا مرتضٰی یا غوثنا الجیلانی

غالبًا انہیں کلمات طیبہ کی ناگواری اشاعت کنندہ کو تبدیل مہر پر باعث ہُوئی۔

چھٹی خیانت ایک ان کی خیانتوں پر کیا تعجب عام دیوبندیوں خصوصًا ان کے بڑوں کا قدیم سے یہی مسلک ہے، ایک صاحب مذہبًا دیوبندی سکنا رام پوری سُنّی بن کر یہاں آئے بعض مسائل لکھوائے نقل کے لئے فتاوائے مبارکہ کی کتاب الحظر عطا ہُوئی ایک مسئلہ میں جس کا سوال محمد گنج سے عبدالقادر خان رام پوری نے بھیجا تھا اور اس میں پانچ سوال تھے، سوال چہارم یہ تھا تین برس کے بچّہ کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہئے یا سوم کی، اس کا جواب اعلٰحضرت نے یہ ارشاد فرمایا تھا شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعینیں عرفی ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ان بزرگ نے بین السطور میں موٹے قلم سے کہ وہی اس وقت ایک بچّہ سے انہیں مل سکا جہالت ہے کہ بعد لفظ وبدعت اور بڑھادیا وہ اب تک فتاوائے مبارکہ میں غیر قلم کا سطر سے اوپر لکھا ہوا موجود ہے فتاوائے مبارکہ کی جلد ہشتم کتاب الحظر ص ۳۱۰ ملاحظہ ہو لطف یہ کہ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے جہالت سے یہ لفظ جہالت ہے کے بعد بڑھایا اور وبدعت عطف واو سے رکھا کہ جملہ اردو پر جملہ فارسی کا عطف ہوگیا جو ہرگز اعلٰحضرت بلکہ کسی زبان دان کا بھی محاورہ نہیں، افترا کرنا تھا تو لفظ جہالت کے بعد وبدعت بڑھایا ہوتا کہ لفظ مفرد عربی پر اس کے مثل کا عطف واوٗ سے ہوتا، طرہ یہ کہ مجموعہ فتاوٰی گنگوہی صاحب حصہ اول میں ان کے حواریوں نے مجدد المائۃ الحاضرہ کا یہ فتوٰی مع زیادت مفتری چھاپ دیا اور اس میں ص ۱۵۰ پر یوں بنادیا جہالت وبدعت ہے ان کو سُوجھی کہ عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔

ساتویں خیانت ظلم پر ظلم یہ کہ فہرست میں یوں لکھا فتوائے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی تعینِ سوم کی جہالت اور بدعت ہونے میں، حالانکہ فتوائے اقدس میں تصریح تھی جب چاہیں کریں ہاں دوجے یا تیجے کی گنتی ضروری جاننے کو ضرور جہالت فرمایا تھا کہاں یہ

کہ خاص اس تعین کو ضروری جاننا جہالت ہے اور کہاں یہ کہ سرے سے تعین ہی جہالت وبدعت ہے اُن رام پوری دیوبندی نے خیانت لفظی کی تھی ان دیوبندی دیوبندیوں نے دیکھا کہ کام اب بھی نہ چلا اصل سوم تو جائز ہی رہا، لہٰذا یوں اس کے ساتھ خیانت معنوی کا گنٹھ جوڑا ملایا، غرض

بیباک ہو عیار ہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

آٹھویں خیانت یونہی مجموعہ گنگوہی صاحب حصہ دوم صفحہ ۹۷ پر مجدد المائۃ الحاضرہ کا ایک فتوٰی چھاپا جس میں حاصل سوال یہ تھا کہ جو شخص بے نماز شراب خور داڑھی منڈا گستاخی سے جھوٹی روایتیں پڑھنے والا شریعت پر ہنسنے والا ہو ایسے شخص سے مولود شریف پڑھانا یا منبر پر تعظیماً بٹھانا جائز ہے یا نہیں، اور حاصل ارشاد جواب یہ تھا کہ افعال مذکورہ سخت کبائر اور مرتکب اشد فاسق اور مستحق نار وغضب الرحمٰن ہے اُسے منبر پر بٹھانا اُس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے اور ذکر شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب اور بے وضو بھی جائز اگر نیت استخفاف کی نہ ہو اور تحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے یونہی مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزا کفر ہے یونہی داڑھی رکھانے کی توہین کلمہ کفر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان دیکھیں کہ اس فتوائے مبارکہ میں ایسے فاسق فاجر بے نمازی شراب خور توہین کنندہ شریعت کو منبر پر بٹھانے کی ممانعت ہے یا معاذاللہ مطلقاً مجالس میلاد مبارک مروجہ عرب وعجم کا عدمِ جواز۔ مگر حیاداروں نے عوام کی آنکھوں پر اندھیری ڈالنے کے لئے اس کا سرنامہ یہ لکھ دیا فتوٰی درباب عدم جواز مجلس مولود مروجہ از مجموعہ فتاوی قلمی مولوی احمد رضا خان صاحب، سچ ہے "بے حیا باش وآنچہ خواہی کن" (بے حیا ہوجا پھر جو چاہے کرتا رہ۔ ت) انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

نویں خیانت حیاداروں کو اور تیز وتند چڑھی اسی صفحہ کے حاشیہ پر یوں لَے بڑھی متبعین مولوی احمد رضا خاں صاحب کو خوف کرنے کا مقام ہے کہ وہ مجالس مروجہ ممنوعہ مبتدعہ ولادت کہ جن کو خود ان کے مقتدا نے حرام کیا بلکہ کفر ومستحق نار وغضب رحمٰن تعالٰی شانہ لکھتے ہیں۔ مسلمانو! خدارا انصاف، حرام کا لفظ تو آپ دیکھ چکے کہ فاسق شرابی کو منبر پر تعظیماً بٹھانے کی نسبت تھا ظلم یہ کہ مستحق نار وغضب رحمٰن کو اُس تارک الصلاۃ شرابخور توہین کنندہ شرع کو کہا تھا بے حیاؤں نے اسے بھی مجالس میلاد مبارک پر ڈھال دیا، مسلمانو! کیا اسی کو دین ودیانت کہتے ہیں ع

آدمیاں گم شدند ملک خیانت گرفت

دسویں خیانت مجلس مبارک کو حرام ومستحق نار وغضب جبار ٹھہرانے پر بھی دشمنانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جلتے کلیجے ٹھنڈے نہ ہُوئے بلکہ اپنی گھٹیوں میں پڑے ہوئے کفر کی چاشنی یاد آئی اور بکمال بے ایمانی اپنی اس بکر فکر کی نسبت اعلٰحضرت مجددِ دین وملت سے کردی کہ وہ مجالسِ مروّجہ کو کفر لکھتے ہیں، سچ ہے جب "**لعنۃ اللہ علی الکاذبین**" سے حصہ لیں تو پُورا ہی نہ لیں بَن پڑے تو ابلیس کیلئے

بھی باقی نہ چھوڑیں۔ مسلمانو! اللہ انصاف، کفر کا لفظ ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین اور شریعت وسنّت پر ہنسنے کی نسبت تھا یا مجالس مبارکہ کی نسبت، مسلمانو! اللہ انصاف، شیطان اس سے زیادہ اور کیا مکرر کرتا ہوگا، "ولاحول ولاقوۃ الا باللہ" خود اعلٰحضرت کے یہاں اُن کے پر دادا صاحب حضرت مولٰنا حافظ محمد کاظم علی خاں صاحب بہادر رئیس اعظم قادری رزاقی قدس سرہ الشریف خلیفہ حضرت مولانا شاہ انوار الحق لکھنوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے وقت سے بفضلہٖ تعالٰی آج تک کہ سو۱۰۰ برس کامل سے زائد ہوئے مجالسِ میلاد شریف کا انعقاد کمالِ اہتمام واعلانِ عام کے ساتھ ہوتا ہے بحمدہٖ تعالٰی ہزاروں مسلمان حاضر آئے اور ذکرِ اقدس حضورپُورنور سیدِیوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فیض وشرف پائے ہیں شہر بھر میں معلوم ہے کہ ربیع الاول شریف کی بارھویں خاص اعلٰحضرت کے دولت خانہ فیض کاشانہ کے لئے اُسی زمانہ سے مخصوص ہے، اعلٰحضرت کے یہاں اور بھی مجالس میلاد مبارک ہوا کرتی ہیں مگر بارھویں شریف کا پڑھنا خصوصًا خاص ذکرِ ولادت اقدس روزِ اول سے خود حضرت بانیِ مجلس صاحبِ خانہ کا حصّہ ہے جو بعونہ تعالٰی سو۱۰۰ برس سے آج تک ناغہ نہ ہُوا سوائے ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ کے کہ اس کی بارھویں مبارک کو اعلٰحضرت بحمداللہ تعالٰی سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علی مطیبہا وبارک وسلم میں شرف آستانہ بوسی سے مشرف تھے اُس سال اعلٰحضرت کے برادر اوسط مولوی حاجی محمد حسن رضا خان صاحب حسن قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نیابت کی پھر اعلٰحضرت اور اُن کے والد ماجد قدس سرہ، کے فتاوٰی ومستقل تصانیف اس مجلس مبارک کے استحباب واستحسان میں موجود ہیں، معتقدینِ اعلٰحضرت اس تمام آفتاب عالمتاب سے معاذاللہ آنکھیں بند کرکے کوّوں کی شہادت پر دیوبندیوں کی مان لیں گے کہ اعلٰحضرت کے نزدیک معاذاللہ مجلس مبارک حرام بلکہ کفر ہے تف تف ہزار تف مسلمانو! دیوبندی صاحبوں کی دیوبندگی دیکھی، پھر دعوائے دین ودیانت باقی ہے، سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعوی خیر اتنی اچھی کہی کہ معتقدینِ اعلٰحضرت کے لئے خوف کا مقام ہے **الحمدللہ** خوف کا مقام اولیاء وصلحاء کو ملتا ہے مگر دیوبندیوں کو نہ خوفِ خدا نہ شرمِ رسول دِن دہاڑے مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکتے پھرتے ہیں کہ اُن کو دھوکے دیں اُن کے عقائد کو ضرور پہنچائیں ان کے اکابر کی نیک نامی کو دھبّا لگائیں مگر بحمداللہ ان کی خاک اُلٹ کر اُنہیں کے منہ اور اُن کے پیشوا حضرت گنگوہی صاحب کی آنکھوں میں پڑی اور پڑتی ہے حق بحقدار رسید۔

گیارھویں خیانت خیر یہ "**تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌؕ**" جیسی تھیں اب ان کی وہ لیجئے جس کے آگے یہ اور ان جیسی سَو خیانتیں اور ہوں توکان ٹیک دیں وہ کیا وہ رسالہ خبیثہ سیف النقی کے کوتک کہ اعلٰحضرت مجدد المائۃ الحاضرہ دام ظلہم العالی کے حضرات عالیہ والد ماجد وجدِ امجد وپیر ومرشد وحضورپُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نام سے کتابیں تراش لیں ان کے مطبع گھڑ لئے صفحے دل سے بنالیئے عبارتیں خود ساختہ لکھ کر اُن کی طرف بے دھڑک نسبت کرکے چھاپ دیں اور سرِ بازار اپنی حیا کی اوڑھنی اتار، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بک دیا کہ

آپ تو یوں کہتے ہیں اور آپ کے والد ماجد وجد امجد و پیر و مرشد و غوث اعظم فلاں فلاں کتابوں مطبوعات فلاں فلاں مطابع کے فلاں فلاں صفحہ پر یہ فرماتے ہیں حالانکہ دنیا میں نہ اُن کتابوں کا پتا نہ نشان سب بالکل افترا اور من گھڑت، جرأت ہو تو اتنی تو ہو، اس کا حال العذاب البئیس وابحاثِ اخیرہ ورماح القہار وغیرہا میں بارہا چھاپ دیا، اب پھر سُن لیجئے اسی رسالہ خبیثہ کے صفحہ تین پر ایک کتاب بنام تحفۃ المقلدین اعلٰحضرت کے والد ماجد اقدس حضرت مولٰنا مولوی محمد نقی علی خان صاحب قدس سرہ العزیز کے نام سے گھڑلی حالانکہ حضرت ممدوح کی کوئی تصنیف اس نام کی نہیں[عہ]۔

مسئلہ (۳۵۳) از نجیب آباد ضلع بجنور محل مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھیکیدار ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ
ایک بار اذان ہوچکی ہے کہ کسی دُوسرے شخص نے لاعلمی میں پھر اذان پڑھنا شروع کردی درمیان میں کسی ہمسایہ نے اطلاع دی کہ پڑھی جاچکی ہے اب یہ شخص معًا رک جائے یا اذان کو پُورا پڑھے۔

الجواب:

اگر مسجد مسجدِ محلّہ ہے جہاں کے لئے امام و جماعت متعین ہے اور جماعت اولٰی ہوچکی اور اب کچھ لوگ جماعت کو آئے اور ان کو اذان کی خبر نہ تھی اور شروع کی اور اطلاع ہوئی تو معًا رک جائے اور اگر مسجد عام ہے، مثلًا مسجد بازار و سرا و اسٹیشن و جامع تو ہرگز نہ رُکے اذان پُوری کرے ممانعت جہالت ہے اور اگر مسجد محلّہ یا عام ہے اور جماعت اولٰی ابھی نہ ہُوئی تو اختیار ہے چاہے رک جائے یا پُوری کرے اور اتمام اولٰی ہے۔

وذلك لان فى الاولى اعادة اذان لجماعة ثانية فى مسجد محلة 'وھو لایجوز' وفى الثانية اعادة اذان لجماعة اخرى فى مسجد شارع 'وھو مسنون' فلایترک' وفى الثالثة لانھى ولاطلب فخیر واتمام ذکر شرع فیه افضل لاسیما وقد استحسنوا التثویب۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	اور یہ اس لئے ہے کہ پہلی صورت میں محلے کی مسجد میں دوسری جماعت کے لئے دوبارہ اذان دی جارہی ہے جو کہ ممنوع ہے اور دوسری صورت میں شارع عام کی مسجد میں دوسری جماعت کے لئے اذان کا اعادہ ہے اور یہ مسنون ہے، تیسری صورت میں نہ منع ہے اور نہ حکم، پس اب اختیار ہے، اور جب شروع کرلی گئی تو اب اس سے مکمل کرنا افضل ہے خصوصًا اس حال میں جبکہ فقہاء نے "تثویب" کے عمل کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

[عہ] یہ یہیں تک ناتمام تھا لیکن مفید تھا اس لئے چھاپ دیا ۱۲

مسئلہ (۴۵۴) از مقام کبیر کلاں ڈاک خانہ خاص علاقہ ڈہائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکیدار ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

اقامت صف کے دہنی جانب کہی جائے یا بائیں، اس میں کوئی فضیلت دہنے بائیں کی ہے یا نہیں فقط۔

الجواب

اقامت امام کی محاذات میں کہی جائے یہی سنّت ہے وہاں جگہ نہ ملے تو دہنی طرف لفضل الیمین عن الشمال (کیونکہ دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت ہے۔ ت) ورنہ بائیں طرف لحصول المقصود بکل حال (کیونکہ مقصود ہر حال میں حاصل ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۴۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟

(۳) فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اسی پر عمل لازم ہے یا رسم ورواج پر، اور جو رسم ورواج حدیث شریف واحکامِ فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیرویِ حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑا رہنا؟

(۵) نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو اُن سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو؟

(۶) مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارہ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلافِ شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

(۷) سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سَو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اُس وقت مُردہ کہلائے گی جب اُس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے یا جو سنت خود رائج ہو وہ مُردہ قرار پائے گی؟

(۸) علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنتِ مردہ زندہ کریں، اگر ہے تو کیا اُس وقت اُن پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم تھے، اگر یہ اعتراض ہو سکے گا

توسنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

(۹) جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اُس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

(۱۰) جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہئے؟ امید کہ دسوں مسئلوں کا جداجدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصّواب

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ہے:

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر[1]۔	سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

(۲) جوابِ اول سے واضح ہوگیا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی (اذان کا) مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض صاحب جو "**بین یدیہ**" سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں "**بین یدی**" ہے اور ساتھ ہی "**علٰی باب المسجد**" ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر "**بین یدیہ**" کے لئے درکار ہے۔

(۳) بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاوٰی قاضی خان طبع مصر جلد اول صفحہ ۷۸ **لایؤذن فی المسجد**[2] (مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے) فتاوی خلاصہ قلمی صفحہ ۶۲ **لایؤذن**

---

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعہ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۱۵۵

[2] فتاوٰی قاضی خان باب کتاب الصلوٰۃ مسائل الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱/۳۷

فی المسجد [1] (مسجد میں اذان نہ ہو) خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان **لایؤذن فی المسجد** [2] (مسجد کے اندر اذان نہ کہیں) خزانۃ المفتین فصل فی الاذان (قلمی نسخہ) ص ۱۹ فتاوٰی عالمگیری طبع مصر جلد اول صفحہ ۵۵ **لایؤذن فی المسجد** [3] (مسجد کے اندر اذان منع ہے) بحر الرائق طبع مصر جلد اول صفحہ ۲۶۸ **لایؤذن فی المسجد** [4] (مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے) شرح نقایہ علامہ برجندی صفحہ ۸۴ (فیہ اشعار بانہ **لایؤذن فی المسجد** [5] (اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) امام صدر الشریعۃ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو) غنیہ شرح منیہ صفحہ ۳۵۷ **الاذان انما یکون فی المئذنۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ** [6] (اذان نہیں ہوتی مگر منارہ یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر) فتح القدیر طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۷۱ **قالوا لایؤذن فی المسجد** [7] (علماء نے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے) ایضا **باب الجمعۃ** صفحہ ۴۱۴ **ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ** [8] (جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکرِ الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدودِ مسجد میں اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے) طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۲۸ **یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی عن النظم** [9] (یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔) یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں: "**قولہ بین یدیہ**" **ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوخارجہ والمسنون ھو الثانی** [10] (یعنی **بین یدیہ** کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے رُوبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنّت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو) جب وہ تصریح کرچکے کہ باہر ہی ہونا سنّت ہے تو اندر ہونا خلافِ سنّت ہُوا تواُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنّت کے مطابق کرو چاہے سنت

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوٰۃ الفصل الاول فی الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴۹/۱

[2] خزانۃ المفتین فصل فی الاذان (قلمی نسخہ) ص ۱۹

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۵/۱

[4] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۵/۱

[5] شرح النقایۃ للبرجندی باب الاذن نولکشور لکھنؤ ۸۴/۱

[6] غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی سنن الصلوٰۃ اول السنن الاذان مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷

[7] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۱۵/۱

[8] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۹/۲

[9] طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۰۷/۱

[10] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ باب الصلوۃ مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۲۴۵/۱

کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ "**بین یدیہ**" (امام کے سامنے۔ ت) سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے اُس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنّت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنے لیے جائیں جو سنت کے مطابق، بہر کیف اتنا ان کے کلام میں صاف مصرح ہے کہ اذانِ ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنّت ہے تو بلاشبہہ مسجد کے اندر ہونا خلافِ سنّت ہے **وللہ الحمد**۔

(۴) ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اَڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہیے۔

(۵) ظاہر ہے جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اُسی سے بچنا چاہئے نہ کہ سنت وحکم حدیث وفقہ سے۔

(٦) مکہ معظّمہ میں یہ اذان کنارہ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد حرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری طبع مصر صفحہ ۲۸۰:

المطاف ھو ماکان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجدا [1]	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں مسجد حرام مطاف تک ہی تھی)۔ (ت)

تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد ومحل اذان تھا اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنٰی رہے گی ولہٰذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کرلیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف، حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی علمگیریہ صفحہ ۴۰:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد الاان یکون ثمہ موضع اعد لذلك ولایصلی فیہ [2]	مسجد میں وضو اور کلی کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں ان کے لئے جگہ بنائی گئی ہو، اور وہاں نماز ادا نہ کی جاتی ہو۔ (ت)

وہیں ہے: **لایحفر فی المسجد بئر ماء ولوقدیمۃ تترك کبئر زمزم** [3] (اور مسجد میں کنواں نہیں کھودا جائے گا اگر وہاں قدیم اور پرانا کنواں ہو تو چھوڑ دیا جائے جیسے زمزم کا کنواں۔ ت)

تو مکہ معظّمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل فی اماکن الاجابۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب السابع فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ باب السابع فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۱/۱۱۰

بلند مکبّرہ پر کہتے ہیں طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا اور وہ جو "بین یدیہ" وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رَد ہوگیا تو ہندی فہم وطریقہ خود ہی دونوں حرم محترم سے جدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبّرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لئے مستثنٰی ہے جیسا کہ غنیہ سے گزرا، اور اسی طرح خلاصہ وفتح القدیر وبرجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو وچاہ ہیں کہ قدیم سے جُدا کردئے ہوں نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام، اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق پہلے یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کردینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے قطع صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من قطع صفا قطعه الله**[1]۔ (جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کردے) رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ نیز علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان ہونا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔ اب ہمیں افعال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جوابِ سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نام لیتا ہے یہ بآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ بآواز دُعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ درمختار وردالمحتار جلد اول صفحہ ۸۵۹:

اما ما یفعله المؤذنون حال الخطبة من الترضی ونحوه، فمکروه اتفاقا[2]۔	یعنی وہ جو یہ مؤذن خطبے کے وقت رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

یہی مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علما کا کیا اختیار۔ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو اُن کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ ودرمختار وردالمحتار صفحہ ۲۱۵ خود مفتیِ مدینہ منورہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الامامة فضل الصّف مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۹۴/۱

[2] درمختار باب الجمعة مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۱۳/۱

علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالٰی نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبّروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاوٰی اسعدیہ جلد اول صفحہ ۸ آخر میں فرمایا ہے:

اماحرکات المکبرین وصنعھم. فانا ابرأالی اللہ تعالٰی منہ[1]۔	یعنی ان مکبّروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالٰی کی طرف برات کا اظہار کرتا ہوں۔

اور اُوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا، پھر کسی عاقل کے نزدیک اُن کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیر حکم۔

(۷) بیشک احادیث میں سنّت زندہ کرنے کا حکم اور اُس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیاسنتی، فقدا حبنی، ومن احبنی کان معی فی الجنۃ[2]۔ اللھم ارزقنا۔	جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں یہ رفاقت عطا فرما، رواہ السجزی فی الابانۃ والترمذی بلفظ من احب (اسے سجزی نے ابانۃ میں روایت کیا اور ترمذی نے "من احب" کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیاسنۃ من سنتی قدامیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بھامن غیران ینقص من اجورھم شیئا[3]۔ رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑدی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تمسك بسنتی عن فسادامتی فلہ	جو فسادِ اُمت کے وقت میری سنت مضبوط تھامے

---

[1] فتاوٰی اسعدیہ کتاب الصلاۃ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱/۸

[2] جامع الترمذی باب اخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲، سنن ابن ماجہ باب سن سنۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

اجر مائة شھید [1]۔ رواہ البیہقی فی الزھد۔	اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے۔ اسے بیہقی نے زہد میں روایت کیا۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنّت کی جائے گی جو مُردہ ہوگئی اور سنت مُردہ جبھی ہوگی کہ اُس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

(۸) احیاء سنت علما کا تو خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لئے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اس سنّت کو زندہ کریں اور سَو سَو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوں ہو تو کوئی سنّت زندہ ہی نہ کرسکے، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتنی سُنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہُوئی نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ وتابعین تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

(۹) حوض کہ بانیِ مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگرچہ وسط مسجد میں ہو وہ اور اُس کی فصیل ان احکام میں خارج از مسجد ہے لانہ موضع اعد للوضوء کما تقدم (کیونکہ یہ جگہ وضو کیلئے بنائی گئی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ت)

(۱۰) لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اسے گوشہ محراب میں رکھ کر محاذات ہوجائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اُسے قیامِ مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو! یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں دیکھو کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کیا ہے، تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حضرات علمائے اہلسنت سے معروض: حضرات! احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمایئے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے، آپ کے رب کا حکم ہے:

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی [2]۔	نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (ت)

اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں بے تکلّف بیان حق فرمایئے اور اس وقت

---

[1] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار القلم الکویت ص ۱۵۱

[2] القرآن ۵/۲

لازم ہے کہ ان دسوں ۱۰ سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں اور ان کے ساتھ ان پانچ سوالوں کے بھی:

(۱۱) اشارت مرجوح ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے؟

(۱۲) کیا محتمل صریح کا مقابل ہوسکتا ہے؟

(۱۳) تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصًا استنباط بعید یا جس کا منشا بھی غلط؟

(۱۴) حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے؟

(۱۵) قرآن مجید کی تجوید فرضِ عین ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا سب ہندی علما اسے بجالاتے ہیں یا سو ۱۰۰ میں کتنے؟ بینوا توجروا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۵۶) از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالمقتدر صاحب ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

حضرت جناب مخدوم و محترم و مکرم و معظم ادام اللہ تعالٰی برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ بات کہ اس اذان کا کب سے داخل مسجد ہونا معمول ومروج ہُوا، یقینی طور سے محقق نہیں ہوا، علی الباب اذان کا مسنون ہونا اگر کسی کتاب فقہ میں نظر پڑا ہو تو لکھئے اکثر لوگ اس کے طالب ہیں فقط۔

الجواب:

علی الباب اذان مسنون ہونے کی سند فقہی کے اکثر لوگ کیوں طالب ہیں یہ دعوی کس کا ہے یہاں سے تو دو۲ باتیں کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ "بین یدیہ" (خطیب کے سامنے۔ت) دوسرے یہ کہ داخل مسجد مکروہ ہے، دونوں کی روشن سندیں کتب فقہ سے دے دی گئیں مسجد کریم میں زمانہ اقدس میں دروازہ شمالی خاص محاذات منبر اطہر میں تھا **کمافی الصحیح البخاری** (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ت) لہٰذا درِ مسجد پر یہ اذان ہوتی نہ یہ کہ خصوصیت باب ملحوظ تھی یہاں کے فتوے میں جواب سوالِ دہم ملاحظہ ہو سنیت خصوص علی الباب کا کون قائل ہے اذان اول کی سنیت پر **زاد عثمان علی الزوراء**" (حضرت عثمان نے مقامِ زوراء پر اذان کا اضافہ کیا۔ت) سے استناد کرنے والے علما کیا اس کے قائل ہیں کہ پہلی اذان بالخصوص بازار ہی میں ہونا سنت ہے یا ان سے یہ مطالبہ ہوسکتا ہے کہ فقہا نے اس خصوصیتِ بازار کو کہاں مسنون لکھا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۵۷) مسئولہ قاضی محمد عمران صاحب از بریلی شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بروز جمعہ بزمانہ حضرت تاج مدینہ ختم المرسلین کے اذانیں ہوا کرتی تھیں اور ان کے کون کون موقع تھے۔ آیا پہلی اذان جو ہوتی ہے وہ کہاں

ہوتی تھی اور دوسری جو اس زمانہ میں وقتِ خطبہ خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی تھی اور اگر حضرت کے زمانہ میں ایک ہی "اذان علی باب المسجد" ہوتی تھی تو دوسری جو خطیب کے سامنے قریبِ منبر ہوتی ہے وہ کس کے حکم سے شروع ہوئی اور ائمہ کرام کے نزدیک اس کے جواز کی بابت کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب:

زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہہ اقدس میں مسجد کریم کے دروازے پر۔ زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرہ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر اب بابِ جبریل ہے، دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمۃ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذیِ منبر اطہر تھا صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

دخل رجل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ المنبر، ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب، فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائما، فقال یارسول اللہ الحدیث[1]۔	ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے ہے اور رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو وہ شخص آپ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ الحدیث (ت)

اس دروازے پر اذانِ جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانہ صدیق اکبر و عمر فاروق وابتدائے خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہُوئی اور شتابی حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی، مسجد کے اندر اذان کا ہونا ائمہ نے منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے اور خلافِ سنّت ہے، یہ نہ زمانہ اقدس میں تھا نہ زمانہ خلفائے راشدین نہ کسی صحابی کی خلافت میں، نہ تحقیق معلوم کہ یہ بدعت کب سے ایجاد ہوئی نہ ہمارے ذمہ اس کا جاننا ضرور، بعض کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک مروانی بادشاہ ظالم کی ایجاد ہے واللہ تعالٰی اعلم بہر حال جبکہ زمانہ رسالت وخلافت ہائے راشدہ میں نہ تھی اور ہمارے ائمہ کی تصریح ہے کہ مسجد میں اذان نہ ہو مسجد میں اذان مکروہ ہے تو ہمیں سنّت اختیار کرنا چاہئے بدعت سے بچنا چاہئے اس تحقیقات سے پہلے کہ سنّت

---

[1] صحیح بخاری باب الاستسقاء فی المسجد الجامع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۷/۱

پہلے کس نے بدلی، اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی سنّت اور اپنے فقہائے کرام کے احکام پر عامل ہوں اور ان کے سامنے رواج کی آڑ نہ لیں و باللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۸) از پیلی بھیت محلّہ غفار خاں مرسلہ حافظ محمد صدیق امام مسجد چھپیاں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان جو خارج مسجد کہ مسنون ثابت ہوا ہے اب بنظر رفع فساد پھر بدستورِ قدیم اذان منبر کے پاس دینا جائز ہے یا نہیں کیونکہ درصورت عدمِ جواز فساد اور فتنے کا احتمال قوی ہے **بینوا بالصواب وتوجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

یہاں دو چیزیں ہیں ایک اتیان معروف واجتناب منکر، دوسرے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مسجد میں اذان دینا ممنوع ہے اور اس میں دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے تو جو مسجد اپنی ہے اس میں خود مخالفتِ سنتِ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارتکابِ بے ادبیِ دربار عزّت کا مؤاخذہ اس کی ذات پر ہے اور جو مسجد پرائی ہے اوروں کا اس میں اختیار ہے اُس کا مواخذہ اُن پر ہے اس کے ذمّے صرف اتنا رکھا گیا ہے کہ ازالہ منکر پر قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کردے اور اس میں بھی فتنہ وفساد ہو تو دل سے بُرا جانے، پھر اُن کے فعل کا اس سے مطالبہ نہیں، **وقال اللہ تعالٰی:** وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ت)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ[2]	اے اہل ایمان! تم پر اپنی جان لازم ہے تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذلك اضعف الایمان[3]۔	تم میں سے جب کوئی بُرائی دیکھے تو ہاتھ سے اُسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے(ت)

اور جس طرح یہ دوسروں کو حکم شرع ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا یوں ہی دوسرے حکم شرع کی مخالفت پر اسے مجبور نہیں کرسکتے یہ اپنے نزدیک جو طریقہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اتباع سنت کا

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴

[2] القرآن ۵/۱۰۵

[3] سنن النسائی تفاضل اہل الایمان حدیث ۵۰۱۱ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/۲۶۵

اپنی کتب دینیہ سے جانتا ہے دوسرا اگر اس میں مزاحمت کرے گا اور فتنہ وفساد اُٹھائے گا تو اس کا ذمہ دار وہ دوسرا ہوگا حکومت ہر مفسد کا ہاتھ پکڑنے کو موجود ہے اُس کے ذریعہ سے بندوبست کراسکتا ہے، ہاں اگر یہ صورت بھی ناممکن ہوتی اور مفسدوں کا خوف حد مجبوری تک پہنچاتا تو حالت اکراہ تھی اس وقت اس پر مؤاخذہ نہ ہوتا، **قال تعالٰی**:

اِلَّامَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ[1]	مگر وہ شخص جس کو مجبور کردیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ (ت)

بالجملہ دوسروں کو حکم کرنا اُن کی سرکشی وفتنہ پردازی کے وقت مطلقًا ساقط ہوجاتا ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا اور خود عمل کرنا اس وقت ساقط ہوگا جب یہ بذریعہ حکومت بھی بندوبست نہ کرسکے اور حقیقی مجبوری ہو کر استطاعت اصلًا نہ رہے، قال تعالٰی:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا[2]	تو اللہ تعالٰی سے ڈرو جہاں تک ہوسکے اور اس کا فرمان سنو اور حکم مانو۔ (ت)

باوصف قدرت بندوبست واستعانت بحکومت مجرد خوف یا کاہلی یا خودداری یا رورعایت یا نئی تہذیب یا صلح کل کی پالیسی سے اتباع شرع چھوڑ بیٹھنا جائز نہیں ہوسکتا اسے یوں خیال کریں کہ مفسدین آج اس امر کے لئے کہتے ہیں کل کو اگر انہوں نے خود نماز پر فتنہ اٹھایا تو کیا نماز بھی چھوڑ دیگا، نہیں نہیں بلکہ اس پر خیال کرے کہ مفسدوں نے کہا کہ اپنا مکان خالی کردو ورنہ ہم فساد کرتے ہیں یا اپنی جائداد کا ہبہ نامہ لکھ دو ورنہ ہم فتنہ اٹھاتے ہیں (تو) اس وقت اُن کا کچھ بندوبست کرے گا استغاثہ کرے گا یا چپکے سے جائداد ومکان چھوڑ بیٹھے گا، جو جب کرے گا وہ اب کرے اور اتباع احکام شرع کو مکان وجائداد سے ہلکا نہ جانے، ہاں دوسروں کے سر چڑھنے اور فتنہ فساد کے اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوسکتی، **قال تعالٰی**:

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ[3]	(فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ ت)

وقال تعالٰی:

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا[4]	زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ (ت)

---

[1] القرآن ۱۰۶/۱۶

[2] القرآن ۱۶/۶۴

[3] القرآن ۱۹۱/۲

[4] القرآن ۵۶/۷

و قال تعالٰی:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ [1]	اس امت کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

نسأل الله العفو والعافية. وصلى الله تعالٰى على سيدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه وبارك وسلم والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۹) از سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ چودھری عبدالحمید خاں صاحب رئیس ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان ثانی جمعہ خارج مسجد صحن کے نیچے جُوتے اتارنے کی جگہ اگر کہی جائے تو اس میں کچھ حرج ہے یا بابِ مسجد پر ہی ہونا ضروری ہے، ان دونوں میں کسی بات میں اولویت ہوگی یا مساوی حالت، دوم یہ کہ محرابِ مسجد بھی اس بارے میں بابِ مسجد کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں، دیوبندی صاحب کا مقولہ ہے کہ محرابِ مسجد خارج مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اسی لئے اُس میں امام کا کھڑا ہونا جائز نہیں (حالانکہ اپنے نزدیک یہ بات نہیں آئندہ جو مفتی صاحب فرمائیں) سوم یہ کہ اگر باب مسجد دالان وصحنِ مسجد کے بالمقابل نہ ہو بلکہ شمالًا وجنوبًا واقع ہو اور صحن مسجد مشرقی جانب حد دیوار سے ملا ہوا ہو اور اس کے بعد کوئی جگہ خارج مسجد نہ ہو تو وہاں کیا کیا جائے اور اذانِ ثانی کہاں ہو اور خطیب کہاں بیٹھے تاکہ مؤذن کا مقابلہ فوت نہ ہو۔ چہارم یہ کہ اذان مذکور باب مسجد پر جو دی جائے تو وہ باب مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر یا اس سے پرے نیچے اتر کر، یہاں تو آج وسط باب پر کہی گئی ہے آئندہ جیسا ارشاد ہو والسلام فقط۔

الجواب:

صحن مسجد کے نیچے جو جگہ خلع نعال کی ہے خارج مسجد ہے اُس میں اذان بے تکلّف مطابقِ سنّت ہے علی الباب ہونا کچھ ضرور نہیں مسجد کریم میں باب شمالی محاذی منبر اطہر تھا کمافی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ ت) لہٰذا علی الباب ہوتی تھی ورنہ خصوصیتِ باب ملحوظ نہ تھی بلکہ صرف دو ۲ باتیں محاذاتِ خطیب واذان خارج مسجد۔ محرابِ مسجد وہ طاق ہے کہ دیوارِ قبلہ کے وسط میں بنتا ہے اس میں اذان ہونے کے کوئی معنی نہیں نہ اس میں محاذاتِ خطیب ہو اور منتہائے درجہ جانب شرق پر جو دَر بنتے ہیں یہ محراب نہیں ان کو "بین الساریتین" کہتے ہیں ان میں امام کا کھڑا ہونا ناجائز نہیں ہاں خلافِ سنّت ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ زمین مسجد نہیں بلکہ اس لئے کہ امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہونا خلافِ سنّت ہے کمافی شرح النقایۃ (جیسا کہ شرح نقایہ میں ہے۔ ت) شرقی

---

[1] القرآن ۲/۱۴۱

جانب اگر دیوار مسجد ہے تو اُس کی نسبت فتوے میں معروض ہے کہ اُس میں طاق محراب نما محاذات منبر میں بنالیں اور اگر دیوار کسی غیر کی ہے اور وہ اجازت نہ دے تو اس کا سوال مراد آباد سے آیا تھا اُس کے جواب کی نقل حاضر کرتا ہے بابِ مسجد ہی میں مؤذن کھڑا ہو دروازہ سے باہر ہونے کی حاجت نہیں کہ اس حکم میں مسجد کی دیواریں فصیلیں دروازہ کی زمین خارج مسجد ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۶۰) مسئولہ جناب مشتاق احمد صاحب از شہر بریلی محلّہ بہاری پور ۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد متصل دفتر چھوٹی ریل، کی میں ہم لوگ نمازِ جمعہ پڑھا کرتے ہیں وہاں جو شخص نماز پڑھاتے ہیں وہ خطبہ کے وقت اذان مسجد کے اندر دلوایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری اذان جمعہ کی خطبہ کے وقت خلیفہ ہشام نے مسجد کے اندر لوگوں سے دلوانا شروع کی ہے وہ بدعت حسن ہے یعنی وہ بدعت سیہ نہیں ہے اور بدعتِ حسن کے کرنے کو کسی نے بھی عالموں میں سے منع نہیں کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیشہ اذان کا مسجد کے دروازہ پر ہونا ثابت نہیں ہے اس وجہ سے جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں ان کو منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ بدعتِ حسن کرتے ہیں اور سنتِ مواظبہ کو نہیں چھوڑتے لہٰذا عرض یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر ہمیشہ ہونا اذان کا ثابت ہے یا نہیں اور سنت مواظبہ ہے یا نہیں اور اذان مسجد کے اندر دینے سے سنت چھُوٹ جائے گی یا نہیں اور بدعت ہوگی تو کون سی ہوگی بدعت حسن ہوگی یا بدعت سیئہ ہوگی، اگر بدعت حسن ہوگی تو اس کو منع کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر بدعت سیئہ ہوگی تو منع کرنا چاہئے یا نہیں اور منع کرنے والا کون ہوگا اور اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اذان خطبہ والی کو اندر دلانا کس نے شروع کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعوٰی کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم پر افترا کرتے ہیں ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہرگز ثابت نہیں البتہ پہلی اذان کے نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اُسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اور اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی، رہی یہ دوسری اذانِ خطبہ، اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اُسی حالت میں باقی رکھی جیسی زمانہ رسالت وزمانہ خلافت میں تھی۔ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب شریف جلد ہفتم طبع مصر ص ۴۳۵ میں فرماتے ہیں:

فلما کان عثمٰن، امر بالاذان قبلہ علی	یعنی جب عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اذانِ خطبہ

الزورائ، ثم نقله ھشام الی المسجد، ای امر بفعله فیه، وجعل الأخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیه بمعنی انه ابقاہ بالمکان الذی یفعل فیه، فلم یغیرہ، بخلاف ماکان بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار انتھی [1]۔	سے پہلے ایک اذان بازار میں ایک مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے مواجہ میں کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیل نہ کی بخلاف بازار والی اذان اوّل کے کہ اسے مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا انتہی۔

ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات میں ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنّت بتاتے ہیں، اُن میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں سے پہلے اذانِ ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں یہ اذان بھی محاذاتِ امام نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی، پھر اس سے کیا ہوا، غرض ہشام بیچارے سے بھی ہر گز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذانِ خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی، اور اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول و فعل کیا حجت تھا، وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شہید کرایا سُولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا برسوں سُولی پر رہی جب ہشام مر گیا تو نعش مبارک دفن ہُوئی ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے قریب تھا کہ بے ستری ہو اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امام مظلوم زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی سنّت کے خلاف ایسے ظالم کی سنّت پیش کرنا اور پھر امام اعظم وغیرہ ائمہ پر اس کی تہمت دھرنا کہ ان اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائے راشدین کی سنّت چھوڑ کر ظالم بادشاہ کی سنّت قبول کرلی، کیسا صریح ظلم اور ائمہ کرام کی شان میں کیسی بڑی گستاخی ہے اللہ عزوجل پناہ دے، اس کے بدعت حسنہ ہونے کا دعوٰی محض باطل و

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ عامرہ مصر ۷/۴۳۵

بے اصل ہے۔

(۱) بدعتِ حسنہ سنّت کو بدلا نہیں کرتی اور اس نے سنّت کو بدل دیا۔

(۲) مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقہ معہدہ فی الشاہد کا اعتبار ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منه تحت السرۃ[1]۔	یعنی قیام تعظیمی میں بادشاہوں وغیرہم کے سامنے ہاتھ زیرناف باندھ کر کھڑے ہونے کا دستور ہے اسی دستور کا نماز میں لحاظ رکھ کر زیرناف باندھیں گے۔

اب دیکھ لیجئے کہ درباروں میں درباریوں کی حاضری پکارنے کا کیا دستور ہے، کیا عین دربار میں کھڑے ہو کر چوبدار چلاتا ہے کہ درباریو چلو ہر گز نہیں۔ بے شک ایسا کرے تو بے ادب گستاخ ہے جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ یہی کچہریاں دیکھ لے کیا ان میں مدعی مدعاعلیہ گواہوں کی حاضریاں کمرہ کے اندر پکاری جاتی ہیں یا کمرہ سے باہر جاکر کیا اگر چپراسی خاص کمرہ کچہری میں کھڑا ہوا حاضریاں پکارے چلائے تو بے ادب گستاخ بنا کر نہ نکالا جائیگا، افسوس جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کر سکتے احکم الحاکمین جل جلالہ، کے دربار میں روا رکھو۔

(۳) مسجد میں چلّانے سے خود حدیث میں ممانعت ہے اور فقہانے یہ ممانعت ذکرِ الٰہی کو بھی عام رکھی جب تک شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہو، درمختار میں ہے:

یحرم فیه (ای المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر، الا للمتفقھة[2]۔	مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو دینا مکروہ ہے۔ مسائل فقہیہ سیکھنے سکھانے کے علاوہ وہاں ذکر سے آواز کا بلند کرنا بھی مکروہ ہے۔ (ت)

نہ کہ اذان کہ یہ تو خالص ذکر بھی نہیں کمافی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی (جیسا کہ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے۔ ت)

(۴) بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا جس کے لئے مساجد کی بنانہ ہو صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[2] الدرالمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد، فلیقل لاردھا اللہ علیک، فان المساجد لم تبن لھذا [1]۔	جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے، مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ (ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار میں ہے: کرہ انشاد ضالۃ [2] (مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش مکروہ ہے۔ ت) تو اگر کسی کا مصحف شریف گم ہوگیا اور وہ تلاوت کے لئے ڈھونڈتا اور مسجد میں پُوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اگر اذان دینے کے لئے مسجد کی بنا ہوتی تو ضرور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اُسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو، یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ کبھی کبھی سنّت کو ترک فرماتے کہ اس کا وجوب نہ ثابت ہو ترک کا جواز معلوم ہوجائے ولہذا علما نے سنت کی تعریف میں "مع الترك احیانا" ماخوذ کیا کہ ہمیشہ کیا مگر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا اور یہاں اصلاً ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو جو مدعی ہو ثبوت دے۔

(۶) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ فرمایا عبارتیں اصل فتوے میں گزریں اور حنفیّہ کے یہاں مطلق کراہت سے غالبًا مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور بیان خلاف پر دلیل درکنار اس کے موافق دلیل موجود ہے کہ یہ گستاخیِ دربار معبود ہے۔

(۷) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغہ نفی منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے عبارات کثیرہ اصل فتوے میں گزریں اور فقہا کا یہ صیغہ غالبًا اُس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

ظاھر قول المصنف ولایزید علیھا شیًا، یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھا [3]۔	قول مصنف "لایزید علیھا شیئا" کاظاہر اشارۃً واضح کررہا ہے کہ اس پر اضافہ جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] الصحیح لمسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۰

[2] الدرالمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ہدایہ میں قول امام محمد قرأ وجھر (وہ پڑھے اور جہر کرے۔ ت) پر فرمایا: **یدل علی الوجوب**[1] (یہ وجوب پر دال ہے۔ ت) عنایہ میں فرمایا: **لانہ بمنزلۃ الامر بل اٰکد**[2] (یہ بمنزلہ امر بلکہ اس میں اُس سے بھی زیادہ تاکید ہے۔ ت) فتح القدیر میں فرمایا: **مایدل علی الوجوب وھو لفظ الخبر**[3] (جو وجوب پر دال ہے وہ لفظ خبر (قرأ) ہے۔ ت) ان وجوہ پر نظر انصاف کے بعد مجموع سے کم از کم اتنا ضرور ثابت کہ مسجد کے اندر اذان بدعت سیئہ ہے ہر گز حسنہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۶۱) مرسلہ جناب منشی فقیر محمد صاحب تاجر چرم کانپوری از مقام شہر ہمیر پور صوتی گنج صدر بازار ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں جس وقت مؤذن حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کہے تو سامع کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

حی علی الصلاۃ و **حی علی الفلاح** دونوں کے جواب میں **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کہنا چاہئے، اور بعض اوّل کے جواب میں یہی لاحول اور دوم کے جواب میں **ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن** (اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ت) کہتے ہیں، اور افضل یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے جواب میں کہے **حی علی الصلاۃ لاحول ولاقوۃ الّا باللہ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں کہے **حی علی الفلاح لاحول ولاقوۃ الّا باللہ ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۲۶۳) از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں **حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح** کے وقت مؤذن دائیں بائیں رُخ کرتا ہے آیا اقامت میں بھی دائیں بائیں رُخ کرنا سنّت ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

علماء نے اقامت میں بھی دہنے بائیں منہ پھیرنے کا حکم دیا ہے اور بعض نے اسے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ کچھ لوگ اِدھر اُدھر منتظر اقامت ہوں، درمختار میں ہے: **ویلفت فیہ وکذا فیھا**

---

[1] ہدایۃ کتاب الصلاۃ فصل فی القراءۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ دستگیر کالونی کراچی ۱/۹۸

[2] عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر کتاب الصلاۃ فصل فی القراءۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷

[3] عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر کتاب الصلاۃ فصل فی القراءۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷

مطلقاً [1] (اذان میں منہ پھیرے اور اسی طرح تکبیر میں بھی ہر حال میں۔ت) قنیہ میں ہے:

الاصح ان الصلاۃ عن یمینه، والفلاح عن شماله، مت، شم، قع، ضح، والاقامة كذلك اھ ای مجدالائمة الترجمانی وشرف الائمة المکی والقاضی عبدالجبار والایضاح اوضیاء الائمة الحجبی [2]۔	اصح یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں اور حی علی الفلاح کے وقت بائیں جانب منہ پھیرے مت، شم، قع، ضح۔ اور اسی طرح اقامت میں بھی اھ یعنی "مت" سے مجدالائمہ ترجمانی، "شم" سے شرف الائمہ المکی، "قع" سے قاضی عبدالجبار اور "ضح" سے ایضاح یا ضیاء الائمہ الحجبی مراد ہیں۔ (ت)

اُسی میں ملتقط سے ہے:

لایحول راسه فی الاقامة عند الصلاۃ والفلاح الالاناس ینتظرون الاقامة [3]۔	تکبیر کے اندر حی علی الصلوٰۃ اور حی الفلاح پر دائیں بائیں سر نہ پھیرے مگر اس صورت میں کہ جب لوگ تکبیر کا انتظار کر رہے ہوں۔ (ت)

مسئلہ (۳۶۴) از دمن خرد عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اشھد ان محمدا رسول اللہ جو اذان واقامت میں واقع ہے اُس میں انگوٹھوں کا چُومنا جو مستحب ہے اگر کوئی شخص باوجود قائل ہونے استحباب کے احیاناً عمداً ترک کرے تو وہ شخص قابلِ ملامت ہے یا نہیں۔

الجواب:

جبکہ مستحب جانتا ہے اور فاعلون پر اصلاً ملامت روا نہیں جانتا فاعلون پر ملامت کرنے والوں کو بُرا جانتا ہے تو خود اگر احیاناً کرے احیاناً نہ کرے ہرگز قابلِ ملامت نہیں **فان المستحب ھذا شانه** (کہ مستحب کا درجہ ومقام یہی ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۶۶) از مرادآباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود قاری برکاتی رضوی طالبعلم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ:

حضور پُرنور کے نام مبارک سُن کر ہاتھ چُوم کر آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

---

[1] در مختار باب الاذن مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۳/۱

[2] قنیہ باب الاذان مطبعۃ مشتہرۃ بالمہانینۃ انڈیا ص ۹۱ و ۲۰

[3] قنیہ باب الاذان

الجواب:

جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ کوئی ممانعت شرعی نہ ہو مثلاً حالت خطبہ میں یا جس وقت قرآن مجید سُن رہا ہے یا نماز پڑھ رہا ہے ایسی حالتوں میں اجازت نہیں باقی سب اوقات میں جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ بہ نیتِ محبت و تعظیم ہو اور تفصیل ہمارے رسالہ منیر العین میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۶۷) از اوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحہ صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے وقت انگوٹھے چُومنا اس کا جو طریقہ ہو اور دعا وغیرہ اور جس جس موقع پر کیا جائے مفصل اطلاع بخشیے۔

الجواب:

جب مؤذن پہلی بار **اشھد ان محمدا رسول اللہ** کہے یہ کہے صلی اللہ علیک یارسول اللہ جب دوبارہ کہے یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اور ہر بار انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگالے آخر میں کہے **اللھم متّعنی بالسمع والبصر**[1] (اے اللہ! میری آنکھوں اور سمع کو نفع عطا فرما۔ ت) **ردالمحتار عن جامع الرموز عن کنز العباد** (ردالمحتار میں جامع الرموز سے اور اس میں کنزالعباد سے منقول ہے۔ ت) یہ اذان میں ہے اور تکبیر کے وقت بھی ایسا ہی کرے تو کچھ حرج نہیں کما بیناہ فی رسالتنا (جیسے ہم نے اسے اپنے رسالہ میں بیان کیا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۶۸) از حبیب والہ ضلع بجنور تحصیل وہامپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ قبل صلاۃ عیدین دو[2] شخص کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں دے کر **الصلوٰۃ یرحمکم اللہ الصلوٰۃ** کئی مرتبہ پڑھتے ہیں آیا یہ فعل جائز ہے یا بدعت، رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ فعل منقول ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ منع نہیں اگرچہ منقول نہ ہو جیسے تثویب۔ نہیں نہیں بلکہ خود صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول کہ عیدین میں مؤذن کو حکم فرماتے کہ الصلاۃ جامعۃ پکارے

روی الامام الشافعی عن الزھری قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	امام شافعی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدین کے لئے مؤذّن کو

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۳

یامر المؤذن فی العیدین، فیقول الصلاۃ جامعۃ[1]۔	حکم دیا کرتے تھے (کہ یہ بلند آواز سے کہے) تو وہ کہتے تھے الصّلٰوۃ جامعۃ (جماعتِ نماز تیار ہے)۔ (ت)

لاجرم علمائے کرام نے بالاتفاق عیدین میں صلاۃ پکارنا مستحب فرمایا، شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے:

یقول اصحابنا وغیرھم انہ یستحب ان یقال الصلاۃ جامعۃ[2]۔	ہمارے علماءِ شوافع اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ "الصلاۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

مرقاۃ علی قاری میں ہے:

یستحب ان ینادی لھا الصلاۃ جامعۃ[3]۔	نماز کے لئے "الصلٰوۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

وہ الفاظ کہ سائل نے ذکر کئے الصلاۃ یرحمکم اللّٰہ (نماز پڑھو اللہ تم پر رحم کرے۔ ت) انہیں کے معنی میں ہیں پس بدعت نہیں مستحب ہیں۔

اقول: وماروی مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان لااذان للصلاۃ یوم الفطر، ولا اقامۃ ولانداء ولاشیئ فھی فتوی منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انما روایتہ ماذکر اولًا قال لم یکن یؤذن یوم الفطر ولایوم الاضحٰی[4]، ولیس فیہ الانفی الاذان، وزاد جابر بن سمرۃ وغیرہ نفی الاقامۃ، وقد انعقد علی نفیھما الاجماع، ولانظر لخلاف شاذ، فلاحاجۃ الی ماذکر الامام النووی فی قول جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ، یتاول علی ان المراد الاذان، ولااقامۃ ولانداء فی معناھما ولاشیئ من ذلک[5] اھ	**اقول:** وہ جو مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نمازِ عیدالفطر کے لئے نہ اذان نہ اقامت اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی آواز دی جاتی تھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فتوٰی ہے ان سے مروی روایت کاذکر جو پہلے ہوا اس میں صرف اِتنا ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحٰی کے لئے اذان نہیں ہوتی تھی یعنی اس میں صرف نفیِ اذان ہے حضرت جابر بن سمرۃ وغیرہ نے اقامت کی نفی کا بھی اضافہ کیاحالانکہ ان دونوں کی نفی پر اجماع منعقد ہوگیا ہے اور خلاف شاذ قابل توجہ نہ ہوگا، تواب حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول میں امام نووی کی اس تاویل

---

[1] الامّ للامام الشافعی من قال لااذان للعیدین مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۳۵

[2] شرح صحیح مسلم للامام النووی مع مسلم کتاب صلاۃ العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب صلاۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

[4] صحیح لمسلم کتاب صلاۃ العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[5] شرح صحیح مسلم للامام النووی مع مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

ومن العجب ماوقع فی الاشعۃ تحت حدیث جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العیدین غیرمرۃ ولامرتین بغیر اذان ولااقامۃ۔ انہ زاد فی روایۃ۔ ولاالصلٰوۃ جامعۃ [1] اھ فلااثرلہ فی صحیح مسلم، ولوکان لم یدل الاعلی عدم المواظبۃ، ولم یعارض ماثبت فی مرسل الزھری، ومرسل الثقۃ حجۃ عندنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کی ضرورت نہیں کہ مراد یہ ہے کہ نہ اذان ہوتی نہ تکبیر اور نہ ہی ان دونوں کی مانند کوئی ندا ہوتی تھی، اور اشعۃ اللمعات کے اس مضمون پر تعجب ہے جو حضرت جابر بن سمرۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر کیا گیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معیت میں ایک یا دو دفعہ سے زائد مرتبہ بغیر اذان واقامت کے عیدین کی نماز پڑھی، کہا ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "الصلاۃ جامعۃ" کے الفاظ بھی نہیں کہے جاتے تھے اھ، یہ کلمہ صحیح مسلم میں نہیں اگر ہو تو صرف عدمِ مواظبت پر دلیل ہے یعنی ہمیشگی نہیں فرمائی لہٰذا یہ مرسل زہری کے معارض نہیں اور مرسلِ ثقہ ہمارے ہاں حجت ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۶۹) ازبیکانیر مارواڑ مہادنان مرسلہ قاضی قمرالدین صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف ہم پڑھتے ہیں لیکن ہاتھوں کو چُومتے نہیں ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ جو ہاتھ نہ چُومے وہ مردود وملعون ہے، اب گزارش ہے کہ ہاتھ چُومنا کیسا ہے اور چُوما جائے تو کیا ذمّے گناہ ہوگا اگر چُومنا منع ہے تو وہ شخص کو جو نہ چُومنے والوں کو کلماتِ مندرجہ بالا کہتا ہے اُس کے لئے کیا حکم ہے آیا وہ کافر ہوا یا اسلام میں رہا؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نامِ اقدس اذان میں سُن کر انگوٹھے چُومنا مستحب ہے اچھا ہے ثواب ہے **کمافی کنزالعباد وجامع الرموز وردالمحتار وغیرھا** (جیسا کہ کنزالعباد، جامع الرموز اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ ت) مگر فرض واجب نہیں کہ نہ کرنے سے گناہ ہو اور صرف اس قدر پر مردود وملعون کہنا سخت باطل ومردود ہے ہاں جو بربنائے وہابیت اسے بُرا جان کر نہ چُومے تو وہابی ضرور مردود وملعون ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۰) ازبریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

(۱) الاقامۃ حق للمؤذن ولایقیم بغیر اذنہ، سمعت من اساتذۃ مرویۃ، وان قال الامام	(۱) تکبیر مؤذن کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر دوسرا نہ کہے، بعض اساتذہ کے حوالے سے میں نے

---

[1] اشعۃ اللمعات الفصل الاول من باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۹۷

بغیرہ اقم، فھو ایضاً جائز بغیر الکراھۃ، صحیح، ام لا۔	یہ سنا ہے کہ اگرامام غیر مؤذن کو کہدے "تکبیر پڑھ" تو بھی بلا کراہت یہ جائز ہے، کیا یہ صحیح ہے یا غلَط؟
(۲) والمکبّر فی یوم العید والجمعۃ ان کبر بغیر اذن الامام، لایجوزالاخذ بقولہ ولابطلت صلوۃ من رکع اوسجد بتکبیرہ، صح ام لا۔	(۲) عید اور جمعہ کے موقع پر اگر مکبّر اجازتِ امام کے بغیر تکبیر کہہ دے اس کے قول پر عمل جائز نہیں اور اس کی تکبیر پر رکوع و سجدہ کرنے والے کی نماز باطل نہ ہُوئی، کیا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ان کان المؤذن حاضرا لایقیم غیرہ الاباذنہ ولاینبغی للامام ان یامر غیرہ بالاقامۃ الابوجہ شرعی مثل ان تکون اقامتہ مشتملۃ عن لحن وذلك لانہ یوحش المؤذن بہ۔	(۱) اگر مؤذن موجود ہے تو اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا تکبیر نہ کہے اور امام کے لئے بھی مناسب نہیں کہ شرعی عذر کے بغیر کسی دوسرے کو تکبیر کے لئے کہے، شرعی عذر مثلاً اس کی اقامت لحن پر مشتمل ہو، اجازت مؤذن کے بغیر اقامت کہنا مناسب نہیں کہ شاید وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ (ت)
(۲) ھذا باطل لااصل لہ، ویجوز التبلیغ عن الحاجۃ وان لم یاذن الامام، بل وان نھی۔ وھو تعالٰی اعلم۔	(۲) یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، ضرورت کے موقع پر تبلیغ جائز ہے اگرچہ امام اجازت نہ دے بلکہ وہ منع بھی کردے تب بھی جائز ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۷۱) ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدیوں کو جب تکبیر نماز کہی جائے تو تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا جب حی علی الفلاح مکبّر کہے تب کھڑے ہوں اور مقتدی وامام اس میں یعنی قیام و قعود میں مساوی ہیں یا ہر ایک کے واسطے جداگانہ حکم ہے، مثلاً جو کہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں لیکن امام فوراً جب تکبیر شروع ہو کھڑا ہوجائے اس کا فعل صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں جس نے کہا امام فوراً کھڑا ہوجائے غلط کہا، حوالہ وہ دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۲) از چتوڑ گڈھ میواڑ مرسلہ فتح محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں امام ہو اور تکبیر مکبّر شروع کردے اب امام حجرہ سے روانہ ہو ختم تکبیر سے پہلے حی علی الفلاح کے وقت یا بعد ختم تکبیر مصلّے پر پہنچ جاوے اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے بصورت احیانا یا بصورت دواما، ہر دو صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اس صورت میں کوئی حرج نہیں نہ امام مکبر کا پابند ہوسکتا ہے بلکہ مکبّر کو امام کی پابندی چاہئے حدیث میں ہے **المؤذن املك بالاذان، والامام املك بالاقامة**[1] (اذان کا اختیار مؤذن کو ہے اور اقامت کا اختیار امام کو۔ ت) اور اگر وہ تکبیر ہوتے میں چلا تو اُسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں مصلّے پر جائے اور **حی علی الفلاح** یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے، یوں ہی بعد خطبہ اُسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرماکر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے یہ حکم قوم کے لئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۳) از جرودہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

تکبیر سے پہلے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور کچھ لوگ کھڑے ہوں تو کیا تکبیر شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہوجانا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے، اگر بیٹھے رہیں تو کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی فورًا کھڑے ہوجائیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

الجواب:

تکبیر کھڑے ہو کر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علما نے فرمایا ہے کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت سب کھڑے ہوجائیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۴) محمد عبدالرشید از حصار مدرسہ انجمن محاسن اسلام احاطہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۶ھ

مسجد میں بلااذان نماز جماعت درست ہے یا نہیں اور تنگ وقت کی وجہ سے صرف تکبیر جماعت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بلااذان جماعتِ اولٰی مکروہ وخلافِ سنّت ہے، ہاں وقت ایسا تنگ ہوگیا ہو کہ اذان کی گنجائش

---

[1] کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال حدیث ۲۰۹۶۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۹۴

نہ ہو تو مجبورانہ خود ہی چھوڑی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۵) مسائل از شہر کہنہ محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ ننھے خاں ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) اذان سنّت ہے یا واجب؟

(۲) اذان نابالغ دے تو جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) تکبیر واجب ہے یا سنّت؟

(۴) مصلّی پر امام نہ ہو تو تکبیر جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

(۱) جمعہ وجماعت پنجگانہ کے لئے اذان سنّتِ مؤکدہ وشعارِ اسلام وقریب بواجب ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) نابالغ اگر عاقل ہے اور اس کی اذان اذان سمجھی جائے تو جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) یوں ہی تکبیر بھی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جب امام مسجد میں بہ تہیہ نماز آئے تو تکبیر کہہ سکتے ہیں اگرچہ مصلّے تک نہ پہنچے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۶) از شہر مسئولہ وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی پکّا سُنّی ہے اہلسنّت کے طریقہ پر قدم بقدم چلتا ہے ایک ذرّہ بھی وہابیت کا نقص نہیں پایا جاتا وہابیوں سے متنفر رہتا ہے الغرض عقائد میں کسی قسم کی خرابی نہیں ایسے شخص کو بکر وہابی وکافر کہتا ہے چونکہ بکر نے زید کو بوقت اذان کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نامِ مبارک پر انگشت کو بوسہ لیتے ہوئے اور درود شریف بآوازِ بلند پڑھتے ہوئے نہ دیکھا زید کہتا ہے کہ اذان کا جواب دینا اور درود شریف حضور کے نام مبارک پر اس وقت پڑھنا دل میں چاہئے لہٰذا میں دل میں پڑھتا ہوں اور جوابِ اذان دیتا ہوں اور زید انگشت چُومنے سے انکار بھی نہیں کرتا ہے اس وجہ سے بکر نے زید کو اسلام سے خارج کرکے کفر میں داخل کردیا ہے اور زید کے عقائد کی حالت بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس صورت میں بکر کا یہ کلام زبان سے نکالنا صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح نہیں تو بکر پر شارع علیہ السلام کا کیا حکم جاری ہوگا؟ **بیّنوا توجّروا۔**

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید کو وہابی کہنا جائز نہیں اور اسے خارج از اسلام ٹھہرانا سخت اشد کبیرہ ہے بکر پر توبہ فرض ہے اور اس وقت درود شریف دل میں پڑھنے سے اگر زید کی مراد یہ ہے کہ زبان سے نہ پڑھا جائے تو غلط ہے زبان سے پڑھنا لازم ہے اور بآواز ہونا مستحب ہے کہ اوروں کو بھی ترغیب وتذکیر ہو اور اس پر درود شریف نہ پڑھنے کی بدگمانی نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۷) از شہر محلّہ ملوک پور مسئولہ شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر کے شروع ہونے کے وقت امام ومقتدی کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے اور بیٹھ جانے میں کیافضیلت ہے اور کھڑا رہنے میں کیا نقصان ہے؟

الجواب:

امام کے لئے اس میں کوئی خاص حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں، کھڑے کھڑے تکبیر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ عالمگیری میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہورہی ہو فورًا بیٹھ جائے اور **حی علی الفلاح** پر کھڑا ہو اور اس میں راز مکبّر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ **قد قامت الصلاۃ** ادھر اس نے **حی علی الفلاح** کہا کہ آؤ مراد پانے کو، جماعت کھڑی ہوئی، اس نے کہا **قد قامت الصلاۃ** جماعت قائم ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۷۸) از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ مشیت خاں ۹ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد اذان کے اور جماعت سے ذرا قبل الصلٰوۃ والسلام علیک یارسول اللہ الصلٰوۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ پڑھنا باآوازِ بلند چاہئے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ صلاۃ وسلام پڑھنے سے اذان کی حیثیت گھٹتی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جواب سے مشرف فرمایا جائے۔

الجواب:

پڑھنا چاہئے اور صلاۃ وسلام سے اذان کی حیثیت بڑھتی ہے کہ وہ اعلام کے لئے تھی اور یہ اسی کی ترقی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۹) از شہر محلّہ صالح نگر مسئولہ کفایت دری ساز ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وہابی ہے یا ان کا ہمخیال ہے اگر وہ اذان دے سُنّی کی مسجد میں تو اس کا جواب سُنّی دے یا نہیں؟ اور جب سُنّی اس مسجد میں نماز کے کیلئے جائے تو اپنی اذان کہے یا اس کی اذان پر اکتفا کرے اور دوسری اذان نہ کہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اسم جلالت پر کلمہ تعظیم اور نامِ رسالت پر درود شریف پڑھیں گے اگرچہ یہ اسمائے طیبہ کسی کی زبان سے ادا ہوں مگر وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں، اور اہلسنت کو اُس پر اکتفا کی اجازت نہیں بلکہ ضرور دوبارہ اذان کہیں، درمختار میں ہے: **ویعاد اذان کافر وفاسق**[1] (کافر اور فاسق کی اذان لوٹائی جائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] دُرمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

مسئلہ (۳۸۰) موضع بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضاخان صاحب رضوی ۲۷ صفر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلاۃ جو بعد اذان بلفظ الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھی جاتی ہے مخالف کہتا ہے کہ یہ فعل قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہر ہے اور شارع اسلام کے خلاف ہے یا کوئی مجھے بتائے کہ فرض ہے یا واجب یا سنّت ہے یا مستحب، اور یہ فعل نیم مولوی کا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اس کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟

(۲) بروقت جماعت کے قبل جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو زید کہتا ہے کہ امام ومقتدی بیٹھ کر سُنیں، عمرو کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر سُننا چاہئے اور یہ رواج قدیم ہے اور یہ نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کی بات ہے۔

الجواب:

مخالف جھوٹا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افترا کرتا ہے ثبوت دے شرع مطہر نے اسے کہاں منع فرمایا ہے کہ خلافِ شرع کہتا ہے ہاں وہ فرداً مستحب ہے اور اصلافرد فرض ہے **قال اللہ تعالٰی:**

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝۵۶ [1]	بیشک اللہ اور اس کے سب فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور خوب سلام عرض کرو (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔

رب عزوجل کا حکم مطلق ہے اس میں کوئی استثناء فرمادیا ہے کہ مگر اذان کے بعد نہ بھیجو، جب پڑھا جائیگا اسی حکم الٰہی کا امتثال ہوگا فلہذا ہر بار درود پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتاہے کہ سب اُسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے فرض ہی میں شامل ہوگا نظیر اس کی تلاوتِ قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض ایک ہی آیت ہے اور اگر ایک رکعت میں ساراقرآن عظیم تلاوت کرے تو سب فرض ہی میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا سب **فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ**[2] (پس پڑھ قرآن سے جو تمہیں آسان ہے۔ ت) کے اطلاق میں ہے آج کل ایساانکار کرنے والے کوئی نہیں مگر وہابیہ اور وہابیہ کے پیچھے نماز باطل محض ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مسئلہ شرعیہ کو نئے مولویوں کی فتنہ انگریزی کہنا اگر براہِ جہالت نہ ہو کلمہ کفر ہے کہ توہینِ شریعت ہے مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں جب مکبر **حی علی الفلاح** پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوں کہ اس کے اس قول کی مطابقت ہو جو وہ اس کے بعد کہے گا کہ **قد قامت الصلاۃ** جماعت کھڑی ہوئی یہاں تک کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور اس وقت کوئی شخص باہر سے آیا تو یہ خیانہ کرے کہ چند کلمات رہ گئے ہیں پھر کھڑا ہونا ہوگا بلکہ فوراً بیٹھ جائے اور **حی علی الفلاح** پر

---

[1] القرآن ۳۳/۵۶

[2] القرآن ۷۳/۲۰

کھڑا ہو۔ علمگیریہ میں ہے:

اذادخل الرجل عندالاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذافی المضمرات [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی تکبیر کے وقت آیا تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہو کر تکبیر سُننا مکروہ ہے پھر جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو اُٹھے مضمرات میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۸۱) ازریاست رام پور محلّہ مردان خان گلی موچیاں مسئولہ محمد نور ۱۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں پنجگانہ اذان واسطے نماز کے کہاں کہی جائے اور بانیِ مسجد نے کوئی جگہ اذان کی مقرر نہیں کی اکثر لوگ صحنِ مسجد میں اذان کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کی داہنی طرف یعنی جنوب کو اذان ہو اور مسجد کی بائیں طرف یعنی شمال کو تکبیر کہی جائے اور جس مسجد کا کوٹھانہ ہو صاف میدان حد بستہ ہو اُس مسجد کی کون سی داہنی اور بائیں پر عمل کیا جائے اور یہ بھی سُنا ہے کہ جماعت پر حق سبحانہ کی رحمت اول امام پر اور بعد اس کے صف اول کی داہنی جانب سے تمام پر شروع ہوتی ہے پھر دوسری تیسری صفوں پر آخر تک، جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ مسجد کی داہنی جانب جنوب ہے اسی جانب سے مصلیان پر رحمتِ حق نازل ہوتی ہے یا اس کے بالعکس اور منبر مسجد کو بائیں جانب کہتے ہیں اور پُرانی مسجدوں میں داہنی جانب اور بائیں جانب بُرج بنے ہوتے ہیں اُس پر اذان ہُوا کرتی ہے اس وقت کے مؤذنان نے اُس کو چھوڑ دیا صحنِ مسجد میں جہاں چاہتے ہیں اذان کہہ دیتے ہیں آیا اذانِ پنجگانہ نماز سنّت خارج مسجد مثل منڈھیر وغیرہ ہے یا صحن مسجد۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد میں اذان کہنا مطلق منع ہے خلاصہ وہندیہ وبحر الرائق وغیرہا میں ہے: **لایؤذن فی المسجد** [2] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ت) نظم زندویسی وجامع الرموز میں ہے: **یکرہ الاذان فی المسجد** [3] (مسجد میں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلاۃ باب فی الاذان فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۷/۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴۹/۱، فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۵/۱، البحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۵/۱

[3] جامع الرموز کتاب الصلاۃ فصل الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱۲۳/۱

نوٹ: جامع الرموز میں یہ عبارت بالمعنی ہے بالالفاظ نہیں۔ جامع الرموز کے الفاظ یوں ہیں: بانہ لایؤذن فی المسجد فانہ مکروہ کمافی النظم''۔ نذیر احمد سعیدی

اذان مکروہ ہے۔ ت) اذان کے لئے کوئی دہنی بائیں جانب مقرر نہیں، منارہ پر ہو جس طرف ہو اور جہاں منارہ یا کوئی بلندی نہیں وہاں فصیلِ مسجد پر اُس طرف ہو جدھر مسلمانوں کی آبادی زائد ہے اور دونوں طرف آبادی برابر ہو تو اختیار ہے جدھر چاہیں دیں۔ تکبیر میں مناسب یہ ہے کہ امام کے محاذی ہو ورنہ امام کی دہنی جانب کہ مسجد کی بائیں جانب ہوگی ورنہ جہاں بھی جگہ ملے۔ رحمتِ الٰہی پہلے امام پر اُترتی ہے پھر صفِ اول میں جو امام کے محاذی ہو پھر صف اول کے دہنے پر پھر بائیں صف پر پھر دوم میں امام کے محاذی پھر دوم کے دہنے پھر بائیں پر اسی طرح آخر صفوں تک۔ امام کا دہنا مسجد کا بایاں ہوتا ہے مسجد میں عمارت ہو یا نہ ہو کہ مسجد تابع کعبہ معظّمہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۸۲) از ورنگر دایہ مہ سانہ۔ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان چاندار سول مسئولہ عبدالرحیم احمد آبادی ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجدوں کے دروازوں پر گھنٹا لگا کر پنجوقتہ نمازوں کے وقت پر بجانا مشابہت کفار ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سخت حرام اور ناپاک وملعون فعل کفار ملعونین سے پورا پورا تشبّہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۸۳) از اکلترا ضلع بلاسپور۔ سی پی مسئولہ عبدالغنی امام مسجد جامع ۲۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مؤذن روزہ نہیں رکھتا کتنی ہی بار امام سے لڑنے پر آمادہ ہُوا امام سے کہا زیادہ بات کرے گا تو پٹک کر نالی میں موڑ رگڑ دُوں گا ایک ہی نمبر کا لالچی گانے والا بھانڈ بھی مسخرا چور بھی مسجد کے چار قفل چوری کیے پتا لگنے پر کہا تم نے دو دیے تھے ابھی تک وہ مسروق قفل اس کے پاس ہیں امام پر بہتان لگاتا ہے کہ تم مسجد کی لالٹین کا تیل چوری کرتے ہو حالانکہ کبھی نہیں دیکھا امام کہتا ہے اگر ثبوت مل جائے تو میرا ہاتھ کاٹ لو بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پر بھی تو کبھی درود شریف پڑھتے نہیں سُنا اور ۱۵ رمضان کو عین جماعتِ فجر کے وقت جھاڑو دیتا تھا میں نے کہا ابھی جھاڑو نہ دو تو جماعت کے سامنے کہنے لگا کہ مُوت مُوتو آگ نہ مُوتو، بے حیا لڑاکا فسادی ہے ایک روزہ دار مسافر کو بھی بہکاتا تھا لہٰذا اس مؤذن کے متعلق فتوے سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

اگر یہ باتیں واقعی ہیں تو وہ مؤذن سخت فاسق فاجر ہے اُسے مؤذن بنانے کی ہرگز اجازت نہیں اُسے معزول کرنا لازم، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الامام ضامن والمؤذن مؤتمن**[1] (امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے) **رواہ ابوداود والترمذی**

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الامام ضامن الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹، سنن ابی داؤد باب مایجب علی المؤذن مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۷

وابن حبان والبیھقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند صحیح (اسے ترمذی، ابن حبان اور بیہقی نے سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)
اور ظاہر ہے کہ فاسق امین نہیں ہوسکتا ولہٰذا مقصود اذان کہ اعلام باوقات نماز وسحری وافطار ہے فاسق کی اذان سے حاصل نہیں ہوسکتا، تنویر میں ہے:

یجوز اذان صبی مراھق وعبد واعمی۔[1]	قریب البلوغ بچّے، غلام اور نابینا کی اذان جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان قولھم مقبول فی الامور الدینیۃ، فیکون ملزمًا، فیحصل بہ الاعلام بخلاف الفاسق۔[2]	کیونکہ ان کا قول امور دینیہ میں معتبر ہے لہٰذا ان کا قول ملزم ہوگا اور اس کے ساتھ اعلام حاصل ہوجائیگا بخلاف فاسق کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ مماقدمناہ من انہ لایحصل الاعلام من غیرالعدل ولایقبل قولہ انہ لایجوز الاعتماد علی المبلغ الفاسق خلف الامام۔[3]	ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوچکا ہے کہ اعلام بغیر عدل کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اس کا قول قبول نہیں کیا جائیگا یعنی امام کے پیچھے فاسق مکبّر پر اعتماد جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وجزم المصنّف بعدم صحۃ اذان مجنون ومعتوہ وصبی لایعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات۔[4]	مصنّف نے دیوانے، ناقص العقل، ناسمجھ بچّے کی اذان پر عدم صحت کے ساتھ جزم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اور کافر وفاسق بھی اس مثال میں شامل ہیں، کیونکہ ان کا قول امور دینیہ میں معتبر نہیں۔ (ت)

---

[1] دُرمختار شرح تنویر الابصار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

[2] تبیین الحقائق باب الاذان مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/ ۹۴

[3] ردالمحتار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۰

[4] درمختار مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

غنیہ میں ہے:

یجب اعادۃ اذان السکران والمجنون والصبی غیر العاقل لعدم حصول المقصود لعدم الاعتماد علی قولھم[1] اھ وقد نقلہ فی ردالمحتار واقرہ بل ایدبہ بحث البحر فلاوجہ لبحثہ فی الفاسق وقدسلم عدم حصول المقصود باذانہ کماتقدم۔	نشہ کرنے والے، دیوانے، نابالغ بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی کیونکہ ان کے قول پر عدمِ اعتماد کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہوپاتا اھ ردالمحتار میں اسے نقل کرکے ثابت رکھا بلکہ بحر کی عبارت سے اس کی تائید کی پس فاسق کے بارے میں بحث کی حاجت ہی نہیں کیونکہ پیچھے گزرچکا ہے کہ اس کی اذان سے اعلام کا حصول مسلّمہ طور پر نہیں ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۰۴) از سینٹوریم ضلع نینی تال مسئولہ سراج علی خاں صاحب قادری رضوی بریلوی ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نمازِ جماعت کے لئے اذانِ پنجوقتہ کیااہمیت رکھتی ہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ دوچار شخص جماعت سے نمازپڑھیں تواذان ضروری ہے یانہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد میں پانچوں وقت جماعت سے پہلے اذان سنّتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے اور اس کاترک بہت شنیع، یہاں تک کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کسی شہر کے لوگ اذان دینا چھوڑدیں تومیں ان پر جہاد کروں گا، شہر میں اگرکچھ لوگ مکان یا دُکان یامیدان میں اذان نہ کہیں توحرج نہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: **اذان الحی یکفینا**[2] محلّہ کی اذان ہمیں کفایت کرتی ہے،

یوں ہی مسافر کوترک اذان کی اجازت ہے لیکن اگراقامت بھی ترک کرے گاتومکروہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۸۵) از بریلی بازار مسئولہ عزیزالدین خاں دُکاندار ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز سے قبل صلاۃ پکارنا اور اذان ثانی باہر مسجد کے کہنا وہابیہ کا کام ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نماز سے پہلے صلاۃ پکارنا مستحسن ہے حرمین شریفین وتمام بلاد دارالاسلام میں رائج ہے اسے وہابیہ کا کام

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۹

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۱

کہنا عجیب ہے وہابیہ ہی اسے بُرا کہتے ہیں، اذانِ ثانی امام کے سامنے منبر کے محاذی مسجد کے باہر ہونا ہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت ہے صدیق اکبر کی سنّت ہے، فاروق اعظم کی سنّت ہے، اُسے وہابیہ کا کام کہنا محض جہالت وحماقت ہے اگر یہ شخص جاہل ہے کسی احمق سے سُنی سنائی ایسی کہتا ہے اُس کے مذہب میں کوئی فتور نہیں اور فاسق معلن بھی نہیں اور اس کی طہارت وقراءت صحیح ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ

منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ

(انگوٹھے چومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا) ۱۳۰۱ھ

مسئلہ (۳۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجرُوا۔**

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللہ الذی نورعیون المسلمین بنورعین اعیان المرسلین، والصّلاۃ والسلام علی نور العیون سرورالقلب المحزون محمدنالرفیع ذکرہ فی الصلاۃ والاذان، والجیب اسمہ عند اھل الایمان، وعلی اٰلہ وصحبہ	تمام خُوبیاں اللہ کے لئے جس نے گروہِ انبیاء ومرسلین کے سربراہ کے نور سے تمام مسلمانوں کی آنکھوں کو روشنی بخشی، صلاۃ وسلام ہو اس پر جو آنکھوں کا نور، پریشان دلوں کا سرور یعنی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کا ذکر اذان ونماز میں بلند ہے۔ جس کا اسم گرامی اہلِ ایمان کے ہاں نہایت ہی محبوب ہے اور آپ کی آل واصحاب پر

والمشروحة صدورهم لجلال اسراره والمفتوحة عيونهم بجمال انواره، واشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له، وان محمّداعبده ورسوله بالهدی ودين الحق ارسله صلی الله تعالٰی عليه وعلٰی اٰله وصحبه اجمعين، وعلينا معهم وبهم ولهم ياارحم الراحمين اٰمين، قال العبدالذليل للمولی الجليل عبدالمصطفٰی احمدرضاالمحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البريلوی، نورالله عيونه واصلح شيونه مستعيذا برب الفلق من شرما خلق وحامدالله علٰی ماالهم ووفق۔	جن کے مبارک سینے آپ کے اسرار ورموز کے جلال کیلئے کھول دئے، اور ان کی آنکھوں کو آپ کے انوار جمال سے منور فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ، لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں جن کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا، اور ہم پر بھی رحمت ہو ان کے ساتھ، ان کے سبب اور ان کے صدقہ میں یاارحم الراحمین، مولٰی جلیل کا عبدِ ذلیل عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کی آنکھوں کو منور فرمائے اور اس کے تمام احوال کی اصلاح کرے درانحالیکہ وہ رب الفلق کی پناہ میں آتا ہے تمام مخلوق کے شر سے اور حمد کرتا ہے اللہ کی اس پر جو اس نے عطا کی اور اس کی توفیق دے۔ (ت)

الجواب:

حضور پُرنور شفیع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعًا جائز، جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہوناہی جواز کے لئے دلیل کافی تھا، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمّہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاج دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاد علما وعمل قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود۔ علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وحضرت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین وحضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضر علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علّامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایۃ، مختصر الوقایۃ وفتاوٰی صوفیہ وکنز العباد وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کے صاف تصریح آئی، ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر وعمائد مثل متکلم قنوجی

وغیرہ کے مستندات سے ہیں اور اُن حدیثوں کے بارے میں اُن محدثین کرام و محققین اعلام نے جو تصحیح و تضعیف و تجریح و توثیق میں دائرہ اعتدال سے نہیں نکلتے اور راہِ تساہل و تشدّد نہیں چلتے حکمِ اخیر وخلاصہ بحث وتنقیح یہ قرار دیا کہ خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو حدیثیں یہاں روایت کی گئیں باصطلاح محدثین درجہ صحت کو فائز نہ ہوئیں، مقاصد میں فرمایا:

لایصحّ فی المرفوع مِنْ کُلّ ھٰذا شیئٌ [1] ۔	بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔ (ت)

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں:

کل مایروی فیئ ھذا فلایصح رفعہ البتۃ [2] ۔	اس بارے میں جو بھی روایات بیان کی گئی ہیں ان کا مرفوع ہونا حتمی صحیح نہیں۔ (ت)

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرّہ السامی ردالمحتار میں علّامہ اسمٰعیل جراحی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں:

لَمْ یصِحَّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیئٌ [3] ۔	بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔ (ت)

پھر خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاح محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفی صلاح وتماسک وصلوح تمسک، نہ کہ دعوٰی وضعِ کذب، تو عندالتحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاح محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریح ائمہ فن کثرتِ طُرق سے جبر نقصان متصوّر اور عملِ علمأ وقبولِ قُدما حدیث کے لئے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول، اور اس سے بھی گزرے تو بِلاشُبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول اور سلف صالح میں حفظ صحتِ بصر وروشنائی چشم کے لئے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہو تو صرف تجربہ وافی کہ آخر اُس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنّتِ ثابتہ کا خَلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفی صحت کو احادیث مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیثِ موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے، ولہٰذا مولٰنا علی قاری نے عبارتِ مذکورہ کے بعد فرمایا:

قلت واذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ	یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۵

[2] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (موضوعات کبرٰی) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۳

تعالٰی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلاة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین[1]۔	عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہُوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

توصدیق سے کسی شَے کا ثبوت بعینہٖ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت ہے اگرچہ بالخصوص حدیث مرفوع درجہ صحت تک مرفوع نہ ہو، امام سخاوی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں:

حدیث: مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلهما عندسماع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مع قوله اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم نبیا ذکره الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انه لماسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله قال هذا وقبل باطن الانملتین السبابتین ومسح عینیه فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ وَلَایَصِحُّ[2]۔	یعنی مؤذن سے اشھد انّ محمدًا رسول اللہ سُن کر انگشتانِ شہادت کے پورے جانبِ باطن سے چُوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دُعا پڑھنا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه، وَرَسُوْلُه، رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا ط اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب اس جناب نے مؤذن کو اشھد انّ محمدًا رسول اللہ کہتے سُنا یہ دُعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چُوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے، اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت نام رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا:

وکذا ما اوردہ ابو العباس احمد بن ابی بکرؔ	یعنی ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (موضوعات کبرٰی) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[2] المقاصد الحسنۃ حروف المی حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۴

الرداد الیمانی المتصوف فی کتابه "موجبات الرحمة وعزائم المغفرة" بسند فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام انه قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله، مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یرمد ابدا[1]	رداد یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرہ" میں ایسی سند سے جس میں مجاہیل ہیں اور منقطع بھی ہے حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مؤذّن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے پھر دونوں انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

ثم روی بسند فیه من لم اعرفه عن اخی الفقیه محمد بن البابا فیما حکی عن نفسه انه هبت ریح، فوقعت منه حصاة فی عینه فاعیاه خروجها والمته اشد الالم، وانه لما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله. قال ذلك فخرجت الحصاة من فوره، قال الرداد رحمه الله تعالٰی، وهذا یسیر فی جنب فضائل الرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔[2]	یعنی پھر ایسی سند کے ساتھ جس کے بعض رواۃ کو میں نہیں پہچانتا فقیہ بن البابا کے بھائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے ایک بار ہوا چلی ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی نکالتے تھک گئے ہر گز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچایا انہوں نے مؤذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے ہوئے یہی کہا فورًا نکل گئی رداد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے۔

پھر فرمایا:

وحکی الشمس محمد بن صالح نالمدنی امامها وخطیبها فی تاریخه عن المجد احد القدماء من المصریین، انه سمعه یقول من صلی	یعنی شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے اُنہیں فرماتے سُنا

---

[1] المقاصد الحسنہ حروف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنہ حروف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

على النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذاسمع ذكره فى الاذان، وجمع اصبعيه المسبحة والابهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد ابدا[1]۔	جو شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح، وسمعت ذلك ايضا من الفقيه محمد بن الزرندى عن بعض شيوخ العراق اوالعجم انه يقول عندمايمسح عينيه، صلى الله عليك ياسيدى يارسول الله ياحبيبَ قلبى ويانورَ بصرى وياقرة عينى، وقال لى كل منهما منذفعله لم ترمد عينى[2]۔	یعنی ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بَعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور اُن کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں پر مَس کرتے وقت یہ درود عرض کرے صَلَّی اللّٰہ عَلَیک یاسَیدِیْ یا رَسُوْلَ اللّٰہ یاحَبِیبَ قَلْبِیْ وَیانُوْرَ بَصَرِیْ وَیاقُرَّۃَ عَینِیْ، اور دونوں صاحبوں یعنی شیخ مجد وفقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم یہ عمل کرتے ہیں ہماری آنکھیں نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح واناوللّٰه الحمد والشكر منذسمعته منهما استعملته، فلم ترمد عينى وارجو ان عافيتهما تدوم وانى اسلم من العمى ان شاء الله تعالٰى[3]۔	یعنی امام ابن صالح ممدوح نے فرمایا اللہ کے لئے حمد وشکر ہے جب سے مَیں نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا اِن شاء اللہ تعالٰی۔

پھر فرمایا:

قال وروى عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانى قال اخبرنى الفقيه العالم ابوالحسن على بن محمد بن حديد الحسينى، اخبرنى الفقيه الزاهد ابلالى	یعنی یہی امام مدنی فرماتے ہیں فقیہ محمد سعید خولانی سے مروی ہُوا کہ انہوں نے فرمایا مجھے فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے خبر دی کہ مجھے فقیہ زاہد بلالی نے

---

[1] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[3] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

عن الحسن علیه السلام، انه قال، من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهد ان محمدًا رسول الله مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ویقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یعم ولم یرمد۔[1]	حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے خبر دی کہ حضرت امام نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کو اشھد ان محمدًا رسول اللہ کہتے سُن کر یہ دعا پڑھے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّةَ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ط اور اپنے انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دُکھیں۔

پھر فرمایا:

وقال الطاؤسی، انه سمع من الشمس محمد بن ابی نصر البخاری خواجه، حدیث من قبل عند سماعه من المؤذن کلمة الشهادة ظفری ابهامیه ومسهما علی عینیه، وقال عندالمس "اللهم احفظ حدقتی ونورهما ببرکة حدقتی محمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ونورهما لم یعم۔[2]	یعنی طاؤسی فرماتے ہیں اُنہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سُنی کہ جو شخص مؤذن سے کلماتِ شہادت سُن کر انگوٹھوں کے ناخن چُومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دُعا پڑھے اَللّٰھُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَیَّ وَنُوْرَھُمَا بِبَرْکَةِ حَدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنُوْرِهِمَا، اندھا نہ ہو۔

شرح نقایہ میں ہے:

واعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانیة "صلی الله تعالٰی علیك یارسول الله" وعند الثانیة منها "قرة عینی بك یارسول الله" ثم یقال "اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین" فانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم یکون قائدًا له	یعنی خبر دار ہو بیشک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سُنے صَلَّی اللهُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ ط کہے اور دوسری بار قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللهِ ط پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ ط کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اُسے جنّت میں لے جائیں گے، ایسا ہی کنزالعباد

---

[1] المقاصد الحسنۃ باب المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنۃ باب المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۵

الی الجنة كذا فی كنز العباد [1]۔	میں ہے۔

علّامہ شامی قدس سرّہ السّامی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں: **ونحوہ فی الفتاوی الصّوفیة** [2] یعنی اسی طرح امام فقیہ عارف باللہ سیدی فضل اللہ بن محمد بن ایوب سہر وردی تلمیذ امام علّامہ یوسف بن عمر صاحب جامع المضمرات شرح قدوری قدس سرہما نے فتاوٰی صوفیہ میں فرمایا) شیخ مشایخنا خاتم المحققین سید العلماء الحنفیہ بمکّہ المحمیہ مولٰنا جمال بن عبداللہ عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبیل الابهامین ووضعهما علی العینین عند ذکر اسمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الاذان، هل هو جائز ام لا، اجبت بما نصه نعم تقبیل الابهامین ووضعهما علی العینین عند ذکر اسمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الاذان جائز، بل هو مستحب صرح به مشایخنا فی غیر ما کتاب [3]۔	یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر شریف سُن کر انگوٹھے چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں پر رکھا جائز بلکہ مستحب ہے ہمارے مشایخ نے متعدد کتابوں میں اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔

علامہ محدث محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی "تکملہ مجمع بحار الانوار" میں حدیث کو صرف لایصح فرماکر لکھتے ہیں: **وروی تجربة ذلك عن کثیرین** [4] یعنی اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئیں۔

فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتا ہے، اب طالب تحقیق وصاحب تدقیق، افادات چند نافع وسودمند پر لحاظ کرے، تاکہ بحول اللہ تعالٰی چہرہ حق سے نقاب اُٹھے اور صدر کلام میں جن لطیف مباحث پر ہم نے نہایت اجمالی اشارے کیے اُن کی قدرے تفصیل زیور گوشِ سامعین بنے کہ یہاں بسط کامل وشرح کافل کے لئے تو دفتر وسیط، بلکہ مجلد بسیط درکار **واللہ الموفق ونعم المعین فاقول وباللہ التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق**۔

افادہ اوّل: (حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنٰی نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلٰی درجہ کی حدیث ہے

---

[1] جامع الرموز فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

[2] فتاوٰی جمال بن عبداللہ عمر مکی

[3] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعینی بعض الاجابت المشتہرۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/۵۱۱

[4]

جس کے شرائط سخت ودشوار اور موانع وعلائق کثیر وبسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں "یہ حدیث صحیح نہیں" یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سَیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے. برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں، امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ تعالٰی حلیہ شرح منیہ عہ۱ میں فرماتے ہیں:

قول الترمذی "لایصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ھذا الباب شیئٌ انتھٰی لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لایتوقف ثبوتہ علی الصحیح، بل کمایثبت بہ یثبت بالحسن ایضا[1] ۔	ترمذی کا یہ فرمانا کہ اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملی انتہی حسن اور اُس کے مثل کی نفی نہیں کرتا اور ثبوت مقصود کچھ صحیح ہی پر موقوف نہیں، بلکہ جس طرح اس سے ثابت ہوتا ہے یونہی حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اُسی عہ۲ میں ہے:

علی المشی علی مقتضی الاصطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحۃ نفی الثبوت علی وجہ الحسن[2] ۔	یعنی اصطلاح علم حدیث کی رُو سے صحت کی نفی حسن ہو کر ثبوت کی نافی نہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعقِ محرقہ عہ۳ میں فرماتے ہیں:

قول احمد "انہ حدیث لایصح ای	یعنی امام احمد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کے

عہ۱: ذکرہ فی مسئلۃ المسح بالمندیل بعد الوضوء ۱۲ منہ :	وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)
عہ۲: آخر صفۃ الصلاۃ قبیل فصل فیما کرہ فعلہ فی الصلٰوۃ ۱۲ منہ :	صفۃ الصلٰوۃ کے آخر میں فیما کرہ فعلہ فی الصلٰوۃ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)
عہ۳: ذکرہ فی حدیث التوسعۃ علی العیال یوم العاشوراء فی اٰخر الفصل الاول من الباب الحادی عشر قبیل الفصل الثانی ۱۲ منہ	گیارھویں باب کی فصل اول کے آخر اور فصل ثانی سے تھوڑا پہلے عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت والی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی

[2] حلیۃ المحلی

لذاته فلاینفی کونه حسنا لغیره. والحسن لغیره یحتج به کمابین فی علم الحدیث[1]۔	یہ معنے ہیں کہ صحیح لذاتہ نہیں تو یہ حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہ کریگا اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علمِ حدیث میں بیان ہوچکا۔

سندالحفاظ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اذکار امام نووی کی تخریج احادیث میں فرماتے ہیں:

من نفی الصحة لاینتفی الحسن[2] اھ لایصح ملخصا	ملخصاً یعنی صحت کی نفی سے حدیث کا حسن ہونا منتفی نہیں ہوتا۔ اھ ملخصا

یہی امام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

هذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج به وان كان دونه[3]۔	یعنی حدیث حسن لذاتہ اگرچہ صحیح سے کم درجہ میں ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے۔

مولٰنا علی قاری موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں:

لایصح لاینافی الحسن[4] اھ ملخصا	یعنی محدثین کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں اُس کے حسن ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ اھ ملخصا

سیدی نورالدین علی سمہودی جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں فرماتے ہیں:

قدیکون غیر صحیح وهوصالح للاحتجاج به. اذالحسن رتبة بین الصحیح والضعیف[5]۔	یعنی کبھی حدیث صحیح نہیں ہوتی اور باوجود اس کے وہ قابلِ حجّت ہے، اس لئے کہ حسن کا رتبہ صحیح وضعیف کے درمیان ہے۔

حدیث كان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینهی ان ینتعل الرجل قائما[6] (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ت) کو امام ترمذی نے جابر وانس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا:

---

[1] الصواعق المحرقہ الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۵

[2] نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار

[3] نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بحث حدیث حسن لذاتہ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳۳

[4] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۹۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[5] جواہر العقدین فی فضل الشرفین

[6] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۰۹

کلا الحدیثین لایصح عند اھل الحدیث [1]۔	دونوں حدیثیں محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواہب میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں عـــہ :

نفیہ الصحۃ لاینافی انہ حسن کماعلم [2]۔	صحت کی نفی حسن ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے۔

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

حکم بعدم صحت کردن بحسب اصطلاح محدثین غرابت ندارد چہ صحت درحدیث چنانچہ درمقدمہ معلوم شد درجہ اعلٰی ست دائرہ آں تنگ ترجمیع احادیث کہ درکتب مذکور ست، حتی دریں شش کتاب کہ آنرا صحاح ستہ گویند ہم بہ اصطلاح ایشاں صحیح نیست، بلکہ تسمیہ آنہا صحاح باعتبار تغلیب ست [3]۔	اصطلاح محدثین میں عدمِ صحت کا ذکر غرابت کا حکم نہیں رکھتا کیونکہ حدیث کا صحیح ہونا اس کا اعلٰی ترین درجہ ہے جیسا کہ مقدمہ میں معلوم ہوچکا ہے اور اس کا دائرہ نہایت ہی تنگ ہے تمام احادیث جو کتابوں میں مذکور ہیں حتی کہ ان چھ ٦ کتب میں بھی جن کو صحاح ستّہ کہا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کو تغلیبًا صحیح کہا جاتا ہے۔(ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام محقق علی الاطلاق سیدی کمال الحق والدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول:

وقول من یقول فی حدیث انہ لم یصح ان سلم لم یقدح لانہ الحجیۃ لاتتوقف علی الصحۃ. بل الحسن کاف [4]۔	یعنی کسی حدیث کی نسبت کہنے والے کا یہ کہنا کہ وہ صحیح نہیں اگر مان لیا جائے تو کچھ حرج نہیں ڈالتا کہ حجیت کچھ صحیح ہونے پر موقوف نہیں بلکہ حسن کافی ہے۔

عـــہ: المقصد الثالث النوع الثانی ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)	تیسرے مقصد دوسری نوع نعلِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر میں اس کا بیان ہے۔(ت)

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۰۹/۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۵۵/۵

[3] شرح صراط المستقیم لعبدالحق المحدث الدہلوی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۵۰۲

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۸/۳

تو یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلٰی صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ، (حدیث کے مراتب اور اُن کے احکام) مرتبہ صحیح کے بعد حسن لذاتہٖ بلکہ صحیح لغیرہ پھر حسن لذاتہ، پھر حسن لغیرہ، پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یا سُوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا، اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخر کی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوّت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے، اُس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گرانبہا پہنتی ہے، ورنہ دربارہ فضائل تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے، پھر درجہ ششم میں ضعف قوی ووہن شدید ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقًا اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے، کماسَنُبَیِّنُه اِن شاء الله تعالٰی (اِن شاء اللہ تعالٰی عنقریب ان کی تفصیلات آرہی ہیں۔ت) پھر درجہ ہفتم میں مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقًا اور ایک اصطلاح پر اس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظرِ تدقیق میں یوں کہیے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے، والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی۔ وسیرد علیک تفاصیل جل ذلک ان شاء اللہ العلی الاعلٰی (اس کی روشن تفاصیل ان شاء اللہ تعالٰی آپ کے لئے بیان کی جائیں گی۔ت) طالبِ تحقیق ان چند حرفوں کو یاد رکھے کہ باوصف وجازت محصل وملخص علم کثیر ہیں اور شاید اس تحریر نفیس کے ساتھ ان سطور کے غیر میں کم ملیں، وللہ الحمد والمنۃ (سب خوبیاں اور احسان اللہ تعالٰی کیلئے ہے۔ت) خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقہ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کو شامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

میں اس واضح بات پر سندیں کیا پیش کرتا مگر کیا کیجئے کہ کام اُن صاحبوں سے پڑا ہے جو اغوائے عوام کے لئے دیدہ ودانستہ محض اُمّی عامی بن جاتے اور مہر منیر کو زیر دامن مکر وتزویر چھپانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا کلماتِ علماء سے اس روشن

مقدمہ کی تصریحیں لیجئے:

۱امام سند الحفّاظ و ۲امام محقق علی الاطلاق و ۳امام حلبی و ۴امام مکی و ۵علامہ زرقانی و ۶علامہ سمہودی و ۷علامہ ہروی کی عبارات کہ ابھی مذکور ہُوئیں بحکم دلالۃ النص و فحوی الخطاب اس دعوی بینہ پر دلیل مبین کہ جب نفیِ صحت سے نفی حسن تک لازم نہیں تو اثباتِ وضع تو خیال محال سے ہمدوش وقرین۔

(حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے) تاہم عبارات النص سُنئے:

امام بدر الدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لا یلزم منه اثبات العدم، وانما هو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین[1]۔	یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا بل ہے، کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ لفظ لآلی کے ہیں اور اسی سے مجمع میں مختصراً نقل کیا، تنزیہ میں اس کے بعد اتنا اور زیادہ فرمایا:

وهذا یجیئ فی کل حدیث قال فیه ابن الجوزی "لایصح" او "نحوه"[2]۔	یعنی امام ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں جس جس حدیث کو غیر صحیح یا اس کے مانند کوئی لفظ کہا ہے ان سب میں یہی تقریر جاری ہے کہ ان اوصاف کے عدم سے ثبوت وضع سمجھنا حلیہ صحت سے عاطل وعاری ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں فرماتے ہیں:

لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا[3]۔	یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

امام سیوطی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں:

اکثر ماحکم الذهبی علی هذا الحدیث،	یعنی بڑھ سے بڑھ اس حدیث پر امام ذہبی نے اتنا

---

[1] مجمع بحار الانوار فصل وعلومہ واصطلاحتہ نولکشور لکھنؤ ۳/۵۰۶

[2] تنزیہ الشریعۃ کتاب التوحید فصل ثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۴۰

[3] القول المسدد الحدیث السابع مطبوعہ دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن ہند ص ۴۵

انه قال متن ليس بصحيح وهذا صادق بضعفه[1]۔	حکم کیا یہ متن صحیح نہیں، یہ بات ضعیف ہونے سے بھی صادق ہے۔

علی قاری موضوعات میں زیر بیان احادیث نقل فرماتے ہیں:

لایلزم عن عدم الصحة وجود الوضع کما لا یخفی[2]۔	یعنی کھلی ہُوئی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

اسی میں روزِ عاشورا سُرمہ لگانے کی حدیث پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی کا حکم "لایصح ھذا الحدیث" (یہ حدیث صحیح نہیں۔ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت لایلزم من عدم صحته ثبوت وضعه وغایته انه ضعیف[3]۔	یعنی میں کہتا ہوں اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں، غایت یہ کہ ضعیف ہو۔

علامہ طاہر صاحبِ مجمع تذکرۃ الموضوعات میں امام سند الحفاظ عسقلانی سے ناقل:

ان لفظ "لایثبت" لایثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط، والضعیف دونه[4]۔	یعنی کسی حدیث کو بے ثبوت کہنے سے اس کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ ثابت تو وہی حدیث ہے جو صحیح ہو اور ضعیف کا درجہ اس سے کم ہے۔

بلکہ مولٰنا علی قاری آخر موضوعات کبیر میں حدیث البطیخ قبل الطعام یغسل البطن غسلا ویذھب بالداء اصلا (کھانے سے پہلے تربوز کھانا پیٹ کو خُوب دھودیتا ہے اور بیماری کو جڑ سے ختم کردیتا ہے۔ت) کی نسبت قولِ امام ابن عساکر "شاذ لایصح" (یہ شاذ ہے صحیح نہیں۔ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

ھو یفید انه غیر موضوع کما لایخفی[5]۔	یعنی اُن کا یہ کہنا ہی بتارہا ہے کہ حدیث موضوع نہیں جیسا کہ خود ظاہر ہے۔

یعنی موضوع جانتے تو باطل یا کذب یا موضوع یا مفتری یا مختلق کہتے نفیِ صحت پر کیوں اقتصار کرتے، فافھم

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب بدء الخلق والانبیاء مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۹

[2] موضوعات ملا علی قاری بیان احادیث العقل حدیث ۱۲۲۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۱۸

[3] موضوعات ملا علی قاری بیان احادیث الاکتحال یوم عاشوراالخ حدیث ۱۲۹۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۴۱

[4] مجمع تذکرۃ الموضوعات الباب الثانی فی اقسام الواضعین کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۷

[5] موضوعات ملا علی قاری حدیث البطیخ قبل الطعام حدیث ۱۳۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۵۰

والله تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: بحمداللہ تعالٰی یہاں سے ان متکلمین طائفہ منکرین کا جہل شنیع وزور فظیع بوضوع تام طشت از بام ہوگیا جو کلمات علما مثل مقاصد حسنہ ومجمع البحار وتذکرۃ الموضوعات ومختصر المقاصد وغیرہا سے احادیث تقبیلِ ابہامین کی نفی صحت نقل کرکے بے دھڑک دعوی کردیتے ہیں کہ اُن کے کلام سے بخوبی ثابت ہوا کہ جو احادیث انگوٹھے چُومنے میں لائی جاتی ہیں سب موضوع ہیں اور یہ فعل ممنوع وغیر مشروع ہے، سبحان اللہ کہاں نفیِ صحت کہاں حکمِ وضع، کیا مزہ کی بات ہے کہ جہاں درجات متعددہ ہوں وہاں سب میں اعلٰی کی نفی سے سب میں ادنٰی کا ثبوت ہوجائیگا، مثلاً زید کو کہیے کہ بادشاہ نہیں تو اُس کے معنی یہ ٹھہریں کہ نانِ شبینہ کو محتاج ہے، یا متکلمینِ طائفہ کو کہئے کہ اولیا نہیں تو اس کا مطلب یہ قرار پائے کہ سب کافر ہیں **ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔**

افادہ دوم: (جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت ومانع حجیت بھی ہے یا نہیں تفصیل مقام یہ کہ (مجہول کی اقسام اور ان کے احکام) مجہول کی تین قسمیں ہیں:

1 اول مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

2 دوم مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

وھذا علی نزاع فیہ، فان من العلماء من نفی الجھالۃ بروایۃ واحد معتمد مطلقا اواذاکان لایروی الاعن عدل عندہ، کیحیی بن سعید القطان وعبدالرحمن بن مھدی والامام احمد فی مسندہ، وھناك اقوال اُخر۔	اس قسم میں نزاع ہے بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اس سے روایت کرتا ہے جو اس کے ہاں عادل ہے مثلاً یحیٰی بن سعید بن القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد اپنی مسند میں اور یہاں دیگر اقوال بھی ہیں۔(ت)

3 سوم مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری وباطنی کچھ ثابت نہیں **وقدیطلق علی مایشمل المستور** (کبھی اس کا اطلاق ایسے معنی پر ہوتا ہے جو مستور کو شامل ہوجائے۔ت)

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے، فتح المغیث میں ہے: **قبلہ ابوحنیفۃ خلافاً للشافعی**[1] (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے قبول

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث معرفۃ من تقبل روایتہ ومن ترد دارالامام الطبری بیروت ۲/۵۲

کرتے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ت) امام نووی فرماتے ہیں یہی صحیح ہے۔

قاله فی شرح المهذب، ذکره فی التدریب، وکذلك مال الی اختیاره الامام ابوعمروبن الصلاح فی مقدمته، حیث قال فی المسئلة الثامنة من النوع الثالث والعشرین ویشبه ان یکون العمل علی هذا الرأی فی کثیر من کتب الحدیث المشهورة فی غیر واحد من الرواة الذین تقادم العهد بهم وتعذرت الخبرة الباطنة بهم [1]۔	یہ شرح المہذب میں ہے، تدریب میں بھی اسے ذکر کیا، امام ابوعمروبن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں اسے ہی اختیار فرمایا، انہوں نے تیسویں ۳۰ نوع کے آٹھویں مسئلہ میں کہا ہے اس رائے پر متعدد و مشہور کتب میں عمل ہے جن میں بہت سے ایسے راویوں سے روایات لی گئی ہیں جن کا عہد بہت پُرانا ہے اور ان کی باطن کے معاملات سے آگاہی دشوار ہے۔ (ت)

اور دو۲ قسم باقی کو بعض اکابر حجّت جانتے جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں۔ امام زین الدین عراقی الفیہ میں فرماتے ہیں:

واختلفوا هل یقبل المجهول   وهو علی ثلثة مجعول
مجهول عین من له راو فقط   وردّه الاکثر والقسم الوسط
مجهول حال باطن وظاهر   وحکمه الرد لدی الجماهر
الثالث المجهول للعدالة   فی باطن فقط فقدرأی له
حجیة بعض من منع   ماقبله منهم سلیم عـــه فقطع [2]

(مجہول کے بارے میں علماءِ حدیث کا اختلاف ہے کہ آیا اسے قبول کیا جائیگا یا نہیں؟ اس کی تین ۳اقسام ہیں، مجہول العین جس کو صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، اسے اکثر نے رَد کر دیا ہے۔ اور دوسری قسم وہ مجہول ہے جس کے راوی کی ظاہری اور باطنی عدالت دونوں ثابت نہ ہوں اسے جمہور نے رَد کردیا ہے تیسری قسم وہ مجہول ہے جس میں راوی کی صرف باطنی عدالت ثابت نہ ہو، اسے بعض نے رَد کیا ہے اور بعض نے قبول کیا ہے اور قبول کرنے والوں میں امام سلیم ہیں تو انہوں نے قطعی قبول کیا ہے۔ ت)

عــه: ای للامام سلیم بالتصغیر ابن ایوب الرازی الشافعی فانه قطع بقبوله ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)	اس سے مراد امام سلیم (تصغیر) ابن ایوب رازی شافعی ہیں ان کے نزدیک ایسی روایت کو قطعًا قبول کیا جائیگا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثالث والعشرون مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۵۳

[2] الفیہ فی اصول الحدیث مع فتح المغیث معرفۃ من تقبل روایتہ و من ترد دار الامام الطبری بیروت ۲/ ۴۳

اسی طرح تقریب النواوی وتدریب الراوی وغیرہما میں ہے بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا مقدمہ منہاج میں فرماتے ہیں:

المجهول اقسام مجهول العدالة ظاهرًا وباطنا، ومجهولها باطنامع وجودها ظاهرا وهو المستور، ومجهول العين۔ فاما الاول فالجمهور على انه لا يحتج به، وامّا الاخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين[1]۔	مجہول کی کئی اقسام ہیں، ایک یہ کہ راوی کی عدالت ظاہر و باطن میں غیر ثابت ہو، دُوسری قسم عدالت باطنًا مجہول مگر ظاہرًا معلوم ہو، اور یہ مستور ہے، اور تیسری قسم مجہول العین ہے، پہلی قسم کے بارے میں جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور دوسری دونوں اقسام سے اکثر محققین استدلال کرتے ہیں۔ (ت)

بلکہ امام اجل عارف باللہ سیدی ابوطالب مکّی قدس سرّہ الملکی اسی کو فقہائے کرام واولیائے عظام قدست اسرارہم کا مذہب قرار دیتے ہیں، کتاب مستطاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب کی فصل ۳۱ میں فرماتے ہیں:

بعض مايضعف به رواة الحديث وتعلل به احاديثهم، لايكون تعليلا ولاجرحا عند الفقهاء ولا عند العلماء بالله تعالٰى مثل ان يكون الراوى مجهولا، لايثاره الخمول وقدندب اليه، اولقلة الاتباع له اذلم يقم لهم الاثرة عنه[2]۔	یعنی بعض وہ باتیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف اور ان کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، فقہاء وعلماء کے نزدیک باعثِ ضعف وجرح نہیں ہوتیں، جیسے راوی کا مجہول ہونا اس لئے کہ اس نے گمنامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی یا اُس کے شاگرد کم ہُوئے کہ لوگوں کو اس سے روایت کا اتفاق نہ ہوا۔

بہرحال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل ومجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فورًا ردوابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ، مولانا علی قاری رسالہ فضائل نصف شعبان فرماتے ہیں:

---

[1] مقدمہ للامام النووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

[2] قوت القلوب فصل الحادی والثلاثون باب تفضیل الاخبار مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۱۷۷

جہالۃ بعض الرواۃ لاتقتضی کون الحدیث موضوعًا وکذا نکارۃ الالفاظ، فینبغی ان یحکم علیہ بانہ ضعیف، ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال[1]۔	یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو، ہاں ضعیف کہو، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

مرقاۃ شرح عـــہ۱ مشکوٰۃ میں امام ابن حجر مکّی سے نقل فرمایا: **فیہ راو مجہول، ولا یضر لانہ من احادیث الفضائل**[2] (اس میں ایک راوی مجہول ہے اور کچھ نقصان نہیں کہ یہ حدیث تو فضائل کی ہے) موضوعات کبیر میں استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی سے نقل فرمایا: **انہ** عـــہ۲ **لیس بموضوع وفی سندہ مجہول**[3] (یہ موضوع نہیں اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے) امام بدرالدین زرکشی پھر امام محقق جلال الدین سیوطی آلی مصنوعہ میں فرماتے ہیں:

لوثبتت عـــہ۳ جہالتہ لم یلزم ان یکون الحدیث موضوعا ما لم یکن فی اسنادہ من یتہم بالوضع[4]۔	یعنی روی کی جہالت ثابت بھی ہو تو حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں جب تک اس کی سند میں کوئی راوی وضع حدیث سے متہم نہ ہو۔

عـــہ۱: ذکرہ فی باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن آخر الفصل الثانی ۱۲ منہ (م)	فضیلتِ اذان اور جوابِ اذان کے باب کی فصل ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: یرید حدیث عالم قریش یملؤ الارض علما ۱۲ منہ (م)	حدیث "قریش کا ایک عالم زمین کو علم کی دولت سے بھر دیگا" کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: قالہ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی صلاۃ التسبیح لکن اہملہ ابوالفرج بجہالۃ موسٰی بن عبدالعزیز ۱۲ منہ۔ (م)	صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس کی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن ابوالفرج نے موسٰی بن عبدالعزیز کی جہالت کی بنا پر اس کو چھوڑ دیا ہے۔ (ت)

---

[1] رسالہ فضائل نصف شعبان

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب الاذان فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۷۱

[3] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث ۶۰۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۱۵۷

[4] لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/۴۴

یہی دونوں امام تخریج احادیث رافعی وآلی میں فرماتے ہیں:

لایلزم عـہ۱ من الجھل بحال الراوی ان یکون الحدیث موضوعا[1]۔	راوی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث **من قرض بیت شعر بعد العشاء الاٰخرۃ لم تقبل لہ صلاۃ تلك اللیلۃ**[2] (جس نے آخری عشاء کے بعد کوئی (لغو) شعر کہا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی۔ت) کی یہ علت بیان کی کہ اس میں ایک راوی مجہول اور دوسرا مضطرب کثیر الخطا ہے، اس پر شیخ الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد پھر امام سیوطی نے لآلی و تعقبات میں فرمایا:

لیس فی شیئ مماذکرہ ابوالفرج مایقتضی الوضع[3]۔	یہ علتیں جو ابوالفرج نے ذکر کیں ان میں ایک بھی موضوعیت کی مقتضی نہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تزویج فاطمۃ من علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت فرماتے ہیں:

کونہ کذبا فیہ نظر، وانما ھو غریب فی سندہ مجھول[4]۔	اس کا کذب ہونا مسلم نہیں، ہاں غریب ہے اور راوی مجہول۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں عـہ۲:

عـہ۱: قالاہ فی حدیث وعبدتارك الحج فلیمت ان شاء یھودیا اونصرانیا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	ایسا بندہ جو حج کو ترک کرنے والا ہوا گر وہ چاہے تو یہودی یا نصرانی مرجائے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)
عـہ۲: باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منہ	باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱۱۸/۲

[2] کتاب الموضوعات فی حدیث انشاء الشعر بعد العشاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۶۱/۱

[3] القول المسدد الحدیث الثانی مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۶

[4] الصواعق المحرقہ الباب الحادی عشر مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۴۳

قال السھیلی فی اسنادہ [عـہ۱] مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط، وقال ابن کثیر منکر جدا وسندہ مجھول وھو ایضا صریح فی انہ ضعیف فقط، فالمنکر من قسم الضعیف، ولذا قال السیوطی بعدماورد قول ابن عساکر "منکر" ھذا حجۃ لماقلتہ من انہ ضعیف، لا موضوع، لان المنکر من قسم الضعیف، وبینہ وبین الموضوع فرق معروف فی الفن، فالمنکر ما انفرد بہ الراوی الضعیف مخالفالرواتہ الثقات فان انتفت کان ضعیفا وھی مرتبۃ فوق المنکر اصلح حالامنہ [1] اھ ملخصا	امام سہیلی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ بہت زیادہ منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے اور یہ بھی اس بات کی تصریح ہے کہ یہ فقط ضعیف ہے، کیونکہ منکر ضعف کی اقسام میں سے ہے، اسی لئے امام سیوطی نے ابنِ عساکر کے قول "یہ منکر ہے" وارد کرنے کے بعد فرمایا یہ میرے اس قول "یہ ضعیف ہے" کی دلیل ہے موضوع ہونے کی نہیں کیونکہ منکر ضعیف کی قسم ہے اس کے بعد اور حدیث موضوع کے درمیان فنِ اصول حدیث میں فرق واضح اور مشہور ہے منکر اس روایت کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور روایت کرنے میں منفرد اور ثقہ راویوں کے خلاف ہو یہ کمزوری اگر منتفی ہوجائے تو صرف ضعیف ہوگی اور اس کا مرتبہ منکر سے اعلٰی ہے اور اس سے حال کے لحاظ سے بہتر ہے اھ ملخصا (ت)

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلٰی ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی واللہ تعالٰی اعلم۔

افادہ سوم: (حدیث منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ امام محقق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ضعف بالانقطاع وھو عندنا کالارسال [عـہ۲] بعد	اسے انقطاع کی بناپر ضعیف قرار دیا ہے جو کہ نقصان دہ نہیں

عـہ۱: یعنی حدیث احیاء الابوین الکریمین حتی اٰمنا بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)	یعنی وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور کے والدین کریمین زندہ ہو کر آپ کی ذات پر ایمان لائے یہ اس حدیث کے تحت مذکور ہے ۱۲منہ (ت)
عـہ۲: قولہ کالارسال ای علی تفسیر وھو منہ علی اٰخر وھو علی اطلاق ۱۲ منہ (م)	قولہ کالارسال یعنی ایک تفسیر پر اور وہ یہ ہے کہ سند کے آخر سے راوی ساقط ہو اور وہ ارسال انقطاع علی الاطلاق ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب باب وفات امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/۱۹۶

عدالۃ الرواۃ وثقتھم لایضر ۔[1]	کیونکہ راویوں کے عادل و ثقہ ہونے کے بعد منقطع ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہی ہے۔ (ت)

امام ابن امیر الحاج حلیہ عـــہ۱ میں فرماتے ہیں:

لایضر ذلك فان المنقطع کالمرسل فی قبوله من الثقات ۔[2]	یہ بات نقصان نہیں دیتی کیونکہ منقطع قبولیت میں مرسل کی طرح ہے جبکہ ثقہ سے مروی ہو۔ (ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ عـــہ۲ میں فرماتے ہیں:

قال ابوداود ھذا مرسل ای نوع مرسل وھو المنقطع لکن المرسل حجۃ عندنا وعند الجمھور ۔[3]	ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ مرسل یعنی مرسل کی قسم منقطع ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ (ت)

اور جو اُسے قادح جانتے ہیں وہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت، مرقاۃ شریف میں امام ابن حجر مکی سے منقول:

لایضر عـــہ۳ ذلك فی الاستدلال به ھھنا لان المنقطع	یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل

عـــہ۱: اول صفۃ الصلاۃ فی الکلام علی زیادۃ وجل ثناؤك فی الثناء ۱۲ منه (م)	صفۃ الصلوۃ کی ابتدا میں جہاں ثناء میں "وجل ثناءک" کے الفاظ کے اضافہ میں کلام ہے وہاں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ
عـــہ۲: تحت حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقبل بعض ازواجه ثم یصلی ولایتوضأ ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)	(ت) اس کا ذکر ام المومنین کی اس حدیث کے تحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات سے تقبیل فرماتے تو وضو کے بغیر یونہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)
عـــہ۳: تحت حدیث اذارکع احدکم فقال فی رکوعه سبحان ربی العظیم ثلث مرات فقدتم رکوعه قال الترمذی لیس اسنادہ بمتصل فقال ابن حجر ھو لایضر ذلك ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	اس حدیث کے تحت اس کا ذکر ہے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ رکوع میں تین دفعہ "سبحان ربی العظیم" پڑھے اس طرح اس کا رکوع مکمل ہو جائیگا۔ ترمذی نے کہا اس کی سند متصل نہیں تو حافظ ابن حجر نے کہا یہ نقصان دہ نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۹

[2] حلیۃ المحلی

[3] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب یوجب الوضوء مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۴۳

یعمل بہ فی الفضائل اجماعا[1]۔	میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔

افادہ چہارم: (حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارہ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔ تعقبات عــہ۱ میں ہے:

المضطرب من قسم الضعیف لاالموضوع[2]۔	مضطرب، حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں۔ (ت)

اُسی عــہ۲ میں ہے:

المنکر نوع اٰخر غیر الموضوع وھو من قسم الضعیف[3]۔	منکر، موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔ (ت)

اُسی عــہ۳ میں ہے:

صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع[4]۔	ابنِ عدی نے تصریح کی ہے کہ حدیث منکر، موضوع نہیں ہوتی۔ (ت)

اُسی عــہ۴ میں ہے:

المنکر من قسم الضعیف وھو محتمل فی الفضائل[5]۔	منکر، ضعیف کی قسم ہے اور یہ فضائل میں قابلِ استدلال ہے۔ (ت)

عــہ۱: ذکرہ فی اٰخر باب الجنائز ۱۲ منہ (م)	باب الجنائز کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عــہ۲: اول باب الاطعمۃ ۱۲ منہ (م)	باب الاطعمہ کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عــہ۳: اول باب البعث ۱۲ منہ (م)	باب البعث کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عــہ۴: قالہ فی اواخر الکتاب تحت حدیث فضل قزوین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۳۱۵

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الجنائز مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۶۲

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الاطعمہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۰

[4] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۱

[5] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۶۰

اُسی عـــہ۱ میں ہے:

رأیت الذهبی قال فی تاریخه"هذا حدیث منکر لایعرف الابشر وهو ضعیف انتهی"فعلم انه ضعیف لاموضوع[1]۔	میں نے پڑھا ہے امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہاکہ یہ حدیث منکر ہے، یہ بشر ضعیف کے علاوہ معروف نہیں انتہی، پس معلوم ہواکہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں۔ (ت)

اُسی عـــہ۲ میں ہے:

حدیث ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه"علیکم بلباس الصوف تجدواحلاوة الایمان فی قلوبکم"علیکم الحدیث بطوله، فیه الکدیمی وضاع قلت، قالت البیهقی فی الشعب"هذه الجملة من الحدیث معروفة من غیر هذا الطریق، وزاد الکدیمی فیه زیادة منکرة، ویشبه ان یکون من کلام بعض الرواة فالحق بالحدیث انتهٰی، والجملة معروفة اخرجها الحکم فی المستدرك والحدیث المطول من قسم المدرج لاالموضوع[2]۔	حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ تم صوف کا لباس پہنو اس سے تمہارے دلوں کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوگی (طویل حدیث) اس میں کدیمی راوی حدیث گھڑنے والا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے حدیث کا یہ حصہ اس سند کے علاوہ سے معروف ہے اور کدیمی نے اس میں ایسی زیادتی کی ہے جو منکر ہے اور ممکن ہے کہ یہ کسی راوی کا کلام ہو اور انہوں نے اسے حدیث کا حصہ بنادیا ہو انتہی، اور اس جملہ معروفہ کی امام حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے اور یہ طویل حدیث مدرج ہے موضوع نہیں۔ (ت)

افادہ پنجم: (جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی

عـــہ۱: ذکرہ فی آخر باب التوحید ۱۲ منه (م)	باب التوحید کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے۔
عـــہ۲: اول باب اللباس ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	باب اللباس کے شروع میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴

[2] التعقبات علی الموضوعات باب اللباس مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۳

صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع۔ امام الشان علامہ ابنِ حجر عسقلانی رسالہ **قوۃ الحجّاج فی عموم المغفرۃ للحجّاج** پھر خاتم الحفاظ لآلی میں فرماتے ہیں:

لایستحق الحدیث ان یوصف بالوضع بمجرد ان روایه لم یسم[1]۔	صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع کہنے کی مستحق نہیں ہو جاتی۔ (ت)

(تعددِ طرق سے مبہم کا جبر نقصان ہوتا ہے) ولہذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہو جاتا ہے، تعقبات میں زیر حدیث **اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ** (حسین چہرے والوں سے بھلائی طلب کرو۔ ت) کہ عقیلی نے بطریق یزید بن ھارون قال انبأنا شیخ من قریش عن الزھری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا روایت کی، فرمایا:

اوردہ (یعنی اباالفرج) من حدیث عائشة من طرق، فی الاول رجل لم یسم، وفی الثانی عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک، وفی الثالث الحکم بن عبداللہ الایلی احادیثه موضوعة، قلت عبدالرحمٰن لم یتھم بکذب، ثمّ انه ینفرد به بل تابعه اسمٰعیل بن عیاش وکلاھما یجبران ابھام الذی فی الطریق الاول[2] اھ مختصرا۔	اسے اس (یعنی ابوالفرج) نے حدیثِ عائشہ سے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے، پہلی سند میں مجہول شخص ہے (نامعلوم) اور دوسری میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک راوی ہے، تیسری میں حکم بن عبداللہ الایلی ہے جس کی احادیث موضوع ہیں، میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن متہم بالکذب نہیں، پھر وہ اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ اسمٰعیل بن عیاش نے اس کی متابعت کی ہے اور ان دونوں نے اس ابہام کی کمی کا ازالہ کر دیا جو سند اول میں تھا اھ مختصراً۔ (ت)

(حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہو سکتی ہے) بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوّت دینے کی لیاقت رکھتی ہے استاذ الحفّاظ قوۃ الحجاج پھر خاتم الحفاظ تعقبات عـــہ میں فرماتے ہیں:

رجاله ثقات الا ان فیه مبھما لم یسم	اس کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں ایک راوی مبہم ہے

عـــہ: باب الحج حدیث دعالامته عشیة عرفة بالمغفرۃ ۱۲ منه (م)	یہ باب الحج کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم نے عرفہ کی شام امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی ہے۔ (ت)

---

[1] اللاآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب اللباس مطبعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۲۶۴

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والرقایق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۵

فان کان ثقة فھو علی شرط الصحیح، وان کان ضعیفا فھو عاضد للمسند المذکور ۔[1]	جس کا نام معلوم نہیں ہے پس اگر وہ ثقہ ہے تو یہ صحیح کے شرائط پر ہے اور اگر وہ ثقہ نہیں تو ضعیف ہے مگر سندِ مذکور کو تقویت دینے والی ہے۔ (ت)

افادہ ششم: (ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے) بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علم عدالت ہے اور بداہت عقل شاہد کہ علم عدم، عدم علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم، شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو کما مر اٰنفا عن الامامین الحافظین (جیسا کہ ابھی دو حافظ ائمہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ ت) اور جس پر جرح ثابت، احتمال ساقط۔ ولہٰذا محدثین در بارہ مجہول رَد وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رَد پر متفق ہُوئے۔ امام نووی مقدمہ منہاج میں ابو علی غسانی جیانی سے ناقل:

الناقلون سبع طبقات، ثلٰث مقبولة، وثلٰث متروکة والسابعة مختلف فیھا (الٰی قولہ) السابعة قوم مجھولون انفردوا بروایات، لم یتابعوا علیھا، فقبلھم قوم، ووقفھم اٰخرون ۔[2]	ناقلین کے سات ۷ درجات ہیں، تین ۳ مقبول، تین ۳ متروک، اور ساتواں مختلف فیہ ہے (اس قول تک) ساتواں طبقہ وہ لوگ ہیں جو مجہول ہیں اور روایات کرلینے میں منفرد ہیں، ان کی متابعت کسی نے نہیں کی، بعض نے انہیں قبول کیا ہے اور بعض نے ان کے بارے میں توقف سے کام لیا ہے۔ (ت)

پھر علماء کی تصریح ہے کہ مجرد ضعف رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے، حافظ سیف الدین احمد بن ابی المجد پھر قدوۃ الفن شمس ذہبی اپنی تاریخ پھر خاتم الحفاظ تعقبات عہ ولآلی وتدریب میں فرماتے ہیں:

صنف ابن الجوزی کتاب الموضوعات فاصاب	ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی تو اس میں انہوں

عہ: قالہ تحت حدیث من قرأیة الکرسی دبر کل صلاة مکتوبة لم یمنعہ من دخول الجنة الا ان یموت ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	یہ انہوں نے اس حدیث کے تحت کہا ہے جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کے جنت میں داخل ہونے کو موت کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الحج مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۴

[2] مقدمہ منہاج للنووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

فی ذکر(ہ) احادیث(شنیعة) مخالفة للنقل والعقل، (وما)ومما لم یصب فیه اطلاقه الوضع علی احادیث بکلام بعض الناس فی رواتها، کقوله فلان ضعیف اولیس بالقوی اولین ولیس ذلك الحدیث ممایشهد القلب ببطلانه ولافیه مخالفة ولامعارضة لکتاب ولاسنة ولااجماع ولاحجة بانه موضوع سوی کلام ذلك الرجل فی رواته(راویه) وهذا عدوان ومجازفة[1] (انتهی)	نے ایسی روایات کی نشان دہی کرکے بہت ہی اچھا کیا جو عقل ونقل کے خلاف ہیں، لیکن بعض روایات پر وضع کا اطلاق اس لئے کردیا کہ ان کے بعض راویوں میں کلام تھا، یہ درست نہیں کیا، مثلاً راوی کے بارے میں یہ قول کہ فلاں ضعیف ہے یا وہ قوی نہیں یا وہ کمزور ہے یہ حدیث ایسی نہیں کہ اس کے بطلان پر دل گواہی دے نہ اس میں مخالف ہے نہ یہ کتاب وسنّت اور اجماع کے معارض ہے اور نہ ہی یہ اس بات پر حجت ہے کہ یہ روایت موضوع ہے ماسوائے راویوں میں اس آدمی کے کلام کے اور یہ زیادتی وتخمین ہے۔ (ت)

افادہ ہفتم: (ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں) پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دُوسرا جو بتادے کہ تُونے یہ سُنا تھا وہی مان لے، بر ظاہر کہ یہ شدّتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے، امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسباب طعن کی دس ۱۰ قسمیں فرمائیں:

(۱) **کذب:** کہ معاذاللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرے۔

(۲) **تہمت:** کذب کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعدِ دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھُوٹ کا عادی ہو۔ (۳) **کثرت غلط** (۴) **غفلت** (۵) **فسق** (۶) **وہم**

(۷) **مخالفتِ ثقات** (۸) **جہالت** (۹) **بدعت** (۱۰) **سُوءِ حفظ**

اور تصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے،

---

[1] تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۷۸، التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۸

حیث قال الطعن یکون بعشرۃ اشیاء بعضھا اشد فی القدح من بعض وترتیبھا علی الاشد فالاشد فی موجب الرد [1] اھ ملخصاً۔	الفاظ یہ ہیں کہ اسبابِ طعن دس ۱۰ اشیاء ہیں، بعض بعض سے جرح میں اشد ہیں اور ان میں موجب رد کے اعتبار سے "فالاشد" کی ترتیب ہے اھ ملخصا (ت)

پھر علماء فرماتے ہیں ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں، اواخر تعقبات میں ہے:

فیہ یزید بن ابی زیاد وکان یلقن فیتلقن، قلت ھذا لایقتضی الحکم بوضع حدیثہ [2]۔	اس میں یزید ابن ابوزیاد ہے اسے تلقین کی جاتی تو وہ تلقین کو قبول کرلیتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس کی وضع حدیث کا تقاضا نہیں کرتا۔ (ت)

افادہ ہشتم: (منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں) یوں ہی منکر الحدیث، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرماچکے کہ میں جسے منکر الحدیث عہ۱ کہوں اُس سے روایت حلال نہیں، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

نقل ابن عہ۲ القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ [3]۔	ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہر وہ شخص جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (ت)

عہ۱: کانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان یتورع عن اطلاق الفاظ شدیدۃ مخافۃ ان یکون بعضہ من باب شتم الاعراض وقدوجب الذب عن الاحادیث فاصطلح علی ھذا جمعا بین الامرین ۱۲ منہ (م)	گویا امام بخاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے تاکہ کسی کی عزت دری لازم نہ آئے حالانکہ احادیث کی حفاظت ودفاع لازم ہے لہٰذا دونوں امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ اصطلاح استعمال کی ہے ۱۲ منہ (ت)
عہ۲: ذکرہ فی ابان بن جبلۃ الکوفی ۱۲ منہ (م)	ابان بن جبلہ الکوفی کے ترجمہ کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح نخبۃ الفکر بحث المرسل الخفی مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۴

[2] تعقبات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۸

[3] میزان الاعتدال فی ترجمہ ابان بن جبلۃ الکوفی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۶

اُسی عہ۱ میں ہے:

قدمر لنا ان البخاری قال من قلت فیه منکر الحدیث فلایحل روایة حدیثه[1] ۔	پیچھے امام بخاری کا یہ قول گزرچکا ہے کہ جس کے بارے میں مَیں منکر الحدیث کہہ دوں اس کی حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔ (ت)

بااینہمہ علمانے فرمایاایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں، تعقبات عہ۲ میں ہے:

قال البخاری منکر الحدیث. ففایة امر حدیثه انیکون ضعیفا[2] ۔	بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔ (ت)

افادہ نہم: (متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف عہ۳ مہتم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے، میزان میں ہے:

عہ۱: قاله فی سلیمن بن داود الیمانی ۱۲ منه (م) عہ۲: باب فضائل القرآن ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه۔ عہ۳: بلکہ مولانا علی قاری نے حاشیہ نزہۃ النظر میں متروک ومہتم بالوضع کاایک مرتبہ میں ہونا نقل کیا: حیث قال فالمرتبة الثالثة فلان متھم بالکذب اوالوضع اوساقط اوھالك اوذاھب الحدیث وفلان متروك اومتروك الحدیث[3] اوترکوه ملخصًا **اقول:** وکان ھذا القائل ایضا لایقول باستواء جمیع ماذکر فی المرتبة بل فیھا ایضا تشکیك عنده وکانه الی ذلك اشار باعادة فلان قبل قوله متروك الا ان فیه ان ساقطا ومابعده لایفوق متروکا ومابعده فافھم ۱۲ منه (م)	سلیمان بن داؤد یمانی کے ترجمہ میں یہ تحریر کیا ہے ۱۲منہ (ت) باب فضائل القران میں یہ مذکور ہے۔ ۱۲منہ (ت) ان کے الفاظ یہ ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے فلان مہتم بالکذب یا بالوضع یاساقط یا ہالک یا ذاہب الحدیث اور فلان متروک یا متروک الحدیث یالوگوں نے اسے ترک کردیا ہے **اقول:** گویا اس قائل نے بھی تمام مذکور کوایک مرتبہ میں برابر قرار نہیں دیا بلکہ اس میں بھی اس کے نزدیک تشکیک ہے۔ گویاانہوں نے اپنے قول "متروک" سے پہلے "فلان" کااعادہ کرکے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے مگراس میں کلام ہے کہ ساقط اوراس کامابعد، متروک اس کے مابعد سے فوق وبلند مرتبہ نہیں ہوسکتے ۱۲منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال فی ترجمہ سلیمان بن داود الیمانی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۹

[3] حاشیۃ نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر مراتب الجرح مطبع علیمی ص ۱۱۱

اردی عبارات الجرح، دجال، کذاب، اووضاع یضع الحدیث ثم متهم بالکذب ومتفق علی ترکه، ثم متروك[1] الخ	جرح کے سب سے گھٹیا الفاظ یہ ہیں، دجال، کذاب، وضاع جو حدیثیں گھڑتا ہے اس کے بعد متہم بالکذب و متفق علٰی ترکہ ہے پھر متروک کا لفظ ہے الخ (ت)

امام الشان تقریب التہذیب میں ذکر مراتب دو روایتیں فرماتے ہیں:

العشرة، من لم یوثق البتة وضعف مع ذلك بقادح والیه الاشارة بمتروك اومتروك الحدیث اوواهی الحدیث اوساقط، الحادیة عشر، من اتهم بالکذب "الثانیة عشر" من اطلق علیه اسم الکذب والوضع[2]۔	دسواں مرتبہ یہ ہے کہ اس راوی کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اور اسے جرح کے ساتھ ضعیف کہا گیا ہو، اس کی طرف اشارہ متروک یا متروک الحدیث یا واہی الحدیث اور ساقط کے ساتھ کیا جاتا ہے "گیارھواں درجہ یہ ہے" جو متہم بالکذب ہو، اور بارھواں درجہ یہ ہے کہ جس پر کذب و وضع کے اسم کا اطلاق ہو۔ (ت)

اس پر بھی علماء نے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں، امام حجر اطراف العشرۃ پھر خاتم الحفاظ لآلی عــہ۱ میں فرماتے ہیں:

زعم ابن حبان وتبعه ابن الجوزی ان هذا المتن موضوع، ولیس کماقال، فان الراوی وان کان متروکا عندالاکثر ضعیفا عندالبعض، فلم ینسب للوضع[3] اھ مختصرا۔	ابن حبان نے یہ زعم کیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع میں کہا کہ یہ متن موضوع ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اگرچہ راوی اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن یہ وضع کی طرف منسوب نہیں ہے اھ مختصر (ت)

عــہ: فی التوحید تحت حدیث ابن عدی ان الله عزوجل قرأ طٰه ویٰسین قبل ان یخلق آدم الحدیث ۱۲ منه (م)	اس کا ذکر کتاب التوحید میں ابن عدی کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ اللہ عزوجل نے طٰہٰ اور یٰس تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے پڑھا الحدیث ۱۲ منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴

[2] تقریب التہذیب مقدمۃ الکتاب مطبع فاروقی دہلی ص ۳

[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۱۰

امام بدر زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح، پھر خاتم الحفاظ لاآلی عہ۱ میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، وسلیمن بن ارقم وان کان متروکا فلم یتھم بکذب ولا وضع[1] اھ ملخصا۔	محدثین کے قول "لم یصح" اور "موضوع" کے درمیان بڑا فرق ہے سلیمان بن ارقم اگرچہ متروک ہے لیکن وہ متہم بالکذب اور متہم بالوضع نہیں اھ ملخصا (ت)

ابوالفرج نے ایک حدیث میں طعن کیا کہ "الفضل متروک" (فضل متروک ہے۔ ت) لاآلی عہ۲ میں فرمایا:

فی الحکم بوضعہ نظر، فان الفضل لم یتھم بکذب[2]۔	اس کو موضوع قرار دینا محلِ نظر ہے، کیونکہ فضل متہم بالکذب نہیں۔ (ت)

تعقبات عہ۳ میں ہے:

اصبغ شیعی متروک عندالنسائی فحاصل عہ کلامہ "انہ ضعیف لاموضوع" وبذلک صرح البیہقی[3]۔	اصبغ شیعہ ہے، امام نسائی کے ہاں متروک ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے موضوع نہیں، اور اسی بات کی تصریح بیہقی نے کی ہے۔ (ت)

عہ۱: فیہ تحت حدیثہ ایضا والذی نفسی بیدہ ماانزل اللہ من وحی قط علی نبی بینہ وبینہ الا بالعربیۃ الحدیث ۱۲ منہ (م)	اس میں اسی حدیث کے تحت یہ بھی ہے کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالٰی نے کسی نبی پر وحی نہیں فرمائی مگر اس کے اور اس کے نبی کے درمیان عربیت تھی الحدیث (ت)
عہ۲: فیہ ایضا تحت حدیث ابن شاھین لماکلم اللہ تعالٰی موسٰی یوم الطور کلمہ بغیر الکلام الذی کلمہ یوم ناداہ الحدیث ۱۲ منہ (م)	اس میں حدیث ابن شاہین کے تحت یہ بھی ہی کہ جب اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے طور کے دن گفتگو فرمائی تو یہ کلام اس کلام کی طرح نہ تھا جو انکے ساتھ ندا کے وقت کیا تھا، الحدیث ۱۲ منہ (ت)
عہ۳: ذکرہ فی اول باب صلاۃ۔	باب الصلوۃ کے شروع میں اسے ذکر کیا ہے (ت)
عہ۴: الکنایۃ للذھبی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اس سے امام ذہبی کی طرف کنایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۱

[2] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۲

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۱

حدیث چِلّہ صوفیہ کرام قدست اسرارہم کہ:

من اخلص لله تعالٰی اربعین یوما ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علٰی لسانه [1]۔	جس شخص نے چالیس ۴۰ دن اللہ تعالٰی کیلئے اخلاص کیا اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہوجائیں گے۔ (ت)

ابنِ جوزی نے بطریق عدیدہ روایت کرکے اس کے رواۃ میں کسی کے مجہول، کسی کے کثیر الخطا، کسی کے مجروح، کسی کے متروک ہونے سے طعن کیا، تعقبات میں سب کا جواب یہی فرمایا کہ "**مافیهم متهم بکذب** [2]" یہ سب کچھ سہی پھر اُن میں کوئی مہتم بکذب تو نہیں کہ حدیث کو موضوع کہہ سکیں۔ یوں ہی ایک حدیث عــہ کی علت بیان کی: **بشر بن نمیر عن القاسم متروکان** [3] (بشر بن نمیر نے قاسم سے روایت کی اور یہ دونوں متروک ہیں۔ ت) تعقبات میں فرمایا: **بشر لم یتهم بکذب** [4] (بشر مہتم بالکذب نہیں۔ ت) حدیث ابی ہریرہ "**اتخذ الله ابراهیم خلیلا**" **الحدیث** (اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنایا، پوری حدیث۔ ت) میں کہا **تفرد به مسلمة بن علی الخشنی وهو متروك** [5] (اس میں مسلمہ بن علی الخشنی منفرد ہے اور وہ متروک ہے۔ ت) تعقبات میں فرمایا: **مسلمة وان ضعف فلم یجرح بکذب** [6] (مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس پر جرح بالکذب نہیں۔ ت) حدیثِ ابی ہریرہ "**ثلثة لایعادون**" (تین چیزیں نہیں لوٹائی جائیں گی۔ ت) پر بھی مسلمہ مذکور سے طعن کیا، تعقبات میں فرمایا: **لم یتهم بکذب، والحدیث ضعیف لاموضوع** [7] (یہ مہتم بالکذب نہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔ ت) **سبحان الله**! جب انتہادرجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل و عقل سے انقطاع کی حالت ہے **ولکن الوهابیة قوم یجهلون**۔

عــہ: **یعنی حدیث ابی امامة من قال حین یمسی صلی الله تعالٰی علی نوح وعلیه السلام لم تلدغه عقرب تلك اللیلة ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه** (م	اس سے مراد حدیث ابی امامہ ہے جس میں ہے کہ جس شخص نے شام کے وقت یہ کہا: "صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام" تو اسے اس رات بچھّو نہیں ڈسے گا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۷

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۷

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۶

[4] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۶

[5] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۳

[6] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۳

[7] التعقبات علی الموضوعات باب الجنائز مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۱۷

تذییل: یہ ارشادات تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے تھے، ایک قول وہابیہ کے امام شوکانی کا بھی لیجئے، موضوعات ابوالفرج میں یہ حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس ۴۰ برس کی ہوتی ہے اللہ تعالٰی جنون وجذام وبرص کو اس سے پھیر دیتا ہے اور پچاس ۵۰ سال والے پر حساب میں نرمی اور ساٹھ ۶۰ برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ہفتاد ۷۰ سالہ کو اللہ عزوجل اور اُس کے فرشتے دوست رکھتے ہیں، اسی ۸۰ برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف، نوّے ۹۰ برس والے کے سب اگلے پچھلے گناہ مغفور ہوتے ہیں، وہ زمین میں اللہ عزوجل کا قیدی کہلاتا ہے اور اپنے گھر والوں کا شفیع کیا جاتا ہے، بطریق عدیدہ روایت کرکے اُس کے راویوں پر طعن کئے کہ یوسف بن ابی ذرہ راوی مناکیر لیس بشیئ ہے اور فرج ضعیف منکر الحدیث کہ واہی حدیثوں کو صحیح سندوں سے ملادیتا ہے اور محمد بن عامر حدیثوں کو پلٹ دیتا ہے ثقات سے وہ روایتیں کرتا ہے جو اُن کی حدیث سے نہیں اور عرزمی متروک اور عباد بن عباس مستحق ترک اور عزرہ کو یحیٰی بن معین نے ضعیف بتایا اور ابوالحسن کوفی مجہول اور عائز ضعیف ہے۔ شوکانی نے ان سب مطاعن کو نقل کرکے کہا:

ھذا غایۃ ماابدی ابن الجوزی دلیلا علی ماحکم بہ من الوضع، وقد افرط وجازف فلیس مثل ھذہ المقالات توجب الحکم بالوضع بل اقل احوال الحدیث ان یکون حسنا لغیرہ[1]۔ انتھی واللہ الھادی الٰی سبیل الھدٰی۔	یعنی ابن جوزی نے جو اس حدیث پر حکمِ وضع کیا اُس کی دلیل میں انتہا درجہ یہ طعن پیدا کیے اور بے شک وہ حد سے بڑھے اور بیباکی کو کام میں لائے کہ ایسے طعن حکمِ وضع کے موجب نہیں، بلکہ کم درجہ حال اس حدیث کا یہ ہے کہ حسن لغیرہٖ ہو۔

افادہ دہم: (موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے) غرض ایسے وجوہ سے حکم وضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآن عظیم (۲) سنتِ متواترہ (۳) یا اجماعی قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔ (۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذاللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہونا۔ (۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے

---

[1] زہر النسرین فی حدیث المعمرین للشوکانی

کذب وبطلان پر گواہی عــہ مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہوجاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس۱۰ صورتیں تو صریح ظہور ووضوح وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علٰی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: **لحمك لحمی ودمك دمی** (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خون میرا خون۔ت)

اقول: انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں "**کمانص علیه الحافظ ابو یعلی والحافظ الخلیلی فی الارشاد**" (جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلی اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔ت) یونہی نواصب نے مناقب امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیثیں گھڑیں **کما ارشد الیه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه الله تعالٰی** (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔ت)

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کردی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلّمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کردے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ

عــہ: زدته لان التواتر لایعتبر الا فی الحسیات کمانصوا علیه فی الاصلین ۱۲ منه (م)

میں نے اس کا اضافہ کیا کیونکہ تواتر کا اعتبار حسیات کے علاوہ میں نہیں ہوتا جیسے کہ انہوں نے اصول میں اس کی تصریح کی ہے ۱۲ منہ (ت)

بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ ۱۵ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع و تلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوانہ ملیں **ولو بسطنا المقال علٰی کل صورۃ لطال الکلام وتقاصی المرام، ولسنا ھنالك بصدد ذلک** (اگر ہم ہر ایک صورت پر تفصیلی گفتگو کریں تو کلام طویل اور مقصد دُور ہوجائے گا لہٰذا ہم یہاں اس کے درپے نہیں ہوتے۔ (ت)

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں۔ت) رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محقق یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں:

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولوکان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحرتام الاستقراء غیر مستلزم لذلك بل لابد معه من انضمام شیئ مماسیاتی۔[1]	یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علمِ حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل و محیط ہو، تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور باایں ہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔ (ت)

مولانا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں حدیث ابن ماجہ دربارہ اتخاذ وجاج کی نسبت نقل کیا کہ اُس کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے، ابن حبان نے کہا: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ پھر فرمایا: **والظاھر ان الحدیث ضعیف لاموضوع**[2] (ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں) حدیث فضیلت عسقلان کا راوی ابوعقال ہلال بن زید ہے، ابنِ حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات روایت کرتا و لہٰذا ابن الجوزی نے اُس پر حکم وضع کیا۔ امام الشان حافظ ابن حجر نے قولِ مسدد پھر خاتم الحفاظ نے لآلی میں فرمایا:

ھذا الحدیث فی فضائل الاعمال والتحریض علی الرباط، ولیس فیه مایحیله الشرع ولاالعقل، فالحکم علیه بالبطلان بمجرد کونه من روایة ابی عقال لایتجه، وطریقة الامام احمد معروفة فی التسامح	یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے، اس میں سرحد دارالحرب پر گھوڑے باندھنے کی ترغیب ہے اور ایسا کوئی امر نہیں جسے شرع یا عقل محال مانے تو صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی ابوعقال ہے باطل کہہ دینا نہیں بنتا، امام احمد کی روش معلوم ہے کہ احادیث فضائل

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الموضوع دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۲۹۷

[2] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعہ حدیث ۱۲۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۳۸

فی احادیث الفضائل دون احادیث الاحکام [1]۔	میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں۔ (ت)

یعنی تو اسے درج مسند فرمانا کچھ معیوب نہ ہوا۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ووضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے، نخبہ ونزھہ میں فرماتے ہیں:

الطعن اما ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم متعمد الذلك اوتهمته بذلك، الاول هوالموضوع، والحکم علیه بالوضع انما هو بطریق الظن الغالب لابالقطع، اذقد یصدق الکذوب، والثانی هو المتروك [2] اھ ملتقطا	طعن یا تو کذب راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو، پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں اھ ملتقطاً۔ (ت)

یہی امام کتاب الاصابہ عـــہ فی تمیز الصحابہ میں حدیث **ان الشیطان یحب الحمرۃ فایاکم والحمرۃ وکل ثوب فیه شھرۃ** (شیطان سُرخ رنگ پسند کرتا ہے تم سُرخ رنگت سے بچو اور ہر اس کپڑے سے جس میں شہرت ہو۔ ت) کی نسبت فرماتے ہیں:

قال الجوزقانی فی کتاب الاباطیل هذا حدیث باطل واسنادہ منقطع کذاقال وقوله باطل مردود فان ابابکر الھذلی لم یوصف بالوضع وقد وافقه سعید بن بشیر، وان زادفی	جوزقانی نے کتاب الاباطیل میں کہا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اسی طرح انہوں نے کہا اور ان کا باطل کہنا مردود ہے کیونکہ ابوبکر ہذلی وضاع نہیں اور اس کی سعید بن بشیر نے موافقت

عـــہ: ذکرہ فی ترجمة رافع بن یزید الثقفی ۱۲ منه (م)	رافع بن یزید ثقفی کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القول المسدد الحدیث الثامن مطبوعہ مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۲

[2] شرح نخبۃ الفکر معہ نزھۃ النظر بحث الطعن مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۵۴ تا ۵۹

السند رجلا، فغایته ان المتن ضعیف اما حکمه بالوضع فمردود[1]۔	کی، اگرچہ سند میں انہوں نے ایک آدمی کا اضافہ کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ متن ضعیف ہے لیکن اس پر وضع کا حکم جاری کرنا مردود ہے۔ (ت)

[۳] علی قاری حاشیہ نزھہ میں فرماتے ہیں:

الموضوع ھو الحدیث الذی فیه الطعن بکذب الراوی[2]۔	موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر کذب کا طعن ہو۔ (ت)

علامہ [۴] عبدالباقی زرقانی شرح مواہب عــہ۱ لدنیہ میں فرماتے ہیں:

احادیث الدیك حکم ابن الجوزی بوضعها ورد علیه الحافظ بما حاصله انه لم یتبین له الحکم بوضعها اذلیس فیها وضاع ولا کذاب نعم ھو ضعیف من جمیع طرقه[3]۔	روایات دیک (مرغ) کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے اور حافظ نے ان کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مرفوع قرار دینا بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں نہ کوئی وضاع ہے اور نہ کذاب، ہاں وہ جمع طرق کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ (ت)

[۵] اُسی میں حدیث عــہ۲ کان لایعود الابعد ثلث[4] (سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین دن کے بعد عیادتِ مریض فرماتے تھے۔ ت) پر اس طعن کے جواب میں کہ اس میں مسلمہ بن علی متروک واقع ہے، فرمایا:

اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات وتعقبوا "بانه ضعیف فقط، لاموضوع، فان مسلمة لم یجرح بکذب کما قاله الحافظ ولاالتفات لمن غر	ابنِ جوزی نے اسے موضوعات میں شامل کیا ہے محدثین نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف ضعیف ہے موضوع نہیں کیونکہ مسلمہ پر جرح بالکذب نہیں جیسا کہ حافظ نے کہا

عــہ۱: المقصد الثانی آخر الفصل التاسع ۱۲ منه (م)	دوسرے مقصد کی ساتویں فصل کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)
عــہ۲: المقصد الثامن من الفصل الاول فی طبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه رضی الله تعالٰی	آٹھویں مقصد کی پہلی فصل سے طب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ القسم الاول "حرف الراء" مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۵۰۰

[2] حاشیہ نزھۃ النظر مع نخبۃ الفکر بحث الموضوع مطبع علیمی لاہور ص ۵۶

[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثانی آخر الفصل التاسع مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۳/۴۵۰

[4] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۸

بزخرف القول فقال ھو موضوع کماقال الذھبی وغیرہ[1]۔	اور نہ توجہ کی جائے اس شخص کی طرف جس نے ملمع کاری سے دھوکا کھایا اور کہا کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے کہا۔ (ت)

اُسی میں بعد کلام مذکور ہے:

المدار علی الاسناد فان تفردبه کذاب اووضاع فحدیثه موضوع وان کان ضعیفا فالحدیث ضعیف فقط[2]۔	مدار سندِ حدیث پر ہے اگر اسے روایت کرنے والا کذاب یا وضاع متفرد ہے تو وہ روایت موضوع ہوگی اور اگر ضعیف ہے تو روایت صرف ضعیف ہوگی۔ (ت)

۶ انہیں ابن علی خشنی نے حدیث **لیس عیادۃ الرمد والدمل والضرس** (تین اشخاص کی عیادت لازم نہیں جس کی آنکھ میں تکلیف ہو جس کو پھوڑا نکل آئے اور داڑھ درد والے کی۔ ت) کو مرفوعًا روایت کیا اور ہقل نے یحیٰی بن ابی کثیر پر موقوف رکھا، تو شدّت طعن کے ساتھ مخالفت اوثق نے حدیث کو منکر بھی کردیا ولہٰذا بیہقی نے موقوف کو "**ھو الصحیح**" (وہ صحیح ہے۔ ت) بتایا، امام حافظ نے فرمایا:

تصحیحه وقفه لایوجب الحکم بوضعه اذمسلمة وان کان ضعیفا لم یجرح بکذب، فجزم ابن الجوزی بوضعه وھم اھ[3] نقله الزرقانی قبیل مامر۔	اس کی تصحیح کا موقوف ہونا ہے جو کہ اس کے موضوع ہونے کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کا طعن نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن جوزی کا ان کو موضوع قرار دینا وہم ہے اھ اسے امام زرقانی نے پہلی حدیث سے کچھ پہلے نقل کیا ہے۔ (ت)

۷ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد کہ اپنا منہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، اُن کی طرف منہ کر اور اُن سے شفاعت مانگ کر اللہ تعالٰی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جسے اکابر ائمہ نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا، ابن تیمیہ متہور نے جزافًا بک دیا کہ **ان ھذہ الحکایة کذب علی مالک**"۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۹

[2] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۹

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۸

(اس واقعہ کا امام مالک سے نقل کرنا جھوٹ ہے۔ ت) علامہ عــہ۱ زرقانی نے اُس کے رَد میں فرمایا:

هذا تهوّر عجیب، فان الحکایة رواها ابوالحسن علی بن فهر فی کتابه فضائل مالك باسناد لاباس به، واخرجها القاضی عیاض فی الشفاء من طریقه عن شیوخ عدة من ثقات مشایخه فمن این انها کذب ولیس فی اسنادها وضاع ولا کذاب۔[1]	یہ بہت بڑی زیادتی ہے کیونکہ اس واقعہ کو شیخ ابوالحسن بن فہر نے اپنی کتاب "فضائلِ مالک" میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں کمزوری نہیں اور اسے قاضی عیاض نے شفاء میں متعدد ثقہ مشائخ کے حوالے سے اسی سند سے بیان کیا ہے لہٰذا اسے جھُوٹا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اسکی سند میں نہ کوئی رواوی وضاع ہے اور نہ ہی کذّاب۔ (ت)

افادہ نہم میں ۸امام الشان وامام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ راوی متروک سہی کسی نے اُسے وضاع تو نہ کہا، امام ۹آخر کا قول گزرا کہ مسلمہ ضعیف سہی اس پر طعنِ کذب تو نہیں، نیز تعقبات عــہ۲ میں فرمایا:

لم یجرح بکذب فلایلزم ان یکون حدیثه موضوعا۔[2]	اس پر کذب کا طعن نہیں لہٰذا اس کی روایت کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ (ت)

(۳) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔ ۱افادہ دوم میں امام زرکشی وامام سیوطی کا ارشاد گزرا کہ حدیث موضوع نہیں ہوتی جب تک راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ ۲افادہ پنجم میں گزرا کہ ابوالفرج نے کہا ملیکی متروک ہے، تعقبات میں فرمایا متہم بکذب تو نہیں۔ ۳افادہ نہم میں انہی دونوں ائمہ کا قول گزرا کہ راوی متروک سہی متہم بالکذب تو نہیں۔ وہیں امام خاتم الحفاظ کے چار ۴ قول گزرے کہ راویوں کے ۴مجہول، ۵مجروح، ۶کثیر الخطا، ۷متروک ہونے سب کے یہی جواب دیے۔ نیز تعقبات عــہ۳ میں ہے:

عــہ۱ المقصد العاشر الفصل الثانی فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منہ	دسویں مقصد کی فصل ثانی فی زیادۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)
عــہ۲ باب فضائل القراٰن منہ	باب فضائل القرآن میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)
عــہ۳ آخر البعث منہ	باب البعث کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الثانی المقصد العاشر مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۳۴۸/۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۸

حدیث فیه حسن بن فرقد لیس بشیئ، قلت، لم یتهم بکذب، واکثر مافیه ان الحدیث ضعیف[1]۔	اس حدیث کی سند میں حسن بن فرقد کوئی شیئ نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ متہم بالکذب نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (ت)

اُسی میں عـــہ۱ ہے:

حدیث فیه عطیة العوفی وبشربن عمارة ضعیفان "قلت" فی الحکم بوضعه نظرفلم یتهم واحد منهما بکذب[2]۔	اس حدیث کی سند میں عطیہ اور بشر دونوں ضعیف ہیں، میرے نزدیک اس حدیث پر وضع کا حکم نافذ کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کسی پر بھی کذب کی تہمت نہیں۔ (ت)

۱۰اسی میں عـــہ۲ ہے:

حدیث اطلبواالعلم ولوبالصّین، فیه ابوعاتکة منکر الحدیث "قلت" لم یجرح بکذب ولاتهمة[3]۔	حدیث "علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے" اس کی سند میں ابوعاتکہ منکر الحدیث ہے میں کہتا ہوں اس پر کذب اور تہمت کا طعن نہیں ہے۔ (ت)

۱۱اُسی میں عـــہ۳ ہے:

حدیث فیه عمار لایحتج به قال الحافظ ابن حجر، تابعه اغلب واغلب شبیه بعمارة فی الضعف، لکن لم ارمن اتهمه بالکذب[4]۔	اس حدیث کی سند میں عمارہ ہے، لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں، حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ اس کی اغلب نے متابعت کی ہے اور اغلب ضعف میں عمارہ کے مثل ہے، لیکن میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اس پر کذب کی تہمت لگائی ہو۔ (ت)

۱۲علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں حدیث عالم قریش یملؤ الارض علمًا (عالم قریشی زمین کو علم سے بھردے گا۔ت) کی نسبت فرمایا: یتصور وضعه ولاکذاب فیه ولامتهم[5] اس کا موضوع ہونا

عـــہ۱ آخر التوحید ۱۲ منه۔ عـــہ۲ اول العلم ۱۲ منه۔ عـــہ۳ اول باب البعث	باب التوحید کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت) باب العلم کی ابتداء میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۵۳

[2] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۴

[3] التعقبات علی الموضوعات باب العلم مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۴

[4] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۵۱

[5] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثامن فی انبائہ بالاشیاء المغیبات مطبوعۃ المطبعۃ العامرہ مصر ۷/۲۵۹

کیونکر متصور ہو حالانکہ نہ اُس میں کوئی کذاب نہ کوئی متہم۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مشدد مفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط واللہ الھادی وعلیہ اعتمادی۔

افادہ یازدہم: (بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ ۱۵ دلائل سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصِل ائمہِ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کو حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

ابراھیم بن موسٰی المروزی عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھماحدیث "طلب العلم فریضة" قال احمد بن حنبل "ھذا کذب" یعنی بھذا الاسناد والا فالمتن له طرق ضعیفة[1]۔	ابراہیم بن موسٰی المروزی مالک سے نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو حدیث طلب العلم فریضة کو کذب فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے، ورنہ اصل حدیث تو کئی سندوں ضعاف سے وارد ہے۔ (ت)

امام شمس الدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری استاد امام الشان امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی نے حصن حصین شریف میں جس کی نسبت فرمایا: فلیعلم انی ارجو ان یکون جمیع مافیه صحیحا[2] (معلوم رہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں سب صحیح ہیں) حدیث حاکم وابن مردویہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا ذکر کی، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم بن موسٰی المروزی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۶۹/۱

[2] حصن حصین مقدمہ کتاب نولکشور لکھنؤ ص ۵

اُس کی شرح حرز ثمین میں لکھتے ہیں:

صرح ابن الجوزی بان ھذا الحدیث موضوع "قلت"یمکن ان یکون بالنسبة الٰی اسنادہ المذکور عندہ موضوعًا[1]۔	ابنِ جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے "میں کہتا ہوں" ممکن ہے اس مذکورہ سند کے اعتبار سے ان کے نزدیک موضوع ہو۔ (ت)

اسی طرح حرز وصین میں ہے، نیز موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں:

مااختلفوا فی انہ موضوع ترکت ذکرہ للحذر من الخطر لاحتمال ان یکون موضوعا من طریق وصحیحا من وجہ اٰخر[2] الخ	جس کے موضوع ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے تو میں نے اس حدیث کا ذکر اس خطرہ کے پیشِ نظر ترک کیا کہ ممکن ہے یہ ایک سند کے اعتبار سے موضوع ہو اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہو الخ (ت)

علّامہ زرقانی حدیث احیائے ابوین کریمین کی نسبت فرماتے ہیں:

قال السھیلی ان فی اسنادہ مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط، وبہ صرح فی موضع اٰخر من الروض وایدہ بحدیث ولاینافی ھذا توجیہ صحتہ لان مرادہ من غیر ھذا الطریق، ان وجد، اوفی نفس الامر لان الحکم بالضعف وغیرہ انما ھو فی الظاھر[3]۔	سہیلی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں راوی مجہول ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں اور اسی بات کی تصریح الروض میں دوسرے مقام پر کی ہے اور اس کو حدیث کے ساتھ تقویت دی اور یہ صحتِ حدیث کی توجیہ کے منافی نہیں کیونکہ اس کی مراد اس سند کے علاوہ ہے اگر وہ موجود ہو ورنہ نفس الامر کے اعتبار سے کیونکہ ضعف وغیرہ کا حکم ظاہر میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور سُنئے حدیث "صلاۃ بسواك خیر من سبعین صلاۃ بغیر سواك[4]" (مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستّر۷۰ نمازوں سے بہتر ہے) ابو نعیم نے کتاب السواک میں دو۲ جید و صحیح سندوں سے روایت کی، امام ضیاء نے اسے صحیح مختارہ اور حاکم نے صحیح مستدرک میں داخل کیا اور کہا شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔ امام احمد وابن خزیمہ وحارث بن ابی اسامہ وابویعلی وابن عدی وبزار وحاکم وبیہقی وابونعیم وغیرہم اجلّہ محدثین نے بطریق عدیدہ واسانید متنوعہ

---

[1] حرز ثمین مع حصن حصین تعزیۃ اہل رسول اللہ عند وفاۃ نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۰

[2] الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ الدافع للمؤلف لتالیف ہذا المختصر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۴۵۔۴۶

[3] شرح زرقانی علی المواہب باب وفاۃ امّہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱۹۶/۱

[4] مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۷۲/۶

احادیث اُمّ المومنین صدیقہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمرو جابر بن عبداللہ وانس بن مالک وام الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تخریج کی، جس کے بعد حدیث پر حکمِ بطلان قطعًا محال، بااینہمہ ابو عمر ابن عبدالبر نے تمہید میں امام ابن معین سے اُس کا بطلان نقل کیا، علّامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر کرکے فرماتے ہیں:

قول ابن عبدالبر فی التمھید عن ابن معین، انہ حدیث باطل، ھو بالنسبۃ لماوقع لہ من طرقہ[1]۔	یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا (کہ یہ حدیث باطل ہے اُس سند کی نسبت ہے جو انہیں پہنچی۔)

ورنہ حدیث تو باطل کیا معنے ضعیف بھی نہیں، اقل درجہ حسن ثابت ہے۔

اور سُنیے حدیث حسن صحیح مروی سنن ابی داؤد ونسائی وصحیح مختارہ وغیرہا صحاح وسنن:

ان رجلا اتی النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ان امرأتی لاتدفع عـہ یدلامس قال طلقھا قال انّی احبھا قال استمتع[2] بھا۔	ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری بیوی کسی بھی چھُونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی۔ فرمایا: اُسے طلاق دے دے۔ عرض کیا: میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: اس سے نفع حاصل کر۔ (ت)

کہ باسانید ثقات وموثقین احادیث جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آئی، امام ذہبی نے مختصر سُنن میں کہا: "اسنادہ صالح" (اس کی سند صالح ہے۔ت) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر سنن میں فرمایا: "رجال اسنادہ محتج بھم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد[3] (اس روایت کے تمام راوی

عـہ ای کل من سألھا شیئا من طعام اومال اعطتہ ولم ترد ھذا ھوالراجح عندنا فی معنی الحدیث۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (م)	یعنی جو شخص بھی اس سے طعام یا مال مانگتا ہے وہ اسے دے دیتی ہے رَد نہیں کرتی، حدیث کے معنی میں ہمارے نزدیک یہی راجح ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] المقاصد الحسنۃ للسخاوی حدیث ۶۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۲۶۳

[2] سنن النسائی باب ماجاء فی الخلع مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۹۸/۲

[3] مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء الخ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۶/۳

ایسے ہیں جن سے بخاری ومسلم میں اتفاقاً اور انفراداً استدلال کیا ہے۔(ت) امام ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا: **حسن صحیح** (حسن صحیح ہے۔ت) اس حدیث کو جو حافظ ابوالفرج نے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کے ارشاد "**ولیس لہ اصل ولایثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**" (اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ت) کی تبعیت سے **لا اصل لہ** (اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) کہا امام الشان حدیث کا صحیح ہونا ثابت کرکے فرماتے ہیں:

لایلتفت الٰی ماوقع من ابی الفرج ابن الجوزی، حیث ذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات، ولم یذکر من طرقہ الاالطریق التی اخرجھا الخلال من طریق ابی الزبیر عن جابر، واعتمد فی بطلانہ علی مانقلہ الخلال عن احمد، فابان ذلك عن قلّة اطلاع ابن الجوزی وغلبة التقلید علیہ، حتی حکم بوضع الحدیث بمجرد ماجاء عن امامہ، ولوعرضت ھذہ الطرق علی امامہ لاعترف علی ان للحدیث اصلا، ولکنہ لم تقع لہ فلذلك لم ارلہ فی مسندہ، ولافیمایروی عنہ ذکر اصلا لامن طریق ابن عباس ولامن طریق جابرسوی ماسألہ عند الخلال وھو معذور فی جوابہ بالنسبة لتلك الطریق بخصوصھا[1] اھ ذکرہ فی اللاٰلی عہ۔	ابوالفرج ابن جوزی کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا ہے اور اس کی دیگر اسناد ذکر نہیں کیں ماسوائے اس سند کے جس کے حوالے سے خلال نے ابوالزبیر عن جابر روایت کیا اور اس کے بطلان میں اسی پر اعتماد کرلیا جو خلال نے احمد سے نقل کیا ہے، تو یہ بات ابن جوزی کے قلّتِ مطالعہ اور غلبہ تقلید کو واضح کررہی ہے حتی کہ انہوں نے اپنے امام سے منقول محض رائے کی بنیاد پر حدیث کو موضوع کہہ دیا حالانکہ یہ سندیں اگر ان کے امام کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ فی الفور اعتراف کرلیتے کہ حدیث کی اصل ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا اس وجہ سے یہ حدیث اصلاً ان کی مسند میں نہیں آئی اور نہ ہی اُن روایات میں جو ان سے مروی ہیں نہ سند ابن عباس سے اور نہ ہی سند جابر سے ماسوائے اس سند کے جس کے بارے میں خلال نے سوال کیا تھا اور امام احمد اس کے جواب میں معذور ٹھہرے کیونکہ ان کا جواب اسی سند کے اعتبار سے ہے اور اسے لآلی میں ذکر کیا ہے۔(ت)

عہ فی اواخر النکاح	باب النکاح کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے (ت)

---

[1] اللاٰلی المصنوعہ کتاب النکاح مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۱۷۳

(نتیجۃ الافادات) بحمد اللہ تعالٰی فقیر آستان قادری غفراللہ تعالٰی لہ کے ان گیارہ" افادات نے مہر نیمروز وماہِ نیم ماہ کی طرح روشن کردیا کہ احادیثِ تقبیل ابہامین کو وضع وبطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں، اُن پندرہ ۱۵ عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکمِ وضع محض بے اصل وواجب الدفع، ولہٰذا علمائے کرام نے صرف "لا یصح" فرمایا یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی بآنکہ ایسے مواقع میں سخت تشدّد اور بہت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، فوائد مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا، اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکمِ وضع واقع ہُوا ہو تو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لئے کافی سندیں موجود ہیں جنہیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت وانقطاع اگر ہیں تو مورثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ بعونہٖ تعالٰی یہاں تک کی تقریر سے موضوعیتِ حدیث کی نسبت منکرین کی بالاخوانیاں بالا بالا گئیں، آگے چلیے **وباللہ التوفیق۔**

افادہ دوازدہم ۱۲: (تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوّت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کرلیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت وقوّت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہوجاتی ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

تعدد عــہ۱ الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن[1]۔	متعدد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچادیتا ہے۔

آخر موضوعات کبیر میں فرمایا:

تعدد الطرق ولوضعفت یرقی الحدیث الی الحسن[2]۔	طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق فتح القدیر عــہ۲ میں فرماتے ہیں:

لوتم تضعیف کلھاکانت حسنۃ لتعدد الطرق	اگر سب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن

عــہ۱ اٰخر الفصل الثانی، باب مالایجوز من العمل فی الصلاۃ۔ عــہ۲ ذکر فی مسئلۃ السجود علی کور العمامۃ منہ (عمامہ پر سجدہ کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت)	منہ (باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ کی فصل ثانی کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے۔ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ فصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی صلاۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳

[2] الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعہ احادیث الحیض مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۴۶

وکثرتہا [1]۔	ہوگی کہ طُرق متعدد و کثیر ہیں۔

اُسی عہ۱ میں فرمایا:

جاز فی الحسن ان یرتفع الی الصحۃ اذا کثرت طرقہ والضعیف یصیر حجۃ بذلک لان تعددہ قرینۃ علی ثبوتہ فی نفس الامر [2]۔	جائز ہے کہ حسن کثرت طرق سے صحت تک ترقی پائے اور حدیثِ ضعیف اس کے سبب حجت ہوجاتی ہے کہ تعدد اسانید ثبوتِ واقعی پر قرینہ ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعۃ الکبرٰی عہ۲ میں فرماتے ہیں:-

قداحتج جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃ، وبالحسن اخرٰی، وھذا النوع من الضعیف یوجد کثیرا فی کتاب السنن الکبرٰی للبیہقی التی الفہا بقصد الاحتجاج لاقوال الائمۃ واقوال صحابہم [3]۔	بیشک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرتِ طرق سے حجت مانا اور اسے کبھی حسن سے ملحق کیا اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کے سنن کُبرٰی میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے ائمہ مجتہدین واصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا۔

امام ابن حجر مکی صواعقِ محرقہ میں دربارہ حدیث توسعہ علی العیال یومِ عاشوراء امام ابوبکر بیہقی سے ناقل:

ہذہ الاسانید وان کانت ضعیفۃ لکنہا اذاضم بعضہا الی بعض احدثت قوۃ [4]۔	یہ سندیں اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی۔

بلکہ امام جلیل جلال سیوطی تعقبات عہ۳ میں فرماتے ہیں:

المتروک اوالمنکر اذا تعددت طرقہ ارتقی	یعنی متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی

عہ۱ قالہ فی مسئلۃ النفل قبل المغرب ۱۲ منہ

عہ۲ الفصل الثالث من فصول فی الاجوبۃ عن الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ عہ۳ باب المناقب حدیث النظر علی عبادۃ ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر صفۃ الصلوٰۃ بحث سجود علی العمامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۶۶

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۹

[3] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل ثالث من فصول فی الاجوبۃ عن الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۸

[4] الصواعق المحرقۃ الباب الحادی عشر فصل اول مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۴

الی درجة الضعیف الغریب، بل ربما ارتقی الی الحسن[1]۔	تعدد طرق سے ضعیف غریب، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں۔

افادہ سیز دہم ۱۳: (حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں) جہالت راوی بلکہ ابہام بھی اُنہیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہو جاتے ہیں اور حدیث کو رتبہ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر و منجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں، افادہ پنجم میں امام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف سے منجبر ہو گئی، امام الشان کا فرمانا گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف کا جبر نقصان کرے گی۔ ابوالفرج نے حدیث:

لیث عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولدله ثلثة اولاد فلم یسم احدھم محمدا فقدجھل[2]۔	حضرت مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے تین ۳ بیٹے ہوں اور ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے اس نے جہالت سے کام لیا۔ (ت)

پر طعن کیا کہ لیث کو امام احمد وغیرہ نے متروک کیا اور ابن حبان نے مختلط بتایا، امام سیوطی عـــہ۱ نے اس کا شاہد بروایت نضر بن شنقی مرسلًا مسند حارث سے ذکر کرکے ابن القطان سے نضر کا مجہول ہونا نقل کیا، پھر فرمایا:

ھذا المرسل یعضد حدیث ابن عباس ویدخله فی قسم المقبول[3]۔	یہ مرسل اُس حدیث ابن عباس کی مؤید ہو کر اسے قسم مقبول میں داخل کرے گی۔

علّامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں عـــہ۲ فرماتے ہیں:

فی اسنادہ جھالة لکنه اعتضد فصار حسنا[4]۔	اس کی اسناد میں جہالت مگر تائید پا کر حسن ہو گئی۔

عـــہ۱ لآلی کتاب المبتداء

عـــہ۲ تحت حدیث ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها منه رضی اللہ تعالٰی عنه

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۷۵

[2] کتاب الموضوعات باب التسمیۃ بمحمد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۵۴/۱

[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب المبتداء دار المعرفۃ بیروت ۱۰۲/۱

[4] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث ابنوا المساجد کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱۷۰/۱

افادہ چہاردہم ۱۴: (حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوّت کیلئے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو ۲ بھی مل کر قوت پاجاتے ہیں، اس کی ایک مثال ابھی گزری، نیز تیسیر میں فرمایا: **ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنه یقوی بورودہ من طریقین**[1]۔ یعنی حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو ۲ سندوں سے آکر قوّت پا گئی۔ اُسی میں حدیث "**اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة**[2]" **اسنادہ ضعیف لکن یجبرہ ماقبله فیتعاضدان**[3]۔ (بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ وہ جنتی جانور ہے۔ت) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یزید بن نوفلی کے سبب تضعیف کی پھر اس کے شاہد بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمایا: سند اس کی بھی ضعیف ہے لیکن پھر پہلی سند اس کی تلافی کرتی ہے تو دو ۲ مل کر قوی ہوجائیں گے۔ جامع صغیر میں حدیث "**اکرموا العلماء فانه ورثة الانبیاء**[4]" (علماء کا احترام کرو کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ت) دو ۲ طریقوں سے ایراد کی، اوّل: ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ **دوم: خط یعنی الخطیب فی التاریخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما**۔ علّامہ مناوی وعلّامہ عزیزی نے تیسیر و سراج المنیر میں زیر طریق اول لکھا: **ضعیف لکن یقویه مابعدہ**[5] (ضعیف ہے مگر پچھلی حدیث اسے قوّت دیتی ہے) زیرِ طریق دوم فرمایا: **ضعیف لضعف الضحاك بن حجرة لکن یعضدہ ماقبله**[6] (ضحاک بن حجرۃ کے ضعف سے یہ بھی ضعیف ہے مگر پہلی اسے طاقت بخشتی ہے۔ت) متتبعِ کلماتِ علماء اس کی بہت مثالیں پائے گا۔

افادہ پانزدہم ۱۵: (اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کرلینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ عــه میں ہے:

عــه: باب ماعلی الموموم من المتابعة اول الفصل الثانی ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه

---

[1] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث اکرموا المعزٰی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۲۰۴

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹۱

[3] تیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اکرموا المعزٰی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/ ۲۰۴

[4] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹۳

[5] السراج المنیر شرح جامع الصغیر زیرِ حدیث اکرموا العلماء مطبوعہ ازہریہ مصر ۱/ ۲۷۰

[6] السراج المنیر شرح جامع الصغیر زیرِ حدیث اکرموا العلماء مطبوعہ ازہریہ مصر ۱/ ۲۷۰

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم. قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک. فکأن الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اھل العلم. والعلم عنداللہ تعالٰی کماقال الشیخ محی الدین ابن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. انہ من قال لاالٰہ الااللہ سبعین الفا. غفراللہ تعالٰی لہ. ومن قیل لہ غفرلہ ایضا. فکنت ذکرت التھلیلة بالعدد المروی من غیران انوی لاحد بالخصوص. فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب مشھور بالکشف. فاذاھو فی اثناء الاکل اظھر البکأ. فسألتہ عن السبب. فقال اری امی فی العذاب. فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلة المذکورة لھا فضحك وقال انی اراھاالاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفہ وصحة کشفہ بصحة الحدیث۔[1]	یعنی امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہلِ علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستّر ہزار بار لاالٰہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو، میں نے لاالٰہ الا اللہ اتنے بار پڑھا تھا اُس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا اُن میں ایک جوان کے کشف کا شُہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا میں نے سبب پُوچھا، کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہُوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا فورًا وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اُسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات عہ میں امام بیہقی سے ناقل تداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلك تقویة للحدیث المرفوع[2] (اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور اُن کے اخذ میں حدیث مرفوع

عہ باب الصلاۃ حدیث صلاۃ التسبیح ۱۲ منہ

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی باب ماعلی الماموم من المتابعۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۳/ ۹۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۳

کی تقویت ہے) اُسی عــہ میں فرمایا:

قدصرح غیرواحد بأن من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علٰی مثله[1]۔	معتمد علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشاد علما احادیث احکام کے بارے میں ہے پھر احادیثِ فضائل تو احادیثِ فضائل ہیں۔

افادہ شانزدہم[۱۶]: (حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلٰی درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ (عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں) یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار، علّامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علٰی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لایفید الا الظن ولاعبرة بالظن فی باب الاعتقادات[2]۔	حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

عــہ باب الصلاة حدیث من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقداتی بابا من ابواب الکبائر اخرجه الترمذی وقال حسین ضعفه احمد وغیره والعمل علی هذا الحدیث عنداهل العلم فأشار بذلك الی ان الحدیث اعتضد بقول اهل العلم وقدصرح غیر واحد[3] الخ ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	باب الصلوٰۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے جس میں ہے کہ جس نے دو[۲] نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسین نے کہا احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث نے اہلِ علم کے قول کے ذریعے قوت حاصل کی ہے اور اس کی تصریح متعدد محدثین نے کی ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۲

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۲

[3] شرح عقائد نسفی بحث تعداد الانبیاء مطبوعہ دار الاشاعت العربیۃ قندھار ص ۱۰۱

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں: **الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد**[1] (احادیث احاد دربارہ اعتقاد ناقابلِ اعتماد)۔ (دربارہ احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ[عہ۱] علماء ضعیف[عہ۲] حدیث بھی کافی ہے، مثلًا کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کرکے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشیئ، جیسے بعض جاہل بول اُٹھے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز و مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے،[عہ۳] [۱]رسالہ قاری و [۲]مرقاۃ و [۳]شرح ابنِ حجر مکی و [۴]تعقبات و [۵]لآلی امام سیوطی و قول مسدّد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادہ دوم وسوم وچہارم ودہم میں گزریں، عبارتِ تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائلِ اعمال میں مقبول ہے، باآنکہ اُس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے، [۶]امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب[عہ۴] فی معاملۃ المحبوب

عہ۱: ای ولاعبرۃ بمن شذ ۱۲ منہ (یعنی کسی شاذ شخص کا اعتبار نہیں۔ت)

عہ۲: الاجماع المذکور فی الضعیف المطلق کما نحن فیہ منہ

عہ۳: مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تحقیق وتنقیح فقیر کے رسالہ البشری العاجلہ من تحف اجلہ ورسالہ الاحادیث الراویہ لمدح الامیر المعاویہ ورسالہ عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوك الاسلام ورسالہ ذب الاھواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ وغیرھا میں ہے وفقنا اللہ تعالٰی بمنہ وکرمہ لترصیفھا وتبیینھا ونفع بھا وبسائر تصانیفی امۃ الاسلام بفھمھا و بتفھیمھا امین باعظم القدرۃ واسع الرحمۃ امین صلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

عہ۴ فی فصل الحادی و الثلثین ۱۲ منہ

---

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر الانبیاء منزھون عن الکبار والصغائر مصطفٰی البابی مصر ص ۵۷

میں فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبلۃ محتملۃ علی کل حال مقاطیعھا ومراسیلھا لاتعارض ولاترد، کذلك کان السلف یفعلون[1]۔	فضائل اعمال وتفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

۷ امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ عــہ۱ وحرز عــہ۲ ثمین ۸ شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

قداتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال[2] ولفظ الحرز لجواز العمل بہ فی فضائل الاعمال بالاتفاق[3]۔	یعنی بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (ملخصًا)

۹ فتح المبین بشرح عــہ۳ الاربعین میں ہے:

لانہ ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقہ من العمل بہ، والالم یترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولاتحریم ولاضیاع حق للغیر وفی حدیث ضعیف من بلغہ عنی ثواب عمل فعملہ حصل لہ اجرہ وان لم اکن قلتہ اوکما	یعنی حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں اس لئے ٹھیک ہے کہ اگر واقع میں صحیح ہُوئی جب توجو اس کا حق تھا کہ اس پر عمل کیا جائے حق ادا ہوگیا اور اگر صحیح نہ بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کسی تحلیل یا تحریم یا کسی کی حق تلفی کا مفسدہ تو نہیں اور ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس

عــہ۱ تحت حدیث من حفظ علی امتی اربعین حدیثا قال النووی طرقہ کلھا ضعیفہ ۱۲ منہ (م)

عــہ۲ فی شرح الخطبۃ تحت قول المصنّف رحمہ اللہ تعالٰی انی ارجوان یکون جمیع مافیہ صحیحًا ۱۲ منہ (م)

عــہ۳ فی شرح الخطبۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب فصل الحادی والعشرون مطبوعہ دار صادر مصر ۱/۱۷۸

[2] شرح اربعین للنووی خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ص ۴

[3] حرز ثمین شرح مع حصن حصین شرح خطبہ کتاب نولکشور لکھنؤ ص ۲۳

قال واشار المصنّف رحمه الله تعالٰی بحکایة الاجماع علٰی ماذکرہ الی الرد علی من نازع فیه الخ[1]	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جسے مجھ سے کسی عمل پر ثواب کی خبر پہنچی وہ اس پر عمل کرلے اُس کا اجر اُسے حاصل ہو اگرچہ وہ بات واقع میں مَیں نے نہ فرمائی ہو۔ لفظ حدیث کے یونہی ہیں یا جس طرح حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے فرمائے، امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر نقل اجماع علماء سے اشارہ فرمایا جو اس میں نزاع کرے اُس کا قول مردود ہے۔ الخ

[١٠]مقاصد حسنہ عــه۱ میں ہے:

قدقال ابن عبدالبر البر انهم یتساهلون فی الحدیث اذاکان من فضائل الاعمال۔[2]	بے شک ابو عمر ابن عبدالبر نے کہا کہ علماء حدیث میں تساہل فرماتے ہیں جب فضائل اعمال کے بارہ میں ہو۔

[١١]امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الاعمال۔[3]	یعنی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہئے کہ موضوع نہ ہو۔

مقدمہ [١٢]امام ابوعمرو ابن الصلاح و [١٣]مقدمہ جرجانیہ و [١٤]شرح الالفیة للمصنّف و [١٥]تقریب النواوی اور اس کی شرح [١٦]تدریب الراوی میں ہے:

واللفظ لهما یجوز عنداهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفةوروایة ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل به من غیربیان ضعفه فی فضائل الاعمال غیرهما ممالاتعلق له بالعقائد والاحکام وممن نقل عنه ذلك ابن حنبل وابن مهدی وابن المبارك قالوا اذارویناا	محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سواہر قسم حدیث کی روایت اور اُس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے جنہیں عقائد واحکام سے تعلق نہیں، امام احمد بن حنبل وامام عبدالرحمٰن بن مہدی وامام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے جب

عــه: ذکرہ فی مسألة تقدیم الاورع ۱۲ منه (م)	صاحبِ ورع وتقوی کی تقدیم میں اس کا بیان ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتح المبین شرح الاربعین

[2] المقاصد الحسنة زیر حدیث من بلغه عن اللہ الخ مطبوعہ دارالکتب العلمیة بیروت ص ۴۰۵

[3] فتح القدیر باب الامامة نوریہ رضویہ سکھّر ۱/ ۳۰۳

فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا[1] اھ ملخصا۔	ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی اھ ملخصا۔

امام زین الدین عراقی نے الفیۃ الحدیث میں جہاں اس مسئلہ کی نسبت فرمایا عن ابن مھدی وغیر واحد (یعنی امام ابن مہدی وغیرہ ائمہ سے ایسا ہی منقول ہے) وہاں [۱۷]شارح نے فتح المغیث میں امام [۱۸]احمد وامام [۱۹]ابن معین وامام [۲۰]ابن المبارک و[۲۱]امام سفین ثوری و[۲۲]امام ابن عیینہ و[۲۳]امام ابوزکریا عنبری و[۲۴]حاکم و[۲۵]ابن عبدالبر کے اسماء واقوال نقل کیے اور فرمایا کہ [۲۶]ابن عدی نے کامل اور [۲۷]خطیب نے کفایہ میں اس کے لئے ایک مستقل باب وضع کیا۔ غرض مسئلہ مشہور ہے اور نصوص نامحصور اور بعض دیگر عبارات جلیلہ وافادات آئندہ میں مسطور ان شاء اللہ العزیز الغفور۔

تذییل: کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہلِ حق سے موافق ہیں، مولوی [۲۸]خرم علی رسالہ [عــه۱] دعائیہ میں لکھتے ہیں:

ضعاف درفضائلِ اعمال وفیما نحن فیہ باتفاق علما معمول بہااست[2] الخ	فضائل اعمال میں اور جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اس میں باتفاق علماء ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے الخ (ت)

[۲۹]مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوّابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کرکے لکھا: "اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے[3]" الخ

[۳۰]اُسی میں حدیث فضیلتِ شبِ برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کرکے کہا: "یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں باتفاق جائز ہے[4] الخ"

افادہ ہفدہم [۱۷]: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیث ضعیف ثبوت استحباب کے لئے بس ہے۔ [۳۱]امام شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتہ کتاب [عــه۲]الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار

عــه۱: نقل ھذہ العبارات الثلثۃ محقق اعصارنا وزینۃ امصارنا تاج الفحول محب الرسول مولانا المولوی عبدالقادر البدایونی ادام اللہ تعالٰی فیوضہ فی کتابہ سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام ۱۲ منہ (م)	یہ تینوں عبارات ہمارے دور کے عظیم محقق اور ہمارے ملک کی زینت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبدالقادر بدیوانی ادام اللہ فیوضہ نے اپنی کتاب "سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام" میں ذکر کی ہیں ۱۲منہ (ت)
عــه۲: اول الکتاب ثالث فصول المقدمۃ ۲۱ منہ (م)	یہ کتاب کے شروع میں مقدمہ کی تیسری فصل میں ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی قبیل نوع الثالث والعشرون مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۸

[2] رسالہ دعائیہ مولوی خرم علی

[3] مظاہر حق باب السنن وفضائلھا مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۷۶۶

[4] مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۸۴۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا[1]۔	محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

بعینہا یہی الفاظ امام ابن الہمام نے العقد النضید فی تحقیق کلمۃ التوحید پھر عارف باللہ سیدی [۳۲]عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ عہ۱ [۳۳]شرح طریقہ محمدیہ میں نقل فرمائے، [۳۴]امام فقیہ النفس محقق علی الاطلاق فتح القدیر عہ۲ میں فرماتے ہیں: الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2] (حدیث ضعیف سے کہ موضوع نہ ہو فعل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے) علامہ [۳۵] ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی عہ۳ فی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

(یستحب ان یمسح بدنه بمندیل بعد الغسل) لماروت عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها قالت کان للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خرقة یتنشف بها بعد الوضوء رواه الترمذی وهو ضعیف ولکن یجوز العمل بالضعیف فی الفضائل[3]۔	(نہا کر رومال سے بدن پُونچھنا مستحب ہے جیسا کہ ترمذی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضو کے بعد رومال سے اعضاءِ مبارک صاف فرماتے۔ ترمذی نے روایت کیا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل میں ضعیف پر عمل روا۔

مولانا [۳۶] علی قاری موضوعاتِ کبیر میں حدیث مسح گردن کا ضعف بیان کرکے فرماتے ہیں:

الضعیف یعمل به فی الفضائل الاعمال اتفاقا	فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل

عہ۱: اواخر الفصل الثانی من باب الاول ۱۲ منه (م)	باب اول کی فصل ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عہ۲: قبیل فصل فی حمل الجنازة ۱۲ منه (م)	فصل فی حمل الجنازہ سے تھوڑا پہلے اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عہ۳: فی سنن الغسل ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	سنن غسل میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم فصل قال العلماء من المحدثین مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۷

[2] فتح القدیر فصل فی الصلاۃ علی المیت مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الغسل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۲

ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبة مستحب اوسنة[1]۔	کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنّت ہے۔

امام جلیل ۳۷ سیوطی طلوع عـــہ۱ الثریا باظہار ماکان خفیا میں فرماتے ہیں:

استحبه ابن الصلاح وتبعه النووی نظر الی ان الحدیث الضعیف یتسامح به فی فضائل الاعمال[2]۔	تلقین کو امام ابن الصلاح پھر امام نووی نے اس نظر سے مستحب مانا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے۔

علامہ ۳۸ محقق جلال دوانی رحمہ اللہ تعالٰی انموذج العلوم عـــہ۲ میں فرماتے ہیں:

الذی یصلح للتعویل علیه ان یقال اذاوجد حدیث فی فضیلة عمل من الاعمال لایحتمل الحرمة والکراھیة یجوز العمل به ویستحب لانه مامون الخطر ومرجو النفع[3]۔	اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت وکراہت کے قابل نہ ہو تو اُس حدیث پر عمل جائز ومستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی اُمید۔

اندیشہ سے امان یوں کہ حُرمت وکراہت کا محل نہیں اور نفع کی اُمید یوں کہ فضیلت میں حدیث مروی ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی۔

اقول: وباللہ التوفیق بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے

عـــہ۱: نقله بعض العصریین وھو فیما نری ثقة فی النقل ۱۲ منه (م)

عـــہ۲: نقله العلّامة شھاب الخفاجی فی نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فی شرح الدیباجة حیث روی المصنّف رحمة اللہ تعالٰی بسندہ الی ابی داؤد حدیث من سئل عن علم فکتمه الحدیث وللمحقق ھھنا کلام طویل نقله الشارح ملخصا ونازعه بماھو منازع فیه والوجه مع المحقق فی عامة ماذکروا ولولا خشیة الاطالة لأتینا بکلاھما مع ماله وعلیه ولکن سنشیر ان شاء اللہ تعالٰی الی احرم یسیر یظھر بھا الصواب بعون الملك الوھاب ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

---

[1] موضوعات کبیر حدیث مسح الرقبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۳

[2] الحاوی للفتاوی خفیا دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۱

[3] نسیم الریاض شرح شفاد یباجہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۱/ ۴۳

ورنہ نفس جواز تو اصالت اباحت وانعدام نہی شرعی سے آپ ہی ثابت، اُس میں حدیث ضعیف کا کیا دخل ہُوا، تو لاجرم ورود حدث کے سبب جانب فعل کو مترجح ماننے کہ حدیث کی طرف اسناد محقق اور اُس پر عمل ہونا صادق ہو اور یہی معنی استحباب ہے، آخر نہ دیکھا کہ علّامہ حلبی وعلّامہ قاری نے اسے عمل وجواز عمل کو دلیل ومثبت استحباب قرار دیا اور امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج نے مقامِ اباحت میں اُس سے تمسک کو درجہ ترقی واولویت میں رکھا کہ جب اُس پر عمل ہوتا ہے تو ثبوت اباحت تو بدرجہ اولٰی اس کے کھُل گیا کہ اُس پر عمل کے معنی نفس اباحت سے ایک زائد وبالاتر چیز ہے اور وہ نہیں مگر استحباب وھذا ظاھر لیس دونہ حجاب (اور یہ ظاہر ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ت) حلیہ ۳۹ شرح عـہ۱ منیہ میں فرماتے ہیں:

الجمھور علی العمل بالحدیث الضعیف الذی لیس بموضوع فی فضائل الاعمال فھو فی ابقاء الاباحۃ التی لم یتم دلیل علی انتقائھا کمافیما نحن فیہ اجدر[1]۔	جمہور علماء کا مسلک فضائل اعمال میں حدیث ضعیف غیر موضوع پر عمل کرنا ہے تو ایسی حدیث اُس اباحت فعل کے باقی رکھنے کی تو زیادہ سزاوار ہے جس کی نفی پر دلیل تمام نہ ہوئی جیسا کہ ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔

امام ۴۰ ابوطالب مکی قوت القلوب عـہ۲ میں فرماتے ہیں:

الحدیث اذا لم ینافہ کتاب اوسنۃ وان لم یشھد لہ ان لم یخرج تاویلہ عن اجماع الامۃ، فانہ یوجب القبول والعمل لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل[2]۔	حدیث جبکہ قرآن عظیم یا کسی حدیث ثابت کے منافی نہ ہو اگرچہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی شہادت بھی نہ نکلے، تو بشرطیکہ اُس کے معنی مخالفِ اجماع نہ پڑتے ہوں اپنے قبول اور اپنے اوپر عمل کو واجب کرتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا۔

یعنی جب ایک راوی جس کا کذب یقینی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بات کی خبر دیتا ہے اور اُس

عـہ۱: سنن الغسل مسئلۃ المندیل ۱۲ منہ (م)	سنن غسل میں رومال کے مسئلہ میں اسی کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـہ۲: فی الفصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ (م)	اکتیسویں فصل میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] قوت القلوب الفصل الحادی والثلاثون باب تفصیل الاخبار مطبوعہ المطبعۃ المبنیۃ مصر ۱/ ۱۷۷

امر میں کتاب وسنّت واجماعِ اُمت کی کچھ مخالف نہیں تو نہ ماننے کی وجہ کیا ہے،

اقول: اماقوله قدس سره "یوجب" فکانه یرید التاکد کماتقول لبعض اصحابك حقك واجب علی فقال فی الدرالمختار عــہ۱ لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم [1] اوان ملمحه الی ماعلیه السادات المجاهدون من الائمة و الصوفیة قدسنا الله تعالٰی باسرارهم الصفیة من شدة تعاهدهم للمستحبات کانها من الواجبات وتوقیهم عن المکروهات بل وکثیر من المباحات کانهن من المحرمات اوان هذا هو الذهب عنده فانه قدس سرهما فیما نری من المجتهدین وحق له ان یکون منهم کماهو شان جمیع الواصلین الی عین الشریعة الکبری وان انتسوا ظاهرا الی احد من ائمة الفتوی [2] کمابینه عــہ۲ العارف بالله سیدی عبدالوهاب شعرانی فی المیزان والله تعالٰی اعلم بمراد اهل العرفان۔	**اقول:** امام ابوطالب مکی قدس سرہ، کے قول "یوجب القبول" سے تاکید مراد ہے جیسا کہ تُو اپنے قرض خواہ سے کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں کا تعامل ہے پس ان کی اتباع واجب ہے (وجوب بمعنی ثبوت ہے) یا اس میں اس مسلک کی طرف اشارہ ہے جو مجاہدہ کرنے والے سادات ائمہ وصوفیہ (اللہ تعالٰی ان کے پاکیزہ اسرار کو ہمارے لیے مبارک کرے) کا ہے کہ وہ مستحبات کی بھی اس طرح پابندی کرتے ہیں جیسا کہ واجبات کی اور مکروہات سے بلکہ بہت سے مباحات سے اس طرح بچتے ہیں کہ گویا وہ محرمات ہیں یا یہ ان (ابوطالب مکی) کا مذہب ہے کیونکہ ہم آپ قدس سرہ، کو مجتہدین میں شمار کرتے ہیں ان میں ہونا آپ کا حق ہے جیسا کہ ان تمام بزرگوں کا مقام اور شان ہے جو شریعت عظیمہ کی حقیقت کو پانے والے ہیں اگرچہ وہ ظاہرًا اپنا انتساب کسی امام فتوی کی طرف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور اللہ تعالٰی اہلِ معرفت کی مراد کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

عــہ۱: آخر باب العیدین ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	باب العیدین کے آخر میں اس کا ذکر ہے (ت)
عــہ ۲: فی فصل فان قال قائل فهل یجب عندکم علی المقلد الخ وفی فصل ان قال قائل کیف الوصول الی الاطلاع علی عین الشریعة المطهرة الخ وفی غیرهما ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] المیزان الکبرٰی فصل ان قال قائل کیف الوصول الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۲

افادہ ہیجدہم[۱۸]: (خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے) جان برادر اگر چشم بینا اور گوش شنوا ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیق صحت وجودت سند میں تعمق وتدقیق راہ نہ پائے ولکن الوھابیة قوم یعتدون۔ بگوشِ ہوش سُنیے اور الفاظِ احادیث پر غور کرتے جائیے، حسن بن عرفہ اپنے جزوحدیثی اور ابو الشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما اور دارقطنی اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں اور عبداللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے اور ابن حبان اور ابو عمر بن عبدالبرکات کتاب العلم اور ابواحمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله عزوجل شیئ فیه فضیلة فاخذ به ایمانابه ورجاء ثوابه اعطاه الله تعالٰی ذلك وان لم یکن کذلك[1]۔	جسے اللہ تبارک وتعالٰی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالٰی اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

یہ لفظ حسن کے ہیں، اور دارقطنی کی حدیث میں یوں ہے:

اعطاه الله ذلك الثواب وان لم یکن مابلغه حقا[2]۔	اللہ تعالٰی اسے وہ ثواب عطا کرے گا اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی حق نہ ہو۔

ابنِ حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہیں: کان منی اولم یکن[3] (چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو) ابنِ عبداللہ کے لفظ یوں ہیں: وان کان الذی حدثه کاذبا[4] (اگرچہ اس حدیث کا راوی جھوٹا ہو) امام احمد وابنِ ماجہ وعقیلی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] کنزالعمال بحوالہ حسن بن عرفہ فی جزء حدیثی حدیث ۴۳۱۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۹۱

[2] کتاب الموضوعات باب من بلغہ ثواب عمل فعمل بہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۳

[3] کتاب الموضوعات باب من بلغہ ثواب عمل فعمل بہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۳

[4] مکارم الاخلاق لابی الشیخ

فرماتے ہیں:

ماجاء کم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانی اقولہ وماجاء کم عنی من شر فانی لا اقول الشر۔[1]	تمہیں جس بھلائی کی مجھ سے خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہُوں اور جس بُری بات کی خبر پہنچے تو میں بُری بات نہیں فرماتا۔

ابنِ ماجہ کے لفظ یہ ہیں:

ماقیل من قول حسن فانا قلتہ۔[2]	جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

عقیلی کی روایت یوں ہے:

خذوا بہ حدثت بہ اولم احدث بہ۔[3]	اُس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہیں۔

وفی الباب عن ثوبان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ (اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت) خلعی اپنے فوائد میں حمزہ بن عبدالمجید رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فی البحر فقلت بابی انت وامّی یارسول اللہ انہ قدبلغنا عنك انك قلت من سمع حدیثا فیہ ثواب فعمل بذلك الحدیث رجاء ذٰلك الثواب اعطاہ اللہ ذلك الثواب وان کان الحدیث باطلا فقال ای ورب ھذہ البلدۃ انہ لمنی و	میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خواب میں حطیم کعبہ معظّمہ میں دیکھا عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہمیں حضور سے حدیث پہنچی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کوئی حدیث ایسی سُنے جس میں کسی ثواب کا ذکر ہو وہ اُس حدیث پر بامید ثواب عمل کرے اللہ عزوجل اسے وہ ثواب عطا فرمائے گا اگرچہ حدیث باطل ہو۔ حضور اقدس

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل مرویاتِ ابی ہریرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ص ۴

[3] کنز العمال بحوالہ عق الاکمال من روایۃ الحدیث، حدیث ۲۹۲۱۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۲۹

اناقلته[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم اس شہر کے سب کی بے شک یہ حدیث مجھ سے ہے اور میں نے فرمائی ہے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ابویعلٰی اور طبرانی معجم اوسط میں سیدنا ابی حمزہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله تعالٰی فضيلة فلم يصدق بها لم ينلها[2]۔	جسے اللہ تعالٰی سے کسی فضیلت کی خبر پہنچے وہ اسے نہ مانے اُس فضل سے محروم رہے۔

ابوعمر ابن عبدالبر نے حدیث مذکور روایت کرکے فرمایا:

اهل الحديث بجماعتهم يتساهلون فی الفضائل فیردونها عن كل وانما يتشددون فی احاديث الاحكام[3]۔	تمام علمائے محدثین احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں اُنہیں ہر شخص سے روایت کرلیتے ہیں، ہاں احادیث احکام میں سختی کرتے ہیں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اُسے چاہئے نیک نیتی سے اس پر عمل کرلے اور تحقیق صحتِ حدیث ونظافتِ سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان شاء اللہ اپنے حسن نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائیگا اقول یعنی جب تک اُس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوت بطلان رجاء وامید کے کوئی معنے نہیں۔

فقول الحديث وان لم يكن مابلغه حقا ونحوه انما يعنی به فی نفس الامر لابعد العلم به وهذا واضح جدا فتثبت ولاتزل۔	تو حدیث کے یہ الفاظ "اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی وہ حق نہ ہو" یا اس کی مثل دوسرے الفاظ "اس سے مراد نفس الامر ہے نہ کہ بعد از حصول علم"۔ اور یہ بہت ہی واضح ہے اسے یاد رکھو۔ (ت)

اور وجہ اس عطائے فضل کی نہایت ظاہر کہ حضرت حق عزوجل اپنے بندہ کے ساتھ اُس کے گمان پر معاملہ فرماتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب عزوجل وعلا سے روایت فرماتے ہیں کہ مولٰی سبحانہ، وتعالٰی فرماتا ہے کہ انا عند ظن عبدی بی[4] (میں اپنے بندہ کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے) (رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة عن ابی هريرة والحاکم بمعناہ عن انس بن مالک (اسے بخاری، مسلم، ترمذی،

---

[1] فوائد للخلعی

[2] مسند ابویعلٰی انس بن مالک حدیث ۳۴۳۰ مطبوعہ دارالقبلہ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ سعودی عرب ۳/ ۳۸۷

[3] کتاب العلم لابن عبدالبر

[4] الصحیح لمسلم کتاب التوبہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۴

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور حاکم نے حضرت انس بن مالک سے معنًا اسے روایت کیا۔ت) دوسری حدیث میں یہ ارشاد زائد ہے: "فلیظن بی ماشاء [1]" (اب جیسا چاہے مجھ پر گمان کرے) اخرجه الطبرانی فی الکبیر والحاکم عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ت)

تیسری حدیث میں یوں زیادت ہے: "ان ظن خیر افله وان ظن شر افله [2]" (اگر بھلا گمان کرے گا تو اس کے لئے بھلائی ہے اور بُرا گمان کرے گا تو اس کے لئے بُرائی) رواہ الامام احمد عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن علی الصحیح ونحوہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی الحلیة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه (اسے امام احمد نے سند حسن سے صحیح قول پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس کی مثل طبرانی نے اوسط اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) جب اُس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عزجلالہ سے اُس نفع کی امید رکھی تو مولٰی تبارک وتعالٰی اکرم الاکرمین ہے اُس کی اُمید ضائع نہ کرے گا اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ وللہ الحمد فی الاولی والاٰخرۃ۔

افادہ نوزدہم ۱۹: (عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے) وباللہ التوفیق، عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تو نہیں فان الکذوب قد یصدق (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ مقدمہ امام ابوعمر تقی الدین شہرزوری میں ہے:

اذاقالوا فی حدیث انه غیر صحیح فلیس ذلك قطعا بانه کذب فی نفس الامر اذ قد یکون صدقا فی نفس الامر وانما المراد به انه لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور [3]۔	محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح بتاتے ہیں تو یہ اس کے فی الواقع کذب پر یقین نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث غیر صحیح کبھی واقع میں سچی ہوتی ہے اس سے تو اتنی مراد ہوتی ہے کہ اُس کی سند اس شرط پر نہیں جو محدثین نے صحت کے لئے مقرر کی۔

تقریب وتدریب میں ہے:

اذاقیل حدیث ضعیف، فمعناہ لم یصح	کسی حدیث کو ضعیف کہا جائے تو معنی یہ ہیں کہ اس کی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۴۰

[2] مسند الامام احمد بن حنبل مسند ابی ہریرۃ مطبوعہ بیروت ۲/ ۳۹۱

[3] مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول فی معرفۃ الصحیح مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸

اسنادہ علی الشرط المذکور لانہ کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب [1] اھ ملخصاً۔	اسناد شرط مذکور پر نہیں نہ یہ کہ واقع میں جھُوٹ ہے ممکن ہے کہ جھُوٹے نے سچ بولا ہو اھ ملخصًا

(تصحیح و تضعیف صرف بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو وبالعکس) محقق حیث اطلق عـہ۱ فتح میں فرماتے ہیں:

ان وصف الحسن والصحیح والضعیف انما ھو باعتبار السند ظنا اما فی الواقع فیجوز غلط الصحیح وصحۃ الضعیف [2]۔	حدیث کو حسن یا صحیح یا ضعیف کہنا صرف سند کے لحاظ سے ظنی طور پر ہے واقع میں جائز ہے کہ صحیح غلط اور ضعیف صحیح ہو۔

اُسی عـہ۲ میں ہے:

لیس معنی الضعیف الباطل فی نفس الامر بل لالم یثبت بالشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث مع تجویز کونہ صحیحًا فی نفس الامر فیجوز ان یقترن قرینۃ تحقق ذلک، وان الراوی الضعیف اجاد فی ھذا المتن المعین فیحکم بہ [3]۔	ضعیف کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں باطل ہے بلکہ یہ کہ جو شرطیں اہلِ حدیث نے اعتبار کیں اُن پر نہ آئی اس کے ساتھ جائز ہے کہ واقع میں صحیح ہو، تو ممکن کہ کوئی ایسا قرینہ ملے جو ثابت کردے کہ وہ صحیح ہے اور راوی ضعیف نے یہ حدیث خاص اچھے طور پر ادا کی ہے اُس وقت باوصف ضعف راوی اس کی صحت کا حکم کردیا جائے گا۔

موضوعاتِ کبیر میں ہے:

المحققون علٰی ان الصحۃ والحسن والضعف انما ھی من حیث الظاھر فقط مع احتمال	محققین فرماتے ہیں صحت و حسن و ضعف سب بنظر ظاہر ہیں واقع میں ممکن ہے کہ صحیح موضوع ہو اور

عـہ۱: مسألۃ التنفل قبل المغرب ۱۲ منہ (م)

عـہ۱: مسألۃ السجود علٰی کور العمامۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النوادی النوع الاول الصحیح مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۷۵ تا ۷۶

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

[3] فتح القدیر باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۶۶

کون الصحیح موضوعا وعکسه کذا افادہ الشیخ ابن حجر[1] المکی۔	اور موضوع صحیح، جیسا کہ شیخ ابن حجر مکّی نے افادہ فرمایا ہے۔

اقول: (احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف ونامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارھم الجمیلہ انہیں مقبول ومعتمد بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبر ودفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعث طعن ووقعیت وجرح واہانت ہوجاتے، حالانکہ العظمۃ للہ وعباد اللہ ان طاعنین سے بدرجہا اتقی اللہ واعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالٰی سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالٰی کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے تھے۔ت) تھے۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٥٣ [2] وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ [3]	اور ہر ایک گروہ اپنے موجود پر خوش ہے اور تیرا رب ہدایت یافتہ کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔(ت)

میزان عـــہ مبارک میں حدیث:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم[4]۔	میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔(ت)

کی نسبت فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث وان کان فیه مقال عند المحدثین	اس حدیث میں اگرچہ محدثین کو گفتگو ہے

عـــہ فی فصل فان ادعی احد من العلماء فوق ھذہ المیزان ۱۲ منه (م)

---

[1] موضوعات کبیر لملّا علی قاری زیر حدیث من بلغه عن اللہ شیئ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۸

[2] القرآن ۲۳/ ۵۳ و ۳۰/ ۳۲

[3] القرآن ۲۸/ ۷ و ۱۶/ ۱۲۵ و ۶/ ۱۱۷

[4] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعٰی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۰

فهو صحیح عند اهل الکشف [1]۔	مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

کشف عـــہ۱ الغمہ عن جمیع الاُمہ میں ارشاد فرمایا:

کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول من صلی علی طهر قلبه من النفاق، کمایطهر الثوب بالماۂ، وکان صلی الله تعالٰی یقول من قال صلی الله علی محمد فقد فتح علی نفسه سبعین بابا من الرحمة، والقی الله مجلته فی قلوب الناس فلایبغضه الامن فی قلبه نفاق، قال شیخنا رضی الله تعالٰی عنه هذا الحدیث والذی قبله رویناهما عن بعض العارفین عن الخضر علیه الصلاة والسلام عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهما عندنا صحیحان فی اعلٰی درجات الصحة وان لم یثبتهما المحدثون علی مقتضی اصطلاحهم [2]۔	حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہوجائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو کہے "صلی اللہ علٰی محمد" اس نے سترہ ۱۷ دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبّت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس نے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اور اس سے پہلی ہم نے بعض اولیاء سے روایت کی ہیں انہوں نے سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، اُنہوں نے حضور پُرنور سید الانام علیہ افضل الصّلاۃ واکمل السلام سے یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلٰی درجہ کی صحیح ہیں اگرچہ محدثین اپنی اصطلاح کی بناپر اُنہیں ثابت نہ کہیں۔

نیز میزان عـــہ۲ شریف میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز سے نقل فرماتے ہیں:

کمایقال عن جمیع مارواہ المحدثون بالسند الصحیح المتصل ینتهی سنده الی حضرت الحق جل وعلا فکذلك یقال فیما	جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ محدثین نے سند صحیح متصل سے روایت کیا اس کی سند حضرت الٰہی عزوجل تک پہنچتی ہے یونہی جو کچھ علم حقیقت سے صحیح کشف والوں نے نقل فرمایا

عـــہ ۱: آخر الجلد الاول باب جامع فضائل الذکر اٰخر فصل الامر بالصلاۃ علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه۔

عـــہ ۲: فصل فی بیان استحالة خروج شیئ من اقوال المجتهدین عن الشریعة ۱۲ منه

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعٰی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳۰

[2] کشف الغمۃ عن جمیع الاُمۃ فصل فی الامر بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ درالفکر بیروت ۱/ ۳۴۵

نقله اهل الکشف الصحیح من علم الحقیقة [1] ۔	اُس کے حق میں یہی کہا جائے گا۔

بالجملہ اولیا کے لئے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع و علٰی ہے ولہذا حضرت سیدی ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ وقدس سرہ السامی اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے:

قد اخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت [2] ۔ نقله سیدی الامام الشعرانی فی کتابه المبارك الفاخر الیواقیت والجواهر اٰخر المبحث السابع والاربعین۔	تم نے اپنا علم سلسلہ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لایموت سے لیا ہے۔ اسے سیدی امام شعرانی نے اپنی مبارک اور عظیم کتاب الیواقیت والجواہر کی سینتالیس بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

حضرت سیدی امام المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طور علم پر ضعیف مانی گئی تھیں،

کماذکرہ فی باب الثالث والسبعین من الفتوحات المکیة الشریفة الالٰهیة الملکیة ونقله فی الیواقیت هنا [3] ۔	جیسا کہ انہوں نے فتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰہیۃ الملکیۃ کے تیرھویں باب میں ذکر کیا اور الیواقیت میں اس مقام پر اسے نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی طرح خاتمِ حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملّۃ والدّین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتّر ۷۵ بار بیداری میں جمالِ جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بہرہ ور ہُوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث کی کہ طریقہ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں تصحیح فرمائی جس کا بیان [4] عارف ربانی امام العلامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کی میزان ؏ الشریعۃ الکبرٰی میں ہے **من شاء فلیتشرف بمطالعة** (جو اس کی تفصیل چاہتا ہے میزان کا مطالعہ کرے۔ت) یہ نفیس و جلیل فائدہ کہ

ؑعــــه: فی الفصل المذکور قبل مامر بنحوہ صفحة ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی استحالہ خروج شیئ من اقوال المجتہدین الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۵

[2] الیواقیت والجواہر باب الثالث والسابع والاربعین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۹۱

[3] الیواقیت والجواہر باب الثالث والسابع والاربعین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲ /۸۸

[4] المیزان الکبرٰی فصل فی استحالۃ خروج شیئ الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۴

بمناسبت مقام بحمداللہ تعالٰی نفع رسانی برادرانِ دین کے لئے حوالہ قلم ہوالوح دل پر نقش کرلینا چاہے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم ؎

خلیلی قطاع الفیافی الی الحمی

کثیر و ارباب الوصول قلائل

(اے میرے دوست! چراگاہوں میں ڈاکہ ڈالنے والے کثیر اور منزل کو پانے والے کم ہیں۔ت)

بات دُور پہنچی، کہنا یہ تھا کہ سند پر کیسے ہی طعن وجرح ہوں اُن کے سبب بطلانِ حدیث پر جزم نہیں ہوسکتا ممکن کہ واقع میں حق ہو اور جب صدق کا احتمال باقی تو عاقل جہان نفع بے ضرر کی اُمید پاتا ہے اُس فعل کو بجالاتا ہے دین ودنیا کے کام اُمید پر چلتے ہیں پھر سند میں نقصان دیکھ کر ایکدست اس سے دست کش ہونا کس عقل کا مقتضی ہے کیا معلوم اگر وہ بات سچی تھی تو خود فضیلت سے محروم رہے اور جھُوٹی ہو تو فعل میں اپنا کیا نقصان فافہم وتثبت ولا تکن من المتعصبین (اسے اچھی طرح سمجھ لے اس پر قائم راہ اور تعصب کرنے والوں سے نہ ہو۔ت) انصاف کیجئے مثلاً کسی کو نقصان حرارت عزیزی وضعف ارواح کی شکایت شدید ہو زید اس سے بیان کرے کہ فلاں حکیم حاذق نے اس مرض کے لئے سونے کے ورق سونے کے کھرل میں سونے کی موصلی سے عرق بید مشک یا ہتھیلی پر انگلی سے شہد میں سحق بلیغ کرکے پینا تجویز فرمایا ہے تو عقل سلیم کا اقتضا نہیں کہ جب تک اُس حکیم تک سند صحیح متصل کی خوب تحقیقات نہ کرلے اس کا استعمال طبًّا حرام جانے، بس اتنا دیکھنا کافی ہے کہ اصولِ طبیہ میں میرے لئے اس میں کچھ مضرت تو نہیں ورنہ وہ مریض کہ نسخہ ہائے قرابادین کی سندیں ڈھوڈتا اور حالِ رواۃ تحقیق کرتا پھرے گا قریب ہے کہ بے عقلی کے سبب اُن ادویہ کے فوائد ومنافع سے محروم رہے گا نہ عراق تنقیح سے تریاق تصحیح ہاتھ آئے گا نہ یہ مار گزیدہ دوا پائیگا، بعینہٖ یہی حال ان فضائل اعمال کا ہے جب ہمارے کان تک یہ بات پہنچی کہ اُن میں ایسا نفع ذکر کیا گیا اور شرع مطہر نے ان افعال سے منع نہ کیا، تو اب ہمیں تحقیق محدثانہ کیا ضرور ہے اگر حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے فبہا ورنہ ہم نے اپنی نیک نیت کا اچھا پھل پایا، هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ[1] (تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو۲ خوبیوں میں سے ایک کا۔ت)

افادہ بستم ۲۰: (حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط ہو) مقاصد شرع کا عارف اور کلماتِ علما کا واقف جب قبول ضعیف فی الفضائل کے دلائل مزکورہ عبارات سابقہ فتح المبین امام ابن حجر مکی وانموذج العلوم محقق دوانی و قوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالٰی و نیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا

---

[1] القرآن ۹/ ۵۲

ان انوار متجلیہ کے پرتو سے بطور حدس بے تکلّف اُس کے آئینہ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائل اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگ احتیاط و نفع بے ضرر کی ضرورت نظر آئے گی بلاشبہہ قبول کی جائے گی جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع وتورع کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا: **کیف وقد قیل**[1]۔ (کیونکہ نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا) **رواہ البخاری عن عقبۃ بن الحارث النوفلی رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے امام بخاری نے عقبہ بن حارث نوفلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

اقول: وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع مایریبك الی مایریبك[2]۔ رواہ الامام احمد وابوداود الطیالسی والدارمی والترمذی وقال "حسن صحیح" والنسائی وابن حبان والحاکم "وصححاہ" وابن قانع فی معجمه عن الامام ابن الامام سیدنا الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند قوی وابو نعیم فی الحلیة والخطیب فی التاریخ بطریق مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	**اقول:** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس میں شبہہ پڑتا ہو وہ کام چھوڑدے اور ایسے کی طرف آ جس میں کوئی دغدغہ نہیں"۔ اسے امام احمد، ابوداود طیالسی، دارمی، ترمذی، نے روایت کیا اور اسے حسن صحیح کہا۔ نسائی، ابن حبان اور حاکم ان دونوں نے اسے صحیح کہا۔ ابن قانع نے اپنی معجم میں امام ابن امام سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا۔ ابونعیم نے حلیہ اور خطیب نے تاریخ میں بطریق مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورثِ ظن نہ ہو مورث شبہہ سے تو کم نہیں تو محلِ احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہے، احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، از انجملہ حدیث اجل واعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

من اتقی الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام کالراعی	جو شبہات سے بچے اُس نے اپنے دین وآبرو کی حفاظت کرلی اور جو شبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل مسند اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۰۰

حول الحمی یوشك ان ترتع فیه الا وان لکل ملك حمی الا وان حمی الله محاورمه[1]۔ رواه الشیخان عن النعمان بن بشر رضی الله تعالٰی عنهما۔	رمنے کے گرد چرانے والا نزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرائے، سُن لو ہر پادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے، سُن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں۔ اسے بخاری و مسلم دونوں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکّی نے فتح المبین میں ان دونوں حدیثوں کی نسبت فرمایا:

رجوعهما الٰی شیئ واحد وهو النهی التنزیهی عن الوقوع فی الشبهات[2]۔	یعنی حاصل مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ شبہہ کی بات میں پڑنا خلافِ اولٰی ہے جس کا مرجع کراہت تنزیہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنۡ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُكُمۡ ؕ[3]	اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر سچّا ہوا تو تمہیں پہنچ جائے گی کچھ نہ کچھ وہ مصیبت جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

بحمد اللہ تعالٰی یہ معنی ہیں ارشاد امام ابوطالب مکی قدس سرہ کے قوت القلوب عہ شریف میں فرمایا:

ان الاخبار الضعاف غیر مخالفة الکتاب والسنة لایلزمنا ردها بل فیها مایدل علیها[4]۔	ضعیف حدیثیں جو مخالفِ کتاب وسنّت نہ ہوں اُن کا رَد کرنا ہمیں لازم نہیں بلکہ قرآن وحدیث اُن کے قبول پر دلالت فرماتے ہیں۔

لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ در بارہ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جبکہ جانب احتیاط

عہ: فی فصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ (م)	اکتیسویں فصل میں اس کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب فضل من استبرالدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۳، مسلم شریف باب اخذ الحلال وترک الشبہات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

[2] فتح المبین شرح اربعین

[3] القرآن ۴۰/ ۲۸

[4] قوت القلوب باب تفضیل الاخبار الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۱۷۷

میں ہو، امام نووی نے اذکار میں بعد عبادت مذکور پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض عــہ۱ میں فرمایا:

اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والاطلاق وغیر ذلك فلایعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح اوالحسن الاان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذلك کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھة بعض البیوع او الا نکحة فان المستحب ان یتنزہ عنه ولکن لایجب [1]۔	یعنی محدثین وفقہا وغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارہ میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائیگا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

امام جلیل جلال سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں:

ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذاکان فیه احتیاط [2]۔	حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائیگا جبکہ اُس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی غنیہ عــہ۲ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الوصل بین الاذان والاقامة یکرہ فی کل الصلوٰة لماروی الترمذی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لبلال اذا انت فترسل واذا اقمت فاحد رواجعل بین اذانك واقامتك قدر مایفرغ الاکل من اکله فی غیر عــہ۳ المغرب والشارب من شربه	یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فوراً اقامت کہہ دینا مطلقاً سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لئے کہ ترمذی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کر اور تکبیر جلد جلد اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھ کر کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے اور ضرورت والا قضائے حاجت سے فارغ ہوجائے، یہ حدیث

عــہ۱: فی شرح اخطبة حیث اسند الامام المصنّف حدیث من سئل عن علم فکتمه الحدیث ۱۲ منه

عــہ۲: فی فصل سنن الصلاة ۱۲ منه

عــہ۳: قوله فی غیر المغرب ھکذا ھو فی نسختی الغنیة ولیس عند الترمذی بل ھو مدرج فیه نعم ھو تاویل من العلماء کماقال فی الغنیة بعد مانقلنا قالوا قوله قدر مایفرغ الاکل من اکله فی غیر المغرب ومن شربه فی المغرب ۱۲ منه

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء تتمہ وفائدۃ مہمہ فی شرح الخطبۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۲

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الثانی والعشرون المقلوب مطبوعہ دار نشرالکتب الاسلامیہ بیروت ۱/ ۲۹۹

والمعتصر اذادخل لقضاء حاجته وهو وان كان ضعيفا لكن يجوز العمل به فی مثل هذا الحكم[1]۔	اگرچہ ضعیف عـــہ۱ ہے مگر ایسے حکم میں اس پر عمل روا ہے۔

نفیسہ (بُدھ کے دن بدن سے خون لینے کے باب میں) ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ:

من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابه برص فلا یلومن الا نفسه[2]۔	جو بُدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اُس کے بدن پر سپید داغ ہو جائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔

امام سیوطی لآلی عـــہ۲ و تعقبات عـــہ۳ میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں:

سمعت ابی یقول سمعت اباعمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان هذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی النوم فشکوت الیه حالی فقال ایاك والاستهانة بحدیثی فقلت تبت یارسول الله صلی الله تعالٰی علیه	ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بُدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہو گئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایاك والاستهانة بحدیثی[3] (خبردار میری حدیث کو ہلکانہ سمجھنا) انہوں نے توبہ کی،

عـــہ۱: امام ترمذی نے فرمایا: هو اسناد مجهول (یہ سند مجہول ہے) ۱۲ منه (م)

عـــہ۲: اواخر کتاب المرض والطب ۱۲ منه (م) کتاب المرض والطب کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منه (ت)

عـــہ۳: باب الجنائز ۱۲ منه (م) باب الجنائز میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منه (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی فصل سنن الصلاۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۶۔۷۷

[2] الکامل لابن عدی من ابتدیٔ اسمہ عین عبداللہ ابن زیاد مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ شیخوپورہ ۴/ ۱۴۴۶

[3] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۳/ ۲۱۸

وسلم فانتبهت وقدعافانی الله تعالٰی وذهب ذلك عنی [1]۔	آنکھ کھُلی تو اچھے تھے۔

جلیلہ (ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں) امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں ابو معین حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بُلالا، جب وہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں تو ضعف ہے، غرض لگائے۔ برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کی، فرمایا: ایاك والاستهانة بحدیثی (دیکھ میری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا) اُنھوں نے منّت مانی اللہ تعالٰی اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف، اللہ عزوجل نے شفا بخشی [2]۔ لآلی عــہ میں ہے: اخرج ابن عساکر فی تاریخه من طریق ابی علی مهران بن هارون الحافظ الهازی قال سمعت ابامعین الحسین بن الحسن الطبری یقول اردت الحجامة یوم السبت فقلت للغلام ادع لی الحجام فلما ولی الغلام ذکرت خبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من احتجم یوم السبت ویوم الاربعاء فاصابه وضح فلایلو من الا نفسه قال فدعوت الغلام ثم تفکرت فقلت هذا حدیث فی اسنادہ بعض الضعف فقلت للغلام ادع الحجام لی فدعاہ، فاحتجمت فاصا بنی البرص، فرأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی النوم فشکوت الیه حالی فقال ایاك والاستهانة بحدیثی فنذرت لله نذرا لئن اذهب الله مابی من البرص لم اتهاون فی خبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم صحیحا کان اوسقیما فأذهب الله عنی ذلك البرص [3]۔ (**نوٹ**: اس عربی عبارت کا ترجمہ لفظ 'جلیلہ' سے شروع ہو کر عربی عبارت سے پہلے ختم ہو جاتا ہے)

مفیدہ (بُدھ کے دن ناخن تراشنے کے امر میں) یوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص ہوتا ہے، بعض علما نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث

عــہ: تلومامر ۱۲ منه (م)	لآلی میں اس عبارت کے قریب جو پہلے گزر چکی ہے۔ (ت)

---

[1] اللآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه کتاب المرض والطب مطبوعه ادبیه مصر ۳/ ۲۱۹

[2] اللآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه کتاب المرض والطب مطبوعه ادبیه مصر ۳/ ۲۱۹

[3] اللآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه کتاب المرض والطب مطبوعه ادبیه مصر ۳/ ۲۱۹

صحیح نہیں فورًا ابتلا ہوگئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُرنور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور **مبریٔ الاکمہ والابرص محی الموتٰی** صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کو پناہِ دوجہان ودستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگادیا، فورًا اچھے ہوگئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔ (اھ)

علّامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "**قص الاظفار وتقلیمھا سنۃ رورد النھی عنہ فی یوم الاربعاع وانہ یورث البرص، وحکی عن بعض العلماء انہ فعلہ فنھی عنہ فقال لم یثبت ھذا فلحقہ البرص من ساعتہ فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی منامہ فشکی الیہ فقال لہ الم تسمع نھیی عنہ، فقال لم یصح عندی، فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکفیك انہ سمع، ثم مسح بدنہ بیدہ الشریفۃ، فذھب مابہ فتاب عن مخالفۃ ماسمع** اھ"[1]۔ (**نوٹ**: اس عربی عبارت کا ترجمہ 'مفیدہ' ص ۴۹۹ سے شروع ہوکر عربی عبارت سے ختم ہوجاتا ہے) یہ بعض علماء امام علّامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس اللہ سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

وردفی بعض الاٰثار النھی عن قص الاظفار یوم الاربعاء فانہ یورث وعن ابن الحاج صاحب المدخل انہ ھم بقص اظفارہ یوم الاربعاء، فتذکر ذلک، فترک، ثم رای ان قص الاظفار سنۃ حاضرۃ، و لم یصح عندہ النھی فقصھا، فلحقہ ای اصابہ البرص، فرأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فقال الم تسمع نھیی عن ذلک، فقال "یارسول اللہ لم یصح عندی ذلک" فقال	بعض آثار میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانے والے کو برص کی بیماری عارض ہوجاتی ہے اور صاحبِ مدخل ابن الحاج کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بدھ کے روز ناخن کاٹنے کا ارادہ کیا، انہیں یہ نہیں والی بات یاد دلائی گئی تو انہوں نے اسے ترک کردیا پھر خیال میں آیا کہ ناخن کتروانا سنّتِ ثابتہ ہے اور اس سے نہی کی روایت میرے نزدیک صحیح نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے تو انہیں برص عارض ہو گیا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفا فصل واما نظافۃ جسمہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۴۴

یکفیك ان تسمع. ثم مسح صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی بدنه فزال البرص جمیعا. قال ابن الحاج رحمه اللہ تعالٰی فجددت مع اللہ توبة انی لااخالف ماسمعت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابدًا[1]۔	سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تُو نے نہیں سُنا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! وہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہ تھی، توآپ نے فرمایا کہ تیرا سُن لینا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تو تمام برص زائل ہوگیا۔ ابن الحاج کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے حضور اس بات سے توبہ کی کہ آئندہ جو حدیث بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنوں گا اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ (ت)

سُبحان اللہ! جب محلِ احتیاط میں احادیث ضعیفہ خود احکام میں مقبول و معمول، تو فضائل تو فضائل ہیں، اور ان فوائد نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمداللہ تعالٰی عقل سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہوگیا کہ ضعیف حدیث اُس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں۔ دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اور واقع میں اُن کی وہ شان کہ مخالفت کرتے ہیں فوراً تصدیقیں ظاہر ہُوئیں، کاش منکرانِ فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیم حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توفیق بخشے اور اُسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے، آمین!

افادہ بست ۲۱ ویکم: (حدیث ضعیف پر عمل کے لئے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہرگز ضرور نہیں) بذریعہ حدیث ضعیف کسی فعل کے لئے محلِ فضائل میں استحباب یا موضع احتیاط میں حکم تنزہ ثابت کرنے کے لئے زنہار زنہار اصلاً اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعل معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کا ورود ان احکام استحباب وتنزہ کے لئے ذریعہ کافیہ ہے، افادات سابقہ کو جس نے ذرا بھی بگوش ہوش استماع کیا ہے اُس پر یہ امر شمس وامس کی طرح واضح وروشن۔ مگر ازانجا کہ مقام مقام افادہ ہے ایضاح حق کے لئے چند تنبیہات کا ذکر مستحسن۔

اوّلاً کلمات علمائے کرام میں باآنکہ طبقہ فطبقۃً اُس جوش وکثرت سے آئے، اس تقیید بعید کا کہیں نشان نہیں تو خواہی نخواہی مطلق کو از پیش خویش مقید کرلینا کیونکر قابل قبول۔

ثانیاً بلکہ ارشاداتِ علما صراحۃً اس کے خلاف، مثلاً عبارت اذکار وغیرہا خصوصاً عبارت امام ابن الہمام جو نص تصریح ہے کہ ثبوتِ استحباب کو ضعیف حدیث کافی۔

اقول: بلکہ خصوصاً اذکار کا وہ فقرہ کہ اگر کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف آئے تو اس سے بچنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اس استحباب وانکار وجوب کا منشا وہی ہے کہ اُس سے نہی میں حدیث صحیح نہ آئی کہ وجوب ہوتا، تنہا ضعیف نے صرف استحباب ثابت کیا اور سب اعلٰی واجل کلام امام ابوطالب مکی ہے اس

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار فصل فی البیع مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۴/ ۲۰۲

میں تو بالقصد اس تقیید جدید کا رد صریح فرمایا ہے کہ "وان لم یشھد الہ" (اگرچہ کتاب وسنّت اس خاص امر کے شاہد نہ ہوں)

ثالثًا علمائے فقہ وحدیث کا عملدرآمد قدیم وحدیث اس قید کے بطلان پر شاہد عدل، جابجا انہوں نے احادیث ضعیفہ سے ایسے امور میں استدلال فرمایا ہے جن میں حدیث صحیح اصلًا مروی نہیں۔

اقول مثلًا: **(۱)** نماز نصف شعبان کی نسبت علی قاری۔

(۲) صلاۃ التسبیح کی نسبت بر تقدیر تسلیم ضعف وجہالت امام زرکشی وامام سیوطی کے اقوال افادہ دوم میں گزرے۔

(۳) نماز میں امامت اتقی کی نسبت امام محقق علی الاطلاق کا ارشاد افادہ شانزدہم میں گزرا وہاں اس تقیید کے برعکس حدیث ضعیف پر عمل کو فقدانِ صحت سے مشروط فرمایا ہے:

قال روی الحاکم عنه علیه الصلاۃ والسلام ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فان صح والا فالضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الاعمال[1]۔	حاکم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ذکر کیا ہے کہ اگر تم یہ پسند کرتے کہ تمہاری نمازیں قبول ہوجائیں تو تم اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے ورنہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں اور فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔ (ت)

(۴) نیز امام ممدوح نے تجہیز وتکفین قریبی کافر کے بارہ میں احادیث ذکر کیں کہ جب ابوطالب مرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم فرمایا کہ اُنہیں نہلا کر دفن کرائیں پھر خود غسل کرلیں بعدہ غسل میت سے غسل کی حدیثیں نقل کیں، پھر فرمایا:

لیس فی ھذا ولافی شیئ من طرق علی حدیث صحیح، لکن طرق حدیث علی کثیرۃ و الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2]۔	ان دونوں باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں مگر حدیث علی کے طرق کثیر میں اور استحباب حدیث ضعیف غیر موضوع سے ثابت ہوجاتا ہے۔

غسل کے بعد استحباب مندیل کی نسبت علّامہ ابراہیم حلبی۔

(٦) تائید اباحت کی نسبت امام ابن امیر الحاج۔

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

[2] فتح القدیر فصل فی الصلاۃ علی المیت مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵

(۷) استحباب مسح گردن کی نسبت مولانا علی قاری۔

(۸) استحباب تلقین کی نسبت امام ابن الصلاح وامام نووی وامام سیوطی کے ارشادات افادہ ہفدہم۔

(۹) کراہت وصل بین الاذان والاقامت کی نسبت علامہ حلبی کلام۔

(۱۰) بدھ کو ناخن تراشنے کی نسبت خود نسیم الریاض وطحاوی کے اقوال افادہ بستم میں زیور گوش سامعین ہوئے۔

یہ دس۱۰ تو یہیں موجود ہیں اور خوفِ اطالت نہ ہو تو سو۱۰۰ دوسو۲۰۰ ایک ادنٰی نظر میں جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایضاح واضح میں اطناب تاکے۔

رابعًا اقول نصوص واحادیث مذکورہ افادات ہفدہم وبستم کو دیکھئے کہیں بھی اس قید بے معنی کی مساعدت فرماتے ہیں؟ حاشا بلکہ باعلی ندا اُس کی لغویات بتاتے ہیں **کمالایخفی علی اولی النھی** (جیسا کہ صاحبِ عقل لوگوں پر مخفی نہیں۔ ت)

خامسًا اقول: وباللّٰہ التوفیق اس شرط زائد کا اضافہ اسل مسائلہ اجماعیہ کو محض لغو ومہمل کردے گا کہ اب حاصل یہ ٹھہرے گا کہ احکام میں تو مقتضائے حدیث ضعیف پر کاربندی اصلًا جائز نہیں اگرچہ وہاں حدیث صحیح موجود ہو اور ان کے غیر میں بحالت موجود صحیح صحیح ورنہ قبیح۔

اوّلا اس تقدیر پر عمل **بمقتضی الضعیف من حیث ھو مقتضی الضعیف** ہوگا یا **من حیث ھو مقتضی الصحیح**، ثانی قطعًا احکام میں بھی حاصل اور تفرقہ زائل، کیا احکام میں ورود ضعیف صحاح ثابتہ کو بھی رَد کردیتا ہے؟ **ھذا لایقول بہ جاھل** (اس کا قول کوئی جاہل بھی نہیں کرسکتا۔ ت) اور اول خود شرط سے رجوع یا قول بالمتنافیین ہوکر مدفوع کہ جب مصحح عمل ورود صحیح ہے تو اس سے قطع نظر ہوکر صحت کیونکر!

ثانیًا اگر صحیح نہ آتی ضعیف بیکار تھی آتی تو وہی کفایت کرتی بہرحال اس کا وجود عدم یکساں پھر معلوم بہ ہونا کہاں!

ثالثًا بعبارۃ اخری اظھر واجلی (ایک دوسری عبارت کے ساتھ زیادہ ظاہر وواضح ہے۔ ت) حدیث پر عمل کے یہ معنی کہ یہ حکم اس سے ماخوذ اور اُس کی طرف مضاف ہو کہ اگر نہ اُس سے لیجئے نہ اُس کی طرف اسناد کیجئے تو اس پر عمل کیا ہوا، اور شک نہیں کہ خود صحیح کے ہوتے ضعیف سے اخذ اور اس کی طرف اضافت چہ معنی، مثلًا کوئی کہے چراغ کی روشنی میں کام کی اجازت تو ہے مگر اس شرط پر کہ نورِ آفتاب بھی موجود ہو۔ سبحان اللہ جب مہر نیمروز خود جلوہ افروز تو چراغ کی کیا حاجت اور اس کی طرف کب اضافت! اسے چراغ کی روشنی میں کام کرتا کہیں گے یا نورِ شمس میں! ع

آفتاب اندر جہاں آنگہ کہ میجوید سہا

(جب جہاں میں آفتاب ہو تو سہا (ستارہ) ڈھونڈنے سے کیا فائدہ!)

لاجرم معنی مسئلہ یہی ہیں کہ حدیث ضعیف احکام میں کام نہیں دیتی اور دوبارہ فضائل کافی ووافی۔

(تحقیق المقام و ازاحة الاوھم)

ثمّ اقول: تحقیق المقام وتنقیح المرام بحیث یکشف الغمام ویصرّف الاوھام، ان المسألة تدوربین العلماء بعبارتین العمل والقبول اما العمل بحدیث، فلایعنی به الا امتثال مافیه تعویلا علیه والجری علی مقتضاہ نظر الیه ولابد من ھذا القید الاتری ان لوتوافق حدیثان صحیح وموضوع علی فعل ففعل للامر به فی الصحیح، لایکون ھذا عملا علی الموضوع، واما القبول فھووان احتمل معنی الروایة من دون بیان الضعف، فیکون الحاصل ان الضعیف یجوز روایته فی الفضائل مع السکوت عمافیه دون الاحکام لکن ھذا المعنی علی تقدیر صحة انما یرجع الی معنی العمل کیف ولامنشاء لایجاب اظھارالضعف فی الاحکام الا التحذیر عن العمل به حیث لایسوغ فلولم یسغ فی غیرھا ایضا لکان ساؤھا فی الایجاب فدار الامر فی کلتا العبارتین الی تجویز المشی علی مقتضی الضعاف فی مادون الاحکام فاتضح ماستدللنا به خامسا وانکشف الظلام ھذا ھو التحقیق بیدان ھھنا رجلین من اھل العلم زلت اقدام اقلامھما فحملا العمل والقبول علی مالیس بمراد ولاحقیقا بقبول۔

(تحقیق مقام وازالہ اوھم)

ثمّ اقول: اب ہم تحقیق مقام اور وضاحتِ مقصد کیلئے ایسی گفتگو کرتے ہیں جس سے پردے ہٹ جائیں اور شکوک وشبہات ختم ہوجائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء دو۲ طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں عمل اور قبول، عمل بالحدیث سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہُوئے اور اس کے مقتضٰی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو بجالایا جائے، اس قید کا اضافہ ضروری ہے اس لئے کہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ کسی فعل کے متعلق حدیث صحیح اور حدیث موضوع دونوں اگر موافق ہوں اور فعل کو بجالانے والا حدیث صحیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کرے تو اب موضوع پر عمل نہ ہوگا قبول بالحدیث پر ہے کہ اگرچہ ضعف بیان کئے بغیر روایت کے معنی کا احتمال ہو تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ضعیف میں جو کمزوری ہے اس پر سکوت کرتے ہوئے فضائل میں اس کی روایت کرنا جائز ہے لیکن احکام میں نہیں، اگر قبول بالحدیث کا یہی معنی صحیح ہو تو یہ معنی عمل بالحدیث ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے، کیسے؟ وہ ایسے کہ احکام کے بارے میں مروی روایات کے ضعف کو بیان کرنا اس لئے واجب وضروری ہے کہ اس پر عمل سے روکا جائے کہ احکام میں ہر چیز جائز نہیں پھر اگر غیر احکام میں بھی یہ چیز جائز نہ ہو تو ایجاب میں فضائل واحکام دونوں برابر ہوجائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں عبارتوں میں اس امر پر دلیل کے غیر احکام میں ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے

احدهما العلامة الفاضل الخفاجی رحمه الله تعالٰی حیث حاول الرد علی المحقق الدوانی واوهم بظاهر کلامه ان محله ماذاروی حدیث ضعیف فی ثواب بعض الامور الثابت استجابها والترغیب فیه اوفی فضائل بعض الصحابة اوالاذکار الماثورة قال ولاحاجة الی لتخصیص الاحکام والاعمال کماتوهم للفرق الظاهر بین الاعمال وفضائل الاعمال[1] اھ

اقول: لولا ان الفاضل المدقق خالف المحقق لکان لکلامه معنی صحیح، فان الثبوت اعم من الثبوت عینا اوباندراج تحت اصل عام ولواصالة الاباحة فان المباح یصیر بالنیة مستحبا ونحن لاننکران قبول الضعاف مشروط بذٰلك کیف ولولاه لکان فیه ترجیح الضعیف علی الصحیح وهوباطل وفاقا، فلواراد الفاضل هذا المعنی لاصاب ولسلم من التکرار فی قوله اوالاذکار الماثورة لکنه رحمه الله تعالٰی بصدد مخالفة المحقق المرحوم وقدکان المحقق انما عول علی هذا المعنی

اب ہمارا پانچواں استدلال واضح ہوگیا اور تاریکی کھُل گئی اور تحقیق یہی ہے۔ علاوہ ازیں یہاں دو[2] اہلِ علم ایسے ہیں جن کے قلم کے قدم پھسل گئے، انہوں نے عمل بالحدیث اور قبول بالحدیث کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو مراد اور قابل قبول نہیں۔ (ت) ان میں سے ایک علّامہ خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی ہیں انہوں نے محقق دوانی کے رَد کا ارادہ کیا اور انہیں ان کے کلام کے ظاہر سے وہم ہوگیا کہ اس کا محل وہ ہے جب حدیث ضعیف ان امور کے ثواب کے بارے میں وارد ہو جن کا استحباب ثابت ہو اور اس میں ثواب کی رغبت ہو یا بعض صحابہ کے فضائل یا اذکار منقولہ کے بارے میں ہو کہا: حکام واعمال کی تخصیص کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا کیونکہ اعمال اور فضائل اعمال میں فرق ظاہر ہے اھ

اقول: کاش فاضل مدقق محقق دوانی کی مخالفت نہ کرتے تو ان کے کلام کا معنی درست ہوتا کیونکہ ثبوت بعض اوقات عینی ہوتا ہے اور بعض اوقات کسی عمومی اصل کے تحت ہوتا ہے اگرچہ اباحت کی اصل پر ہو کیونکہ مباح نیت سے مستحب ہوجاتا ہے اور ہم قبول ضعاف کو اس کے ساتھ مشروط ہونے کا انکار نہیں کرتے یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر یہ بات نہ ہو تو اس میں ضعیف کو صحیح پر ترجیح لازم آتی اور وہ بالاتفاق باطل ہے، اگر فاضل مدقق بھی یہی مراد لیتے تو درست تھا اور اپنے قول "اوالاذکار الماثورة" کے تکرار سے محفوظ ہوجاتے، لیکن فاضل رحمۃ اللہ علیہ محقق کی مخالفت کے درپے تھے

---

[1] نسیم الریاض تتمۃ وفاعدۃ مہمۃ فی الخطبۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۳

الصحیح حیث قال المباحات تصیر بالنیة عبادة فکیف مافیه شبهة الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف والحاصل ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیة الدالة علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین فلم یثبت شیئ من الاحکام بالحدیث الضعیف بل اوقع الحدیث شبهة الاستحباب فصار الاحتیاط ان یعمل به فاستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع[1] اھ ملخصا فالظاھر من عدم ارتضائه انه یرید الثبوت عینا بخصوصه و یؤیده تشبثه بالفرق بین الاعمال وفضائلها فان اراده فهذه جنود براھین لاقبل لاحدبها وقد اتاك بعضها۔

اور محقق نے اسی معنی صحیح پر اعتماد کیا تھا چنانچہ کہا کہ مباحات نیت سے عبادت قرار پاتے ہیں تو اس کا کیا حال ہوگا جس کے استحباب میں حدیث ضعیف کی وجہ سے شُبہہ ہو؟ حاصل یہ ہے کہ جواز خارج سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب بھی ایسے قواعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے جو امر دین میں احتیاطًا استحباب پر دال ہیں، پس احکام میں سے کوئی بھی حکم حدیث ضعیف سے ثابت نہ ہوگا بلکہ حدیث استحباب کا شبہہ پیدا کردے گی لہٰذا احتیاطًا اسی پر عمل کرنا ہوگا اور احتیاطًا استحباب پر عمل قواعد شرع سے معلوم ہوا ہے اھ ملخصا ان کی عدم پسندیدگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ثبوت سے مراد صرف عینی لیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس پر استدلال اعمال اور فضائل اعمال کے فرق سے کیا ہے اگر انہوں نے یہی مراد لیا ہے تو یہ دلائل کا انبار ہے جس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور بعض کا ذکر آپ تک پہنچ گیا۔ (ت)

عــہ: ویکدرہ ایضا علی ماقیل مغایرة العلماء بین فضائل الاعمال والترغیب علی ماھو الظاھر من کلامھم فلفظ ابن الصلاح فضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترھیب وسائر مالاتعلق له بالاحکام والعقائد ھذا توضیح ماقیل۔ اقول بل المراد بفضائل الاعمال الاعمال التی ھی فضائل تشھد بذلك کلمات العلماء المارة فی الافادة السابعة عشر کقول الغنیة والقاری والسیوطی وغیرھم کمالاینھی علی من له اولٰی مسکة ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

اسے یہ بات بھی رد کرتی ہے کہ علماء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب ایک شَے نہیں، ابن صلاح کے الفاظ یہ ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے معاملات اور وہ چیزیں جن کا تعلق احکام وعقائد سے نہیں ہے یہ ماقیل کی وضاحت ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ اس سے مراد وہ فضائلِ اعمال ہیں جن کی شہادت علماء کا کلام دیتا ہے جو کہ سترھویں ۱۷ افادہ میں گزرا مثلًا غنیہ، قاری اور سیوطی وغیرہ کے اقوال اور یہ بات ہر اس شخص پر مخفی نہیں جس میں ادنٰی سا شعور ہو ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] انموذج العلوم للدوانی

علی انی **اقول** اذن یرجع معنی العمل بعد الاستقصاء التام الی ترجی اجر مخصوص علی عمل منصوص ای یجوز العمل بشیئ مستحب معلوم الاستحباب مترجیا فیه بعض خصوص الثواب لورود حدیث ضعیف فی الباب. فالآن نسألکم عن هذا الرجاء اھو کمثله بحدیث صحیح ان وردام دونه. الاول باطل فان صحة الحدیث بفعل لایجبر ضعف ماوردفی الثواب المخصوص علیه وعلی الثانی هذا القدر من الرجاء یکفی فیه الحدیث الضعیف فای حاجة الی ورود صحیح بخصوص الفعل نعم لابد ان یکون ممایجیز الشرع رجاء الثواب علیه وهذا حاصل بالاندراج تحت اصل مطلوب اومباح مع قصد مندوب فقد استبان ان الوجه مع المحقق الدوانی والله تعالٰی اعلم۔ **ثانیهما:** بعض من تقدم الدوانی زعم ان مراد النووی ای بمامر من کلامه فی الاربعین والاذکار انه اذاثبت حدیث صحیح اوحسن فی فضیلة عمل من الاعمال تجوز روایة الحدیث الضعیف فی هذا الباب قال المحقق بعد نقله فی الانموذج لایخفی ان هذا لایرتبط بکلام النووی فضلا عن انیکون مراده ذلک. فکم بین جواز العمل واستحبابه وبین مجرد نقل الحدیث فرق. علی انه لولم یثبت الحدیث الصحیح و

علاوہ ازیں **میں کہتا ہوں** انتہائے گفتگو کے بعد اب عمل کا معنی عمل منصوص پر اجر مخصوص کی امید دلانا ہے یعنی شیئ مستحب جس کا استحباب واضح ہے پر عمل کرنا اور اس میں خصوص ثواب کی امید کرنا جائز ہوگا اس لئے کہ اس بارے میں حدیث ضعیف موجود ہے اب ہم اس امید کے بارے میں تم سے پُوچھتے ہیں کیا یہ اسی رجاء کی مثل ہے جو حدیث صحیح کی وجہ سے ہوتی ہے اگر وہ وارد ہو یا اس سے کم درجہ کی ہے پہلی صورت باطل ہے کیونکہ صحتِ حدیث کسی ایسی روایت پر جابر نہیں ہو سکتی جو کسی مخصوص ثواب کے بیان کے لئے وارد ہو اور دوسری صورت میں اس قدر رجاء کے لئے حدیث ضعیف ہی کافی ہے تو اب کسی مخصوص فعل کے لئے حدیث صحیح کے وارد ہونے کی ضرورت نہ رہی، ہاں یہ بات ضروری ہے کہ وہ فعل ایسے اعمال میں سے ہو کہ شریعت نے اس پر ثواب کی امید دلائی ہو اور یہ حاصل ہے اصل مطلوب کے تحت اندراج کا یا مباح بقصد مندوب کا تو اب واضح ہوگیا کہ دلیل محقق دوانی کے ساتھ ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ان میں سے دوسرے دوانی سے پہلے کے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے یہ گمان کیا کہ امام نووی نے اربعین اور اذکار میں جو گفتگو کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں حدیث صحیح یا حسن ثابت ہو تو اس کے بارے میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، محقق دوانی نے انموذج العلوم میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھا مخفی نہ رہے کہ اس زعم کا امام نووی کے کلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں چہ جائیکہ یہ انکی مراد ہو کیونکہ اکثر طور پر جواز عمل واستحباب عمل اور محض نقل حدیث

الحسن فی فضیلة عمل من الاعمال یجوز نقل الحدیث الضعیف فیھا. لاسیما مع التنبیه علی ضعفه ومثل ذلك فی کتب الحدیث وغیرہ شائع یشھدبه من تتبع ادنی تتبع[1] اھ

اقول: لااری احدا ممن ینتمی الی العلم ینتھی فی الغباوة الی حدیحیل روایة الضعاف مطلقا حتی مع بیان الضعف فان فیه خرقا لاجماع المسلمین وتاثیما بین لجمیع المحدثین وانما المراد الروایة مع السکوت عن بیان الوھن فقول المحقق لاسیما مع التنبیه علی ضعفه، لیس فی محله والآن نعود الی تزییف مقالته فنقول اوّلا ھذا الذی ابدیج ان سلم وسلم لم یتمش الافی لفظ القبول کمااشرنا الیه سابقا فمجرد روایة حدیث لوکان عملا به لزم ان یکون من روی حدیثا فی الصلاة فقد صلی اوفی الصوم فقدصام وھکذا مع ان الواقع فی کلام الامام فی کلاالکتابین انما ھو لفظ العمل وھذا مااشار الیه الدوانی بقوله ان ھذا لایرتبط الخ

کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے، علاوہ ازیں اگر کسی عمل کی فضیلت میں حدیث صحیح یا حسن ثابت نہ بھی ہو تب بھی اس میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، خصوصًا اس تنبیہ کے ساتھ نقل کرنا کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی مثالیں کتب حدیث اور دیگر کتب میں کثیر ہیں اور اس بات پر ہر وہ شخص گواہ ہے جس نے اس کا تھوڑا سا مطالعہ بھی کیا ہے اھ (ت)

اقول: میں ایسے کسی اہلِ علم کو نہیں جانتا جو غباوت کے اس درجہ پر پہنچ چکا ہو کہ حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرنے کے باوجود اس کی روایت کو مطلقًا محال تصور کرتا ہو کیونکہ اس میں اجماع مسلمین کی مخالفت ہے اور واضح طور پر تمام محدثین کو گناہ کا مرتکب قرار دینا ہے، لہٰذا مراد یہ ہے کہ ضعف بیان کیے بغیر روایت حدیث ہو تو درست ہے لہٰذا محقق دوانی کا قول "لاسیما مع التنبیه علی ضعفه" بجا نہیں۔ اب ہم اس کے قول کی کمزوری کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں: **اولًا** اگر یہ بیان کردہ قول اگر صحیح ہو اور اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر قبول حدیث ہی اس سے مراد ہوگا جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کرآئے ہیں کیونکہ اگر محض روایت کا نام ہی عمل ہو تو لازم آئے گا کہ وہ شخص جس نے نماز کے بارے میں حدیث روایت کی اس نے نماز بھی ادا کی، یا اس طرح روزے کے بارے میں روایت کرنیوالے روزہ بھی رکھا ہو، باوجود اس کے امام نووی کی دونوں کتب میں لفظ عمل ہے اور اسی کی طرف محقق دوانی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا اِن ھذا لایرتبط الخ۔

---

[1] انموذج العلوم للدوانی

وثانیا: اقول قدبینا ان القبول انما مرجعه الی جواز العمل وحینئذ یکفی فی ابطاله دلیلنا المذکور خامسا مع ماتقدم۔

وثالثا: اذن یکون حاصل التفرقة ان الاحکام لایجوز فیها روایة الضعاف اصلا ولووجد فی خصوص الباب حدیث صحیح اللھم الامقرونة ببیان الضعف اماما دونها کالفضائل فتجوز اذاصح حدیث فیه بخصوصه والا لا الا ببیان وح ماذا یصنع بالوف مؤلفة من احادیث مضعفة رویت فی السیر والقصص والمواعظ والترغیب والفضائل والترھیب وسائر مالاتعلق له بالعقد والحکم مع فقدان الصحیح فی خصوص الباب وعدم الاقتران ببیان الوھن وھذا ماشار الیه الدوانی بالعلاوة۔

اقول: دع عنك توسع المسانید التی تسند کل ماجاء عن صحابی، والمعاجیم التی توعی کل ماوعی عن شیخ بل والجوامع التی تجمع امثل مافی الباب ورده ان لم یکن صحیح السند ھذا الجبل الشامخ البخاری یقول فی صحیحه حدثنا علی بن عبدالله بن جعفر ثنا معن بن عیسٰی ثنا اُبی بن عباس بن سھل عن ابیه عن جده

ثانیا میں کہتا ہوں کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ قبول کا مرجع جوازِ عمل ہے تو اب اس کے اطبال کے لئے "خامسًا" سے ہماری مذکورہ دلیل مع مذکور گفتگو کے کافی ہے۔

ثالثًا اب حاصل فرق یہ ہوگا کہ احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کی روایت جائز نہیں اگرچہ اس خصوصی مسئلہ کے بارے میں حدیث صحیح موجود ہو مگر صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا ضعف بیان کر دیا جائے مگر احکام کے علاوہ فضائل میں اگر اس خصوصی مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح پائی جائے تو ضعیف کی روایت جائز ہے اگر حدیث صحیح نہ ہو تو جائز نہیں مگر بیان ضعف کے ساتھ جائز ہے اب ان ہزارہا کتب کا کیا بنے گا جن میں ایسی احادیث ضعیفہ مروی ہیں جو سیر، واقعات، وعظ، ترغیب وترہیب، فضائل اور باقی حدیثیں جن کا تعلق عقیدہ اور احکام سے نہیں اس کے ساتھ ساتھ خاص اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح بھی موجود نہ ہو اور ضعیف حدیث کا ضعف بھی بیان نہ کیا گیا ہو یہ وہ ہے جس کی طرف دوانی نے "علاوۃ" کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ **اقول:** ان مسانید کی وسعت کو چھوڑیئے جو صحابی سے روایات بیان کرتی ہیں اور معاجیم جو شیخ سے محفوظ شدہ احادیث کی حفاظت کرتی ہیں بلکہ جوامع جو اس باب میں وارد شدہ احادیث میں اعلٰی قسم کی روایات جمع کرتی ہیں اگرچہ سند صحیح نہ ہو مثلًا حدیث کے عظیم پہاڑ امام بخار اپنی صحیح میں کہتے ہیں ہمیں علی بن عبداللہ بن جعفر نے حدیث بیان کی، ہمیں معن بن عیسٰی نے حدیچ بیان کی، ہمیں ابن عباس بن سہل نے اپنے باپ سے اپنے دادا سے حدیث بیان کی، فرمایا

قال کان للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی حائطنا فرس یقال له اللحیف [1] اھ فی تذھیب التھذیب للذھبی "خ، ت، ق" ابی بن عباس [2] بن سھل بن سعد الساعدی المدنی عن ابیه وابی بکر بن حزم وعنه معن القزاز وابن ابی فدیك وزید بن الحباب وجماعة [3]۔ قال الدولابی لیس بالقوی قلت وضعفه ابن معین وقال احمد منکر الحدیث [4] اھ وکقول الدولابی قال النسائی کمافی المیزان ولم ینقل فی الکتابین توثیقه عن احد وبه ضعف الدارقطنی ھذا الحدیث لاجرم ان قال الحافظ فیه ضعف عه قال ماله فی البخاری غیر حدیث واحد [5] اھ قلت فانما الظن بابی عبداللہ انه انما تساھل لان الحدیث	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہمارے ہمارے باغ میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا اھ۔ امام ذہبی نے تذہیب التہذیب میں لکھا کہ اُبی بن عباس بن سہلی بن سعد الساعدی مدنی نے اپنے والد گرامی اور ابر بکر بن حزم سے روایت کیا اور ان سے معن القزار، ابن ابی فدیک، زید بن الحباب اور ایک جماعت نے روایت کیا، دولابی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ میں کہتا ہوں اسے ابنِ معین نے ضعیف کہا اور امام احمد کے نزدیک یہ منکر الحدیث ہے اور میزان میں ہے نسائی کا قول دولابی کی طرح ہی ہے اور دونوں کتب میں اس کے بارے میں کسی کی توثیق منقول نہیں، دار قطنی نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔ لاجرم حافظ نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے اور کہا کہ

عــــه **قلت** واما اخوہ المھیمن فاضعف واضعف ضعفه النسائی والدارقطنی وقال البخاری منکر الحدیث ای فلاتحل الروایة عنه کمامر لاجرم ان قال الذھبی فی اخیه ابی انه واہ ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)

میں کہتا ہوں اس کا بھائی عبدالمہیمن ہے اور وہ اضعف الضعاف ہے اسے نسائی اور دار قطنی نے ضعیف کہا، بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا یعنی اس سے روایت کرنا جائز نہیں جیسا کہ گزرا لاجرم ذہبی نے اسے اس کے بھائی ابی کے بارے میں کہا کہ وہ نہایت ہی کمزور ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب اسم الفرس والحمار مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۰

[2] "خ" سے بخاری، "ت" سے ترمذی اور "ق" سے قزوینی مراد ہے۔

[3] خلاصہ تذہیب التہذیب ترجمہ نمبر ۷ ۳۲ من اسمہ ابی مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ۱/ ۶۲

[4] میزان الاعتدال فی نقدالرجال ترجمہ نمبر ۳ ۷ ۲ من اسمہ ابی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۷۸

نوٹ: تہذیب التہذیب نہ ملنے کی وجہ سے اس کے خلاصے اور میزان الاعتدال دو ۲ کتابوں سے یہ نقل کیا ہے۔

[5] تقریب التہذیب ذکر من اسمہ ابی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۷

لیس من باب الاحکام واللہ تعالٰی اعلم۔

ورابعًا اقول: قدشاع وذاع ایراد الضعاف فی المتابعات والشواھد فالقول بمنعه فی الاحکام مطلقا وان وجد الصحیح باطل صریح وح یرتفع الفرق وینھدم اساس المسئلة المجمع علیھا بین علماء المغرب والشرق، لااقول عن ھذا وذاك بل عن ھذین الجبلین الشامخین صحیحی الشیخین فقد تنزلا کثیرا عن شرطھما فی غیرالاصول قال الامام النووی فی مقدمة شرحه لصحیح مسلم عاب عائبون مسلما رحمه اللہ تعالٰی بروایته فی صحیحه عن جماعة من الضعفاء والمتوسطین الواقعین فی الطبقة الثانیة الذین لیسوا من شرط الصحیح ولاعیب علیه فی ذلك بل جوابه من اوجه ذکرھا الشیخ الامام ابوعمر وبن الصلاح (الٰی ان قال) الثانی انیکون ذلك واقعا فی المتابعات والشواھد لافی الاصول وذلك بان یذکر الحدیث اولا باسناد نظیف رجاله ثقات ویجعله اصلا ثم اتبعه باسناد اٰخرا واسانید فیھا بعض الضعفاء علی وجه التاکید بالمتابعة اولزیادۃ فیه تنبه علی فائدۃ فیما قدمه و قداعتذر الحاکم ابوعبداللہ بالمتابعة و الاستشھاد فی اخراجه من جماعة لیسو من شرط

بخاری میں اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوعبداللہ کے بارے میں گمان ہے کہ انہوں نے تساہل سے کام لیا، کیونکہ اس حدیث کا تعلق احکام سے نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رابعًا میں کہتا ہوں کہ متابع اور شواہد میں احادیث ضعیفہ کا ایراد شائع اور مشہور ہے لہٰذا حدیث صحیح کی موجودگی میں احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کے مطلقًا روایت کرنے کو منع کرنا صریحًا باطل ہے، اوراس صورت میں فرق مرتفع ہوجاتا ہے اور اس مسئلہ کی اساس جس پر علماءِ مشرق ومغرب کا اتفاق ہے گر کر ختم ہوجاتی ہے یہ میں اس یا اُس (یعنی عام آدمی) کی بات نہیں کرتا بلکہ علم حدیث کے دو بلند اور مضبوط پہاڑ بخاری ومسلم کی صحیحین کہ وہ اصول کے علاوہ میں اپنے شرائط سے بہت زیادہ تنزل میں آگئیں، امام نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرمایا کہ عیب لگانے والوں نے مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر یہ طعن کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سے ضعیف اور متوسط راویوں سے روایت لی ہے جو دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور صحیح کی شرط پر نہیں، حالانکہ اس معاملہ میں ان پر کوئی طعن نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا کئی طریقوں سے جواب دیا گیا ہے جنہیں امام ابوعمرو بن صلاح نے ذکر کیا (یہاں تک کہ کہا) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات ان روایات میں ہے جنہیں بطور متابع اور شاہد ذکر کیا گیا ہے اصول میں ایسا نہیں کیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک ایسی حدیث ذکر کی جس کی سند درست ہو اور تمام راوی ثقہ ہوں اوراس حدیث کواصل قرار دے کر اسکے

الصحیح منھم مطر الوراق وبقیۃ بن الولید ومحمد بن اسحاق بن یساور وعبداللہ بن عمر العمری والنعمان بن راشد اخرج مسلم عنھم فی الشواھد فی اشباہ لھم کثیرین انتھی[1]۔ وقال الامام البدر محمود العینی فی مقدمۃ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری یدخل فی المتابعۃ والاستشھاد روایۃ بعض الضعفاء وفی الصحیح جماعۃ منھم ذکروا فی المتابعات والشواھد[2] اھ

وخامسا اقول: مالی اخص الکلام بغیر الاصول ھذہ قناطیر مقنطرۃ من السقام مرویۃ فی الاصول والاحکام ان لم تروھا العلماء فمن جاء بھا وکم منھم التزموا بیان ماھنا، اما الرواۃ فلم یعھد منھم الروایۃ المقرونۃ بالبیان اللھم الا نادر الداع خاص، وقد اکثروا قدیما وحدیثا من الروایۃ عن الضعفاء والمجاھیل ولم یعد ذلك قدحا فیھم ولا ارتکاب مأثم وھذا سلیمٰن بن عبدالرحمٰن الدمشقی الحافظ شیخ البخاری ومن رجال صحیحہ قال فیہ الامام ابوحاتم صدوق الا انہ من

بعد بطور تابع ایک اور سند یا متعدد اسناد ایسی ذکر کی جائیں جن میں بعض راوی ضعیف ہوں تاکہ متابعت کے ساتھ تاکید ہو یا کسی اور مذکور فائدے پر تنبیہ کا اضافہ مقصود ہو، امام حاکم ابوعبداللہ نے عذر پیش کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ جن میں صحیح کی شرط نہیں ان کو بطور تابع اور شاہد روایت کیا گیا ہے، اور ان روایت کرنے والوں میں یہ محدثین ہیں مطرالوراق، بقیۃ بن الولید، محمد بن اسحٰق بن یسار، عبداللہ بن عمر العمری اور نعمان بن راشد، امام مسلم نے ان سے شواہد کے طور پر متعدد روایات تخریج کی ہیں انتہٰی۔ امام بدرالدین عینی نے مقدمہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں تحریر کیا ہے کہ توابع اور شواہد میں بعض ضعفاء کی روایات بھی آئی ہیں اور صحیح میں ایک جماعت محدثین نے توابع اور شواہد کے طور پر ایسی روایات ذکر کی ہیں اھ (ت)

خامسا: ضعیف اور متوسط راوی کی روایت کی بات صرف غیر اصول وشواہد متابعات سے مختص کرنے کی مجھے کیا ضرورت، جبکہ کمزور اغیر صحیح روایات کا یہ ایک ذخیرہ ہے جو اصول واحکام میں مروی ہے اگر علماء ہی ان کو ذکر نہ کریں تو کون ذکر کریگا اور بہت کم ہیں جنہوں نے یہاں اس بات کا التزام کیا۔ رہا معاملہ راویوں کا توان کے ہاں روایت کے ساتھ بیان کا طریقہ معروف نہیں، البتہ کسی خاص ضرورت کے تقاضے کے پیش نظر بیان بھی کردیا جاتا ہے اور ان میں سلفًا وخلفًا یہ معمول ہے کہ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں اور اس بات کو ان میں طعن وگناہ شمار نہیں کیا جاتا دیکھئے سلیمان بن عبدالرحمٰن دمشقی جو کہ حافظ ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں اور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں ان کے بارے میں

---

[1] المقدمۃ للامام النووی من شرح صحیح مسلم فصل عاب عائبون مسلمًا رحمہ اللہ تعالٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] المقدمۃ للعینی صحیح بخاری الثامنۃ فی الفرق بین الاعتبار والمتابعۃ الخ مطبوعہ بیروت ۱/ ۸

اروی الناس عن الضعفاء والمجهولین[1] اھ ولوسردت اسماء الثقات الرواۃ عن المجروحین لکثر وطال فلیس منهم من التزم ان لایحدث الا عن ثقة عنده الانزر قلیل کشعبة ومالك واحمد فی المسند ومن شاء الله تعالٰی واحدا بعد واحد ثم هذا ان کان ففی شیوخهم خاصة لامن فوقهم والا لما اتی من طریقهم ضعیف اصلا ولکان مجرد وقوعهم فی السند دلیل الصحة عندهم اذاصح السند الیهم ولم یثبت هذا لاحد، وهذا الامام الهمام یقول لابنه عبدالله لواردت ان اقتصره علی ماصح عندی لم ار و من هذا المسند الا الشیئ بعد الشیئ ولکنك یابنی تعرف طریقتی فی الحدیث انی لااخالف مایضعف الا اذاکان فی الباب شیئ یدفعه[2] ذکره فی فتح المغیث عـــہ واما المصنفون

امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے اگرچہ ان لوگوں میں سے ہے جو ضعیف اور مجہول راویوں سے بہت زیادہ روایت کرنے والے ہیں اھ۔ اگر میں ان ثقہ محدثین کے نام شمار کروں جنہوں نے مجروح راویوں سے روایت کی ہے تو یہ داستان طویل ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے یہ التزام کیا ہو کہ وہ اسی سے روایت کرے گا جو اس کے نزدیک ثقہ ہو مگر بہت کم محدثین مثلاً شعبہ، امام مالک اور احمد نے مسند میں اور کوئی اِکّا دُکّا جس کو اللہ تعالٰی نے توفیق دی، پھر ان کے ہاں بھی یہ معاملہ ان کے اپنے شیوخ تک ہی ہے اس سے اوپر نہیں ورنہ ان کی سند سے کوئی ضعیف حدیث مروی نہ ہوتی اور محدثین کے ہاں ان میں سے کسی کا سند میں آجانا صحتِ حدیث کے لئے کافی ہوتا ہے جبکہ صحت کے ساتھ سند ان تک پہنچی ہو حالانکہ یہ بات کسی ایک کے لئے بھی ثابت نہیں، یہ امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو فرماتے ہیں: اگر میں اس بات کا ارادہ کرتا کہ میں ان ہی احادیث کی روایت پر اکتفا کروں گا جو میرے ہاں صحیح ہیں تو پھر اس مسند میں بہت کم احادیث روایت کرتا، مگر اے میرے بیٹے! تُو روایت حدیث میں میرے طریقے سے آگاہ ہے کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا مگر جب اس باب میں مجھے کوئی ایسی شیئ مل جائے جو اسے

عـــہ: اواخر القسم الثانی الحسن ۱۲ منہ (م)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ سلیمان بن عبدالرحمان الدمشقی نمبر ۳۴۸۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۱۳

[2] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث القسم الثانی الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۹۶

فاذا عدوت امثال الثلثة للبخاری ومسلم والترمذی ممن التزم الصحة والبیان الفیت عامة المسانید والمعاجیم والسنن والجوامع والاجزاء تنطوی فی کل باب علی کل نوع من انواع الحدیث من دون بیان، وھذا مما لاینکرہ الاجاھل اومتجاھل فان ادعی مدع انھم لایستحلون ذلك فقد نسبھم الی افتخام مالایبیحون وان زعم زاعم انھم لایفعلون ذلك فھم بصنیعھم علی خلفه شاھدون وھذا ابوداؤد الذی الین له الحدیث کماالین لداود علیه الصلاۃ والسلام الحدید، قال فی رسالته الی اھل مکة شرفھا اللہ تعالٰی ان ماکان فی کتابی من حدیث فیه وھن شدید فقدبینته ومنه مالایصح سندہ ومالم اذکر فیه شیئا فھو صالح وبعضھا اصح من بعض[1] اھ۔

والصحیح ماافادہ الامام الحافظ ان لفظ صالح فی کلامه اعم من ان یکون للاحتجاج اوللاعتبار فما ارتقی الی الصحة ثم الی الحسن فھو بالمعنی الاول وماعداھما فھو بالمعنی الثانی وماقصر عن ذلك فھو الذی فیه وھن شدید[2] اھ وھذا الذی یشھدبه

رَد کردے یہ فتح المغیث میں مذکور ہے، باقی رہیں محدثین کی تصنیفات تو اگر آپ امثال الکتب بخاری ومسلم اور ترمذی تینوں کتابوں کو سے تجاوز کریں جنھوں نے صحت وبیان کا التزام کر رکھا ہے تو آپ اکثر مسانید، معاجیم، سنن، جوامع اور اجزاکے ہر باب میں ہر قسم کی احادیث بغیر بیان کے پائیں گے اس بات کا انکار جاہل یا متجاہل ہی کرسکتا ہے اور اگر کوئی دعوٰی کرے کہ محدثین کے ہاں یہ جائز نہیں تو یہ ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ایسا عمل کرتے ہیں جسے وہ جائز نہ سمجھتے تھے اور اگر کوئی یہ زعم رکھتا ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے تو ان کا عمل اس کے برخلاف خود شاہد ہے، امام ابوداؤد کو ہی لیجئے ان کے لئے حدیث اسی طرح آسان کردی گئی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم ہوجاتا تھا، اہل مکہ "شرفھا اللہ تعالٰی" کی طرف خط میں لکھا: میری کتاب (سنن ابی داؤد) میں جن بعض احادیث کے اندر نہایت سخت قسم کا ضعف ہے اس کو میں نے بیان کردیا ہے، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کی سند صحیح نہیں اور جس کے بارے میں میں کچھ ذکر نہ کروں وہ استدلال کے لئے صالح ہیں اور بعض احادیث دوسری بعض کے اعتبار سے اصح ہیں اھ۔ اور صحیح وہ ہے جس کا امام حافظ نے افادہ فرمایا ہے کہ ابوداؤد کے کلام میں لفظ صالح استدلال اور اعتبار دونوں کو شامل ہے، پس جو حدیث صحت پھر حسن کے درجہ پر پہنچے وہ معنی اول کے لحاظ سے صالح ہے اور جو ان دونوں کے علاوہ ہے وہ معنی ثانی کے لحاظ سے صالح ہے

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد، فصل ثانی آفتاب عالم پریس لاہور ص ۴

[2] ارشاد الساری بحوالہ حافظ ابن حجر مقدمہ کتاب دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۸

الواقع فعليك به وان قيل وقيل عـــه- وقدنقل عن اعلام سيرا النبلاء للذهبی ان ماضعف اسنادہ لنقص

اور جو اس سے بھی کم درجہ پر ہے وہ ایسی ہوگی جس میں ضعفِ شدید ہے اھ نفس الامر اس پر شاہد ہے اور تجھ پر یہی لازم ہے اگرچہ قیل کے طور پر کیا گیا ہے۔

عـــه: ای قیل حسن عندہ واختارہ الامام المنذری وبه جزم ابن الصلاح فی مقدمته وتبعه الامام النووی فی التقریب ای وقد لایکون حسنا عندغیرہ کمافی ابن الصلاح وقیل صحیح عندہ ومشی علیه الامام الزیلعی فی نصب الرایة عنه ذکر حدیث القلتین وتبعه العلامه حلبی فی الغنیة فی فصل فے التوافل وکذلك یقال ههنا انه قدلایصح عند غیرہ بل ولایحسن واما الامام ابن الهمام فی الفتح اهل الکتاب وتلمیذہ فی الحلیة قبیل صفة الصلاۃ فاقتصروا علی الحجیة وهی تشملهما فیقرب من قول من قال حسن وهذا الذی ذکرہ الحافظ وتبعه فیه العلامة القسطلانی فی مقدمة الارشاد وختم الحفاظ فی التدریب فی فروع فی الحسن قال لکن ذکر ابن کثیر انه روی عنه ماسکت عنه فهو حسن فان صح ذلك فلااشکال[1] اھ **اقول:** لقائل ان یقول ان للحسن اطلاقات وان القدماء قل ماذکروہ وانما الترمذی هو الذی شهرہ وامرہ فاید ربنا انه ان صح عنه ذلك لم یرد به الاهذا لا الذی استقر علیه الاصطلاح فافهم واللّٰه تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

یعنی بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ حسن ہے، اسے امام منذری نے اختیار کیا، اسی پر ابن صلاح نے مقدمہ میں جزم کیا اور امام نووی نے تقریب میں اسی کی اتباع کی یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ حسن نہیں ہوتی جیسے کہ مقدمہ ابن صلاح میں ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ صحیح ہے، امام زیلعی نصب الرایہ میں قلتین والی حدیث کے ذکر میں اسی پر چلے ہیں۔ اور علّامہ حلبی نے غنیۃ المستملی کی فصل فی النوافل میں اسی کی اتباع کی ہے اور اسی طرح یہاں کہا جائے گا یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ صحیح نہیں بلکہ حسن بھی نہیں ہوتی۔ امام ابن ہمام نے فتح القدیر ابتدائے کتاب میں اور ان کے شاگرد نے حلیۃ المحلی میں صفۃ الصلوٰۃ سے تھوڑا پہلے اس کے صحیح ہونے پر اقتصار کیا ہے اور یہ بات ان دونوں اقوال کو شامل ہے پس یہ اس کے قول کے قریب ہے جس نے کہا وہ حسن ہے یہ وہ ہے جس کا ذکر حافظ نے کیا ہے اور مقدمہ ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی نے اسی کی اتباع کی ہے اور تدریب میں خاتم الحفاظ نے بیان فروع فی الحسن، لیکن ابن کثیر نے کہا کہ ان سے ہے کہ جس پر انہوں نے سکوت کیا، وہ حسن ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہو تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حسن کے تو مختلف اطلاقات ہیں بہت کم قدماء نے اس کا ذکر کیا ہے صرف امام ترمذی نے اس کو شہرت دی اور اس کا اجراء کیا، پس اللہ رب العزت نے ہماری تائید فرمائی کہ اگر ان سے یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو انہوں نے اس سے یہی مراد لی ہے نہ وہ جس پر اصطلاح قائم ہو چکی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النووی فروع فی الحسن دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۸

حفظ اوید فمثل هذا یسکت عنه ابوداود غالبا[1] الخ۔ ومعلوم ان کتاب ابی داؤد انما موضوعه الاحکام وقدقال فی رسالته انمالم اصنف فی کتاب السنن الا الاحکام ولم اصنف فی الزهد وفضائل الاعمال وغیرها الخ۔[2] وقال الشمس محمدن السخاوی فی فتح المغیث اما حمل ابن سید الناس فی شرحه الترمذی قول السلفی علی مالم یقع التصریح فیه من مخرجها وغیره بالضعف، فیقتضی کما قال الشارح فی الکبیر ان ماکان فی الکتب الخمسة مسکونا عنه ولم یصرح بضعفه ان یکون صحیحا، ولیس هذا الاطلاق صحیحا بل فی کتب السنن احادیث لم یتکلم فیها الترمذی او ابوداود ولم ینجد لغیرهم فیها کلاما ومع ذلك فهی ضعیفة[3] اھ۔ وقال فی المرقاۃ الحق ان فیه"ای فی مسند الامام لمحمد رضی الله تعالٰی عنه"احادیث کثیرۃ ضعیفة وبعضها اشد فی الضعف من بعض[4] الخ۔ ونقل بعیده عن شیخ الاسلام الحافظ انه قال لیست الاحادیث الزائدۃ فیه علی مافی الصحیحین باکثر ضعفا من الاحادیث الزائدۃ فی سنن ابی داؤد

اور امام ذہبی کی اعلام سیر النبلا سے منقول ہے کہ جس حدیث کی سند ضعیف اس کے راوی کا حفظ ناقص ہونے کی وجہ سے ہو تو ایسی حدیث کے بارے میں ابوداؤد سکوت اختیار کرتے ہیں الخ۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ابوداؤد شریف کا موضوع احکام ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے رسالہ میں یہ بات کہی ہے میں نے یہ کتاب احکام ہی کے لئے لکھی ہے زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کے لئے نہیں الخ۔ اور شمس محمد سخاوی نے فتح المغیث میں بیان کیا ہے کہ ابن سید الناس نے اپنی شرح ترمذی نے قول سلفی کو ایسی حدیث پر محمول کیا ہے جس کے بارے میں اس کے مخرج وغیرہ کی ضعف کے ساتھ تصریح واقع نہیں ہوئی۔ پس اس کا تقاضا ہے جیسا کہ شارح نے کبیر میں کہا کہ کتب خمسہ میں جس حدیث پر سکوت اختیار کیا گیا ہو اور اس کے ضعف کی تصریح نہ کی گئی ہو وہ صحیح ہوگی حالانکہ یہ اطلاق صحیح نہیں کیونکہ کُتبِ سنن میں ایسی احادیث موجود ہیں جن پر ترمذی یا ابوداؤد نے کلام نہیں کیا اور نہ ہی کسی غیر نے ہمارے علم کے مطابق ان میں گفتگو کی ہے اسکے باوجود وہ احادیث ضعیف ہیں اھ۔ اور مرقات میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس یعنی مسند احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو ضعیف ہیں اور بعض دوسری بعض کے اعتبار سے زیادہ ضعیف ہیں الخ۔ اور تھوڑا سا اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ سے نقل کیا کہا کہ اس میں (یعنی مسند احمد بن حنبل میں صحیحین پر جو زائد احادیث

---

[1] سیر اعلام النبلاء ترجمہ نمبر ۱۱۷ ابوداؤد بن اشعث مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۲۱۴

[2] رسالہ مع سنن ابی داؤد الفصل الثانی فی الامور التی تعلق بالکتاب مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵

[3] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للسخاوی القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۱۰۰ و۱۰۱

[4] مرقات شرح مشکوٰۃ المصابیح شرط البخاری و مسلم الذی التزماہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۳

والترمذی علیها وبالجملة فالسبیل واحد فمن اراد الاحتجاج بحدیث من السنن لاسیما سنن ابن ماجة ومصنف ابن ابی شیبة وعبدالرزاق مما الامر فیه اشد او بحدیث من المسانید لان هذه کلها لم یشترط جامعوها الصحة والحسن وتلك السبیل ان المحتج انکان اهلا للنقل والتصحیح فلیس ببله ان یحتج بشیئ من القسمین حتی یحیط به وان لم یکن اهلا لذلك فان وجد اهلا لتصحیح اوتحسین قلده والا فلایقدم علی الاحتجاج فیکون کحاطب لیل فلعله یحتج بالباطل وهو لایشعر[1] اھ۔

وقال الامام عثمٰن الشهرزوری فی علوم الحدیث حکی ابوعبدالله بن مندة الحافظ انه سمع محمد بن سعد الباوردی بمصر یقول کان من مذهب ابی عبدالرحمٰن النسائی ان یخرج عن کل من لم یجمع علی ترکه، وقال ابن مندة وکذلك ابوداؤد السجستانی یاخذ ماخذه ویخرج الاسناد الضعیف اذالم یجد فی الباب وغیره لانه اقوی عنده من رای الرجال[2] اھ وفیها بعیده ثم

ہیں وہ سنن ابی داؤد اور ترمذی میں صحیحین پر زائد احادیث سے زیادہ ضعیف نہیں ہیں۔ الغرض راستہ ایک ہی ہے اس شخص کے لئے جو احادیث سنن سے استدلال کرنا چاہتا ہے خصوصا سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق۔ کیونکہ ان میں بعض کا معاملہ سخت ہے یا استدلال ان احادیث سے جو مسانید میں ہیں کیونکہ ان کے جامعین نے صحت وحسن کی کوئی شرط نہیں رکھی اور وہ راستہ یہ ہے کہ استدلال کرنے والا اگر نقل وتصحیح کا اہل ہے تو اس کے لئے ان سے استدلال کرنا اس وقت درست ہوگا جب ہر لحاظ سے دیکھ پرکھ لے اور اگر وہ اس بات کا اہل نہیں تو اگر ایسا شخص پائے جو تصحیح وتحسین کا اہل ہے تو اس کی تقلید کرے اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو وہ استدلال کے لئے قدم نہ اٹھائے ورنہ وہ رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والے کی طرح ہوگا، ہوسکتا ہے وہ باطل کے ساتھ استدلال کرلے اور اسے اس کا شعور نہ ہو اھ۔

اور امام عثمان شہرزوری نے علوم الحدیث میں فرمایا: ابوعبداللہ بن مندہ حافظ نے بیان کیا کہ انہوں نے مصر میں محمد بن سعد باوردی سے یہ کہتے ہُوئے سُنا "ابوعبدالرحمٰن نسائی کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس شخص سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو، اور ابن مندہ نے کہا، اسی طرح ابوداؤد سجستانی اس کے ماخذ کو لیتے اور سند ضعیف کی تخریج کرتے ہیں جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک وہ لوگوں کی

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۳

[2] مقدمۃ ابن الصلاح النوع الثانی فی معرفۃ الحسن مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

فی التقریب والتدریب وھذا لفظھا ملخصاً۔ اما مسند الامام احمد بن حنبل وابی داؤد الطیالسی وغیرھما من المسانید کمسند عبیداللہ بن موسٰی واسحٰق بن راھویہ والدارمی وعبدبن حمید وابویعلی الموصلی والحسن بن سفین وابی بکر ن البزار فھؤلاء عادتھم ان یخرجوا فی مسند کل صحابی ماورد من حدیثہ غیر مقیدین بان یکون محتجا بہ اولا [1] الخ وفیہ اعنی التدریب قیل ومسند البزار یبین فیہ الصحیح من غیرہ قال العراقی ولم یفعل ذلک الا قلیلا [2] وفی البنایۃ عــہ۱ شرح الھدایۃ للعلامۃ الامام البدر العینی الدارقطنی کتابہ مملوءمن الاحادیث الضعیفۃ والشاذۃ والمعللۃ وکم فیہ من حدیث لایوجد فی غیرہ [3] اھ وذکر اشد منہ للخطیب ونحوہ للبیھقی۔ وفی فتح المغیث عــہ۲ یقع ایضا فی صحیح ابی عوانۃ الذی عملہ مستخرجا علی مسلم احادیث

رائے وقیاس سے قوی ہے اھ اور اس میں تھوڑا سا بعد میں ہے پھر تدریب وتقریب میں ہے اور یہ الفاظ ملخصًا ان دونوں کے ہیں، مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد طیالسی اور ان کے علاوہ دیگر مسانید مثلاً مسند عبیداللہ بن موسٰی، مسند اسحٰق بن راہویہ، مسند دارمی، مسند عبد بن حمید، مسند ابویعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند ابوبکر بزار ان تمام کا طریقہ یہی ہے کہ مسند میں ہر صحابی سے مروی حدیث بیان کردیتے ہیں اس قید سے بالاتر ہو کر کہ یہ قابلِ استدلال ہے یا نہیں الخ اور اس یعنی تدریب میں ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ مسند بزار وہ ہے جس میں احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے جُدا بیان کیا جاتا ہے۔ عراقی کہتے ہیں کہ ایسا انہوں نے بہت کم کیا ہے۔ امام بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے کہ دارقطنی کتاب احادیث ضعیفہ، شاذہ اور معللہ سے پُر ہے اور بہت سی احادیث اس میں ایسی ہیں جو اس کے غیر میں نہیں پائی جاتیں اھ اور خطیب کے لئے اس سے بڑھ کر شدت کا ذکر ہے اور اسی کی مثل بیہقی کے لئے ہے۔ اور فتح المغیث میں ہے کہ صحیح ابوعوانہ جو مسلم پر احادیث کا

عــہ۱: فی مسئلۃ الجھر فی البسملۃ ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: فی الصحیح الزائد علی الصحیحین۔ (م)

بسم اللہ کو جہرًا پڑھنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے (ت)

صحیحین پر زائد صحیح کے بیان میں اسے ذکر کیا ہے (ت)

---

[1] تدریب الراوی شرح التقریب النواوی مرتبۃ المسانید من الصحۃ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱ /۱۷۱

[2] تدریب الراوی شرح التقریب النواوی اول من صنف مسندا مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۷۴

[3] البنایۃ شرح الہدایۃ باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱ /۶۲۸

كثيرة زائدة على اصله وفيها الصحيح والحسن بل والضعيف ايضا فينبغی التحرز فی الحكم عليها ايضا [1] اھ نصوص العلماء فی هذا الباب كثيرة جدا وما اوردنا كاف فی ابانة ماقصدنا. وبالجملة فروايتهم الضعاف من دون بيان فی كل باب وان لم يوجد الصحيح معلوم مقرر لا يرد ولاينكر. وانما اطنبنا ههنا لماشممنا خلافه من كلمات بعض الجلة. والحمد لله على كشف الغمة وتبثيت القدم فی الزلة فاستبان ان لوكان المراد مازعم هذا الذی نقلنا قوله لكانت التفرقة بين الاحكام والضعاف قدانعدمت. والمسألة الاجماعية من اساسها قدانهدمت هذا وجه ولك ان تسلك مسلك ارخاء العنان وتقول على وجه التشقق ان الحكم الذی رويت فيه الضعاف مطلقة هل يوجد فيه صحيح ام لافان وجد فقد رووا الضعيف ساكتين فی الاحكام ايضا عند وجود الصحيح فاين الفرق وان لم يوجد فالامر اشد فان التجأ ملتجئ الى انهم يعدون سوق الاسانيد

استخراج کرتے ہُوئے اصل پر بہت کچھ زائدہ احادیث نقل کی ہیں ان میں صحیح، حسن بلکہ ضعیف بھی ہیں لہٰذا ان پر حکم لگانے سے خوب احتراز واحتیاط چاہیے اھ علماء کی تصریحات اس معاملہ میں بہت زیادہ ہیں اور جو ہم نے نقل کردی ہیں ہمارے مقصود کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، الغرض محدثین نے ضعیف احادیث بغیر نشاندہی کے ہر مسئلہ میں ذکر کی ہیں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث نہ پائی گئی ہو اور یہ بات معلوم و مسلّم ہے، نہ اسے رَد کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ ہم نے یہ طویل گفتگو اس لئے کردی ہے کہ بعض بزرگوں کے کلام سے ہم نے اس کے خلاف محسوس کیا تھا۔ اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے جس نے تاریکی دُور کردی اور پھسلنے کے مقام پر ثابت قدم رکھا پس اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان کی مراد وہی ہے جو ہم نے ان کا قول نقل کیا تو پھر احکام اور ضعاف کے درمیان تفریق ختم ہوگی اور اجماعی مسئلہ کی بنیاد منہدم ہوگئی ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک دوسری آسان راہ اختیار کرتے ہوئے علی وجہ التشقق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حکم جس کے بارے میں مطلقًا ضعیف حدیثیں مروی ہوں دیکھا جائیگا اس میں کوئی صحیح حدیث پائی جاتی ہے انہیں اگر حدیث صحیح پائی جائے تو لازم آیا کہ انہوں نے حدیث ضعیف احکام میں بھی صحیح کے ہوتے ہوئے سکوتًا روایت کی ہے تو اب فرق کہاں ہے؟ اور اگر موجود نہ ہو تو معاملہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے اگر معترض یہ کہہ دے کہ محدثین سوقِ سند کو ہی بیان

---

[1] فتح المغیث الصحیح الزائد علی الصحیحین دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۴۳

من البیان ای فلم یوجد منھم روایة الضعاف فی الاحکام الامقرونة:

قلت اوّلًا : ھذا شیئ قد یبدیه بعض العلمآء عذرا ممن روی الموضوعات ساکتا علیھا ثم ھم لایقبلون قال الذھبی عه۱ فی المیزان کلام ابن مندة فی ابی نعیم فظیع لا احب حکایته ولا اقبل قول کل منھما فی الآخر بل ھما عندی مقبولان لااعلم لھما ذنبا اکبر من روایتھما الموضوعات ساکتین عنھا [1] اھ۔ وقدقال العراقی عه۲ فی شرح الفیته ان من ابرز اسنادہ منھم فھو ابسط لعذرہ اذ أحال ناظرہ علی الکشف عن سندہ وان کان لایجوزله السکوت علیه [2] اھ۔

ثانیا: لایعھد منھم ایراد الاحادیث من ای باب کانت الامسندة فھذا البیان لم تنفک عنه احادیث الفضائل ایضًا فبماذا تساھلوا فی ھذا دون ذلک۔

قرار دیتے ہیں، پس اس صورت میں احکام میں ضعیف حدیثوں کی روایت سکوتًا نہ ہوگی بلکہ بیان کے ساتھ ہوگی تو اس کے جواب میں:-

میں کہتا ہوں اولًا: یہ وہ چیز ہے جس کو بعض علماء نے ان لوگوں کی طرف سے عذر کے طور پر پیش کیا جو موضوعات کو سکوتًا روایت کرتے ہیں پھر انہیں قبول نہیں کرتے۔ ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابونعیم کے بارے میں ابن مندہ کا کلام نہایت ہی رکیک ہے میں اسے بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا اور میں ان دونوں کا کوئی قول ایک دوسرے کے بارے میں نہیں سنتا بلکہ یہ دونوں میرے نزدیک مقبول ہیں اور میں ان کا سب سے بڑا گناہ یہی جانتا ہوں کہ انہوں نے روایاتِ موضوعہ کو سکوتًا روایت کیا ہے اور انکی نشان دہی نہیں کی اھ۔ عراقی نے شرح الفیہ میں کہا ہے کہ ان میں سے جس نے اپنی سند کو واضح کیا تو اس نے اپنا عذر طویل کیا کیونکہ اس طرح اس نے ناظر کو سند کے حال سے آگاہ کیا ہے اگرچہ اس کے لئے اس پر سکوت جائز نہ تھا اھ۔ **ثانیا**: ان کے ہاں ہر باب میں یہ معروف ہے کہ اس میں مسند احادیث لائی جائیں گی تو اس بیان سے احادیث فضائل بھی الگ نہیں، پھر ان میں تساہل کیوں اور دُوسری روایات میں نہ ہو۔

عه۱: فی احمد بن عبداللّٰہ ۱۲ منه (م)

عه۲ : نقله فی التدریب نوع الموضوع قبیل التنبیھات ۱۲ منه رضی اللّٰہ عنه (م)

احمد بن عبداللہ کے ترجمہ میں ہے۔ (ت)

اس کو نقل کیا ہے تدریب میں نوع موضوع کے تحت تنبیہات سے کچھ پہلے۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ نمبر ۴۳۸ احمد بن عبداللہ ابونعیم الخ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۱

[2] تدریب الراوی شرح التقریب المعروفون بوضع الحدیث مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۸۹

ثالثًا: لوکان الاسناد وھو البیان المراد لاستحال روایة شیئ من الاحادیث منفکا عن البیان فان الروایة لاتکون الا بالاسناد. قال فی التدریب حقیقة الروایة نقل السنة ونحوھا واسناد ذلك الی من عزی الیه بتحدیث واخبار وغیر ذلك[1] اھ وقال عــہ۱ الزرقانی تحت قول المواھب روی عبدالرزاق بسندہ الخ بسندہ ایضاح والافھو مدلول روی[2] اھ وقال ایضا عــہ۲ تحت قوله روی الخطیب بسندہ ایضاح فھو عندھم مدلول روی[3] اھ واذا انتھی الکلام بنا الی ھنا واستقر عرش التحقیق بتوفیق اللّٰه تعالٰی علی ماھو مرادنا فلنعد الی ماکنا فیه حامدین للّٰه تعالٰی علی مننه الجزیلة الی کل نبیه ومصلین علی نبیه الکریم واٰله وصحبه وسائر مجیبه۔

ثالثًا: اگر سند بیان مراد ہی ہو تو بیان کے بغیر کوئی حدیث مروی ہی نہ ہوگی کیونکہ روایت میں سند تو ضروری ہے، تدریب میں ہے کہ حقیقت روایت سنّت وغیرہ کا نقل کرنا اور اس بات کی سند کا ذکر کرنا ہے کہ یہ فلاں نے بیان کی یا فلاں نے اس کی اطلاع دی ہے وغیرہ ذلک اھ زرقانی نے مواہب کی عبارت "روی عبدالرزاق بسندہ الخ" کے تحت کہا کہ بسند کا لفظ صرف وضاحت کے لئے ہے ورنہ وہ "روی" کا مدلول ہے اھ اور مواہب کی عبارت "روی الخطیب بسندہ" کے تحت یہی بات زرقانی نے کہی کہ "بسندہ" وضاحت ہے تو ان کے ہاں لفظ "روی" کا مدلول بھی یہی ہے اھ جب ہماری یہ گفتگو مکمل ہوچکی تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کا اعلٰی درجہ پختہ ہوگیا اس طور پر جو ہماری مراد تھی، اب ہم واپس اس مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہمارا موضوع تھا اللہ تعالٰی کی بے بہا نعمتوں پر حمد کرتے ہوئے جو اس نے اپنے ہر نبی کو عطا کی ہیں اور صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے نبی کریم اور آپ کی آل واصحاب اور باقی محبین پر۔ (ت)

افادہ بست ودوم۲۲: (ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا در بارہ احکام اسے

عــہ۱: اوائل الکتاب عند ذکر خلق نورہ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه (م) عــہ۲: فی ذکر ولادته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح التقریب خطبۃ المؤلف/ وفیہا فوائد/ حد علم حدیث مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۴۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۵۵

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۱۳۳

حجت بنانا نہیں) جس نے افادات سابقہ کو نظرِ غائر و قلب حاضر سے دیکھا سمجھا اُس پر بے حاجت بیان ظاہر وعیاں ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ قواعد قطعیہ شرعیہ وارشاد اقدس "**کیف وقد قیل**" وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقًا زیور گوش سامعان ہُوئی حدیث ضعیف اس نظر سے کہ ضعف سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید واحتیاط پر باعث ہُوئی، آگے حکمِ استحباب و کراہت اُن قواعد وصحاح نے افادہ فرمایا اگر شرع مطہر نے جلب مصالح وسلب مفاسد میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہر گز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت جو کچھ ثابت کی دلائل صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے **اقول**: تاہم از انجا کہ درود ضعیف وہ بھی نہ لذاتہ بلکہ بملاحظہ امکان صحت ترجی واحتیاط کا ذریعہ ہُوا ہے اگر اُس کی طرف تجوزًا نسبت اثبات کردیں بجا ہے اور ثبوت بالضعیف میں بائے استعانت تو ادنٰی مداخلت سے صادق، ہاں اگر دلائل شرعیہ سے ایک امر کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیث ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بُلائے مثلًا کسی حدیث مجروح میں خاص طلوع وغروب یا استوا کے وقت بعض نماز نفل کی ترغیب آئی تو ہر گز قبول نہ کی جائے گی کہ اب اگر ہم اُس کا استحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیث ضعیف سے ثابت کریں گے اور وہ صالح اثبات نہیں یونہی اگر دلائل شرعیہ مثبت ندب یا اباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفید حرمت نہ ہوگی مثلًا مقرر اوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیث ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے **بحمدالله** یہ معنی ہیں کلام علماء کے کہ حدیث ضعیف در بارہ احکام حلال وحرام معمول بہ نہیں۔

ثم اقول: اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شَے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاج اثبات ہوگا ولہذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دماء وفروج ومضار وخبائث تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیث ضعیف سے استناد کرنا حلت غیر ثابتہ کا اثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے،

هذا تحقيق ماسلفنا فى الافادة السابقة عن المحقق الدوانى، وهذا هو معنى مانص عليه الامام ابن دقيق العيد وسلطن العلماء عزالدين بن عبدالسلام وتبعهما شيخ الاسلام الحافظ ونقله تلميذه السخاوى	یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے افادہ سابقہ میں محقق دوانی کے حوالے سے بیان کی اور یہ وہ حقیقت ومعنی ہے جس کی تصریح امام ابن دقیق العید اور سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام نے کی اور شیخ الاسلام حافظ نے ان دونوں کی اتباع کی اور ان کے شاگرد سخاوی نے

فی فتح المغیث وفی قول البدیع والسیوطی فی التدریب والشمس محمد الرملی فی شرح المنہاج النووی، ستهم من الشافعية، ثم اثره عن الرملی العلامة الشرنبلالی فی غنية ذوی الاحکام والمحقق المدقق العلائی فی الدرالمختار واقراه هما ومحشو الدر الحلبی والطحطاوی والشامی فيها وفی منحة الخالق خمستهم من الحنفية، من اشتراط العمل بالضعيف باندراجه تحت اصل عام، وهو اذا حققت ليس بتقييد زائد بل تصريح بمضمون مانصوا عليه ان العمل به فيما وراء العقائد والاحکام، کمااوضحناه لك وبه ازداد انزهاقا بعد انزهاق ماظن الظانان من ان الکلام فی الاعمال الثابتة بالصحاح، کیف ولوکان کذلك لما احیتج الی هذا الاشتراط کمالایخفی واللّٰه الهادی الی سوی الصراط۔

فتح المغیث اور القول البدیع میں، سیوطی نے تدریب میں، شمس الدین محمد رملی نے شرح المنہاج النووی میں اسے نقل کیا ہے یہ چھ ۶ شوافع میں سے ہیں، پھر رملی سے علّامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں اور محقق ومدقق العلائی نے درمختار میں اسے نقل کیا اور اسے ان دونوں نے اور درمختار کے محشین حلبی، طحطاوی اور شامی نے اپنے اپنے حواشی اور منحہ الخالق میں ثابت رکھا یہ پانچ حنفی ہیں (اور وہ یہ ہے) کہ حدیث ضعیف پر عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی عمومی ضابطہ کے تحت داخل ہو اور جب تو اس کی تحقیق کرے تو یہ کوئی زائد قید نہیں بلکہ اسی مضمون کی وضاحت ہے جس کی انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس پر عمل عقائد واحکام کے علاوہ میں کیا جائیگا، جیسا کہ ہم نے پہلے اسے واضح کردیا ہے اور اس سے ان دو علماء کا خوب رَد ہوگیا جو یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ ان اعمال کے بارے میں کلام ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور یہ مطلب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اگر معاملہ یہ ہوتا تو یہ شرط لگانے کی محتاجی نہ تھی جیسا کہ واضح ہے، اور اللہ تعالٰی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ (ت)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ بعض متکلمین طائفہ جدیدہ کا زعم باطل کہ ان احادیث سے جوازِ تقلیل ابہامین پر دلیل لانا احکامِ حلال وحرام میں انہیں حجت بنانا ہے اور وہ بتصریح علماء ناجائز، محض مغالطہ وفریب وہی عوام ہے ذی ہوش نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہی علماء جو حدیث ضعیف کو حلال وحرام میں حجت نہیں مانتے صدہا جگہ احادیث ضعیفہ سے افعال کے جواز واستحباب پر دلیل لاتے ہیں جس کی چند مثالیں افادہ سابقہ میں گزریں کیا معاذاللہ علمائے کرام اپنا لکھا خود نہیں سمجھتے یا اپنے مقررہ قاعدہ کا آپ خلاف کرتے ہیں کیا افادہ ہفدہم میں امام ابن امیر الحاج کا ارشاد نہ سنا کہ جمہور علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قابلِ عمل ہے تو کسی فعل کی اباحت قائم رکھنا بدرجہ اولٰی ولکن الوهابية لایسمعون واذا سمعوا لایعقلون رب انی اسألك العفو و

العافیۃ اٰمین (وہابی تو سُنتے ہی نہیں، سُنتے ہیں تو سمجھتے نہیں، اے میرے رب! میں تجھ سے عفو ومعافی کا سوال کرتا ہُوں، آمین۔ت)

افادہ بست[۲۳] وسوم (ایسے مواقع میں ہر حدیث ضعیف غیر موضوع کام دے سکتی ہے) **اقول اوّلاً:** جمہور علماء کے عامہ کلمات مطالعہ کیجئے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیت عمل کیلئے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو فتح[۱] القدیر والفیہ[۲] عراقی وشرح[۳] **الفیۃ للمصنف میں تھا غیر الموضوع**[1] (موضوع کے علاوہ ہو۔ت) مقدمہ[۴] ابن الصلاح وتقریب[۵] میں **ماسوی الموضوع**[2] (موضوع کے سوا ہو۔ت) مقدمہ[۶] سید شریف میں **دون الموضوع**[3] (موضوع نہ ہو۔ت) حلیہ[۷] میں **الذی لیس بموضوع**[4] (ایسی روایت جو موضوع نہ ہو۔ت) اذکار[۸] میں ان الفاظ سے اجماع ائمہ نقل فرمایا کہ **مالم یکن موضوعا**[5] (وہ جو کہ موضوع نہ ہو۔ت) یونہی[۹] امام ابن عبدالبر نے اجماعِ محدثین ذکر کیا کہ **یرونھا عن کل**[6] (محدثین ان کو تمام سے روایت کرتے ہیں۔ت) یہ سب عبارات باللفظ یا بالمعنی افادات سابقہ میں گزریں، زرقانی[۱۰] شرح عــہ۱ مواہب میں ہے **عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد مالم یکن موضوعا**[7] (محدثین کی عادت ہے کہ غیر احکام وعقائد میں تساہل کرتے ہیں اس میں جو موضوع نہ ہو) یونہی[۱۱] علّامہ حلبی سیرۃ عــہ۲ الانسان العیون میں فرماتے ہیں:

عــہ۱: ذکر رضاعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تحت حدیث مناغاۃ القمرلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر رضاعت میں اس حدیث کے تحت جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلی کے اشارے سے چاند کے ساتھ کھیلنے (جھک جانے) کا بیان ہے وہاں اس کا ذکر ہے دیکھو۔(ت)
عــہ۲: نقل ھذا وماسیاتی عن عیون الاثر بعض الاٰثرین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	عیون الاثر کی یہ عبارت اور وہ جو عنقریب ذکر کی جائیگی ان کو بعض معاصرین نے نقل کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثانی والعشرون معرفۃ المقلوب مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۴۹

[3] مقدمہ سیہ شریف

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار فصل قال العلماء الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۷

[6] کتاب العلم لابن عبدالبر

[7] شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۱۷۲

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقدقال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذارویناَ فی الحلال والحرام شددناَ واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا[1]۔	واضح رہے کہ اصحاب سیر ہر قسم کی روایات جمع کرتے ہیں صحیح، غیر صحیح، ضعیف، بلاغات، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ، لیکن موضوع روایت ذکر نہیں کرتے۔ امام احمد اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو شدت کرتے ہیں اور جب ہم فضائل وغیرہ کے بارے میں روایات لاتے ہیں تو ان میں نرمی برتتے ہیں۔ (ت)

شیخ محقق ۱۲ مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ اگر ضعف حدیث بجہت سوئے حفظ بعض رواۃ یا اختلاط یا تدلیس بود باوجود صدق ودیانت منجبر میگرود بتعدد طرق واگر ازجہت اتہام کذب راوی باشد یا شزوذ بمخالفت احفظ واضبط یابقوت ضعف مثل فحش خطا اگرچہ تعدد طرق داشتہ باشد منجبر نگرود وحدیث محکوم بضعف باشد ودر فضائل اعمال معمول[2] الخ	محدثین نے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی حدیث میں ضعف بعض راویوں کے سُوئے حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہو جبکہ صدق ودیانت موجود ہو تو یہ کمی تعدد طرق سے پُوری ہوجاتی ہے اور اگر ضعف راوی پر اتہامِ کذب کی وجہ سے ہو یا احفظ واضبط راوی کی مخالفت کسی جگہ ہو یا ضعف نہایت قوی ہو مثلاً فحش غلطی ہو تو اب تعدد طرق سے بھی کمی کا ازالہ نہیں ہوگا اور حدیث ضعیف پر ضعیف کا ہی حکم ہوگا اور فضائل اعمال میں ہے الخ (ت)

ثانیا: کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذاب وضّاع ہی کا درجہ ہے ائمہ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا کذبہ ابن حبان والجوزجانی وقال البخاری ترکہ یحیٰی وابن مھدی وقال الدارقطنی وجماعۃ متروك (ابن حبان اور جوزجانی نے اسے جھُوٹا قرار دیا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ اسے یحیٰی اور ابن مہدی نے ترک کردیا، دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا متھم بالکذب ورمی بالرفض[3] (اس پر کذب کا اتہام ہے اور اسے روافض کی

---

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۳

[2] شرح صراط مستقیم دیباچہ شرح سفر السعادت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۱۳

[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۹۸

طرف منسوب کیا گیا ہے۔ت) بااینہمہ عامہ کتب سیر وتفاسیر اس کی اور اس کی امثال کی روایات سے مالامال ہیں علمائے دین ان امور میں اُنہیں بلانکیر نقل کرتے رہے ہیں، میزان میں ہے:

قال ابن عدی وقدحدث عن الکلبی سفٰین وشعبة وجماعة ورضوہ فی التفسیر واما فی الحدیث فعندہ مناکیر[1]۔	ابن عدی نے کہا کہ کلبی سے سفیان، شعبہ اور ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے اور ان روایات کو پسند کیا ہے جس کا تعلق تفسیر کے ساتھ ہے اور حدیث سے متعلقہ روایات انکے نزدیک مناکیر ہیں۔(ت)

امام ابن سید الناس سیرۃ عیون الاثر میں فرماتے ہیں:

غالب مایروی عن الکلبی انساب واخبار من احوال الناس وایام العرب وسیرھم ومایجری مجری ذلك مماسمح کثیر من الناس فی حملہ عمن لایحمل عنه الاحکام وممن حکی عنه الترخیص فی ذلك الامام احمد[2]۔	کلبی سے اکثر طور پر لوگوں کے انساب واحوال، عربوں کے شب وروز اور ان کی سیرت یا اسی طرح کے دیگر معاملات مروی ہیں جو کثرت کے ساتھ ایسے لوگوں سے لے لیے جاتے ہیں جن سے احکام نہیں لیے جاتے اور جن لوگوں سے اس معاملہ میں اجازت منقول ہے وہ امام احمد ہیں۔(ت)

ثالثاً: (امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں) امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا: **متروك مع سعة علمه**[3] (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے۔ت) اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے۔ **کماافادہ الامام المحقق فی فتح القدیر** عـــه[4] (جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) بااینہمہ یہ جرح شدید ماننے والے

عـــه: حیث قال فی باب الماء الذی یجوزبه الوضوء عن الواقدی قال کانت بئر بضاعة	جہاں انہوں نے "باب الماء الذی یجوزبه الوضوء" میں واقدی سے نقل کیا کہ بضاعة (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۵۷۴ ترجمہ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۵۵۸

[2] عیون الاثر ذکر الاجوبہ عمارمی بہ مطبوعہ دارالحضارۃ بیروت ۱/ ۲۴

[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن عمر بن واقدالاسلمی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۱۳۔ ۳۱۲

[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء مطبوعہ مکتبہ نُوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹

بھی انہیں سِیر ومغازی واخبار کا امام مانتے اور سلفًا وخلفًا ان کی روایات سِیر میں ذکر کرتے ہیں کمالایخفی علی من طالع کتب القوم (جیساکہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کُتب کا مطالعہ کیا ہے۔ت) میزان میں ہے:

کان الی حفظه المنتهی فی الاخبار والسیر والمغازی الحوادث وایام الناس والفقه وغیر ذلك[1]۔	یہ اخبار واحوال، علم سِیر ومغازی، حواد ثاتِ زمانہ اور اس کی تاریخ اور علمِ فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں۔(ت)

رابعًا ہلال بن زید بن یسار بصری عسقلانی کو ابنِ حبان نے کہا روی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اشیاء موضوعۃ (انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے موضوع روایات نقل کی ہیں۔ت) حافظ الشان نے تقریب میں کہا متروک باوصف اس کے جب انہیں ہلال نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث فضیلت عسقلان روایت کی جسے حافظ ابوالفرج نے بعلّتِ مذکورہ درج موضوعات کیا اُس پر حافظ الشان ہی نے وہ جواب مذکور افادہ دہم دیا کہ حدیث فضائلِ اعمال کی ہے سوا اُسے طعن ہلال کے باعث موضوع کہنا ٹھیک نہیں امام احمد کا طریق معلوم ہے کہ احادیث فضائل میں تساہل فرماتے ہیں، اور یہ بھی افادہ نہم میں حافظ الشان ہی کی تصریح سے گزرچکا کہ متروک ایسا شدید الضعیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طریقا للماء الی البساتین وهذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدی، اما عندالمخالف فلالتضعیفه ایاه[2] اھ وقال فی فصل فی الآسار قال فی الامام جمع شیخنا ابوالفتح الحافظ فی اول کتابه المغازی والسیر من ضعفه ومن وثقه ورجح توثیقه وذکر الاجوبة عماقیل فیه[3] اھ ۱۲ منه (م)	کے کنویں سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا ہمارے نزدیک حجت کے لئے یہی کافی ہے کیونکہ ہم نے واقدی کی توثیق کردی ہے باقی مخالف کے نزدیک حجت نہیں کیونکہ وہ اس کی تضعیف کا قائل ہے اھ اور "فصل فی الآسار" میں کہا کہ امام کے بارے میں ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی پہلے کتاب المغازی والسیر میں ان روایات کو جمع کیا ہے جن کی توثیق کی گئی یا ان کو ضعیف کہا گیا اور ان کی توثیق کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے اھ ۱۲منہ۔(ت)

---

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۹۹۳ ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۶۶۳

[2] فتح القدیر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹ و ص ۹۷

[3] فتح القدیر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹ و ص ۹۷

ہے جس کے بعد بس متہم بالوضع ووضاع ہی کا درج ہے اب یہ بات خوب محفوظ رہے کہ خود امام الشان ہی نے ہلال کو متروک کہا خود ہی متروک کو اتنا شدید الضعف بتایا خود ہی ایسے شدید الضعف کی روایت کو در بارہ فضائل مستحق تساہل رکھا اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ ضعف کیسا ہی شدید ہو جب تک سرحدِ کذب ووضع تک نہ پہنچے حافظ الشان کے نزدیک بھی فضائل میں قابلِ نرمی وگوارائی ہے وﷲ الحجۃ السامیہ۔

خامسًا: اور سُنیے وضو کے بعد اِنّا انزلنا پڑھنے کی حدیثوں کا ضعف نہایت قوّت پر ہے، سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسے بے اصل محض کہا، امام جلیل ابواللیث سمرقندی نے اپنے مقاصد میں ان حدیثوں کو ذکر فرمایا، امام الشان سے اس بارہ میں سوال ہُوا وہی جواب فرمایا کہ فضائلِ اعمال میں ضعاف پر عمل روا ہے۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قد سئل شیخنا حافظ عصرہ قاضی القضاۃ شہاب الدین الشہیر بابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی من ھذہ الجملۃ فاجاب بمانصہ الاحادیث التی ذکرھا الشیخ ابواللیث نفع اللہ تعالٰی ببرکتہ ضعیفۃ والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل بہ فی فضائل الاعمال ولم یثبت منہا شیئ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامن قولہ ولامن فعلہ[1] اھ	ہمارے شیخ حافظ العصر قاضی القضاۃ شہاب الدین المعروف ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالٰی سے ان روایات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ وہ احادیث جن کو امام ابواللیث، "اللہ تعالٰی ان کی برکت سے نفع عطا فرمائے" نے ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہیں، اور علماء حدیث ضعیف کے ذکر کرنے اور فضائل اعمال میں اس پر عمل کرنے میں نرمی برتتے ہیں اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کے متعلق کوئی قول وعمل ثابت نہ ہو اھ (ت)

سادسًا: یہ حدیث کہ چاند گہوارہ میں عرب کے چاند عجم کے سورج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، انگشت مبارک سے جدھر اشارہ فرماتے اُسی طرف جھک جاتا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ، امام ابو عثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی نے کتاب المائتین، خطیب نے تاریخ بغداد، ابنِ عساکر نے تاریخ دمشق میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی اُس کا مدار احمد بن ابراہیم حلبی شدید الضعف پر ہے، میزان میں ہے امام ابوحاتم نے کہا: احادیثہ باطلۃ تدلہ علی کذبہ[2] (اس کی احادیث باطلہ اس کے کذب پر دال ہیں۔ ت) باوجود اس کے امام صابونی نے فرمایا: ھذا حدیث غریب الاسناد

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۲۸۷ احمد بن ابراہیم حلبی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۸۱

والمتن وھو فی المعجزات حسن [1] (اس حدیث کی سند بھی غریب اور متن بھی غریب باایںہمہ معجزات میں حسن ہے) اُن کے اس کلام کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی، امام احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

سابعًا: **حدیث الدیك الابیض صدیقی وصدیق صدیقی وعد وعدواللہ وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یبتیه معه فی البیت** [2] (مرغ سپید میرا خیر خواہ اور میرے دوست کا خیر خواہ، اللہ تعالٰی کے دشمن کا دشمن ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے شب کو مکان خوابگاہ اقدس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے) کہ ابوبکر برقی نے ابوزید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا: **باسناد فیه کذاب** [3] (اس کی سند میں کذاب ہے) باوصف اس کے فرمایا: **فیندب لنا فعل ذلك تأسیا به** [4] جبکہ حدیث میں ایسا وارد ہوا تو ہمیں باقتدائے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرغ سپید کو اپنی خوابگاہ میں ساتھ رکھنا مستحب ہے۔ مثالیں اس کی اگر تتبع کیجئے بکثرت لیجئے **وھذا الاخیر قد بلغ الغایة وفیما ذکرنا کفایة لاھل الدرایة** (یہ آخری انتہاء پر ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا وہ اہل فہم کے لئے کافی ہے۔ت)

ثامنًا: احادیث ودلائل مذکورہ افادات سابقہ بھی اسی اطلاق کے شاہد عدل ہیں خصوصًا حدیث **وان کان الذی حدثه به کاذبًا** (اگرچہ جس نے اسے بیان کیا کاذب ہو۔ت) ظاہر ہے کہ احتمالِ صدق و نفع بے ضرر ہر ضعیف میں حاصل تو فرق زائل بالجملہ یہی قضیہ دلیل ہے اور یہی کلام و عمل قوم سے مستفاد مگر حافظ الشان سے منقول ہوا کہ شرط عمل عدم شدت ضعف ہے **نقله تلمیذہ السخاوی وقال سمعته مرارا یقول ذلك** (اسے ان کے شاگرد امام سخاوی نے نقل کیا اور کہا کہ میں نے ان سے یہ کئی مرتبہ کہتے سُنا ہے۔ت)

اقول: (بحث قبول شدید الضعف) یہاں شدتِ ضعف سے مراد میں حافظ سے نقل مختلف آئی، شامی عـــه نے فرمایا طحطاوی نے فرمایا امام ابن حجر نے فرمایا:

عــــه: **فی مستحبات الوضوء ۱۲ منه** (م)	(شامی نے مستحبات الوضوء میں فرمایا ۱۲منہ۔ت)

---

[1] المواہب اللدنیۃ بحوالہ کتاب المائتین حدیث غریب الاسناد المتن المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۵۴

[2] کتاب الموضوعات لابن الجوزی باب فی الدیک الابیض مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴

[3] تیسیر شرح جامع صغیر للمناوی حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۱۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۱۵

شدید الضعف ھو الذی لایخلو طریق من طرقه عن کذاب اومتھم بالکذب[1]۔	شدید الضعف وہ حدیث ہے جس کی اسنادوں سے کوئی اسناد کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو۔

یہاں صرف انہیں دو۲ کو شدّتِ ضعف عــه میں رکھا امام سیوطی نے تدریب میں فرمایا حافظ نے فرمایا:

ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والتھمین بالکذب ومن فحش غلطه[2]۔	وہ ضعف شدید نہ ہو پس اس سے وہ نکل گیا جو کذاب اور متہم بالکذب میں منفرد ہو یا جو فحش الغلط ہو۔(ت)

یہاں ان دو۲ کے ساتھ فحش غلط کو بھی بڑھایا نسیم الریاض میں قول البدیع سے کلام حافظ بایں لفظ نقل کیا:

ان یکون الضعف غیر شدید کحدیث من انفرد من الکذابین والمتھمین ومن فحش غلطه[3]۔	حدیث میں ضعف شدید نہ ہو مثلاً اس شخص کی حدیث جو کذابین اور متہمین سے ہو یا وہ فحش الغلط ہو۔(ت)

عــه: وھکذا عزابعض العصریین وھو المولوی عبدالحی اللکنوی فی ظفر الامانی الی التدریب والقول البدیع حیث قال الشرط للعمل بالحدیث الضعیف ثلث شروط علی ماذکرہ السیوطی فی شرح تقریب النووی والسخاوی فی القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع وغیرھما الاول عدم شدۃ ضعفه بحیث لایخلوطریق من طرقه من کذاب اومتھم بالکذب الخ اقول لکن سنسمعك نص التدریب والقول البدیع فیظھرلك ان وقع ھھنا فی النقل عنھما تقصر شنیع فلیتنبه ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	معاصرین میں سے مولوی عبدالحی لکھنوی نے "ظفرالامانی" "التدریب" اور "القول البدیع" کی طرف ایسے ہی منسوب کیا، جہاں انہوں نے کہا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں جیسا کہ نووی نے "شرح تقریب النووی" اور سخاوی نے "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا، پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو بایں طور کہ اس کے تمام طرق کذاب اور متہم بالکذب سے خالی نہ ہوں الخ اقول ابھی بعد میں ہم آپ کو ان دونوں کتابوں کی عبارت سنائیں گے جس سے آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ اس نقل میں ان دونوں سے انتہائی کوتاہی سرزد ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] ردالمحتار مستحبات الوضوء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۵

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النووی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۸

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴

یہاں کاف نے زیادتِ توسیع کا پتا دیا، تحدید اول پر امر سہل وقریب ہے کہ ایک جماعت علما حدیث کذابین و متہمین پر اطلاق وضع کرتے ہیں تو غیر موضوع سے انہیں خارج کرسکتے ہیں مگر ثانی تصریحات ومعاملات جمہور وعلما وخود امام الشان سے بعید اور ثالث بظاہرہ ابعد ہے ہم ابھی روشن بیان سے واضح کرچکے ہیں کہ خود حافظ نے متروک شدید الضعف راوی موضوعات کی حدیث کو بھی فضائل میں محتمل رکھا مگر بحمد اللہ تعالٰی ہمارا مطلب ہر قول پر حاصل ہم افادات سابقہ میں مبرہن کرآئے ہیں کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں ہرگونہ ضعف شدید سے پاک ومنزّہ ہیں اُن پر صرف انقطاع یا جہالتِ راوی سے طعن کیاگیا یہ ہیں بھی تو ضعفِ قریب نہ ضعف شدید والحمدللہ العلی المجید "ھذا" (اسے یادرکھو۔ت)

ورأیتنی کتبت ھھنا علی ھامش فتح المغیث، کلامًا یتعلق بالمقام احببت ایرادہ اتمامًا للمرام، فذکرت اولاماعن الشامی عن الطحطاوی عن ابن حجر ثم ایدته باطلاق العلماء ثم اوردت ماعن النسیم عن السخاوی عن الحافظ ثم قلت مانصه۔	اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس مقام پر فتح المغیث کے حاشیہ میں ایسی گفتگو کی ہے جو اس مقام پر مناسب ہے میں اتمامِ مقصد کی خاطر اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، پہلے میں وہ ذکر کروں گا جو امام شامی نے طحطاوی سے اور انہوں نے ابنِ حجر سے نقل کیا ہے پھر اسے مزید قوی کروں گا علماء کے اطلاق سے پھر وہ نقل کروں گا جو نسیم نے سخاوی سے انہوں نے حافظ سے نقل کیا۔ پھر میرا قول یہ ہے:
اقول: وھذا کماتری مخالف لاطلاق مامر عن النووی عن العلماء قاطبة، ولتحدید مامر عن الطحطاوی عن شیخ الاسلام نفسه لکن یظھر لی دفع التخالف عن کلامی شیخ الاسلام بانه ھھنا ذکر المتفرد وفیما سبق قال "لایخلوطریق من طرقه، فیکون الحاصل ان شدید الضعف بغیر الکذب والتھمة لایقبل عندہ فی الفضائل حین التفرد، اما اذا کثرت طرقه فح یبلغ درجة یسیر الضعف فی خصوص قبوله فی الفضائل، بخلاف شدید الضعف بالکذب والتھمة فانه وان کثرطرقه التی لاتفوقه بان لایخلو	**اقول:** جیساکہ تمہیں معلوم ہے یہ بات علّامہ نووی کے نقل کردہ تمام علماء کے اطلاق اور خود شیخ الاسلام سے امام طحطاوی کی گزشتہ نقل کردہ تعریف کے خلاف ہے۔ لیکن شیخ الاسلام کی دونوں کلاموں میں مخالف کو ختم کرنے کی وجہ مجھ پر ظاہر ہورہی ہے وہ یہ کہ یہاں انہوں نے راوی کی تفرد کی بات کی ہے اور پہلے انہوں نے کہا ہے کہ طُرق میں سے کوئی طریق بھی (کذاب ومتہم سے) خالی نہ ہو، پس حاصل یہ ہوا کہ کذب وتہمت کے بغیر شدید ضعف ہوتو ان کے ہاں تفرد کی صورت میں فضائل میں قابل قبول نہیں، لیکن جب وہ کثرتِ طُرق سے مروی ہوتو اس صورت میں وہ شدید ضعف سے خفیف ضعف کے درجہ میں

شیئ منها عن کذاب اومتهم لایبلغ تلك الدرجه، ولایعمل به فی الفضائل، وهذا هو الذی یعطیه کلام السخاوی فیما مرحیث جعل قبول مافیه ضعف شدید مطلقا ولو بغیر کذب فی باب الفضائل موقوفا علی کثرة الطرق، لکنه یخالفه فی خصلة واحدة، وهو حکمه بالقبول بکثرة الطرق فی الضعف بالکذب ایضا کماتقدم، وهو کماتری مخالف لصریح مانقل عن شیخ الاسلام وعلی کل فلم یرتفع مخالفة نقل شیخ الاسلام عن العلماء جمیعا لنقل الامام النووی عنهم کافة، فانهم لم یشرطوا للقبول فی الفضائل فی شدید الضعف کثرة الطرق ولاغیرها سوی ان لایکون موضوعا، فصریح مایعطیه کلامهم قبول مااشتد ضعفه لفسق اوفحش غلط، مثلا وان تفرد ولم یکثر طرقه، فافهم، وتأمل، فان المقام مقام خفاء وزلل، والله المسؤل لکشف الحجاب، وابانة الصواب الیه المرجع والیه المآب اھ، مااردت نقله مما علقته علی الهامش۔

فان قلت هذا قید زائد افاده

آجائے گی پس اب وہ صرف فضائل میں مقبول ہوجائیگی، اس کے برخلاف جو کذب اور تہمت کی وجہ سے شدید ضعف والی ہو تو بیشمار کثرتِ کے باوجود وہ مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی فضائل میں قابلِ عمل ہوسکتی ہے کیونکہ اس کے ہر طریق میں کوئی نہ کوئی کذاب اور مہتم ضرور ہوتا ہے۔ یہی بات علامہ سخاوی کے گزشتہ کلام سے حاصل ہوتی ہے جہاں انہوں نے شدید ضعف والی حدیث کے فضائل میں مقبول ہونے کو کثرتِ طرق پر موقوف کیا وہاں شدّتِ ضعف مطلق مراد ہے خواہ وہ کذب کے علاوہ ہی ہو، لیکن یہ بات ان کو ایک جگہ آڑے آئے گی۔ جہاں انہوں نے ضعف بالکذب پر بھی کثرتِ طرق کی بنا پر مقبول ہونے کا حکم کیا ہے جیساکہ گزرا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بات شیخ الاسلام سے نقل کردہ کے صراحۃً خلاف ہے، بہرصورت شیخ الاسلام کا تمام علماء سے نقل کردہ مؤقف اور امام نووی کا نقل کردہ انہی تمام علماء کا مؤلف مختلف ہے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوسکتا، کیونکہ علماء نے فضائل میں شدید ضعف والی حدیث کو قبول کرنے کے لئے کثرت طُرق وغیرہا کی شرط نہیں لگائی صرف یہ کہا ہے کہ وہ موضوع نہ ہو، ان کے کلام کا صریح ما حصل یہ ہے کہ مثلاً فسق یا فحش غلطی کی بناپر جس حدیث کا ضعف شدید ہو خواہ اس کا راوی متفرد ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث کے طرق کثیر بھی نہ ہوں تب بھی یہ حدیث (فضائل میں) مقبول ہے، غور وتامل کرو، کیونکہ یہ مقامِ خفی ہے اور غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے، پردوں کو کھولنے اور درستی کو ظاہر کرنے کا سوال صرف اللہ تعالٰی سے ہے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی جائے پناہ ہے۔ فتح المغیث کے حاشیہ میں سے جو میں نقل کرنا چاہتا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

اگر اعتراض کے طور پر تو یہ کہے کہ امام شیخ الاسلام

امام فليحمل اطلاقاتهم عليه دفعًا للتخالف بين النقلين قلت نعم لولا ان ماذكروا من الدليل عليه لايلائم سريان التخصيص اليه، وكيف نصنع بما نشاهدهم يفعلون يرون شدة الضعف ثم يقبلون، وبالجملة فالاطلاق هو الاوفق بالدليل والالصق بقواعد الشرع الجميل فنودان يكون عليه التعويل والعلم بالحق عند الملك الجليل۔

فائدة جليلة (فائدة جليلة فى احكام انواع الضعيف والجبار ضعفها) هذا الذى اشرت اليه من كلام السخاوى المار المتقدم هو قوله مع متنه فى بيان الحسن، ان يكن ضعف الحديث لكذب اوشذوذ بان خالف من هو احفظ او اكثر اوقوة الضعف بغيرهما فلم يجبر ولوكثرت طرقه، لكن بكثرة طرقه يرتقى عن مرتبة المردود المنكر الى مرتبة الضعيف الذى يجوز العمل به فى الفضائل وربما تكون تلك الطرق الواهية بمنزلة الطريق التى فيها ضعف يسير بحيث لوفرض مجيئ ذلك الحديث باسناد فيه ضعف يسير كان مرتقيا بها الى مرتبة الحسن لغيره[1] اھملخصا۔

کے بیان میں ایک زاید قید ہے جس پر علماء کے اطلاقات کو محمول کیا جاسکتا ہے اس سے دو نقل کردہ کلاموں میں اختلاف ختم ہوسکتا ہے قلتّ (تو میں جوابًا کہتا ہوں) ہاں اگر علماء کے ذکر کردہ پر کوئی دلیل نہ ہو تب بھی ان کے کلام کو اس قید سے خاص کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ ان کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ وہ شدید ضعف پاکر بھی قبول کرنے پر عمل پیرا ہیں جس کا ہم مشاہدہ کررہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ (شدید ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے کثرتِ طرق) کی قید نہ لگانا، دلیل کے زیادہ موافق اور قواعدِ شرح جمیل کے زیادہ مناسب ہے، ہماری خواہش ہے کہ یہی قابلِ اعتماد ہو اور حق کا علم اللہ جل جلالہ، کے ہاں ہے۔ (ت)

فائدہ جلیلہ: (ضعیف حدیثوں کے احکام، اقسام اور انکی کمی کو پُورا کرنے کے بیان میں) امام سخاوی کے جس گزشتہ کلام کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ بمع متن، حدیث حسن کے بارے میں ہے کہ حدیث کا ضعف کذب یا شذوذ یعنی وہ حدیث احفظ راوی یا کثیر رواۃ کی روایت کے خلاف ہو، یا یہ ضعیف قوی ہو جوان دو مذکورہ (کذب اور شذوذ) کے علاوہ کسی اور وجہ سے پیدا ہوا ہو، یہ ضعف کثرتِ طُرق سے بھی ختم نہیں ہوسکتا، لیکن کثرتِ طرق کی بناپر یہ حدیث مردود منکر کے مرتبہ سے ترقی کرکے ایسے ضعف کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے جس سے فضائل میں عمل کے لئے مقبول ہوجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے متعدد کمزور طُرق ایک

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۸۳

ورائتنی علقت علیه ههنا مانصه **اقول:** حاصل ماتقرر وتحررهنا مع زیادات نفیسة منا ان الموضوع لایصلح لشیئ اصلا ولایلتئم جرحه ابدا ولوکثرت طرقه ماکثرت، فان زیادة الشرلایزید الشیئ الا شرا، وایضا الموضوع کالموضوع کالمعدوم والمعدوم لایقوی و لایتقوی، ومنه عند جمع منهم شیخ الاسلام ماجاء بروایة الکذابین وعند آخرین منهم خاتم الحفاظ ماتی من طریق المتهمین، وسوّٰهما السخاوی بشدید الضعف الآتی لذهابه الی ان الوضع لایثبت الابالقرائن المقررة ان تفرد به کذاب اووضاع کمانص علیه فی هذا الکتاب، وهو عندی مذهب قوی اقرب الی الصواب، اما الضعف بغیر الکذب والتهمة من ضعف شدید مخرج له عن حیز الاعتبار کفحش غلط الراوی فهذا یعمل به فی الفضائل علی مایعطیه کلام عامة العلماء وهو الاقعد بقضیة الدلیل والقواعد، لاعند شیخ الاسلام علی احدی الروایات عنه ومن تبعه کالسخاوی الا اذاکثرت طرقه الساقطة عن درجة الاعتبار فح یکون مجموعها کطریق واحد صالح له فیعمل بها فی الفضائل

معمولی کمزور طریقہ جیسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ حدیث کسی معمولی ضعف والی سند کے ساتھ مروی فرض کرلی جائے تو یہ درجہ حسن لغیرہ پر فائز ہوجاتی ہے، ملخصًا۔ (ت)

اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے اس مقام پر حاشیہ لکھا ہے جو یہ ہے **اقول:** ہماری زائد ابحاث کے ساتھ جو یہاں ثابت اور واضح ہوچکا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ موضوع حدیث کسی طرح کارآمد نہیں ہے اور کثرت طُرق کے باوجود اس کا عیب ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شر کی زیادتی سے شر مزید بڑھتا ہے، نیز موضوع، معدوم چیز کی طرح ہے اور معدوم چیز نہ قوی ہوسکتی ہے اور نہ قوی بنائی جاسکتی ہے، موضوع کی ایک قسم وہ ہے جس کو ایک جماعت نے، جس میں شیخ الاسلام بھی ہیں، نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ جس کو کذاب لوگ روایت کریں، اور ایک دوسری جماعت جس میں سے "خاتم الحفاظ" بھی ہیں، نے بیان کیا ہے کہ "موضوع" وہ ہے جس کو متہم بالکذب روایت کریں۔ امام سخاوی نے ان دونوں بیان کردہ قسموں کو "شدید الضعف" کے مساوی قرار دیا ہے، جس کو عنقریب بیان کرینگے، امام سخاوی کا خیال ہے کہ موضوع کی پہچان مقررہ قرائن ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ روایت کرنے والا کذّاب یا وضّاع اس روایت میں متفرد ہو، جیسا کہ امام سخاوی نے اس کتاب میں بیان کیا ہے میرے نزدیک یہی مؤقف قوی اور اقرب الی الصواب ہے، مگر کذب اور تہمتِ کذب کے بغیر کوئی بھی شدید ضعف جس کی بناپر حدیث درجہ اعتبار سے خارج ہوجاتی ہے مثلًا راوی کی انتہائی فحش غلطی ہو، ضعیف کی یہ قسم فضائل میں

ولکن لایحتج بھا فی الاحکام ولاتبلغ بذلك درجة الحسن لغیرہ الا اذا انجبرت مع ذلك بطریق اخری صالحة للاعتبار فان مجموع ذلك یکون کحدیثین ضعیفین صالحین متعاضدین فح ترتقی الی الحسن لغیر فتصیر حجة فی الاحکام، اما مطلقا علی ماھو ظاھر کلام المصنف اعنی العراقی اوبشرط تعدد الجابرات الصالحات البالغة مع ھذہ الطرق القاصرة المتکثرة القائمة مقام صالح واحد حد الکثرة فی الصوالح علی مافھمه السخاوی من کلام النووی وغیرہ الواقع فیه لفظ الکثرة مع نزاع لنا فیه مؤید بکلام شیخ الاسلام فی النزھة والنخبة المکتفیتین عـــه

کارآمد ہوسکتی ہے جیسا کہ عام علماء کے کلام سے حاصل ہے اور یہی موقف دلیل و قواعد سے مطابقت رکھتا ہے، مگر شیخ الاسلام سے ایک روایت میں اور امام سخاوی کی طرح ان کے پیروکار حضرات کے ہاں یہ قسم فضائل میں معتبر نہیں ہے تاوقتیکہ اس کے کمزور طرق کثیر نہ ہوں اور یہ طرق کثیر ہوں تو ان سب کے مجموعہ کو وہ ایک طریقہ صالحہ کے مساوی قرار دے کر فضائل میں قابلِ عمل قرار دیتے ہیں، تاہم اس قسم کی ضعیف حدیث کو احکام کے لئے حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی یہ درجہ "حسن لغیرہ" کو پاسکتی ہے۔ ہاں اگر ان متعدد طرق کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے صالح طریق سے اس کی کمزوری زائل ہوجائے تو اور بات ہے، کیونکہ کمزور متعدد طرق اور ایک صالح طریق کی بناپر وہ حدیث دو ایسی ضعیف

عـــه: حیث قال متی توبع السیئ الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه اومثله لادونه وکذا المختلط الذی لایتمیز والمستور والاسناد المرسل وکذا المدلس اذا لم یعرف المحذوف منه صار حدیثھم حسنًا لالذاته بل وصفه بذلك باعتبار المجموع لان کل واحد منھم (اے من ذکر من السیئ الحفظ والمختلط الخ) باحتمال کون روایته صوابًا اوغیر صواب علی حد سواء فاذا جاء ت من المعتبرین روایة موافقة لاحدھم رجح احد الجانبین من الاحتمالین المذکورین دول ذلك علی ان الحدیث محفوظ

ان کے الفاظ یہ ہیں: جب راوی سوءِ حفظ کا متابع معتبر راوی بن جائے جو اس سے اوپر ہو یا اس کی مثل اس سے کم نہ ہو اور اسی طرح وہ مختلط جو امتیاز نہیں کرتا، مستور، اسناد مرسل اور اسی طرح مدلس جبکہ محذوف منہ کو نہ پہچانتا ہو تو ان کی حدیث حسن ہوجائے گی ہاں لذاتہٖ نہیں بلکہ باعتبار المجموع ہوگی کیونکہ ہر ایک ان میں سے (یعنی سوءِ حفظ اور مختلط جن کا ذکر ہوا الخ) برابر احتمال رکھتا ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح، پس جب معتبر راویوں میں سے کسی ایک کے موافق روایت آجائے تو مذکورہ دونوں احتمالوں میں سے ایک کو ترجیح حاصل ہوجائے گی اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

بوحدۃ الجابر مع جواز ان تکون الکثرۃ فی کلام النووی بمعنی مطلق التعدد، وھو الاوفق بما رأینا من صنیعھم فی غیر مقام والضعیف بالضعف الیسیر اعنی مالم ینزلہ عن محل الاعتبار یعمل بہ فی الفضائل وحدہ، وان لم ینجبر فان انجبر ولوبواحد صار حسنا لغیرہ، واحتج بہ فی الاحکام علی تفصیل وصفنالك فی الجابر، فھذہ ھی انواع الضعیف، اما الذی لانقص فیہ عن درجۃ الصحیح الا القصور فی ضبط الراوی غیر بالغ الی درجۃ الغفلۃ فھو الحسن لذاتہ المحتج بہ وحدہ حتی فی

حدیثوں کی طرح بن جاتی جو آپس میں مل کر تقویت کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ ضعیف حدیث "حسن لغیرہ" کے مرتبہ کو پہنچ کر احکام میں حجّت بن جاتی ہے، اب یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے کہ صرف اسی قدر سے مقبول ہے جیسا کہ مصنف یعنی علّامہ عراقی کے کلام سے عیاں ہے یا بشر طیکہ بمع متعدد صالح طرق جن کی بنا پر کمزوری زائل ہوسکے ان متعدد صالح وجوہ اور کمزور طرق، جو ایک صالح طریق کے مساوی ہیں، مل کر کثرت طرقِ صالحہ بن جاتے ہیں جیسا کہ امام سخاوی نے امام نووی وغیرہ کے کلام سے سمجھا جن میں لفظِ کثرت استعمال ہُوا ہے، باوجودیکہ ہمارا اس میں اختلاف ہے جو کہ شیخ الاسلام کے اس کلام سے مؤید ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فارتقی من درجۃ التوقف الی درجۃ القبول واللہ اعلم[1] اھ وانظر کیف اجتزئ فی المتن بتوحید معتبر وفی الشرح بافراد روایۃ وحکم بالارتقاء الی درجۃ القبول وما المرادبہ ھھنا الاالقبول فی الاحکام فانہ جعل الضعیف صالحا للاعتبار من الرد ومع انہ مقبول فی الفضائل بالاجماع ویظھرلی ان الوجہ معھما اعنی العراقی وشیخ الاسلام لمابین فی النزھۃ من الدلیل لھما منقولا مما علقتہ علی فتح المغیث ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور درجہ توقف سے درجہ قبول پر فائز ہو گئی ہے اھ واللہ اعلم، ذرا غور کرو متن میں محض ایک معتبر کے ساتھ اور شرح میں کئی افراد کے ساتھ موافقت روایت پر اکتفا کیسے کیا اور اسے قبول کا درجہ دیا ہے اور یہاں قبول سے مراد احکام میں قبولیت مراد ہے کیونکہ انہوں نے حدیث ضعیف کو صالح للاعتبار والرد کہا ہے کیونکہ حدیث ضعیف فضائل میں تو بالاجماع مقبول ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی دوسری روایت نہ ہو اور میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ وجہ ان دونوں عراقی اور شیخ الاسلام کے ساتھ ہے، اس بنا پر جو نزہۃ میں ان دونوں کی دلیل بیان کی گئی ہے یہ فتح المغیث پر میری تعلیق سے منقول ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] شرح نخبۃ الفکر بحث سوء الحفظ مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۴

الاحکام، وھذا اذاکان معہ مثلہ ولوواحدا صار صحیحا لغیرہ اودونہ ممایلیہ فلاالا بکثرۃ انتھی ما کتبت بتخلیص۔	جو انہوں نے "النزبۃ" اور "النىجۃ" میں کیا دونوں کتابوں میں ایک جابر (کمزوری کو زائل کرنے والاامر) کا بیان ہے (نیز اپنی تائید میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں) کہ امام نووی کے کلام میں لفظِ کثرت سے مطلق تعدّد ہے اور یہی احتمال ان کی عادت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ہم نے متعدد جگہ یہ استعمال پایا ہے اور ضعیف کی ایسی قسم جس میں معمولی ضعف ہو یعنی جس سے حدِ اعتبار ساقط نہ ہو یہ فضائل میں تنہا معتبر ہے خواہ کوئی مؤید بھی نہ ہو، اور اگر کوئی ایک ایسا مؤید پایا جائے جو اس کے ضعف کو زائل کردے تو یہ "حسن لغیرہٖ" بن جاتی ہے اور اس کو احکام میں حجت قرار دیا جائیگا جس کی تفصیل ہم نے کمزوری کو زائل کرنے والے امور میں بیان کردی ہے۔ یہ تمام ضعیف کی انواع ہیں۔ اگر صحیح حدیث کے شرائط میں ماسوائے ضبط راوی کی کمزوری کے اور کوئی کمزوری نہ ہو تو یہ حدیث "حسن لذاتہ" ہوگی بشرطیکہ ضبط راوی کی یہ کمزوری غفلت کے درجہ تک نہ پہنچتی ہو، تو یہ "حسن لذاتہ" واحد حدیث بھی احکام کے لئے حجت ہوسکتی ہے اگر حسن لذاتہ کے ساتھ اس کی ہم مثل ایک اور بھی مل جائے تو یہ حدیث "صحیح لغیرہ" بن جاتی ہے اور اگر اس سے کم درجہ کی کوئی مؤید اس سے مل جائے تو "صحیح لغیرہ" نہ بنے گی تاوقتیکہ اس سے کم درجہ کی متعدد روایات جمع نہ ہوجائیں میری لکھی ہُوئی تعلیق ختم ہُوئی، ملخصًا۔ (ت)

یہ چند جملے لوح دل پر نقش کرلینے کے ہیں کہ بعونہٖ تعالٰی اس تحریر نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں، وباللہ التوفیق ولہ الحمد۔ الحمدللہ القادر القوی علم ماعلم وصلی اللہ تعالٰی علی ناصر الضعیف واٰلہ وسلم، قبول ضعیف فی فضائل الاعمال کا مسئلہ جلیلہ ابتدائً مسودہ فقیر میں صرف دو۲ افادہ مختصر میں تین صفحہ کے مقدار تھا اب کو ماہِ مبارک ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں رسالہ بعونہٖ تعالٰی بمبئی میں چھپنا شروع ہوگیا اثنائے تبییض میں بارگاہِ مفیض علوم ونعم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بحمدہ اللہ تعالٰی نفائس جلیلہ کا اضافہ ہوا افادہ شانزدہم سے یہاں تک آٹھ افاداتِ نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القاہُوئے قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے، امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیل جلیل وتفصیل جزیل اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے، مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلہ خاص میں جدا رسالہ قرار دئے جائیں اور بلحاظ تاریخ عــہ **الھاد الکاف فی حکم الضعاف** (۱۳۱۳ھ) (ضعیف حدیثوں کے حکم میں کافی ہدایت۔ت) لقب پائیں وباللہ التوفیق ولہ المنۃ علی مازرق من نعم تحقیق ما کنا لعشر معشاار عشرھا نلیق والصلاۃ والسلام علی الحبیب الکریم واٰلہ وصحبہ ھداۃ

عــہ: منقوص محلّی باللام سے بھی حذف یا فصے کلام میں شایع وذایع ہے یوم التلاق، یوم التناد الکبیر المتعال الی غیر ذلک امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۱۲منہ (م)

الطریق اٰمین۔

افادہ بست۲۴ وچہارم: (حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائے ضعفِ شدید) وباللہ استعین کسی حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اختلاط وعدم بیان کہ عادت جمہور محدثین ہے ہر حدیث میں احتمال ضعف قدیم لہٰذا غیر ناقد کو بے مطالعہ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج نہیں پہنچتا، قولِ شاہ عبدالعزیز صاحب ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ دراثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود[1] (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ وعمل میں استدلال کیا جاسکے۔ت) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں جتنی حدیثیں ہیں سب واہی ساقط ہیں یا موضوع وباطل اور اصلاً دربارہ فضائل بھی ایراد واستناد کے ناقابل کوئی ادنٰی ذی فہم وتمیز بھی ایسا ادعا نہ کرے گا نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل، ہاں متکلمانِ طائفہ وہابیہ اپنی جہالتیں جس کے سر چاہیں دھریں۔

اوّلاً خود شاہ صاحب اثباتِ عقیدہ وعمل کا انکار فرمارہے ہیں اور وہ فضائل اعمال میں تمسک کے منافی نہیں، ہم افادہ ۲۲ میں روشن کر آئے کہ دربارہ فضائل کسی حدیث ضعیف سے استناد کسی عقیدہ یا عمل کا اثبات نہیں، تو اس بات کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق!

ثانیاً تصانیف خطیب وابونعیم بھی طبقہ رابعہ میں ہیں اور شاہ صاحب بُستان المحدثین میں امام ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں:

ازنوادرکُتب اوکتاب حلیۃ الاولیاست کہ نظیر آں دراسلام تصنیف نشدہ[2]۔	ان کی تصانیف میں سے حلیۃ الاولیا ایسے نوادرات میں سے ہے جس کی مثل اسلام میں آج تک کوئی کتاب تصنیف نہ ہوئی (ت)

اُسی میں ہے:

کتاب اقتضاء العلم والعمل از تصانیف خطیب است بسیار خوب کتابے است دربار خود[3]۔	خطیب بغدادی کی کتب میں اقتضاء العلم والعمل اپنے فن میں بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔(ت)

---

[1] عجالہ نافعہ فصل اول بحث طبقہ رابعہ مطبع نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵

[2] بُستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵

[3] بُستان المحدثین مع اردو ترجمہ کتاب اقتضاء العلم والعمل للخطیب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۹

اُسی میں تصانیف امام خطیب کو لکھا:

التصانیف المفیدۃ التی ھی بضاعۃ المحدثین وعروتھم فی فھم[1]۔	فائدہ بخش تصنیفیں کہ فن حدیث میں محدثین کے بضاعت و محل تمسک ہیں۔

پھر امام حافظ ابوطاہر سلفی سے اُن تصانیف کی مدح جلیل نقل کی، سبحان اللہ کہاں شاہ صاحب کا یہ حُسنِ اعتقاد اور کہاں اُن کے کلام کی وہ بیہودہ مراد کہ وہ کتب سراسر مہمل و ناقابلِ استناد۔

ثالثاً جناب شاہ صاحب مرحوم کے والد شاہ ولی اللہ صاحب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس تقریر طبقات کے موجد اُسی حجۃ بالغہ میں اسی طبقہ رابعہ کی نسبت لکھتے ہیں:

اصلح ھذہ الطبعۃ ماکان ضعیفا محتملا[2]۔	یعنی اس طبقہ کی احادیث میں صالح تر وہ حدیثیں ہیں جن میں ضعیف قلیل قابل تحمل ہو۔

ظاہر ہے کہ ضعیف محتمل ادنٰی انجبار سے خود احکام میں حجت ہو جاتی ہے اور فضائل میں تو بالاجماع تنہا ہی مقبول وکافی ہے پھر یہ حکم بھی بلحاظ انفراد ہوگا ورنہ ان میں بہت احادیث منجبرہ حسان ملیں گی اور عندالتحقیق یہ بھی باعتبار غالب ہے، ورنہ فی الواقع ان میں صحاح، حسان سب کچھ ہیں **کماستسمع بعونہ تعالٰی** (جیسے کہ تُو عنقریب سُنے گا۔ت)

رابعاً یہی شاہ صاحب قرۃ العینین عـہ فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں:

چوں نوبت علم حدیث بطبقہ دیلمی وخطیب وابن عساکر رسید ایں عزیزاں دیدند کہ احادیث صحاح وحسان را متقدمین مضبوط کردہ اند پس مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ ومقلوبہ کہ سلف آنرا دیدہ ودانستہ گزاشتہ بودند وغرض ایشاں ازیں جمع آں بود کہ بعد جمع حفاظ محدثین دراں احادیث تامل کنند وموضوعات را	جب علمِ حدیث دیلمی، خطیب اور ابنِ عساکر کے طبقہ تک پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ متقدمین علماء نے ایسی احادیث جو صحیح اور حسن تھیں کو محفوظ کردیا ہے لہٰذا انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جو ضعیفہ ومقلوبہ تھیں جنہیں اسلاف نے عمداً ترک کیا تھا ان کے جمع کرنے سے غرض یہ تھی کہ حفاظ محدثین ان میں غور وتامل کرکے

عـہ: قسم دوم از فصل دوم در شبہات وارقان ۱۲منہ	دوسری فصل کی قسم دوم کاتبین کے شبہات سے متعلق ہے اس کے تحت اس کا بیان ہے (ت)

---

[1] بستان المحدثین مع اُردو ترجمہ تاریخ بغداد للخطیب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۸

[2] حجۃ اللہ البالغۃ باب طبقہ کتب حدیث، الطبعۃ الرابعہ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۱/ ۱۳۵

ازحسان لغیرہا ممتاز نمایند چنانکہ اصحاب مسانید طرق احادیث جمع کروند کہ حفاظ صحاح وحسان وضعیف ازیکد گر ممتاز سازند ظن ہر دوفریق راخدا تعالٰی محقق ساخت بخاری ومسلم وترمذی وحاکم تمییز احادیث وحکم بصحت وحسن ومتاخران در احادیث خطیب وطبقہ او تصرف نمودند ابن جوزی موضوعات رامجرد ساخت وسخاوی درمقاصد حسنہ حسان لغیرہا ازضعاف ومناکیر ممیّز نمود خطیب وطبقہ اودر مقدماتِ کتب خود بایں مقاصد تصریح نمودہ اند **جزاھم اللہ تعالٰی عن امۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرا**[1] اھ ملتقطا۔	موضوعات کو حسن لغیرہ سے ممتاز کردیں گے جیسا کہ اصحابِ مسانید نے تمام طرقِ حدیث کو جمع کیا تاکہ حفاظِ حدیث صحیح، حسن اور ضعیف کو ایک دوسرے سے ممتاز کردیں دونوں فریقوں کو اللہ تعالٰی نے توفیق اور کامیابی عطافرمائی، بخاری، مسلم، ترمذی اور حاکم احادیث میں امتیاز کرتے ہوئے ان پر صحیح، حسن ہونے کا حکم لگایا اور متاخرین نے خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں کی احادیث میں تصرف کیا وحکم لگایا، ابن جوزی نے موضوعات کو الگ کیا، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حسن لغیرہ کو ضعیف اور منکر سے ممتاز کیا۔ خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے اپنی کتب کے مقدمات میں ان مقاصد کی تصریح کی ہے اللہ تعالٰی ان تمام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطافرمائے اھ ملتقطا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریح ہے کہ کتب طبقہ رابعہ میں نہ صرف ضعیف محتمل بلکہ حسان بھی موجود ہیں اگرچہ لغیرہا کہ وہ بھی بلاشُبہہ خود احکام میں حجّت نہ کہ فضائل۔

خامسًا انہیں شاہ صاحب نے اسی حجۃ میں سُنن ابی داوٗد وترمذی ونسائی کو طبقہ ثانیہ اور مصنف عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ وتصانیف ابی داوٗد طیالسی وبیہقی وطبرانی کو طبقہ ثالثہ اور کتب ابونعیم کو طبقہ رابعہ میں گنا، امام جلیل جلال سیوطی خطبہ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں:

رمزت للبخاری **خ** ولمسلم **م** ولابن حبان **حب** وللحاکم فی المستدرك **ك** وللضیاء فی المختارۃ **ض** وجمیع مافی ھذہ الکتب الخمسۃ صحیح سوی مافی المستدرك من المتعقب فانبہ علیہ، ورمزت لابی داؤد **د** فماسکت عـــہ علیہ فھو صالح ومابین ضعفہ	میں نے حوالہ جات کے لئے یہ رموز وضع کیے ہیں، خ سے بخاری، م سے مسلم، حب سے ابنِ حبان، ک سے مستدرک حاکم، ض سے مختارہ للضیاء، ان پانچوں کتب میں صحیح احادیث ہیں ماسوائے حاکم کے جن پر اعتراض کیا گیا ہے اس پر توجہ رکھ، د سے ابوداؤد جس پر وہ خاموش رہیں وہ صالح ہے اور جس کا ضعف (باقی برصفحہ آئندہ)

عـــہ: فی الاصل الذی وقفت علیہ بین	وہ اصل کتاب جس پر میں نے واقفیت (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم از شبہات الخ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۲۸۲

لقلته عنه، وللترمذی **ت** وانقل کلامه علی الحدیث وللنسائی **ن** ولابن ماجة **ہ** ولابی داؤد الطیالسی **ط** ولاحمد **حم** ولعبدالرزاق **عب** ولابن ابی شیبة **ش** ولابی یعلی **ع** وللطبرانی فی الکبیر **طب** والاوسط **طس** وفی الصغیر **طص** ولابی نعیم فی الحلیة **حل** وللبیہقی **ق** وله فی شعب الایمان **ہب** وھذه فیھا الصحیح والحسن والضعیف فابینه غالبا[1] اھ مختصرا۔	انہوں نے بیان کیا ہے میں نے اسے نقل کر دیا ہے، ت سے ترمذی میں ان کا حدیث پر تبصرہ بھی نقل کروں گا، ن سے نسائی، ہ سے ابن ماجہ، ط سے ابوداؤد طیالسی، حم سے احمد، عب سے عبدالرزاق، ش سے ابن ابی شیبہ ع سے ابویعلی، طب سے طبرانی کی معجم کبیر، طس سے معجم اوسط، طص سے معجم صغیر، حل سے حلیہ ابونعیم، ق سے سنن بیہقی، ہب سے شعب الایمان للبیہقی مراد ہوگا، ان تمام کتب میں احادیث صحیح بھی ہیں حسن اور ضعیف بھی اور میں اکثر طور پر ان کے بارے میں نشان دہی بھی کروں گا اھ مختصراً۔ (ت)

دیکھو امام خاتم الحفّاظ نے ان طبقات ثانیہ وثالثہ ورابعہ سب کو ایک ہی مشق میں گنا اور سب پر یہی حکم فرمایا کہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف سب کچھ ہے۔

سادسًا خود جناب شاہ صاحب کی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثنا عشریہ وغیرہما میں جابجا احادیث طبقہ رابعہ سے بلکہ اُن سے بھی اُتر کر استناد موجود، اب یا تو شاہ صاحب معاذاللہ خود کلام اپنا نہ سمجھتے یا یہ سفہا ناحق تحریف معنوی کرکے احادیث طبقہ رابعہ کو مہمل ومعطل ٹھہرانا اُن کے سر کیے دیتے ہیں، تمثیلاً چند نقول حاضر، عزیزی آخر تفسیر فاتحہ میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لفظی فماوعلیه کلمة لم تبین فی الکتابة فکتبت مکانها لفظة سکت اذھو المراد واذ کان لابدمن التنبیه نبهت علیه ۱۲ منه (م)	حاصل کی ہے اس میں لفظ فما اور علیہ کے درمیان ایک کلمہ ہے جو کتابت میں واضح نہیں تو میں نے اس کی جگہ لفظ سکت لکھ دیا ہے اور چونکہ اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا تو میں نے آگاہ کر دیا، ۱۲ منہ (ت)

---

[1] جامع الاحادیث بحوالہ جمع الجوامع خطبہ کتاب، دارالفکر بیروت ۱/ ۱۸، ۱۹

ابونعیم ودیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحہ الکتاب کفایت مے کند ازانچہ ہیچ چیز از، قرآن کفایت نمی کنند[1] الحدیث۔	ابونعیم اور دیلمی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں قرآن کی دوسری سورۃ کافی نہ ہو وہاں فاتحہ کافی ہے الحدیث (ت)

یہیں اور روایات بھی ابن عساکر وابو شیخ وابن مردودیہ ودیلمی وغیرہم سے مذکور ہیں یہیں[عـه] ہے:

ثعلبی از شعبی روایت کردہ است کہ شخصے نزد او آمد وشکایت درد گردہ کردہ شعبی باوگفت کہ ترا لازم است کہ اساس القرآن بخوانی وبرجائے درد دم کنی اوگفت کہ اساس القرآن چیست شعبی گفت فاتحۃ الکتاب[2]۔	ثعلبی نے شعبی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے شعبی کے پاس آکر شکایت کی کہ مجھے درد گردہ ہے، انہوں نے فرمایا تو اساس القرآن پڑھ کر جائے درد پر دم کر، اس نے عرض کیا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ فرمایا سورۃ الفاتحہ۔ (ت)

عزیزی سورہ بقرہ ذکر بعض خواص سور وآیات میں ہے:

ابن النجار در تاریخ خود از محمد بن سیرین روایت کردہ	ابن نجار نے اپنی تاریخ میں محمد بن سیرین سے روایت

عــــه: ودریں بعض روایات اقتران دارقطنی یا طبرانی یا وکیع مخالف راسود ندہد زیراکہ ازیں چنانکہ احتمال ایں معنی رونماید کہ اسناد باینہا مقرون بطبقہ ثالثہ است، ہمچناں ایں امر برمنصّہ ثبوت نشیند کہ ہمہ احادیث طبقہ رابعہ ساقط از درجہ اعتبار نیست باز احتمال مذکور بملاحظہ روایات دیگر کہ تنہا از طبقہ رابعہ ست ازل باشد زعم مخالف راہیچ کن باشد فافہم ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اور اس میں بعض روایات کے دارقطنی یا طبرانی یا وکیع کے ساتھ اقتران سے مخالف کو سودمند نہیں کیونکہ اس طرح سے یہ معنی پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسناد سے طبقہ ثالثہ سے مقرون ہیں اور اسی طرح یہ ثابت ہے کہ طبقہ رابعہ کی تمام احادیث درجہ اعتبار سے ساقط نہیں پھر احتمال مذکور دیگر روایات کے ملاحظہ سے کہ جو صرف طبقہ رابعہ سے ہیں یہ بھی زعمِ مخالف کو زیادہ زائل کرنے والا ہے، مخالف کا جو بھی زعم ہو، اسے اچھی طرح سمجھو ۱۲منہ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی سورۃ الفاتحۃ فضائل ایں سورۃ الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۵۹

[2] تفسیر عزیزی آخر سورہ فاتحہ شیطان راچہار بار در عمر خود نوحہ الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۵۹

کہ حدیثی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شنیدہ بودم کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند ہر کہ در شب سی وسہ آیت بخواند او را در آں شب درندہ و دُزدے ایذا نرساند الحدیث اھ مختصرًا[1]۔	کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سُنی جس میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو تینتیس ۳۳ آیات پڑھے گا اسے کوئی درندہ اور ڈاکو نقصان نہیں دے گا الحدیث اھ مختصرا۔ (ت)

اسی عــہ۱ میں ہے:

روی عــہ۲ ابن جریر عن مجاھد قال سأل سلیمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن اولئك النصارٰی الحدیث[2]۔	ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان نصارٰی کے بارے میں سوال کیا الحدیث (ت)

عزیزی آخر والّیل میں ہے:

حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت می کند کہ روزے بخدمت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے می آید کہ حق تعالٰی بعد از من کسے را بہتر از وپیدا نکردہ است	حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر

عــہ۱: زیر آیہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی ۱۲ منہ (م)	اس آیت کے تحت ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی ۱۲ منہ (ت)
عــہ۲: شاہ صاحب در عجالہ نافعہ جائیکہ ذکر طبقات اربعہ کردہ است تفسیر ابن جریر را از ہمیں طبقہ رابعہ شمردہ است کماذکرہ فی السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)	شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں جہاں چار طبقات کا ذکر کیا ہے وہاں تفسیر ابن جریر کو بھی چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے جیسا کہ السیف الملول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ خواص وفضائل سورۃ فاتحہ وسی وسہ آیت الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۹۴

[2] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ زیر آیت ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۲۷۱

وشفاعت اُو روزِ قیامت مثل شفاعتِ پیغمبران باشد جابر گوید کہ ملے نہ گزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر تشریف آوردند[1]۔	شخص اللہ تعالٰی نے پیدا نہیں فرمایا اس کی شفاعت روزِ قیامت اللہ تعالٰی کے پیغمبروں کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے۔ (ت)

تحفہ (اثنا عشریہ) میں عــہ ہے:

در روایات شیعہ و سُنّی صحیح وثابت است کہ ایں امر خیلے بر ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ شاق آمد وخود در ابر در سرائے زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہما حاضر آورد و امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ را شفیع خود ساخت تا آنکہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ازو خوشنود شد اما روایات اہلسنت پس در مدارج النبوۃ وکتاب الوفا و بیہقی وشروح مشکوٰہ موجود است بلکہ در شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق نوشتہ است کہ ابوبکر صدیق بعد ازیں قصہ بخانہ فاطمہ رفت ودر گرمی آفتاب بفدر با باستاد عذر خواہی کرد وحضرت زہرا ازو راضی شدو در ریاض النضرۃ نیز ایں قصّہ بہ تفصیل مذکورست ودر صل الخطاب بروایت بیہقی از شعبی نیز ہمیں قصہ مروی ست وابن السمان در کتاب المواقفۃ از اوزاعی روایت کردہ کہ گفت بیرون آمد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ بردر فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا در روز گرم[2] الخ	شیعہ اور سُنّی دونوں کے ہاں روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوبکر پر نہایت شاق گزرا، لہٰذا آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر کے دروازے پر حاضر ہُوئے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سفارشی بنایا تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان سے راضی ہوجائے، روایاتِ اہلسنّت مدارج النبوۃ، الوفاء، بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں موجود ہیں بلکہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر اس واقعہ کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے باہر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور معذرت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان سے راضی ہوگئیں۔ ریاض النضرۃ میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً درج ہے اور فصل الخطاب میں بروایت بیہقی، شعبی بھی یہ ہی واقعہ منقول ہے اور ابن السمان نے الموافقۃ میں اوزاعی سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ گرمی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر آئے الخ۔ (ت)

عــہ: درطعن سیزدم ازمطاعن ملاعنہ بر حضرت افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)	ملعون لوگوں کے ان اعتراضات میں سے تیرھویں طعن میں ہے جو انہوں نے افضل الصدیقین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر کیے ہیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی آخر سورۃ الیل پارہ عم مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۳۰۶

[2] تحفہ اثنا عشریۃ طعن سیز دہم از مطاعن ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۷۸

سابعًا طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلٰی درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں برشرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس کہ تصانیف شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین تو مستدرک سے تو وہ تودہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور **کمالایخفی علی من طالعھما** (جیسے کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ت)

لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابوعبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار شرط ایں ہردو بزرگ یافتہ میشود یا بشرط یکے ازینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد، وبقدر ربع کتاب از آں جنس است کہ بظاہر عـہ اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہردو نیست وبقدر ربع باقی واہیات ومناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست چنانچہ من دراختصار آں کتاب کہ مشہور بتلخیص ذہبی است خبردار کردہ ام[1] **انتہی**۔	انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری ومسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریبًا نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور تقریبًا اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان دو (بخاری ومسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لئے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ تلخیص ذہبی سے مشہور ہے، میں اس بارے میں خبردار کیا ہے، انتہٰی (ت)

عـــہ: لفظ بظاہر درآنچہ امام خاتم الحفاظ درتدریب از ذہبی آورد نیست لفظش ہمین است کہ فیه جملة وافرة علی شرطهما وجملة کثیرة علی شرط احدهما. لعل مجموع ذلك نحو نصف الکتاب وفیه نحو الربع مما صح سنده، وفیه بعض الشیئ، او له علة وما بقی وهو نحو الربع فهو مناکیر او واهیات لایصح وفی بعض ذلك موضوعات[2] ۱۲منہ (م)	لفظ "**بظاھر**" وہ جو امام خاتم الحفاظ نے تدریب میں امام ذہبی سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں بہت سی احادیث شیخین کی شرائط پر ہیں اور بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں، شاید اس کا مجموعہ تقریبًا آدھی کتاب ہو اور اس میں چوتھائی ایسی احادیث ہیں جن کی سند صحیح ہے، بعض ایسی ہیں جن میں کوئی شیئ یا علت ہے اور جو بقیہ چوتھائی ہے وہ مناکیر یا واہیات ہیں جو صحیح نہیں، اور بعض اس میں موضوع بھی ہیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوع کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[2] تدریب الراوی عدد احادیث مسلم وتساہل الحاکم فی المستدرک دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۰۶

تنبیہ : **بحمد اللہ** ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنی اسی قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے اُنہوں نے احتراز کیا انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدم ذکر کو اس معنے پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افراد بخاری متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کو تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں **کما بینہ شیخ الاسلام فی فتح الباری شرح صحیح البخاری** (جیسا کہ شیخ الاسلام نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں بیان کیا ہے۔ت)

ثامناً شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

ولہٰذا علمائے حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر از دیدن تلخیص ذہبی[1]۔	اسی لئے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کردیا ہے کہ مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔(ت)

اور اس سے پہلے لکھا:

ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے راکہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتیکہ تعقبات وتلخیصات مرانہ بیند ونیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست بلکہ بعضے از احادیث موضوعہ نیز ست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشتہ[2]۔	امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے تاوقتیکہ اس پر میری تعقبات وتلخیصات کا مطالعہ نہ کرلے، اور یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی احادیث مستدرک میں شرطِ صحت پر موجود نہیں بلکہ بعض اس میں موضوعات بھی ہیں جس کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی ہے۔(ت)

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ بے اعتمادی اختلاط صحیح وضعیف ہے اگرچہ اکثر عــہ صحیح ہی ہوں جیسے

عــہ: اسی طرح عدم اعتبار کثرت وقلّت کی دلیل واضح امام الشان کا یہ ارشاد منقول تدریب ہے:

قال الشیخ الاسلام غالب مافی کتاب ابن الجوزی موضوع والذی ینقد علیہ بالنسبۃ الی	شیخ الاسلام نے کہا کہ ابن جوزی کی کتاب میں اکثر روایات موضوع ہیں، جن روایات (باقی برصفحۂ آئندہ)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوعہ کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[2] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوعہ کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۹

مستدرک میں تین ربع کتاب کی قدر احادیث صحیحہ ہیں نہ کہ سب کا ضعیف ہونا چہ جائے ضعف شدید یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا اعادنہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنی اگر خود لیاقت نقد رکھتا ہو آپ پرکھے ورنہ کلام ناقدین کی طرف رجوع کرے بے اس کے حجت نہ سمجھ لے۔ اب انصافاً یہ حکم نہ صرف کتب طبقہ رابعہ بلکہ ثانیا ثالثہ سب پر ہے کہ جب منشا اختلاط صحیح وضعیف ہے اور وہ سب میں قائم تو یہی حکم سب پر لازم آخر نہ دیکھا کہ ائمہ دین نے صاف صاف یہی تصریح سنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومسند امام احمد وسنن ابن ماجہ ومصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ومصنّف عبدالرزاق وغیرہا سنن ومسانید کتب طبقہ ثانیہ وثالثہ کی نسبت بھی فرمائے جس کی نقل امام الشان وعلّامہ قاری سے افادہ ۲۱ میں گزری، یونہی امام شیخ الاسلام عارف باللہ زکریا انصاری وامام سخاوی نے تنصیص عــہ کی، امام خاتم الحفاظ کا قول ابھی سُن چکے کہ انہوں نے ان سب کتب کو ایک سلک میں منسلک فرمایا اب شاید منکر کج فہم ان نصوص ائمہ کو دیکھ کر سُنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ کی نسبت بھی یہی اعتقاد کرے گا کہ وہ بھی معاذاللہ مہمل وبیکار واصلاً ناقابل استناد واعتبار ہیں **ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم**۔ بالجملہ حق یہ کہ مدار اسناد ونظر وانتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ فلاں کتاب میں ہونے فلاں میں نہ ہونے پر قلم ضراعت رقم جب اس محل پر آیا فیض کرم وکرم قدم نے خوش فرمایا اس مقام ومرام طبقات حدیث کی تحقیق جزیل وتدقیق جمیل فقیر ذلیل غفرلہ المولی الجلیل پر فائض ہوگی کہ اگر یہاں ایراد کرتا اطناب کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالاینتقد قلیل جداقال، وفیہ من الضرران یظن مالیس بموضوع موضوعا عکس الضرر بمستدرك الحاکم فانہ یظن مالیس بصحیح صحیحا قال ویتعین الاعتناء بانتقاد الکتابین فان الکلام فی تساھلھما اعدم الانتفاع بھما الا لعالم بالفن لانہ مامن حدیث الا ویمکن ان یکون قد وقع فیہ تساھل[1] **اھ ۱۲ منہ** (م)

پر انہوں نے تنقید کی وہ ان سے بہت کم ہیں جن پر تنقید نہیں کی، اور کہا کہ اس میں تکلیف وہ امر یہ ہے کہ وہ غیر موضوع کو موضوع گمان کرتے ہیں یہ اس کا عکس ہے جو مستدرک حاکم کا ضرر ہے کیونکہ وہ غیر صحیح کو بھی صحیح گمان کرتے ہیں، کہا کہ ان دونوں کتابوں کی کاٹ چھانٹ ضروری ہے کیونکہ کلام ان دونوں میں تساہل کی وجہ سے ان سے نفع حاصل کرنے کو معدوم کردیتا ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس فن کا ماہر ہو، کیونکہ ان کی کوئی ایسی روایت نہیں ہُوئی جس میں تساہل نہ ہو ۱۲ منہ (ت)

عــہ۱: ذکرنا نصھما فی رسالتنا مدارج طبقات الحدیث ۱۲ منہ (م)

ہم نے ان دونوں کی عبارتوں کو اپنے رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] تدریب الراوی نقد کتاب موضوعات ابن الجوزی دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۷۹

و ابعاد مرام سامنے لہٰذا اسے بتوفیقه تعالٰی رساله منفرده عـــہ اور بلحاظ تاریخ **مدارج طبقات الحدیث** ۱۳۱۳ھ لقب دیا وللّٰه المنة فیما الھم وله الحمد علی ماعلّم وصلّی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وسلّم۔

افادہ بست ۲۵ و پنجم: (کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں) اقول کتابیں کہ بیان احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو ۲ قسم ہیں، ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیل جوزقانی و موضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجاہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے بہ نظر واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھردی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگادیا ہے جسے ائمہ محققین ونقاد منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح و تقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی تعقبات وآلی مصنوعه والقول الحسن فی الذب عن السنن وامام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بہنایت تفصیل واضح دروشن مطالعہ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستّہ ومسند امام احمد کی چوراسی ۸۴ حدیثوں کو موضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے: مسند امام ۱ احمد، صحیح بخاری ۲ شریف بروایت حماد بن شاکر، صحیح مسلم ۳ شریف، سنن ۴ ابی داؤد، جامع ۵ ترمذی، سنن ۶ نسائی، سنن ابن ۷ ماجہ دوم وہ جن کا

عـــہ: الحمدللّٰه یہ عربی رسالہ مختصر عجالہ باوصف وجازت فوائد نفسیہ پر مشتمل اس میں:

اوّلاً طبقات اربعہ حدیث میں حجۃ اللّٰه البالغہ کا کلام نقل کیا۔

ثانیاً ایک مسلسل بیان میں اس کی وہ تقریر ادا کی جس سے کلام منتظم ہو کر بہت شبہات کا ازالہ ہوگیا۔

ثالثاً پھر بہت ابحاث رائقہ مؤلفہ ذائقہ ایراد کیں جن سے روشن ہوگیا کہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع نہ مانع نہ ناقد کے کام کی نہ مقلد کو نافع۔

رابعاً اپنی طرف سے ایک عام وشامل تام وکامل ضابطہ وضع کیا جس سے ہر گونہ ناقد وغیر ناقد متوسط وعامی ہر قسم کے آدمی کو حد استناد وطریق احتجاج واضح ہوگیا آخر میں اُسے کلماتِ علماء سے مؤید کیا اُس کے ضمن میں صحاح ستہ وغیرہا کتب حدیث کا مرتبہ اور باہمی تفاوت اور بعض دیگر کتب صحاح کا شمار اور نیز یہ کہ ائمہ وعلما میں کن کن کو دربارہ تصحیح احادیث تساہلی اور کہیں درباب حکم وضع تشدد یا معاملہ جرح رجال میں نعت تھا بیان کیا جو کچھ دعوی کیا ہے اُس کا روشن ثبوت دیا ہے وللّٰه الحمد ۱۲منہ (م)

قصد صرف ایراد موضوعات ۲۳ واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لئے اُن احادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکم وضع کیا جیسے اُنہیں کا ذیل اللاٰلی امام ممدوح خطبہ مصنوعہ میں فرماتے ہیں:

ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعیف بل والحسن بل والصحیح کمانبّه علی ذلك الائمة الحفاظ وطال مااختلج فی ضمیری انتقاؤه وانتقاده فاورد الحدیث ثم اعقب بکلامه ثم انکان متعقبا بنهت علیه اھ[1] ملخصا۔	ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اور اُس کا حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا بتاؤں گا۔

اُسی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں:

واذ قد اتینا علی جمیع مافی کتابه فنشرع الآن فی الزیادات علیه، فمنها مایقطع بوضعه ومنها مانص حافظ علی وضعه ولی فیه نظر فاذکره لینظر فیه[2]۔	اب کہ ہم تمام موضوعاتِ ابن الجوزی بیان کرچکے تو اب اُس پر زیادتیں شروع کریں ان میں کچھ وہ ہیں جن کا موضوع ہونا یقینی ہے اور کچھ وہ جنہیں کسی حافظ نے موضوع کہا اور میرے نزدیک اس میں کلام ہے تو میں اُسے نظرِ غور کے لئے ذکر کروں گا۔

پُر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضوعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً "**لایصح**" (یہ صحیح نہیں۔ت) یا "**لم یثبت**" (یہ ثابت نہیں۔ت) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر "**رفعه**" کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلٰی ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر وتنقیح رہے گا **کمالایخفی** شوکانی کی کتاب موضوعات مسمّٰی بہ فوائدِ مجموعہ بھی اسی قسمِ ثانی کے ہے خود اُس نے خطبہ کتاب میں اس معنٰی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنہیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اصلاً ضعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدّد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہوجائے، عبارت اُس کی یہ ہے:

---

[1] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ خطبہ کتاب مطبع ادبیہ مصر ۱/ ۲

[2] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ خاتمہ کتاب مطبع ادبیہ مصر ۲/ ۲۵۱

وقد اذکر مالایصح اطلاق اسم الموضوع علیه بل غایة مافیه انه ضعیف بمرة وقدیکون ضعیفا ضعفًا خفیفًا، وقدیکون اعلی من ذلك والحاصل علی ذکر ماکان ھٰکذا، التنبیه علی انه قدعد ذلك بعض المصنفین موضوعات کابن الجوزی فانه تساھل فی موضوعاته حتی ذکر فیها ماھو صحیح فضلا عن الحسن فضلا عن الضعیف وقدتعقبه السیوطی بمافیه کفایة، وقد اشرت الی تعقبات[1] الخ	ب کبھی میں اس کتاب میں وہ احادیث ذکر کروں گا جن پر موضوع کا اطلاق درست نہیں بلکہ وہ ضعیف ہوں گی اور بعض کے ضعف میں خفت ہوگی بلکہ بعض میں ضعف ہی نہیں ان کے ذکر کا سبب یہ ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ بعض مصنفین نے انہیں موضوع قرار دیا ہے جیسے ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں تساہل سے کام لیا ہے۔ حتی کہ صحیح روایات کو موضوعات میں ذکر کردیا چہ جائیکہ حسن اور ضعیف، امام سیوطی نے ان کا تعاقب کیا ہے، میں نے بھی ان کے تعقبات کی طرف اشارہ کیا ہے الخ (ت)

تو متکلمین طائفہ کا یہ سفیہانہ زعم کہ حدیث تقبیل ابہامین شوکانی کے نزدیک موضوع نہ ہوتی تو کتابِ موضوعات میں کیوں کرتا، کیسی جہالتِ فاحشہ ہے۔

تنبیہ: ہر چند یہ افادہ اُن گیارہ افادات سابقہ سے زیادہ متعلق تھا جن میں حضرات طائفہ کے زعمِ موضوعیت کا ابطال ہوا مگر ازانجا کہ ایسی لچر بے معنی بات سے توہمِ موضوعیت کسی ذی علم کا کام نہ تھا لہٰذا ان افادات کے ساتھ منسلک کیا کہ واضح ہو کہ ذکر فی الموضوعات ضعفِ شدید کو بھی مستلزم نہیں جو ایک مسلک پر قبول فی الفضائل میں مخل ہو بلکہ حقیقۃً نفس ذکر بے ملاحظہ حکم تو مفید مطلق ضعف بھی نہیں کہ دونوں قسم میں صحاح وحسان تک موجود ہیں کما تبین۔

لطیفہ: **اقول** حضرات وہابیہ کے پچھلے متکلم اگر موضوعات شوکانی کو موضوع نہ سمجھے تو کیا عجب کہ خود ان کے امام شوکانی کی سمجھ بھی ایسی ہی ناقص اور ناکافی تھی یہیں خطبہ موضوعات میں علمائے نافیان کذب کی دو قسمیں کیں ایک وہ جنہوں نے رواۃ ضعفاء وکذابین وغیرہم کے بیان میں تصنیفیں کیں جیسے کامل ومیزان وغیرہما وقسم: **جعلوا مصنفاتھم مختصة بالاحادیث الموضوعة**[2] دوسرے وہ جنہوں نے اپنی تصانیف احادیث موضوعہ سے خاص کیں جیسے ابن جوزی وصغانی وغیرہما۔ اور اسی قسم دوم میں مقاصد حسنہ امام سخاوی کو گن دیا حالانکہ وہ ہر گز تصانیف عــہ

عــہ: افادہ ۲۴ میں شاہ ولی اللہ کا قول گزرا کہ ابن جوزی موضوعات را مجرد ساخت وسخاوی ومقاصد حسنہ حسان لغیرہا از ضعاف ومناکیر ممیّز نمود، یہیں سے ظاہر کہ مقاصد حسنہ کتب موضوعات سے کتنے جُدا ہیں ۱۲ منہ (م)

---

[1] الفوائد المجموعہ خطبۃ الکتاب دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم شہات الخ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۲۸۲

مختصہ بہ موضوعات سے نہیں بلکہ اُس کا مقصود ان احادیث کا حال بیان کرنا ہے جو زبانوں پر دائر ہیں عام ازیں کہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف یا بے اصل یا باطل، ولہٰذا اُس میں بہت احادیث کو ذکر کرکے فرماتے ہیں: یہ صحیح بخاری میں ہے یہ صحیح مسلم کی ہے یہ صحیحین دونوں کے متفق علیہ ہے، بھلے مانس نے اُس کے نام کو بھی خیال نہ کیا **المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ**[1] (مقاصد حسنہ زبانوں پر دائر بہت سی مشہور حدیثوں کے بیان میں۔ت) نہ اُسی کو آنکھ کھول کر دیکھا اس کے پہلے ہی ورق کی چوتھی حدیث ہے حدیث **آیۃ المنافق ثلث متفق علیہ**[2] (منافق کی تین علامات ہیں، بخاری ومسلم۔ت) وہیں ساتویں حدیث ہے حدیث **ابدأ بنفسك مسلم فی الزکوٰۃ من صحیحہ**[3] (اپنے آپ سے ابتدا کرو، اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں زکوٰۃ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ت)

طرفہ تریہ کہ انہیں میں تخریج الاحیاء للعراقی بھی گن دی **سبحان اللہ** کہاں تخریج احادیث کتاب کہاں تصنیف فی الموضوعات، اسی فہم پر ابو حنیفہ وشافعی سے دعوٰی مساوات **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

نتیجۃ الافادات: **الحمدللہ** کلام اپنے ذروہ اعلٰی کو پہنچا اور احقاقِ حق حدِ اقصٰی کو، ان چودہ ۱۴ افادوں نے ماہِ شب چہاردہ کی طرح روشن کردیا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں اگر تعددِ طُرق وعملِ اہلِ علم سے متقوی نہ بھی ہوں تو انتہا درجہ ضعیف بضعفِ خفیف، اور فضائلِ اعمال میں باجماعِ علماء محدثین وفقہاء مقبول وکافی اور ثبوتِ استحبابِ عمل کے لئے مفید ووافی ہیں منکرین کی ساری چہ میگوئیاں کہ اُن کے ابطال واہمال کے لئے تھیں بعونہٖ تعالٰی اپنی سزائے کردار کو پہنچ گئیں **والحمدللہ رب العالمین**، اب پھر دستِ استعانت قائد توفیق کے ہاتھ میں دیجئے اور بعنایت الٰہی واعانتِ حضرت رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیر المتناہی تحقیق مرام میں اس سے بھی وسیع تر تنزلی کلام اور آخر میں ازالہ وازہاق بقیہ اوہام منکرین لیام کیجئے **وباللہ التوفیق**۔

افادہ بست ۲۶ وششم (ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی ہے) **اقول:** بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہُوئی وہ علماء وصلحاکے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذب واقعی کو مستلزم نہ تھا، حاکم نے بطریق عمر بن ہارون بلخی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نماز قضائے حاجت کیلئے

---

[1] المقاصد الحسنۃ مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۴

[2] المقاصد الحسنۃ حرف الہمزۃ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۶

[3] المقاصد الحسنۃ حرف الہمزۃ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۶

ایک ترکیب عجیب مرفوعًا روایت کی جس کے آخر میں ہے:

ولاتعلموها السفهاء فانه يدعون بها فيستجابون [1]۔	بیوقوفوں کو یہ نماز سکھاؤ کہ وہ اس کے ذریعہ سے جو چاہیں گے مانگ بیٹھیں گے اور قبول ہوگی۔

ائمہ جرح وتعدیل نے عمر بن ہارون کو سخت شدید الطعن متروک بلکہ متہم بالکذب تک کہا۔ امام احمد وامام نسائی وامام ابو علی نیشاپوری نے فرمایا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی وامام دارقطنی نے کہا: سخت ضعیف ہے۔ صالح جزرہ نے کہا: کذاب ہے۔ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: **محض لاشیئ کذاب خبیث** [2] ہے۔ (بالکل کوئی شے نہیں کذاب وخبیث ہے۔ت) **کل ذلك فی المیزان** (یہ سب میزان میں ہے۔ت) لاجرم حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **متروك وکان حافظًا** [3] (یہ متروک ہے اور حافظ تھا۔ت) ذہبی نے میزان میں کہا:

کان من اوعیة العلم علی ضعفه، وکثرة مناکیره وما اظنه ممن یتعمد الباطل [4]	اس ضعف وکثرت مناکیر کے باوجود وہ علم کا ذخیرہ تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی باطل کا ارادہ کرتا ہو۔ (ت)

تذکرۃ الحفاظ میں آخر کہا: **لاریب فی ضعفه** [5] (اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں۔ت) امام اجل ثقہ حافظ عبدالعظیم زکی منذری نے کتاب الترغیب عــه میں یہ حدیث بروایت حاکم نقل کرکے عمر بن ہارون کے متروک ومتہم ہونے سے اُسے معلول کیا،

حیث قال قد تفرد به عمر بن هارون البلخی	جہاں کہا کہ اس کے بیان کرنے میں عمر بن ہارون بلخی متفرد ہے

عــه: فی الترغیب فی صلاۃ الحاجة ۱۲ منه (م)	(ترغیب میں نماز حاجت کے تحت اس کو بیان کیا ہے۔ت)

---

[1] الترغیب والترہیب فی صلاۃ الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۸ نصب الرایۃ الحدیث الثانی والاربعون من کتاب الکراہیۃ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۲۷۳

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۸

[3] تقریب التہذیب حرف العین مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۹۲

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ عمر بن ہارون مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۹

[5] تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السابعہ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۳۱۲

وھو متروك متھم اثنی علیه ابن مھدی وحدہ عــہ فیما اعلمه[1] اھ	اور وہ متروک و متہم ہے میرے علم کے مطابق ابن مہدی نے فقط اسے بہتر قرار دیا ہے اھ۔
قلت بل اختلف الروایة عن ابن مھدی ایضا فقال فی المیزان قال	**قلت** (میں کہتا ہوں) کہ ابن مہدی سے بھی روایت مختلف ہے، میزان میں ہے

عــہ: **اقول:** ھذا عجیب من مثل الحافظ مع قول نفسه فی خاتمة الکتاب ضعفه الجمھور ووثقه قتیبة وغیرہ اھ فی تذکرة الحفاظ عن الابار عن ابی غسان عن بھز بن اسد انه قال اری یحیٰی بن سعید حسدہ قال وساق الخطیب باسنادہ عن ابن عاصم انه ذکر عمربن ھارون فقال عمر عندنا احسن اخذا للحدیث من ابن المبارك وقال المروزی سئل ابوعبدالله عن عمربن ھارون فقال ماقدر ان اتعلق علیه بشیئ کتبت عنه کثیرا فقیل له قدکانت له قصّة مع ابن مھدی فقال بلغنی انه کان یحمل علیه وقال احمد بن سیار کان کثیر السماع کان قتیبة یطریه ویوثقه الخ ثم ذکر تکذیبه وترکه وجرحه عن ابن معین واٰخرین ثم قال قلت لاریب فی ضعفه وکان لما حافظا فی حروف القرأت مات سنة اربعین وتسعین ثلث مائة اھ ۱۲ منه (م)

اقول: حافظ جیسے لوگوں پر تعجب ہے کہ خود انہوں نے خاتمہ کتاب میں کہا کہ اسے جمہور نے ضعیف کہا اور قتیبہ وغیرہ نے اسکی توثیق کی اھ اور تذکرۃ الحفاظ میں ازا بار از ابن غسان از بہز بن اسد ہے وہ کہتے ہیں میں نے یحیٰی بن سعید کو دیکھا وہ ان پر حسد کرتے تھے کہا اور خطیب اپنی سند سے ابوعاصم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن ہارون کا ذکر کیا تو کہا کہ عمر ہمارے نزدیک حدیث اخذ کرنے میں ابی المبارک سے احسن ہے، اور مروزی نے کہا ابوعبداللہ سے عمر بن ہارون کے متعلق پُوچھا گیا تو کہا میں ان کے بارے میں کوئی شیئ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا میں نے ان سے بہت روایات لکھی ہیں، ان سے کہا گیا کہ ان کا ابن مہدی کے ساتھ فلاں معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ وہ اس پر حملہ کرتا تھا، اور احمد بن سیار نے کہا کہ وہ کثیر السماع تھا، قتیبہ اس کی تعریف وتوثیق کرتا تھا الخ) پھر اس کی تکذیب، ترک اور جرح ابن معین وغیر ہم سے ذکر کرنے کے بعد کہا میں کہتا ہوں اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں، اور وہ قراءاتِ حروف میں امام وحافظ تھے ان کا وصال ۳۹۴ھ میں ہوا اھ ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الترغیب والترہیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

ابن مهدی واحمد والنسائی متروك الحديث ثم قال وقال ابن حبان کان ابن مهدی حسن الرای فی عمر بن هارون [1] اھ فالله تعالٰی اعلم۔	کہ ابنِ مہدی، احمد اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے، پھر کہا کہ ابنِ حبان کہتے ہیں کہ ابن مہدی عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اھ فالله تعالٰی اعلم۔ (ت)

باینہمہ ازانجا کہ مستدرک میں تھا:

قال احمد بن حرب قدجربته فوجدته حقا، وقال ابراهیم بن علی الدّیبلی عـــہ۱ قدجربته فوجدته حقا، وقال الحاکم قال لنا ابوزکریا قدجربته فوجدته حقا قال الحاکم قدجربته فوجدته [2] حقا۔	احمد بن حرب نے کہا میں نے اس نماز کو آزمایا حق پایا، ابراہیم بن علی دیبلی نے کہا میں نے آزمایا حق پایا ہم سے ابوزکریا نے کہا میں نے آزمایا حق پایا، حاکم کہتے ہیں خود میں نے آزمایا تو حق پایا عـــہ۲۔

لہٰذا امام حافظ منذری نے فرمایا: الاعتماد فی مثل هذا علی التجربة لاعلی الاسناد [3] (ایسی جگہ اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے نہ کہ اسناد پر)۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ عـــہ۳ میں حدیث کا وہ ضعف شدید اور امام ابن جوزی کا اُسے

عـــہ۱: نسبة الٰی دیبل بفتح الدال المهملة وسکون الیاء المثناة من تحت وضم الباء الموحدة والاٰخر لام قصبة بلاد السند کمافی القاموس ۱۲ منه (م)	یہ دَیبلُ کی طرف منسوب ہے۔ دیبل دال مہملہ کے فتح کے ساتھ، یاء مثنّٰی کے سکون باء موحدہ کے پیش کے ساتھ اور آخر میں لام ہے کہ بلادِ سندھ میں ایک قصبہ ہے قاموس میں ایسے ہی ہے ۱۲منہ (ت)
عـــہ۲: اٰخر الکتاب فی الفضائل الثالث عشر فی صلاة الحاجة من فصول تکمیل الکتاب ۱۲ منه (م)	عـــہ۳: **اقول:** بحمداللہ تعالٰی اس فقیر نے بھی کئی بار آزمایا حق پایا بعض قریب تر اعزّہ کو سخت ناسازی تھی طول ہوا یہاں تک کہ ایک روز حالت مثل نزع طاری ہوئی سب رونے لگے فقیر مشغولِ نماز مذکور ہُوا پڑھ کر آیا تو عزیز مذکور بیٹھا باتیں کرتا پایا وللہ الحمد بیس ۲۰ سال ہونے کو آئے جب سے بحمداللہ فضلِ الٰہی ہے ماشاء الله لاقوة الّا بالله ۱۲منہ (م) یہ کتاب کے آخر میں فضائل کے بیان میں جو تیرھویں فصل نمازِ حاجت کے بیان میں تمیل کتاب کی فصول میں سے ہے (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ عمر بن ہارون مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۳ /۲۲۸و۲۲۹

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الحاکم الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ الحاکم الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

بالیقین موضوع کہنا عہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ومشی علی هذا فی الحاوی القدسی فانه ذکر هذه الصلٰوة للحاجة علٰی هذا الوجه من الصلٰوة المستحبة[1]۔	حاوی قدسی میں اسی پر عمل کیا کہ انہوں نے حاجت کے لئے اس ترکیب کو مستحب نمازوں میں ذکر فرمایا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے امامِ اجل سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ الشریف کا ارشاد لطیف افادہ ۱۵ میں گزرا کہ میں نے صحتِ حدیث کو اس جوان کی صحتِ کشف سے پہچانا یعنی جب اس کے کشف سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو وعدہ آیا تھا ٹھیک اُترا معلوم ہُوا کہ حدیث صحیح ہے اب صدر رسالہ میں امام سخاوی کے نقول دیکھ لیجئے کہ اس تقبیل ابہامین کے کتنے تجربے علما وصلحا سے منقول ہوئے ہیں لاجرم علامہ طاہر فتنی نے فرمایا روی تجربة ذلك عن کثیرین[2] (اس کا تجربہ بہت سے لوگوں سے روایت کیا گیا) تو عزیزو! اگر بالفرض غلط سند کسی قابل نہ سمجھو تاہم تجربہ علما کو سند کافی جانو۔

افادہ بست ۲۷ وہفتم (بالفرض اگر کتب میں اصلاً پتانہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے)

اقول: بھلایاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقہ رابعہ وغیرہا

عــہ: هوآخر حدیث من باب الصلاة فی الموضوعات قال المخرج موضوع، عمربن هارون کذاب قال خاتم الحفاظ عمر روی له الترمذی وابن ماجة وقال فی المیزان کان من اوعیة العلم الی آخر مانقلنا قال ووجدت للحدیث طریقا آخر فذکر ماأسند ابن عساکر عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه نحوه وسکت علیه خاتم الحفاظ والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)	نماز کے باب میں موضوعات میں یہ آخری حدیث ہے تخریج کرنے والے نے کہا یہ موضوع ہے عمر بن ہارون کذاب ہے، خاتم الحفاظ نے کہا عمر سے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت لی ہے، میزان میں "کان من اوعیۃ العلم الٰی آخر مانقلنا" (وہ علم کا ذخیرہ تھا آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے) کہا اور کہا کہ اس حدیث کی ایک اور سند بھی میں نے دیکھی ہے پھر وہ سند ذکر کی جو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اس پر خاتم الحفاظ نے سکوت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] خاتمہ مجمع بحار الانوار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۱

کسی طبقہ حدیث میں اُس کا نام نہ نشان نہ ہو، حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حضور والا کو ندا کرکے بابی انت وامی یارسول اللہ[1] میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ کہہ کر حضور کے فضائلِ جلیلہ وشمائل جمیلہ عرض کرنا، یہ حدیث امام ابو محمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علماء سے تھے ۴۶۶ھ میں انتقال کیا اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار اور ابو عبداللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی مالکی نے کہ آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی دونوں نے محض بلاسند ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتانہ پایا کُتبِ حدیث میں اصلا نشان نہ ملا مگر از انجا کہ مقام مقامِ فضائل تھا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کُند حواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا در کنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی اُنہیں اُس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا علامہ ابو العباس قصار نے اسے شرح قصیدہ بردہ شریف میں ذکر کیا اور اِنہیں زشاطی کا حوالہ دیا، پھر امام علّامہ احمد قسطلانی عــہ۱ نے مواہب للدنیہ میں بصیغہ جزم ذکر کی، اسی شرح قصار ومدخل کی سند دی، اسی مواہب شریف ونسیم الریاض علّامہ شہاب خفاجی مصری ومدارج النبوۃ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا میں علمائے کرام نے اس حدیث کو زیر بیان آیہ کریمہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ②[2] (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور اے محبوب! تُو اس میں جلوہ افروز ہے۔ت) جس میں رب العزّت جل وعلانے شہرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسم یاد فرمائی ہے محلِ استناد میں ذکر کیا کہ قرآنِ عظیم نے حضور پُرنور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان پاک بھی قسم کھائی کہ

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (٧٢)[3] (تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور حضور کے شہر مکہ معظّمہ کی بھی قسم کھائی کہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①[4] مگر اس قسم میں اُس قسم سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے جس طرح امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ عرض کرتے ہیں میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ، اللہ عزوجل کے نزدیک حضور کا مرتبہ اس حد کو پہنچا کہ حضور کے خاک پا کی قسم یاد فرمائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ①۔ نسیم عــہ۲ کی دلکشا عبارت یہ ہے:

عــہ۱ : الفصل الاول من المقصد العاشر ۱۲ منہ	دسویں مقصد کی پہلی فصل میں دیکھو۔(ت)
(م) عــہ۲ : الفصل الرابع من الباب الاول ۱۲ منہ (م)	باب اول کی چوتھی فصل میں دیکھو۔(ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمہ تعالٰی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] القرآن ۹۰/ ۲

[3] القرآن ۱۵/ ۷۲

[4] القرآن ۹۰/ ۱

قد قالوا ان هذا القسم ادخل فی تعظیمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من القسم بذاته وبحیاته کما اشار الیه عمر رضی الله تعالٰی عنه بقوله بابی انت وامی یارسول الله قد بلغت من الفضیله عنده ان اقسم بتراب قدمیك فقال لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ [1]۔	مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے شہر کی قسم، آپ کی ذات اور عمر کی قسم سے زیادہ تعظیم پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اس کی طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا: یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں آپ اللہ تعالٰی کے ہاں اتنے عظیم المرتبت ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے مبارک قدموں کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا ہے: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں) (ت)

مواہب عــه میں ہے:

علی کل حال فهذا متضمن للقسم ببلد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولایخفی مافیه من زیادة التعظیم وقد روی ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه قال للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بابی انت وامی یارسول الله لقد بلغ من فضیلتك عندالله ان اقسم بحیاتك دون سائر الانبیاء ولقد بلغ من فضیلتك عنده ان اقسم بتراب قدمیك فقال لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ [2]۔	ہر حال میں یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر کی قسم کو متضمن ہے اور اس قسم میں جو عظمتِ مرتبہ ہے وہ مخفی نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی فضیلت اللہ تعالٰی کے ہاں اتنی بلند ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کی ہی اس نے قسم اٹھائی ہے نہ کہ دوسرے انبیاء کی، اور آپ کی عظمت ومرتبت اس کے ہاں اتنی عظیم ہے کہ اس نے "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝" کے ذریعے آپ کے مبارک قدموں کی خاک کی قسم اٹھائی ہے۔ (ت)

عــه: المقصد السادس النوع الخامس الفصل الخامس ۱۲ منه (م)	چھٹے مقصد کی نوع خامس سے پانچویں فصل دیکھو ۱۲ منہ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمه تعالٰی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی الفصل الخامس من النوع الخامس الخ مطبعۃ عامرہ مصر ۶/ ۲۷۰

مدارج عــه میں اسے نقل کرکے فرمایا: یعنی سوگند خوردن بلد کہ عبارت است کہ از زمینے کہ پے سپر میکند، آنرا (پائے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سوگند بخاک پائے خوردن ست، وایں لفظ درظاہر نظر سخت مے درآید، نسبت بجناب عزّت چوں گویند کہ سوگند میخورد بخاک پائے حضرت رسالت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونظر بحقیقت معنی صاف وپاک ست کہ غبارے براں نمی نشیند، وتحقیق ایں سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرت رب العزّت جل جلالہ بچیزے غیر ذات وصفات بود برائے اظہار شرف وفضیلت وتمیز آں چیزست نزد مردم ونسبت بایشاں تابدانند کہ آں امرے عظیم وشریف است نہ آنکہ اعظم است نسبت بوئے تعالٰی[1] الخ	یعنی شہر کی قسم کھانے سے مراد یہی ہے کہ اس خاک پا کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ شہر سے مراد وہ زمین اور جگہ ہے جہاں حضور پاؤں رکھ کر چلتے ہیں، بظاہر یہ الفاظ سخت معلوم ہوتے ہیں کہ باری تعالٰی حضور کے خاک پا کی قسم اٹھائے، لیکن اگر اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی پوشیدگی وغبار نہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالٰی جب اپنی ذات وصفات کے علاوہ کسی شَے کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ شیئ (معاذاللہ) اللہ تعالٰی سے عظیم ہے، بلکہ حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کو وہ شرف وعظمت نصیب ہوجائے جس کی وجہ سے عام لوگوں پر اس کا امتیاز قائم ہو اور لوگ محسوس کریں کہ یہ شے بنسبت دوسری چیزوں کے نہایت عظیم ہے نہ کہ وہ معاذاللہ بنسبت اللہ تعالٰی کے عظیم ہے

میں ایک اسی حدیث بے سند کو کیا ذکر کرتا کہ اس کی تو صدہا نظیریں کتبِ علماء میں موجود ہیں زیادہ جانے دیجئے یہ پچھلے زمانے کے بڑے محدّث شاہ ولی اللہ صاحب بھی جابجا اپنی تصانیف میں ایسی کتب کی حدیثوں سے سند لاتے ہیں جو نہ کسی طبقہ حدیث میں داخل نہ اُن میں سند کا نام ونشان،

قرۃ العینین میں روایات مذکورہ تاریخ یافعی وروضۃ الاحباب وشواہد النبوۃ مولانا جامی قدس سرہ السامی سے استناد موجود، مثلاً لکھا:

اما اتصاف شیخین بصفات کاملہ تلبیہ[2] پس بطریق	شیخین (صدیق وفاروق) صفات کاملہ مشہورہ

عــه: قسم اول باب سوم فصل دوم ۱۲ منہ (م)

---

[1] مدارج النبوۃ وصل مناقب جلیلہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

نوٹ: مدارج النبوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھّر کے نسخہ میں خط کشیدہ عبارت نہیں ہے غوروفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی عبارت اس نسخہ میں کسی وجہ سے رہ گئی اور اعلٰحضرت کی عبارت میں جو اضافہ ہے وہ درست ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ الخ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۹۲

اتم بود و ظہور خرق عوائد وتربیت الٰہی ایشاں رابرؤیا وماند آں ازیشاں بسیار مروی شدہ حدیثی چند ازیں جملہ نیز روایت کنیم[1]۔ در شواہد النبوہ از ابو مسعود انصاری منقول است کہ گفتہ است اسلام ابوبکر شبیہ بوحی است زیرا کہ وے گفتہ است کہ شبی پیش از بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ شبی پیش از بعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در خواب دیدم کہ نورے عظیم از آسماں فرو آمد وبر بامِ کعبہ[2] افتاد الخ۔ ونیز در شواہد مذکور است کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق گفتہ است کہ روزے در ایامِ جاہلیت در سایہ درختے نشستہ بودم ناگاہ میل بمن کرد بجانب من کرد آوازے ازاں درخت بگوش من آمد کہ پیغمبرے درفلاں وقت بیرون خواہد آمدے باید کہ تو سعادت مند ترین مردمان باشی بوے الخ ونیز در شواہد از ابوبکر صدیق منقول است کہ در مرض آخر خود گفت کہ امشب در تفویض امر خلافت بتکرار استخارہ کردم[3] الخ ملتقطا۔	کے ساتھ بطریق اتم متصف تھے اور اُن سے خرقِ عادت اور تربیت الٰہیہ کے طور خواب وغیرہ جسے معاملات کا اظہار بھی احادیث میں مروی ہے ان میں سے ایک حدیث کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں، شواہد النبوۃ میں ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر کا اسلام مشابہ بالوحی ہے کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم نور آسمان سے نیچے آیا اور کعبہ کی چھت پر اترا ہے الخ شواہد النبوۃ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دورِ جاہلیت میں ایک دن ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اچانک وہ درخت میری طرف جھک گیا اور اس درخت سے میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ فلاں وقت اللہ کا پیغمبر آئے گا تو ان کے ساتھیوں میں نہایت ہی سعادت مند ہوگا الخ اور یہ بھی شواہد میں حضرت ابوبکر صدیق سے منقول ہے کہ آپ نے آخری مرضِ وصال میں فرمایا کہ آج میں نے خلافت کے معاملات کو سپرد کرنے کے لئے بار بار استخارہ کیا ہے الخ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے:

چونوبت خلافت بفاروق رسید سیاستی. بردست او واقع شد کہ غیر نبی. برآں قادر نباشد واگر عقلِ سلیم را اعمال نمایم در امورے کے خلافتِ انبیاء رامی شاید	جب خلافت حضرت فاروقِ اعظم کے سپرد ہوئی تو آپ نے سیاست کو اس طرح بہتر انداز میں نبھایا کہ کسی غیر نبی سے ایسا ممکن نہ تھا اگر عقلِ سلیم کو امورِ خلافت

---

[1] قرۃ العینین فی تقبیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۳

[2] قرۃ العینین فی تقبیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۴

[3] قرۃ العینین فی تقبیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۵

بهتر از حال وے متصور نگردد زیرا که حضرت پیغامبر صلی الله تعالی علیه وسلم بدو چیز مشغول بودند یکے تعلیم علم فاروق اعظم[1] مسائل را تفحص کرد و ترتیبِ کتاب وسنت واجماع وقیاس آورد وسد مداخل تحریف نمود چنانچه علمائے صحابه همه گواهی دادند که وے اعلم زمان خود است دیگر جهاد کفار و فاروق تحمل اعبائے جهاد بوجے نمود که خوب تر ازاں صورت نگیرد وقال الیافعی فی السنة الرابعة عشر فتحت دمشق[2] الخ در روضة الاحباب مذکورست که در زبان خلافت وے ہزار وسی و شش شهر باتوابع ولواحق آں فتح شد و چهار ہزار مسجد ساخته گشت وچهار ہزار کنیسه خراب گردید ویک ہزار ونه صد منبر بنا کردند[3] اھ بالالتقاط۔

بروئے کار لایا جائے تو محسوس ہوگا کہ انبیاء کی خلافت کا کام ان سے بہتر نبھایا نہیں جاسکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن دو معاملات کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ دیتے تھے ان میں سے ایک تعلیم علم ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے مسائل میں کھود کرید کرکے اور نہایت ہی محنت و کوشش کے ساتھ کتاب وسنت، اجماع و قیاس کی ترتیب کو قائم فرماکر تحریف کے تمام راستے بند کردئے، چنانچہ تمام صحابہ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ اور دوسرا معاملہ جہاد کا تھا فاروق اعظم نے اس معاملہ کو اس طرح نبھایا کہ اس سے بہتر تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یافعی کہتے ہیں کہ ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوگیا الخ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ فاروق اعظم کے دور میں ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) شہر مع مضافات فتح ہوئے، چار ہزار (۴۰۰۰) مساجد کی تعمیر ہوئی، چار ہزار (۴۰۰۰) کنیسے تباہ کئے گئے، ایک ہزار نوسو (۱۹۰۰) منبر تیار ہوئے اھ بالالتقاط۔ (ت)

یوں ہی تفسیر عزیزی وغیرہ تصانیف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب میں ایسے بہت اسناد ملیں گے اس کا گننا ہی کہا تھا مجھے تو یہاں یہ نص قاہر و باہر سنانا ہے کہ حدیث مذکور فاروقی بابی انت وامی یارسول اللہ کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلاسند ذکر فرمایا اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل عــه الصفافی تخریج احادیث الشفا پھر اُن کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم میں

عــه احادیث الفصل السابع من الباب الاول ۱۲ منه (م)

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین آنثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۰

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین آنثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۱

[3] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین آنثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

ارشاد کیا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سند المثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام[1]۔	میں نے یہ حدیث کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی، مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں ایک حدیث طویل اسے ذکر کیا، ایسی حدیث کو اتنی ہی سند بہت ہے کہ وہ کچھ احکام سے تو متعلق نہیں۔ (ت)

فقیر بعون رب قدیر جل وعلا تنزل پر تنزل کرکے روشن تر سے روشن تر کلام کرے مگر حضرات منکرین کی آنکھیں خدا ہی کھولے۔

افادہ بست۲۸ وہشتم: (حدیث اگر موضوع بھی ہو تو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں) اقول اچھا سب جانے دیجئے اپنی خاطر پُورا تنزل لیجئے بالفرض حدیث موضوع وباطل ہی ہو تاہم موضوعیت حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیث عدم، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہ ہوا نہ یہ کہ انکار ومنع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعد شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحت اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن ومستحسن ہوجائے گا۔

کماھو شان المباحات جمیعا کمانص علیہ عــہ فی	جیسا کہ تمام مباحات کا معاملہ ہے جیسا کہ اس پر اشباہ

عــہ: قال فی الاشباہ من القاعدۃ الاولٰی اما المباحات فانھا تختلف صفتھا باعتبار ماقصدت لاجلہ[2] الخ وعنھا نقل فی اوائل نکاح ردالمحتار وفیہ ایضا من کتاب الاضحیۃ فی مسئلۃ العقیقۃ وان قلنا انھا مباحۃ لکن یقصد الشکر تصیر قربۃ فان النّیۃ تصیر العادات عبادات، والمباحات طاعات[3] اھ وکلام الانموذج مرّفی الافادۃ الحادیۃ والعشرین ۱۲ منہ (م)	اشباہ میں قاعدہ اولٰی میں ہے کہ مباحات صفت کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں اس اعتبار کے ساتھ جس کا ارادہ کیا گیا ہو الخ اس عبارت کو ردالمحتار کی کتاب النکاح کے اوائل میں نقل کیا گیا ہے، ردالمحتار کی کتاب الاضحیۃ میں بھی عقیقہ کے مسئلہ کے متعلق ہے کہ ہم کہتے ہیں یہ اگرچہ مباح ہے لیکن شکر کے ارادہ سے عبادت بن جاتا ہے کیونکہ نیت عادت کو عبادت میں اور مباحات کو عبادت وفرمانبرداری میں بدل دیتی ہے اھ اور انموذج العلوم کا کلام اکیسویں ۲۱ افادہ میں گزرچکا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء باب اول الفصل السابع فیما اخبر اللہ تعالٰی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۸

[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول النیۃ فی العبادات الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

الاشباہ وردالمحتار وانموذج العلوم وغیرھا من معتمدات الاسفار۔	وردالمحتار اور انموذج العلوم اور ان جیسی دیگر معتمد کتب میں تصریح کی ہے۔(ت)

حدیث کے موضوع ہونے سے فعل کیوں ممنوع ہونے لگا موضوع خود باطل ومہمل وبے اثر ہے یا نہی وممانعت کا پروانہ لاجرم علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی **واما الموضوع فلایجوز العمل بہ بحال**[1] فرماتے ہیں:

ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعۃ واما لوکان داخلا فی اصل عام فلامانع منہ لالجعلہ حدیثا بل لدخولہ تحت الاصل العام[2]۔ **اقول:** فقدافاد رحمہ اللہ تعالٰی بتعلیلہ ان المراد جواز العمل بمافی موضوع لالکونہ فی موضوع وسنلقی علیک تحقیق المقام بتوفیق الملک العلام فانتظر۔	یعنی جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہو اُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی نہ اس لئے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔ **اقول:** سید احمد طحطاوی نے اس تعلیل کے ذریعے یہ ضابطہ بیان فرمادیا کہ مراد یہ ہے (کہ موضوع حدیث کے مفہوم میں جو شرعی قاعدہ کے موافق ہے اس پر عمل ہے نہ کہ موضوع حدیث پر عمل ہے) عنقریب ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے پس آپ انتظار کریں۔(ت)

یہ تو تصریح کُلی تھی اب جزئیات پر نظر کیجئے تو وہ بھی باعلٰی ندا شہادت جواز دے رہے ہیں جس نے کلمات علماءِ کرام حشرنا اللہ تعالٰی فی زمرتہم کی خدمت کی وہ جانتا ہے کہ ورود موضوعات واباطیل اُن کے نزدیک موجب منع فعل نہ تھا بلکہ باوصف اظہار وضع وبطلان حدیث اجازت افعال کی تصریح فرماتے یہاں بنظرِ اختصار چند امثلہ پر اقتصار۔

(ا) امام سخاوی مقاصدِ حسنہ میں فرماتے ہیں:

حدیث لبس الخرقۃ الصوفیۃ وکون الحسن البصر لبسھا من علی قال ابن دحیۃ و	خرقہ پوشی صوفیہ کرام کی حدیث اور یہ کہ حضرت حسن بصری قدس سرالسری نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/ ۷۵

ابن الصلاح اله باطل وكذا قال شيخنا. انه ليس فى شيئ من طرقها مايثبت ولم يرد فى خبر صحيح ولاحسن ولاضعيف ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم البس الخرقة على الصورة المتعارفة بين الصوفية لاحد من اصحابه ولاامر احدا من اصحابه بفعل ذلك وكل مايروى فى ذلك صريحا فباطل. ثم ان ائمة الحديث لم يثبتوا اللحسن من على سماعا فضلا عن ان يلبسه الخرقة ولم يتفرد شيخنا بهذا بل سبقه اليه جماعة حتى من لبسها والبسها كالدمياطى والذهبى والهكارى وابى حيان والعلائى ومغلطائى والعراق وابن الملقن والابناسى والبرهان الحلبى وابن ناصرالدين هذا مع الباسى اياها لجماعة من اعيان المتصوفة امتثالا لالزامهم لى بذلك حتى تجاه الكعبة المشرقة تبركا بذكر الصلحين واقتفاء لمن اثبته من الحفاظ المعتمدين[1] اھ بتلخيص۔

وجہہ الکریم سے خرقہ پہنا امام ابن وحیہ وامام ابن الصحاح نے فرمایا باطل ہے، ایسا ہی ہمارے استاد امام ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اس کی کوئی سند ثابت نہیں نہ کسی خبر صحیح نہ حسن نہ ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت معمولہ صوفیہ کرام پر کسی کو خرقہ پہنایا یا اس کا حکم فرمایا جو کچھ اس بارہ میں صریح روایت کیا جاتا ہے سب موضوع ہے پھر ائمہ حدیث تو حضرت حسن کا حضرت مولٰی سے حدیث سُننا بھی ثابت نہیں کرتے خرقہ پہنانا تو بڑی بات ہے اور یہ بات کچھ ہمارے شیخ ہی نے نہ فرمائی بلکہ اُن سے پہلے ایک جماعت ائمہ محدثین ایسا ہی فرما چکی یہاں تک کہ وہ اکابر جنہوں نے خود پہنا پہنایا جیسے امام ۱ دمیاطی امام ۲ ذہبی امام ۳ شیخ الاسلام سید ناہکّاری امام ۴ ابوحیان امام ۵ علاء الدین علائی امام ۶ مغلطائی امام ۷ عراقی امام ۸ ابن ملقن ۹ امام ابناسی امام ۱۰ برہان حلبی امام ۱۱ ابن ناصرالدین دمشقی یہ باآنکہ میں نے خود ایک جماعت عمدہ متصوفین کو خرقہ پہنایا کہ مشائخ کرام نے مجھ پر لازم فرمایا تھا یہاں تک کہ خاص کعبہ معظمہ کے سامنے پہنایا ذکر اولیائے کرام سے برکت لینے اور حفّاظ معتمدین کی پیروی کی جو اُسے ثابت کرگئے۔ (ت)

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، دیکھو یہ جماعت کثیرہ ائمہ دین وحملہ شرع مبین باآنکہ احادیث خرقہ کو باطل محض جانتے پھر بھی خرقہ پہنتے پہناتے اور اسے باعثِ برکات مانتے۔

تنبیہ: یہ انکار محدثین اپنے مبلغ علم پر ہے اور وہ اس میں معذور مگر حق اثبات سماع ہے محققین نے اُسے بسند صحیح ثابت کیا امام خاتم الحفاظ جلال سیوطی نے خاص اس باب میں رسالہ اتحاف الفرقۃ تالیف فرمایا اُس میں

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف اللام مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت ص ۳۳۱

مروی ہیں:

اثبته جماعة وهو الراجح عندی لوجوه وقد رجحه ایضا الحافظ ضیاء الدین المقدسی فی المختارة وتبعه الحافظ ابن حجر فی اطراف المختارة[1]۔	حضرت حسن کا حضرت مولٰی سے سماع ایک جماعت محدثین نے ثابت فرمایا اور یہی متعدد دلیلوں سے میرے نزدیک راجح ہے اسی کو حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ملحصًا صحیح مختارہ میں ترجیح دی اور امام الشان ابن حجر عسقلانی نے اطراف مختارہ میں ان کی تبعیت کی۔ (ت)

پھر دلائل ترجیح لکھ کر فرماتے ہیں: امام ابن حجر نے فرمایا: مسند ابی یعلی میں ایک حدیث ہے کہ:

حدثنا جویریة بن اشرس قال اخبرنا عقبة بن ابی الصهباء الباهلی قال سمعت الحسن یقول سمعت علیا یقول قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مثل امتی مثل المطر الحدیث[2]	جویریہ بن اشرس نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عقبہ بن ابی صہبا باہلی نے ہمیں خبر دی کہ میں نے حسن بصری سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے الحدیث۔ (ت)

ہمارے شیخ المشائخ محمد بن حسن بن صیرفی نے فرمایا یہ حدیث نص صریح ہے کہ حسن کو مولٰی علی سے سماع حاصل ہے اس کے رجال سب ثقات ہیں جویریہ کو ابن حبان اور عقبہ کو امام احمد ویحیٰی بن معین نے ثقہ کہا انتہی۔

اقول: یہ تو بطور محدثین ثبوت صریح و صحیح ہے اور حضرات صوفیہ کرام کی نقل متواتر تو موجب علم قطعی و یقینی ہے جس کے بعد حصولِ سماع ولبس خرقہ میں اصلاً محلِ سخن نہیں وللہ الحمد۔

(۲) علامہ طاہر فتنی آخر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

من شم الورد ولم یصل علی فقد جفانی هو باطل وکذب وکذا من شم الورد الاحمر الخ عــه زقدکتبت فی شان الصلٰوة علی النبی صلی الله تعالٰی	یہ حدیث کہ جس نے پھُول سُونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اُس نے مجھ پر ظلم کیا باطل وکذب ہے ایسی ہی وہ حدیث جو گلاب کا پھُول سُونگھنے میں آئی الخ (ز) میں نے

عــه: الفتنی یکتب زعلی مایزید من عند نفسه فلعلها رمز للزیادة ۱۲ منه (م)	علامہ فتنی جو اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں تو "ز" لکھ دیتے ہیں غالبًا اس "ز" سے اس اضافہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الحاوی للفتاوٰی رسالہ اتحاف الفرقۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۲

[2] الحاوی للفتاوٰی رسالہ اتحاف الفرقۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۴

علیه وسلم عند الطیب لشیخنا الشیخ علی المتقی قدس سرہ هل له اصل فکتب الجواب عن شیخنا الشیخ ابن حجر قدس سرہ اوغیرہ بمانصه اما الصلاۃ علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند ذلك ونحوہ فلااصل لهاومع فی ذلك فلاکراهة عندنا[1] اھ ملخصا۔	اس باب میں اپنے شیخ حضرت شیخ علی متقی مکّی قدس سرہ الملکی کو لکھا کہ خوشبو سُونگھتے وقت درود پاک کی کچھ اصل ہے؟ انہوں نے ہمارے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی یا کسی اور عالم کے حوالہ سے جواب تحریر فرمایا کہ ایسے وقت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی کچھ اصل نہیں تاہم ہمارے نزدیک اس میں کوئی کراہت بھی نہیں اھ ملخصًا۔

پھر امام مذکور بعد اس تحقیق کے کہ اُس وقت غافلانہ بے نیت ثواب درود نہ پڑھنا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں:

امامن استیقظ عند اخذ الطیب اوشمه الی ماکان علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من محبته للطیب واکثارہ منه فتذکر ذلك الخلق العظیم فصلی علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حینئذ لماوقر فی قلبه من جلالته واستحقاقه علی کل امته ان یلحظوہ بعین نهایة الاجلال عندرؤیة شیئ من آثارہ اومایدل علیها فهذا لاکراهة فی حقه فضلا عن الحرمة بل هو اٰت بمافیه اکمل الثواب الجزیل والفضل الجمیل وقد استحبه العلماء لمن رأی شیئا من اٰثارہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولاشك ان من استخصر ماذکرته عندشمه الطیب یکون کالرأی لشیئ من اٰثارہ الشریفة فی المعنی فلیسن له الاکثار من الصلاۃ والسلام علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2] ح اھ مختصرا۔	ہاں خوشبو لیتے یا سُونگھتے وقت متنبہ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے دوست رکھتے اور بکثرت استعمال فرماتے تھے اس خلق عظیم کو یاد کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجے کہ حضور کی عظمت اور تمام امت پر حضور کا یہ حق ہونا اُس کے دل میں جما کہ جب حضور کے آثار شریفہ یا اُن پر دلالت کرنے والی کوئی چیز دیکھیں تو نہایت تعظیم کی آنکھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصوّر کریں تو ایسے کے حق میں حرمت چھوڑ کراہت کیسی، اس نے تو وہ کام کیا جس پر ثواب کثیر و فضل جمیل پائے گا کہ زیارتِ آثارِ شریفہ کے وقت درود پڑھنا علما نے مستحب رکھا ہے اور شک نہیں کہ جس نے خوشبو سُونگھتے وقت یہ تصور کیا وہ گویا معنیً بعض آثار شریفہ کی زیارت کررہا ہے تو اُسے اس وقت حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت سنت ہے اھ مختصرا۔

---

[1] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الالسن نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۱۲ و ۵۱۳

[2] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الالسن نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۱۲ و ۵۱۳

دیکھو باآنکہ احادیث موضوع تھیں اور خاص فعل کی اصلا سند نہیں پھر بھی علما نے جائز رکھا اور بہ نیت نیک باعث اجر عظیم وفضلِ کریم قرار دیا۔

(۳) فتح الملک المجید کے باب ثامن عشر میں بعد ذکر احادیث ادعیہ واذکار صبح وشام ہے:

يشبهما مايتداوله السادة الصوفية من قول لااله الاالله سبعين الف مرة يذكرون الله تعالی يعتق بها رقبة من قالها واشترى بها نفسه من النار ويحافظون عليها لانفسهم ولم مات من اهاليهم واخوانهم وقدذكرها الامام اليافعی والعارف الكبير المحی الدين ابن العربی واوصى بالمحافظة عليها وذكروا انه قدورد فيها خبر نبوی لكن قال بعض المشايخ لم تردبه السنة فيما اعلم وقدوقفت علی صورة سؤال للحافظ ابن حجر رضی الله تعالٰی عنه عن هذا الحديث وهو من قال لااله الا الله سبعين الفافقد اشترى نفسه من الله وصورة جوابه الحديث المذكور ليس بصحيح ولاحسن ولاضعيف بل هو باطل موضوع اھ هكذا قال النجم الغيطی وعقبه بقوله لكن ينبغی للشخص ان يفعل ذلك اقتداء بالسادة وامتثالا لاقول من اوصى بها وتبركا بافعالهم[1] اھ ملخصا	انہیں دعاؤں کا مشابہ ہے وہ جو سادات صوفیہ کرام میں ستّر ہزار بار لاالٰہ الّااللہ کا رواج ہے اور بیان کرتے ہیں کہ جو ایسا کہے گا اللہ عزّوجل اُسے آزاد فرمائے گا اُس نے اپنی جان دوزخ سے بچالی اور اُس پر اپنی اور پانے وموات اقارب واحباب کے لئے محافظت فرماتے ہیں اسے امام یافعی اور عارف کبیر سید محی الدین ابن عربی قدس سرہما نے ذکر کیا اور شیخ اکبر نے اس پر محافظت کی تاکید فرمائی صوفیہ کرام اس باب میں حدیث نبوی کا آنا بیان فرماتے ہیں، لیکن بعض مشائخ نے کہا میری دانست میں کوئی حدیث اس میں وارد نہ ہوئی اور میں نے ایک فتوٰی دیکھا کہ امام ابنِ حجر سے اس حدیث کی نسبت سوال ہوا تھا کہ جو کوئی ستّر ہزار بار لاالٰہ الّا اللہ کہے اُس نے اپنی جان اللہ عزّوجل سے خرید لی، امام نے جواب لکھا کہ یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن نہ ضعیف بلکہ باطل وموضوع ہے، علامہ نجم الدین غیطی نے اس فتوے کو ذکر کرکے فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ اس عمل کو بجالائے کہ اولیائے کرام کی پیروی اور اس کے وصیت فرمانے والوں کا حکم ماننا اور اُن کے افعال سے برکت لینا حاصل ہو اھ ملخصا۔

یہ علام نجم الدین محمد بن محمد غیطی امام شیخ الاسلام فقیہ محدث عارف باللہ زکریا انصاری قدس سرہ الشریف کے تلمیذ اور حافظ الشان ابنِ حجر عسقلانی کے تلمیذ التلمیذ اور شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب کے استاد

---

[1] فتح الملک المجید

سلسلہ حدیث ہیں دیکھو انھوں نے امام ابنِ حجر کا وہ فتوٰی نقل کرکے حدیث کے باطل و موضوع ہونے کو برقرار رکھا پھر بھی فعل کی وصیت فرمائی کہ اولیائے کرام کا اتباع اور اُن کے حکم کا امتثال اور اُن کے افعال سے تبرک نصیب ہو و باللہ التوفیق اسی طرح جناب شیخ مجدد صاحب نے بھی اس کی ہدایت فرمائی جلد ثانی مکتوبات میں لکھتے ہیں:

بیاران ودوستان فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق وبرحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم نجوانند وثواب ہفتا دہزار بار رابر وحانیت یکے بخشمند وہفتاد ہزار دیگر رابر وحانیت دیگرے ازدوستان دعا وفاتحہ مسئول است[1]۔	دوست واحباب سے فرمایا کہ ستّر ستّر ہزار بار کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ خواجہ محمد صادق مرحوم کی روحانیت کے واسطے اور ان کی ہمشیرہ اُم کلثوم کی روح طیبہ کے واسطے پڑھیں اور ستّر ہزار ایک رُوح کو اور ستّر ہزار دوسرے کی رُوح کو ایصالِ ثواب کریں اور دوستوں سے دُعا و فاتحہ کا سوال ہے۔ (ت)

باقی اس باب میں مرقاۃعــہ شرح مشکوٰہ کی عبارت افادہ ۱۵ اور احادیث کریمہ حضراتِ اولیائے کرام کی تحقیق افادہ ۱۹ میں دیکھئے۔ **(۴)** مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعاتِ کبیر میں فرمایا:

احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلھا باطلۃ[2]۔	جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں فلاں فلاں عضو دھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔

عــہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی روایت کہ مرقاۃ سے گزری فتح الملک المجید میں بھی نقل کی طرفہ یہ کہ وہابیہ نانوتہ ودیوبند کے امام مولوی قاسم صاحب نے بھی اسے نقل کیا اور حضرت شیخ کی جگہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک لکھا اور ستّر ہزار کا لاکھ یا پچھتّر ہزار بنایا شاید یہ دھوکا اُنھیں سوم کے چنوں سے لگا ہو۔ تحذیر الناس میں لکھتے ہیں: "حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا سبب پُوچھا تو بروئے مکاشفہ کہا اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے لاکھ یا پچھتّر ہزار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے جی ہی جی میں اسکو بخش دیا بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان بشاش ہے کہ اب والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس جوان کے مکاشفہ کی صحت مجھ کو حدیث سے معلوم ہُوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی[3] اھ تلخیص ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۱۴ بمولانا بدر کی الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹

[2] الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علٰی اعضاء الوضوء دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۵

[3] تحذیر الناس خلاصہ دلائل دارالاشاعت کراچی ص ۴۴، ۴۵

بایںہمہ فرمایا:

ثم اعلم انه لایلزم من کون اذکار الوضوء غیر ثابتة عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان تکون مکروهة اوبدعة مذمومة بل انها مستحبة استحبها العلماء الاعلام والمشایخ الکرام لمناسبة کل عضو بدعاء یلیق فی المقام[1]۔	پھر یہ جان رکھ کہ ادعیہ وضو کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں بلکہ مستحب ہیں علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے مستحب مانی ہے۔

اس عبارت سے روشن طور پر ثابت ہوا کہ اباحت تو اباحت موضوعیت حدیث استحباب فعل کی بھی منافی نہیں اور واقعی ایسا ہی ہے کہ موضوعیت عدم حدیث ہے اور وہ ورود حدیث بخصوص فعل لازم استحباب نہیں کہ اس کے ارتفاع سے اس کا انتفا لازم آئے کما لایخفی۔

تنبیہ: اس بارہ میں سب احادیث کا موضوع ہونا ابن القیم کا خیال ہے اسی سے مولانا علی قاری نے نقل فرمایا اور ایسا ہی ذہبی نے ترجمہ عباد بن صہیب میں حسبِ عادت حکم کیا گیا مگر عندالتحقیق اُس میں کلام ہے اس باب میں ایک مفصل حدیث ابوحاتم اور ابنِ حبان نے تاریخ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انصافاً غایت اسکی ضعف ہے اور مقام مقام فضائل،

راجع الحلیة شرح المنیة للامام ابن امیرالحاج تجد مایرشدك الی الحق بسراج وهاج فی لیل داج۔	امام ابن امیر الحاج کی کتاب حلیہ شرح منیہ کا مطالعہ کرو اس میں تُو اندھیری رات میں روشن چراغ کے ساتھ حق کو پالے گا۔ (ت)

(۵) سب سے طرفہ تر یہ کہ حدیث مسلسل بالاضافۃ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی اجازت مع ضیافت آب وخرما اپنے شیخ علامہ ابوطاہر مدنی سے لی اور اسی طرح مع ضیافت اپنے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز اور انہوں نے اپنے نواسے میاں اسحاق صاحب کو دی اُس کا مدار عبداللہ بن میمون قداح متروک پر ہونے کے علاوہ خود الفاظِ متن ہی سخت منکر واقع ہوئے ہیں بااینہمہ اکابر محدثین کرام آج تک اس سے برکت تسلسل چاہا کئے ہیں ان کے اسماءِ کرام سلسلہ سند سے ظاہر شیخ شیخانی الحدیث مولانا عابد سندی مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے ثبت حصر الشارد میں اُسے ذکر کرکے فرماتے ہیں:

---

[1] الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۴۵

هذا بماتفرد به عبدالله بن ميمون القداح وصرح غير واحد بانه متهم بالكذب والوضع قال السخاوی لايباح ذكره الامع ذكر وضعه لكن المحدثين مع كثرة كلامهم فيه ومبالغتهم فيه ورميه بالوضع لايزالون يذكرونه يتبركون بالتسلسل[1] اھ	یہ حدیث صرف بروایت قداح آئی اور متعدد ائمہ نے اُس کے متہم بکذب ووضع ہونے کی تصریح فرمائی، امام سخاوی فرماتے ہیں اُس کا ذکر بے بیان موضوعیت روا نہیں مگر محدثین کثرت سے کلام اور مبالغہ آرائی کرتے رہے اور اُس پر وضع حدیث کا طعن کرتے رہے پھر بھی ہمیشہ اس حدیث کو ذکر کرتے اس سے مسلسل برکت چاہتے رہے ہیں۔ اھ (ت)

اقول: یہ حدیث ہمیں اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دو۲ طریق سے پہنچی، اول بطریق شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی:

بسنده الى الامام ابی الخير شمس الدين محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری بسنده الى ابی الحسن الصقلی بطريقة الى القداح عن الامام جعفر الصادق عن آبائه الكرام عن اميرالمؤمنين علی كرم الله تعالٰی وجوهم عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم۔	اپنی سند سے امام ابوالخیر شمس الدین ابن جزری تک وہ اپنی سند سے ابوالحسن الصقلی تک وہ اپنی سند سے قداح تک امام جعفر صادق سے وہ اپنے آباءِ کرام سے وہ حضرت علی کرم اللہ وجوھھم سے وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (ت)

دوسری بطریق شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی:

بسنده الى ابی الحسن الى القداح الى اميرالمؤمنين عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم۔	اپنی سند سے ابوالحسن تک وہ قداح تک وہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ تک وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (ت)

قداح رجال جامع ترمذی سے ہے متروک سہی حد وضع تک منتہی نہیں متن طریق دوم میں مبالغات عظیمہ ہیں اُس پر حکمِ بطلان نہیں شاہ ولی اللہ صاحب کی روایت وہی ہے اور اُسی میں ہمارا کلام مگر طریق اول میں صرف اتنا ہے کہ:

من اضاف مؤمنا فكانما اضاف آدم ومن اضاف اثنين فكانما اضاف آدم وحواء ومن اضاف ثلثة فكانما اضاف جبرائيل وميكائيل واسرافيل[2]۔	وہ شخص جس نے کسی ایک مومن کی ضیافت کی گویا اس نے آدم کی ضیافت کی اور جس نے دو۲ کی ضیافت کی اس نے آدم وحوا کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی گویا اس نے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کی مہمان نوازی کی۔ (ت)

---

[1] ثبت حصر الشارد

[2] کنزالعمال کتاب الضیافت من قسم الافعال حدیث ۲۵۹۷۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۶۹

اس میں کوئی ایسا امر نہیں کہ قلب خواہی نخواہی وضع پر شہادت دے ولہٰذا امام الجزری نے اسی قدر فرمایا کہ **حدیث غریب لم یقع لنا بھذا الاسناد** [1] (یہ حدیث غریب ہے ہمیں اس طور پر صرف اسی سند کے ساتھ معلوم ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ تفرد متروک مستلزم وضع نہیں،

کمابیناه فی الافادة التاسعة اماما اعله الشیخ ابومحمد محمد بن الامیر المالکی المصری المدرس بالجامع الازهر بعد ایراده فی ثبته بالمتن الثانی المذکور فیه الاضافة الی تمام العشرة بذك الملئکة فی الضیافة وهم لایاکلون ولایشربون قال فان صح فهو خارج مخرج الفرض والتقدیر [2] اھ کماانبأنا به فی جملة مرویاتنا شیخنا العلامة زین الحرم السید احمد بن زین بن دحلان المکی عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی عن مؤلفه الشیخ الامیر المالکی، **فاقول:** لیس باعجب مماانبأنا السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی عن الشیخ محمد عابد السندی المدنی بسنده المشهور الی صحیح مسلم بسنده المعلوم الی ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اللہ عزوجل یقوم یوم القیٰمة یاابن اٰدم مرضت فلم تعدنی الحدیث" وفیه یاابن اٰدم استطعمتك فلم تطعمنی قال یارب کیف	جیسا کہ ہم نے اسے نویں افادہ میں بیان کردیا ہے لیکن شیخ ابومحمد محمد بن امیر مالکی مصری جو جامع ازہر کے مدرس بھی ہیں انہوں نے اس کو اپنے ثبت میں متن ثانی مذکور کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد جو علّت بیان کی ہے، اس متن میں ضیافۃ میں ذکرِ ملائکہ کے ساتھ دس مومنوں تک کا اضافہ ذکر ہے حالانکہ نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ تمثیل بطور فرض وتقدیر ہے اھ جیسا کہ اس کی خبر ہمیں ان کی جملہ مرویات میں ہمارے شیخ علّامہ زین الحرم سید احمد بن زین بن دحلان مکی نے شیخ عثمان بن حسین دمیاطی سے اس کے مؤلف شیخ امیر مالکی سے دی ہے۔ **فاقول:** یہ اس سے کوئی زیادہ عجیب نہیں جس کی خبر ہمیں سید حسین بن صالح جمل اللیل المکی نے شیخ محمد عابد سندھی مدنی سے اپنی مشہور سند کے ساتھ دی جو کہ صحیح مسلم تک ہے وہ اپنی سند معلوم سے حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائے گا اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا تھا تُو نے میری عیادت نہ کی "الحدیث" اور اسی میں ہے کہ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن الجزری حدیث ۲۵۹۷۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۶۹

[2] ثبت ابو محمد محمد بن امیر مالکی مصری

اطعمك وانت رب العٰلمین قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اماعلمت انك لواطعمته لوجدت ذلك عندی یاابن آدم استسقیتك فلم تسقنی الحدیث المعروف[1] ۔	تُونے مجھے نہیں کھلایا وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا حالانکہ تُو تمام جہانوں کا رب ہے، فرمایا کیا تُو نہیں جانتا تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا اور تُونے نہیں دیا تھا کیا تُو نہیں جانتا کہ اگر تُو اسے کِھلادیتا تو اسے آج میرے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تُونے مجھے نہیں پلایا۔ حدیث معروف ہے۔ (ت)

ثمّ اقول: تحقیق مقام یہ ہے کہ عمل بموضوع و عمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے **کمایظھر مماقدمناہ فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین** (جیسا کہ ظاہر ہے اسے ہم اکیسویں فائدے میں بیان کرآئے ہیں۔ت) ثانی مطلّقا ممنوع نہیں ورنہ ایجاب و تحریم کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہوجائے لاکھوں افعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کردیں حرام ہوجائے جس سے ترہیب میں گھڑلیں وہ واجب ہوجائے کہ تقدیر اول پر فعل ثانی پر ترک مستلزم موافقت موضوع ہوگا اور وہ ممنوع لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنادیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنادیں نہ کرتے بَن پڑے نہ چھوڑتے **فاعلم وافھم انکنت تفھم** (جان لے سمجھ لے اگر تُو سمجھ سکتا ہے۔ت) اور اول میں بھی حقیقۃً محذور نفس فعل میں نہیں بلکہ نظر امتثال واعتقاد ثبوت میں تو بفرض وضع اس نظر سے منع ہے نہ اصل فعل سے، سفہائے وہابیہ ہمیشہ ذات وعارض میں فرق نہیں کرتے ع

ماعلی مثلھم یعدّ الخطاء

افادہ بست[۲۹] ونہم: (اعمالِ مشائخ محتاج سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجایش) بالفرض کچھ نہ سہی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھئے کہ بغرض روشنائی بصر معمول ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت، صیغہ اعمال میں تصرف واستخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سند خاص نہیں مانگتا کتبِ ائمہ وعلما ومشائخ واساتذہ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا

---

[1] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض مطبوعہ مطبع اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۸

باتوں سے مالامال ہیں اُنہیں کیوں نہیں بدعت و ممنوع کہتے، خود شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے[عہ۱] ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبانسخہا سے قرابا دین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ دروقت اول طلوع صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم راباآں نورد وختن "دیانور" رامکرر گفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ راقوت میدہد واحادیث نفس می نشاند[1] اھ ملخصا۔	اعمالِ تصریفیہ میں نئی نئی ایجاد کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ایسے ہی ہے جیسے اطباع قرابا دین سے نسخوں کا استخراج کرلیتے ہیں اس فقیر کو معلوم ہے کہ اول صبح صادق سے سفیدی تک صبح کے مقابل بیٹھنا اور آنکھ کو اس کے نور واجالے کی طرف لگانا اور یانور کا لفظ بار بار ایک ہزار تک پڑھنا کیفیت ملکیہ کو قوّت دیتاہے اور وسواس سے نجات دلاتا ہے۔ اھ ملخصًا (ت)

اس[عہ۲] میں ہے:

چند نوع کرامت ازہیچ ولی الّا ماشاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ فراست صادقہ وکشف واشراف برخواطر واز انجملہ ظہور تاثیر در دعاورقے واعمال تصریفیہ اوتا عالم بفیض نفس او منتفع شود[2] اھ ملتقطا۔	چند کرامات تو ایسی ہیں جو کسی ولی سے الّا ماشاء اللہ جُدا نہیں ہوتیں ان میں سے بعض یہ ہیں فراستِ صادقہ، کشفِ احوال، دلوں کے رازوں سے آگاہی اور ان میں سے دُعا وتعویذ، دَم اور اعمالِ تصرفیہ میں برکت ہے یہاں تک کہ سارا جہان ان کے اس فیض سے مستفید ہوتا ہے اھ ملتقطا (ت)

عزیزو! خدارا انصاف، ذرا شاہ ولی کے "**قول الجمیل**" کو دیکھو اور اُن کے والد ومشائخ وغیرہم کے اختراعی اعمال تماشا کرو، دردِ سر کے لئے تختہ پر ریتا بچھانا کیل سے ابجد ہوز لکھنا، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا، پھُونک پھُونک کر گرہیں لگانا، اسمائے اصحابِ کہف سے استعانت کرنا انہیں آگ، لُوٹ، چوری سے امان سمجھنا، دیواروں پر اُن کے لکھنے کو آمدِ جن کی بندش جاننا، دفعِ جِن کو چار کیلیں گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا، عقیمہ کے لئے

عہ۱: ہامہ عاشرہ از ہوامع مقدمہ ۱۲ منہ (م)

عہ۲: ہامعہ خامسہ تحت قول شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھب لنا من لدنك ریحا طیبةً الخ (م)

---

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

[2] ہوامع شاہ ولی اللہ

گلاب اور زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا، یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، اسقاطِ حمل کو کسی کا رنگا گنڈا نکالنا، عورت کے قد سے ناپنا، گِن کر نو گرہیں لگانا، دردِ زہ کو آیاتِ قرآنی لکھ کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا، فرزند نرینہ کیلئے ہرن کی کھال اور وہی گلاب وزعفران کا خیال، بچّہ کی زندگی کو اجوائن اور کالی مرچیں لینا اُن پر ٹھیک دوپہر کو قرآن پڑھنا، لڑکا نہ ہونے کو عورت کے پیٹ پر دائرے کھینچنا، ستّر سے کم شمار نہ ہونا، دفعِ نظر کو چھری سے دائرہ کھینچنا، کنڈل کے اندر چھُری رکھنا، عائن وساحر کا نام لے کر پکارنا، ناپ کر تین گز ڈورا لینا اُس پر شہت بہت کیا کیا الفاظ غیر معلوم المعنی پڑھنا، قنطاع النجا خدا جانے کون ہے اُسے ندا کرنا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا یٰس پڑھ کر لوٹا گھمانا، بخار کو عیسٰی و موسٰی و محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسمیں دینا، مصروع کو تانبے کی تختی پر دو اسم کھدوانا، پھر تعیین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو اُس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کار ہو۔ اُس کے سوا صدہا باتیں ہیں ان میں کون سی حدیث صحیح یا حسن یا ضعیف ہے، ارے یہ قرونِ ثلاثہ میں کب تھیں، اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں، شاہ صاحب اور ان کے والد ماجد وفرزندار جمند واساتذہ ومشائخ معاذاللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے، یہ سب تو بے سند حلال ونفائس اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا اُس سے روشنیِ بصر کی اُمید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور علماء وصلحاء کا دستور کُتبِ فقہ میں مسطور، یہ معاذاللہ حرام ووبال وموجبِ ضلال، تو کیا بات ہے یہاں نامِ پاک حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درمیان ہے لہٰذا وہ دلوں کی دبی آگ بحیلہ بدعت شعلہ فشاں ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدرت رامے شناسم

یہ سب درکنار شاہ صاحب اور ان کے اسلاف واخلاف یہاں تک کہ میاں اسمٰعیل دہلوی تک نے امر اعظم دین تقریب رب العٰلمین یعنی راہِ سلوک میں صدہا نئی باتیں نکالیں طرح طرح کے ایجاد واختراع کی طرحیں ڈالیں اور آپ ہی صاف صاف تصریحیں کیں کہ ان کا پتا سلف صالح میں نہیں خاص ایجاد بندہ ہیں مگر نیک وخوب وخوش آئندہ ہیں محدثات کو ذریعہ وصول الی اللہ جانا یا باعثِ ثواب تقرب رب الارباب مانا اس پر ان حضرات کو نہ **کل بدعة ضلالة** (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) کا کلیہ یاد آتا ہے نہ **من احدث فی امرنا مالیس منه** (وہ شخص جس نے ہمارے دین میں کچھ ایجاد کیا جو دین میں سے نہ ہو۔ت) یہاں **فهو رد** (پس وہ مردود ہے۔ت) کا خلعت پاتا ہے، مگر شریعت اپنے گھر کی ٹھہری کہ ع

من کنم آنچہ من خواستم تومکن آنچہ خواستے
(میں جو چاہوں گا کروں گا تو جو چاہے نہ کر)

ان امور کی قدرے تفصیل اور ان صاحبوں کی تصریحات جلیل فقیر کے رسالہ **انھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار** ۱۳۰۵ھ میں مذکور اور عدم ورود کو ورود عدم جاننے کا قلع کافی و قمع وافی کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد وکتاب لاجواب **اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام** وغیرہما تصنیفات شریفہ وتالیفات منیفہ اعلحضرت تاج المحققین الکرام سراج المدققین الاعلام حامی السنن السنیہ ماحی الفتن الدنیہ بقیہ السلف المصلحین سیدی دوالدی ومولای ومقصدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی رضی اللہ تعالٰی عنہ واجزل قربہ منہ اور بقدر حاجت باجمال ووجازت رسالہ **اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تھامہ** وغرہا رسائل ومسائل فقیر میں مسطور **والحمدللہ العزیز الغفور والصلاۃ والسلام علے المنیر النور وعلٰی اٰلہ وصحبہ الٰی یوم النشور اٰمین۔**

افادہ سیم ۳۰: (ہم تواستحباب ہی کہتے ہیں طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنّت ہے) اقول ہمیں تواس عمل تقبیل ابہامین کاجواز واستحباب ہی ثابت کرنا تھاکہ بعونہ عزوجل باحسن وجوہ نقش مراد کرسی نشین اور عرش تحقیق مستقر ومکین ہوا **وللہ الحمد علی ما اولی من نعم لاتحصی** (اللہ ہی کیلئے تعریف جو غیر محدود نعمتوں کامالک ہے۔ت) مگر حضرات وہابیہ اپنے نئے اماموں کی خبرلیں ان کے طورپر یہ فعل جائز کہاں کامستحب کیساخاص سنّت سنیہ بلند وبالا ہے اور اُس کا منکر سنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کارد کرنے والا، بات بظاہر بہت چونکنے کی ہے کہ کہاں وہابی کہاں یہ انکی مذہب بھر کی خرابی مگرنہ جاناکہ توہب واضطراب وتقلب وانقلاب دونوں ایک پستان سے دودھ پئے ہیں رفاقت دائم کاعہد کیے ہیں۔

گر براند نرود ور برود باز آید
ناگزیراست تناقض سخن نجدی را

(اگر دُور کرنے تو دُور نہ ہوگااور اگرچلاجائے تو واپس آجائے گانجدی کے کلام سے تناقض جدانہیں رہ سکتا) طائفہ جدیدکے استاد رشید نے اپنی کتاب عجاب براہین قاطعہ "**ماامر اللہ بہ ان یوصل**" میں مسئلہ قبول ضعاف فیما دون الاحکام کے اگرچہ بکمال سلیم القلبی وبصیر العینی وعجیب وغریب معنے تراشے کہ جدت کی لہریں، حدث کے تماشے ایک ایک ادا پر ہزار ہزار مکابرے، اپنی جانیں واریں عقل وہوش وچشم وگوش اپنے عدم ملکہ کو صدقے اتاریں خادمانِ شریعت چاکرانِ ملّت **مالم تسمعوا انتم ولااٰباؤکم** (جوتم نے اور تمہارے

آباواجداد نے کبھی نہیں سُنیں۔ت)

پکاریں حضرت کی تمام سعی باطل تطویل لاطائل کا یہ حاصل بے حاصل کہ ارشادات[عـہ۱] علماء کی یہ مراد کہ صرف[۱] وہ حدیث ضعیف قابل قبول جس میں کسی عمل صالح کی فضیلت اور اس پر ثواب مذکور اگرچہ خاص اس عمل میں حدیث صحیح نہ آئی ہو جیسے روزہ ماہِ رجب وغیرہ اس کے بغیر اگرچہ حدیث میں عمل کی طلب نکلے جب کوئی خاص ثواب وفضیلت مذکور نہ ہو مقبول نہیں کہ یہ تو حدیث[۲] عمل کی ہوئی نہ فضائل عمل کی پھر بشرط[عـہ۲] مذکور حدیث اگرچہ مقبول ہوگی مگر وہ عمل[۳] باوصف قبول حدیث وتسلیم فضیلت مستحب ہر گزنہ ٹھہرے گا جب تک حدیث حسن لغیرہ نہ ہوجائے، حدیث[۴] ضعیف سے ثبوتِ استحباب محض اختراع وخلافِ اجماع ہے علمانے جتنے[۵] اعمال کو بہ نظرِ ورود احادیث مستحب مانا اُن سب میں حدیث حسن لغیرہ ہوگئی ہے دلیل[۶] یہ کہ احادیث ادعیہ وضو کو علامہ طحطاوی نے کہہ دیا کہ حسن لغیرہ ہیں۔ بس معلوم ہوگیا کہ سب جگہ ایسے ہی ہیں آخر دیگ میں ایک ہی چاول دیکھتے ہیں یہ تو ان کا حکم تھا جو حدیثیں افعال

عـہ۱: اقوال قبول ضعیف کو کہا سب کا یہی (ص ۹۶) مدعا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے بھلا لیلۃ الجمعہ شب برات، عیدین کے صدقہ میں کون سی فضیلت وثوابِ عظیم مذکور ہے جس پر عمل جائز ہو روایات میں کوئی ثواب مذکور نہیں فقط روح کا آنا اور حسرتناک بات کرنا اور طلب صدقہ کرنا ہے یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے، ہاں اعلام اُن کے آنے کا ہے یہ باب (ص ۹۹) علم کا ہے نہ فضل عمل کا کیونکہ ان روایات (ص ۹۷) میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف عمل تسلیم بھی کرلے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل ہاں حدیث صومِ رجب وصلاۃ الاوابین میں فضل عمل ہے ص ۹۷اھ ملتقطا ۱۲منہ (م)

عـہ۲: انوار ساطعہ میں تھا فقہاء اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہو مستحسن لکھتے ہیں چنانچہ صلاۃ الاوابین، گردن کا مسح، رجب کا روزہ اس پر کہا یہ سرتاپا غلط ہے کسی نے یہ نہ کہا محض ایجاد ناصواب ہے مستحب کا ثبوت صحیح یا حسن سے ہوتا ہے ضعاف کہ ان امور میں ہیں تعدد طرق سے حسن لغیرہ ہوگئے ہیں۔

قال فی الدرالمختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق، فی ردالمحتار فارتقی الی مرتبۃ الحسن ط اقول لکن ھذا اذاکان ضعفہ لسوء ضبط الراوی الصدوق الامین اولا رسالہ اوتدلیس اوجہالۃ الحال اما لوکان لفسق الراوی اوکذبہ فلاانتھٰی[1]۔ ملتقتًا	درمختار میں کہا اس کو ابن حبان وغیرہ نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے، ردالمحتار میں ہے اس طرح حدیث مرتبہ حسن تک ترقی کرتی ہے طحطاوی۔ اقول لیکن یہ اس وقت ہے جب حدیث کا ضعف صدوق میں راوی کے سوءِ ضبط یاارسال یاتدلس یا جہات حال کی وجہ سے ہو۔ اگر وہ ضعف فسق راوی یا کذب راوی کی وجہ سے ہو تو وہ ترقی نہ کرے گی انتہی۔ (ت)

پس جس قدر نظائر مؤلف نے لکھے اور جس قدر کتبِ فقہ میں ہیں سب حسن لغیرہ سے ثابت ہوئے ہیں ۱۲منہ (م)

---

[1] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھور ص ۹۸

متعلقہ بجوارح میں آئیں اور ۷ جو کچھ متعلق بجوارح نہیں وہ اگرچہ سِیر ۸ ہوں خواہ مواعظ ۹ معجزات خواہ فضائل صحابہ ۱۰ واہلبیت وسائر رجال جن میں قبول ضعاف کی علماء برابر تصریحیں فرماتے چلے آئے ہیں خواہ کسی اور خبر زائد کا بیان جس میں کسی طرح کا اعلام واخبار ہو اگرچہ وہ نفیا واثباتًا عقائد میں اصلًا داخل نہ ہو یہ سب کا سب باب عقاید سے ہے جس میں ضعاف درکنار بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک متواتر و قطعی الدلالۃ نہ ہوں مثلًا یہ حدیث کی رُوحیں شبِ جمعہ اپنے مکانوں پر آتی اور صدقات چاہتی ہیں باب عـــہ عقائد سے ہے اور بنظر طلب صدقہ اگر ہو تو بابِ عمل سے کہ یہاں کوئی فضیلت صدقہ تو مذکور نہ ہُوئی خلاصہ یہ کہ جو متعلق بجوارح نہیں اُس میں صحاح احاد بھی بے اعتبار اور متعلق بجوارح بے ذکر ثواب مخصوص میں خاص صحاح درکار، ہاں ثواب بھی مذکور ہو تو ضعاف قبول اور یہی مراد علما مگر مستحب نہ ٹھہرے گا جب تک حسن لغیرہ نہ ہو شروع صفحہ ۸۱ سے وسط صفحہ ۸۹ تک ان محدث نے یہی قاعدہ حادثہ احداث کیا ہے ان خرافاتِ بے سروپا کے ابطال میں کیا وقت ضائع کیجئے جس نے افادات سابقہ میں ہمارے کلمات رائقہ دیکھے وہ اس تاروپود عنکبوت کو بعونہ تعالٰی نیم جنبش نظر میں تار تار کرسکتا ہے معہذا ہم نے یہاں بھی تلخیص تقریر میں اس کے اجمالی ابطال کی طرف اشارے کیے اور مواقع مواخذات پر ہند سے لگادیے خیر یہ تو اُن کا نہیں اُن کی سمجھ کا قصور ہے جب خدا فہم نہ دے بندہ مجبور ہے مگر ہمیں یہاں یہ کہنا ہے کہ تقبیل ابہامین کی سنیت ثابت ہوگئی کہ اگر بہ نظر تعدد طرق اس کی حدیث کو حسن لغیرہ کہئے فبہا ورنہ یہ تو آپ کی تفسیر پر بھی بابِ فضائل سے ہے کہ متعلق بعمل جوارح بھی اور اس میں ثواب خاص بھی مذکور تو احادیث مفید استحباب نہ سہی جواز تو ضرور ثابت کریں گے قبول ضعاف فی الفضائل کا اجماعی مسئلہ یہاں تو آپ کو بھی جاری ماننا ہوگا اب اس جواز کو خواہ اس حدیث سے مستفاد مانیے کہ جو حدیث جس باب میں مقبول لاجرم وہ اس میں دلیل شرعی ہے خواہ اجماعِ علماء سے کہ ایسی جگہ ایسی حدیث معمول بہ خواہ قرآنِ عظیم وحدیث صحیح "کیف وقد قیل" وحدیث صحیح ارتقائے شبہات واحادیث مذکورہ افادہ ۱۸ وغیرہا سے کہ قبول وعمل کی طرف ہدایت فرماتے ہیں خواہ قاعدہ مسلمہ شریعتِ محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ یعنی اخذ بالاحتیاط سے ہر طرح ایک دلیل شرعی اُس پر قائم اور آپ کے نزدیک جس فعل کے جواز پر کوئی دلیل شرعی صراحۃً دلالۃً کسی

عـــہ: شبِ جمعہ وغیرہ ارواح کے آنے اور صدقہ چاہنے کی احادیث کو کہا ان روایات ص۹۷ میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہے یہ مسئلہ ص۹۶ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے، یہ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شبِ جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقاد میں قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیاتِ صحاح کا[1] اھ بالالتقاط ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھور ص ۸۹

طرح دال ہو اگرچہ وہ فعل خاص بلکہ اُس کے جنس کا بھی کوئی فعل قردنِ ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو سب سنّت ہے تو اب اس کی سنیت میں کیا کلام رہا۔ اسی براہین کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ پر ارشاد ہوتا ہے:

"مؤلف اپنی خوبی فہم سے معنی قرون ثلٰثہ میں نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر جزئی خاص نے اُن قرون میں وجود خارجی نہ پایا اگرچہ دلیل جواز کی موجود ہو تو وہ بدعت سیہ ہے مگر یہ بالکل غلط فاحش اور کور علمی اور کج فہمی ہے بلکہ معنے یہ ہیں کہ جو شے بوجود شرعی قرون ثلٰثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے، وجودِ شرعی اس کو کہتے ہیں کہ بدون شارع کے بتلانے کے معلوم نہ ہوسکے پس اس شے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً پس جب کسی نوعِ ارشاد سے حکمِ جواز کا ہوگیا وہ شے وجود شرعی میں آگئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو پس جس کے جواز کا حکم کلیۃ ہوگیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہوگیا اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہوگیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہوگیا پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو کواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالہ ہے اس قاعدہ کو خُوب سمجھ لینا ضرور ہے مولف اور اس کے اشیاع نے اُس کی ہوا بھی نہ سُونگھی اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاہد ہدایت ہو[1] الخ ملخصًا۔"

اقول: ماشاء اللہ کیا چمکتا جوہر کتاب میں رکھا ہے کہ آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی، نجدیت بیچاری کے دو۲ رکن ہیں شرک وبدعت، رکن پسین پر قیامت گزر گئی، کبرائے طائفہ کی برسوں کی مالا جسے جپتی بیتی جس کا لقب بحمد اللہ اب آپ ہی کی زبان سے غلط وفاحش وکور علمی وکج فہمی کہ فلاں فعل صحابہ نے نہ کیا تابعین نے نہ کیا تابعین نے نہ کیا فلاں صدی میں شائع ہوا فلاں شخص بانی تھا تم کیا صحابہ وتابعین سے بھی محبت و تعظیم میں زیادہ کہ انہوں نے نہ کیا تم کرنے پر آمادہ بہتر ہوتا تو وہی کر گزرتے فعل میں اتباع ہے ترک میں کیوں نہیں کرتے نیم شوخی میں سارے بکھر گئی صحابہ وتابعین نے ہزار نہ کیا ہو بلکہ اُس جنس کا بھی کوئی کار نہ کیا ہو کچھ ضرر نہیں اشارۃً دلالۃً جزئیہ کسی طرح ارشاد شارع سے جواز نکلے پھر سنّت ماننے سے مضر نہیں۔

طائفہ بھر کے خلاف آپ سبق کہتے ہیں   لله الحمد اسے ہیبت حق کہتے ہیں

طرفہ یہ کہ اب قرونِ ثلٰثہ کی وہ ہٹ نئے طائفہ کی پُرانی رٹ جسے یہاں بھی نباہ رہے ہو مہمل رہ گئی لفظ کا سوار پکڑا کیجئے، معنی کی نیا اُس پار بہہ گئی جب اُن میں وجود سے سود نہ عدم سے زیاں پھر اُن کا قدم

---

[1] براہین قاطعہ قرون ثلاثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۹۔ ۲۸

کیا درمیاں۔ خود کہتے ہو کہ وجود خارجی درکار نہیں اور وجود شرعی بے ارشاد شارع محال تو کیا صحابہ تابعین پر کوئی نئی شریعت اُترے گی کہ اُن کے قرون میں وجود نو کا خیال ارشاد شارع سے جس کا جواز مستفادہ وہ ہر قرن میں بوجود شرعی موجود اور جس کا منع مقتضائے ارشاد وہ ہر قرن میں شرع مطہر سے معدوم ومفقود، پھر قرن دون قرن سے کیا کام رہا، محض ارشاد اقدس میں کلام رہا یعنی فعل کبھی حادث ہوا ہو قواعد شرعیہ پر عرض کریں گے اباحت سے وجوب یا ترک اولٰی سے حرمت تک جس اصل میں داخل ہو وہی فرض کریں گے یہی خاص مذہب مہذب اربابِ حق ہے، صاف نہ کہہ دو شرم نباہنے کو اگلی رٹ کا ناحق سبق ہے تم سمجھنا کہ اب تو جو کہنی تھی کہہ گئے ہم جانیں گے تم جہنم کے ایسے ہی تھے چلوے

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پُونچھیے اپنی جبیں سے

طرفہ تر یہ کہ جس کا جواز دلیل شرع میں موجود وہ سب سنّت، جس کا معدوم وہ سب بدعت ضلالت، اب تیسری شق کی کون سی صورت، تمام افعال انہیں دو۲ حکموں میں محصور ہوگئے خصوصًا اباحت واستحباب وکراہت تنزیہ [عــہ] تین حکم شرع کو کافور ہوگئے، اساتذہ جہابذہ نے سُجھائی تو اچھی کہ دونی اُلجھ گئی سلجھائی لچھی اسی ہستی پر یہ ناز وغرور کہ لوگ تو اس کی ہوا سے دُور، حضرت یہ اپنی ہوا خود آپ ہی سُونگھیں، اہلِ حق کو معاف ہی رکھیں، اچھی تعلیم بھلے تلامذہ رہے تلقین خہے اساتذہ ے

گرہمیں مکتب وھمیں مُلّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

خیر یہ تو وہابیہ جدیدہ کا نامعتقد عقیدہ کہ تقبیل ابہامین سنّتِ مجیدہ، پُرانوں کی سُنیے تو وہ اور ہی ہوا پر کہ یہ فعل معاذاللہ زنا وربا وقذف محصنہ وقتل ناحق نفس مومنہ سب سے بدتر بلکہ عیاذًا باللہ شرک کے انداز اصل ایمان میں خلل انداز کہ آکر باجماعِ طائفہ بدعت حائضہ اور تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ فوائقہ شرک وبدعت سے بہت بچے کہ یہ دونوں چیزیں اصل ایمان میں خلل ڈالتی ہیں اور باقی گناہ ان سے نیچے ہیں کہ وہ اعمال میں خلل ڈالتے ہیں۔ اب خدا جانے اُنہوں نے سنت کو کفر سے ملایا انہوں نے قریب بہ کفر کو سنّت بنایا خیر طویلے کے لتیاؤ میں ہمیں کیا مقال،

کفی اللہ اھل الحق القتال والحمدللہ المھیمن المتعال والصلاۃ والسلام علٰی ذی الافضال	اہل حق کی طرف سے قتال میں اللہ کافی ہے اور تمام تعریف اس باری تعالٰی کے لئے جو محافظ وبلند ہے

[عــہ]: ظاہر ہے کہ ضلالت کا ادنٰی درجہ کراہت تحریم ہے مکروہ تنزیہی ہر گز ضلالت نہیں، دلیل واضح یہ کہ ہر ضلالت میں باس ہے اور مکروہ تنزیہی لاباس بہ ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

واٰلہ وصحبہ خیر صحب واٰل آمین۔	اور صلوۃ وسلام اس ذات پر جو صاحبِ فضل واکرام ہے اور آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو بہترین ہیں آمین۔ (ت)

حکم اخیر وخلاصہ تحریر بالجملہ حق اس میں اس قدر کہ فعل مذکور بحکم احادیث وبہ تصریح کتب فقہیہ مستحب ومندوب وامید گاہ فضل مطلوب وثواب مرغوب جو کتب علما وعمل قدما وترغیب وارد پر نظر رکھ کر اُسے عمل میں لائے اُس پر ہرگز کچھ مواخذہ نہیں بلکہ ثواب مروی کی اُمید وار حسن ظن وصدق نیت باعث فضل جاوید اور جو اُسے مکروہ وممنوع وبدعت بتائے مبطل وخاطی علمائے کرام مقتدایان عام جب کسی منکر کو دیکھیں اُس کے سامنے ضرور ہی کریں کہ بدمذہب کا رد اور اُس کے دل پر غیظ اشد ہو جس طرح ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو نہر سے افضل مگر معتزلی عــہ۱ منکر حوض کے سامنے حوض سے بہتر[1] کما بینہ المولی المحقق فی فتح القدیر وغیرہ فی غیرہ عــہ۲ جب ترک افضل اس نیت سے افضل تو مستحب ومندوب تو آپ ہی افضل،

والحمدللّٰه ولی الانعام وافضل الصلاۃ واکمل السلام علٰی سیدالختام قمر التمام واٰلہ وصحبہ الغر الکرام اٰمین۔	تمام تعریف اللہ کے لئے جو انعام کا مالک ہے اور افضل صلاۃ اور اکمل سلام ہو انبیاء کے خاتم وسربراہ پر، جو چودھویں کا کامل چاند ہیں، اور آپ کی آل واصحاب پر، جو نہایت ہی روشن اور مکرم ہیں آمین !

خاتمہ فوائد منثورہ: میں ایھا المسلمون اس مسئلہ کا سوال فقیر کے پاس بلادِ نزدیک ودُور سے بار بار آیا ہر دفعہ بمقتضائے حال کبھی مختصر کبھی کچھ مطول کبھی دوایک صفحہ کبھی دوچار ہی سطر جواب لکھتا رہا بار آخر قدرے زیادہ تفصیل کی کہ ایک جز تک پہنچ کر صورت رسالہ میں جلوہ گر ہُوئی سائل نے علمائے اعلام بدایوں وبریلی ورامپور وقین عن الشروع وبقین بالسرور (جو شر سے دُور سرور سے معمور رہتے ہیں۔ت) سے مُہریں کرائیں تصدیقیں لکھائیں اصل رسالہ منیر العین اُسی قدر تھا کہ بفرمائش سید معظم مولانا مولوی غلام حسین صاحب جُونا گڈھی نزیل بمبئی حفظہ اللہ عن شر کل بشر و رئی (اللہ تعالٰی انہیں ہر بشر اور نظرِ بد کے شر سے محفوظ رکھے۔ت) واہتمام تمام نام مولانا المکرم مولوی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی جعلہ اللہ کاسمہ عمر الدین

عــہ۱: یہ لفظ یہاں عجب لطیف واقع ہوا کہ معتزلہ حوض سے وضو ناجائز بتاتے ہیں یہاں یہی معنی مراد اور وہ اشقیا حوضِ کوثر کے بھی منکر ہیں ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: کلد روحواشیہ وآخرین کلھم فی المیاہ ۱۲ منہ (م)

---

[1] فتح القدیر باب ماء الذی یجوزبہ الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۲

وعمر بہ عمران الدین المتین (اللہ تعالٰی انہیں ان کو نام کی طرح دین کی خدمت کرنے والا بنائے اور ان کے ذریعے اپنے دین متین کو آباد فرمائے۔ت) وعلو ہمت سیٹھ حاجی محمد بن حاجی محمد عبداللطیف لطف بھما المولی اللطیف (لطف فرمانے والا مولٰی ان دونوں پر لطف فرمائے۔ت) ماہ مبارک اشرف وافضل شہر ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں چھپنا آغاز ہُوا سرکار مفیض سے مضامین کثیرہ کا القاوافادہ دلنواز ہُوا اور اُدھر کاپی کی تیاری اِدھر تصنیف جاری، جو جز لکھا روانہ کیا یہاں تک کہ ایک جز کا رسالہ دس جز تک پہنچا الحمدللہ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا[1] (تمام تعریف اللہ کے لئے جو ایک نیکی پر دس اجر عطا فرماتا ہے۔ت) جس میں رسالہ عربیہ مدارج طبقات الحدیث جُدا کر لیا اُدھر یہ تعجیل اِدھر ورود فتاوٰی سے فرصت قلیل، نظر ثانی کی بھی فرصت نہ ملی، بعض فوائد حاضرہ کی تجرید رہ گئی، بعض نے نظر یا خاطر میں وقعت غابر میں تجلی کی ہنوز کہ سیارہ طبع بذریعہ حرکت بمعنی القطع مبدء کا تارک منتہی کا طالب ہے نہ الحاق باقی مواقع ماضیہ سے متیسر نہ اُس کا ترک ہی مناسب ہے اور ائمہ تصنیف کا داب شریف کہ آخر کتاب میں کچھ مسائل تازہ کچھ متعلق بابواب سابقہ تحریر اور انہیں مسائل شتی یا مسائل منثورہ سے تعبیر فرماتے ہیں لہٰذا اقتضاءً بہم یہ فوائد منثورہ بعونہٖ تعالٰی سلک تحریر میں انتظام پاتے ہیں۔

فائدہ ۱: نفیسہ جلیلہ (فضیلت وافضیلت میں فرق ہے دربارہ تفضیل حدیث ضعیف ہر گز مقبول نہیں) فضیلت وافضیلت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں بالاجماع مردود و نامقبول۔

اقول: جس نے قبول ضعاف فی الفضائل کا منشا کہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزرا ذہن نشین کر لیا ہے وہ اس فرق کو بنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبول ضعاف صرف محل نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یا تحریم یا اضاعتِ حق غیر غرض مخالفت شرع کا بوجہ من الاجوہ اندیشہ نہ ہو فضائل رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کا فضل تفصیلی خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبت خاصہ جسے صحاح وثوابت سے معارضت نہ ہو اگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کا قبول تو آپ ہی ظاہر کہ اُن کا فضل تو خود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطا کرے گی اور اگر تنہا ضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہو وہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تو نہیں بخلاف افضیلت کے کہ اس کے معنی ایک کو دوسرے سے عنداللہ بہتر وافضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت ومحقق ہو جائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگا دینے میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس ہو تو افضل کو مفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان ہے اور وہ حرام تو مفسدہ تحلیل حرام وتضیع حق غیر دونوں درپیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضیلت معلوم نہ ہو۔ پھر وہاں

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۰

کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقّہ میں ایک جانب کی تفصیلی محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث مقام وضعاف سے استناد کیا جائے، جس طرح آج کل کے جہال حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تفضیل حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم میں کرتے ہیں۔ یہ تصریح مضادتِ شریعت ومعاندتِ سنّت ہے۔ ولہٰذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا کمابیناہ فی کتابنا المبارك **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ١٣٩٧ھ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی مبارک کتاب "**مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین**" میں بیان کیا ہے۔ ت) بلکہ انصافاً اگر تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی آئے قطعاً واجب التاویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے کمااثبتنا علیہ عرش التحقیق فی کتابنا المذکور (جیسا کہ ہم نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ ت) اور متواتر واجماع کے مقابل اعاد ہر گز نہ سُنے جائیں گے ولہٰذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث عرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فمااولت ذلک یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قال الدین (مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا دین۔ ت) فرماتے ہیں:

لئن سلّمنا التخصیص به (ای بالفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه) فهو معارض بالاحادیث الکثیرة البالغة درجة التواتر المعنوی الدالة علی افضلیة الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه فلاتعارضها الاحاد. ولئن سلمنا التساوی بین الدلیلین لکن اجماع اهل السنة والجماعة علی افضلیته وهو قطعی فلایعارضه ظنی[1]۔	اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماعِ اہلسنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے، تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے! (ت)

الجملہ مسئلہ افضلیت ہر گز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ موافقت وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نا مسموع،

حیث قال لیست هذه المسألة یتعلق بها	ان دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب تفاضل اہل ایمان فی الاعمال مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ١/ ١٠٦

عمل فیلتفی فیها بالظن الذی هو کاف فی الاحکام العلمیة بل هی مسألة علمیة یطلب فیها الیقین[1]	میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اس کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔ (ت)

فائدہ ۲: ممہ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعًا مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہوچکا ہے کہ کتبِ سیر میں کیسے کیسے مجروحوں میں مطعونوں شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر وتواریخ ہیں جنہیں علما ایسوں سے روایت کر لیتے ہیں وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سواہر قسم ضعیف وسقیم وبے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافًا یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلًا کسی کام کے نہیں اُنہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب واباطیل بھرے ہیں کمالایخفی بہر حال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بد مذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتے اُس کی روایات مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذاللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابہ کرام حضور سید الانام علیہ وعلٰی آلہ وعلیہم افضل الصّلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضاد حق تبیین آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر وخرافات تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب ووا حض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجماعِ اُمّت واساطین ملّت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنٰی مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہو سکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد محمد غزالی قدسہ سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق	کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام

---

[1] شرح مواقف المرصد الرابع از موقف سادس فی السمعیات مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۷۲

نعم یجوز ان یقال ان ابن ملجم قتل علیاً فان ذٰلك یثبت متواترا۔[1]	ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم شقی خارجی اشقی الآخرین نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ بتواتر ثابت ہے۔ (ت)

حاش للہ اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنٰی قابلِ التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضرات عالیہ انبیاء ومرسلین وملٰئکہ مقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سعادتنا ومولٰنا آدم صفی اللہ وداؤد خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ سے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذاللہ اصل ایمان کو رد بیٹھنا ہے ان ہولناک اباطیل کے بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملّت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا وشروح شفا ومواہب وشرح مواہب ومدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا، جسے میں صرف مدارج النبوۃ سے نقل کروں کہ عبارت فارسی ترجمہ سے غنی اور کلمات ائمہ مذکورین کا خود ترجمہ ہے فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی:

از جملہ توقیر وبرآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توقیر اصحاب وبرایشاں است وحسن ثنا ورعایت ادب بایشاں ودُعا واستغفار مرایشاں را وحق است مرکسے را کہ ثنا کردہ حق تعالٰی بروے وراضی ست ازوے کہ ثنا کردہ شود بروے وسب وطعن ایشاں اگر مخالف ادلہ قطعیہ است، کفر والا بدعت وفسق، وہمچنیں امساک وکف نفس از ذکر اختلاف ومنازعات ووقائع کہ میان ایشاں شدہ وگزشتہ است واعراض واضراب از اخبار مورخین وجہلہ رواۃ وضلال شیعہ وغلاۃ ایشاں ومبتدعین کہ ذکر	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واحترام درحقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اور ان کے ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہے اور ان کے لئے دعا وطلبِ مغفرت کرنی چاہئے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالٰی نے تعریف فرمائی ہے اور اس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگر ان پر طعن وسب کرنے والا دلائل قطعیہ کا منکر ہے تو کافر ورنہ مبتدع وفاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا واقعات ہُوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے

---

[1] احیاء علوم الدین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ: اللعن مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۳/ ۱۲۵

قوادح وزلالت ایشاں کنند کہ اکثر آں کذب وافتراست وطلب کردن درآنچہ نقل کردہ شدہ است ازایشاں از مشاجرات ومحاربات باحسن تاویلات واصوب خارج وعدم ذکر ہیچ یکے ازیشاں بہ بدی وعیب بلکہ ذکر حسنات وفضائل وعمائد صفات ایشاں ازجہت آنکہ صحبت ایشاں بآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقینی ست وماورائے آں ظنی است وکافیست دریں باب کہ حق تعالٰی برگزید ایشاں رابرائے صحبت حبیبہ خود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طریقہ اہل سنّت وجماعت دریں باب این است درعقائد نوشتہ اند لاتذکر احدا منھم الابخیر [ف۱] وآیات واحادیث کہ درفضائل صحابہ عموماً وخصوصاً واقع شدہ است دریں باب کافی است [1] اھ مختصراً۔

اور ان اخبار واقعات سے اعراض کیا جائے جو مورخین، جاہل راویوں اور گمراہ وغلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردئے اور ان کے ڈگمگا جانے سے کیونکہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اور ان کے درمیان جو محاربات ومشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ وتاویل کی جائے، اور ان میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اور اس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں پانے حبیب علیہ السلام کی محبت کے لئے منتخب کرلیا ہے اہل سنت وجماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لئے عقائد میں تحریر ہے کہ صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات واحادیث عموماً یا خصوصاً وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں اھ مختصراً (ت)

امام محقق سنوسی وعلّامہ تلمسانی پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: **مانقله المؤرخون قلة حیاء وادب** [2] (مؤرخین کی نقلیں قلّت حیاوادب سے ہیں) امام اجل ثقہ ثبت حافظ متقن قدوہ یحیٰی بن سعید قطان نے کہ اجلّہ ائمہ تابعین سے ہیں عبداللہ قواریری سے پُوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا وہب بن جریر کے پاس سیر لکھنے کو، فرمایا: **تکتب کذبا کثیرا** [3] (بہت ساجھوٹ لکھوگے) **ذکرہ فی المیزان** عـــہ (اس کا ذکر میزان میں

عـــہ: فی ترجمة محمد بن اسحٰق حیث قال

اس کا ذکر محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں ہے جہاں (باقی اگلے صفحہ پر)

ف۱: مدارج النبوہ مطبوعہ سکھر میں "وآیات" کا لفظ نہیں ہے

---

[1] مدارج النبوۃ وصل در توقیر حضور واصحاب وے صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۲۰۴

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

ہے۔ ت) تفصیل اس مبحث کی اُن رسائل فقیر سے لی جائے کہ مسئلہ حضرت امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تصنیف کیے یہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ سے یاد رکھنے کی ہے مطاعن افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طعن سوم تخلف جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے رَد میں فرماتے ہیں:

جملہ لعن اللہ من تخلف عنہا ہرگز در کتب اہل سنت موجود نیست قال الشہرستانی فی الملل والنحل ان ہذہ الجملۃ موضوعۃ ومفتراۃ وبعضے فارسی نویسان کہ خود را محدثین اہل سنت شمردہ اند ودر سیر خود ایں جملہ را آوردہ برائے الزام اہل سنت کفایت نمی کند زیرا کہ اعتبار حدیث نزد اہل سنت بیافتن حدیث در کتب مسندہ محدثین نزد اہل سنت بیافتن حدیث در کتب مسندہ محدثین است مع الحکم بالصحۃ وحدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلا عـــہ گوش بآں نمی نہند۔[1]	جملہ "لعن اللہ من تخلف عنہا" کتب اہلِ سنت میں ہرگز موجود نہیں، شہرستانی نے الملل والنحل میں کہا کہ یہ جملہ موضوع اور جھوٹا ہے، اور بعض فارسی لکھنے والوں نے خود کو محدثین اہلسنت ظاہر کیا ہے اور اہل اسنت کو الزام دینے کے لئے اپنی کتب میں اس جملہ کو شامل کردیا لیکن یہ قابلِ اعتبار نہیں، اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہرگز ناقابلِ سماعت نہیں۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالہ عندی ذنب الاماقد حشانی فی السیرۃ من الاشیاء المنکرۃ المنقطعۃ والاشعار المکذوبۃ. قال الفلاس سمعت یحیی القطان یقول لعبیداللہ القواریری الی این تذہب. قال الی وہب بن جریر اکتب السیرۃ قال تکتب کذبا کثیرا[2] ۱۲ منہ (م)	انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی گناہ نہیں ماسوائے اس کے کہ انہوں نے سیرت میں منکر و منقطع روایات اور جھوٹے اشعار شامل کردئے ہیں، فلاس نے کہا میں نے یحیٰی قطان کو عبیداللہ قواریری سے یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ کہاں جارہے ہو، انہوں نے کہا وہب بن جریر کی طرف سیرت لکھنے کیلئے، اس نے کہا تُو وہاں بہت زیادہ جھوٹ لکھے گا ۱۲ منہ (ت)
عـــہ: **اقول:** یعنی در امثال باب تاباب احکام فاما دون اوکہ باب تساہل ست نقل معتمدی بسند است	**اقول:** یعنی یہ مثالِ مقام تا باب میں ہے اسکے علاوہ جو باب تساہل ہے کوئی ایک معتمد نقل سند کے ساتھ ہو

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم طعن سوم از مطاعن ابی بکر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

فائدہ ۳: (اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں) افادہ دہم دیکھیے جو حدیث اُن پندرہ قرائن وضع سے منزہ ہو ہم نے اُس کے بارے میں کلمات علماء تین طرز پر نقل کئے اصلاً موضوع نہ کہیں گے تفرد کذاب ہو تو موضوع تفرد متہم ہو تو موضوع، اور افادہ ۲۳ میں اشارہ کیا کہ ہمارے نزدیک مسلک اول قوی واقرب بصواب ہے افادہ ۱۰ میں امام سخاوی سے اُس کی تصریح اور کلام علی قاری سے نظیر صریح ذکر کی دوسری نظیر صاف وسفید حدیث مرغ سپید کہ کلام علامہ مناوی سے افادہ ۲۳ میں گزری وہیں دلیل ثامن میں بشادت حدیث وحکم عقل اس کی تقویت کا ایما کیا۔

والاٰن اقول: یہی مذہب فقیر نے کلامِ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن طحاج سے استنباط کیا، فائدہ تاسعہ میں آتا ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا ابان بن ابی عباس حدیث میں جھُوٹ بولتا ہے پھر خود ابان سے حدیث سنی، اس پر پُوچھا گیا، فرمایا اس حدیث سے کون صبر کرسکتا ہے، معلوم ہوا کہ مطعون بالکذب کی ہر حدیث موضوع نہیں ورنہ اس کی طرف ایسی رغبت اور وہ بھی ایسے امام اجل سے چہ معنی۔

ثم اقول: اور فی الواقع یہی اظہر ہے کہ آخر الکذوب قدیصدق (جھوٹ بولنے والا بھی کبھی سچ کہتا ہے۔ت) میں کلام نہیں اور یہ بھی مسلّم کہ ایک شخص واحد کا روایت حدیث سے تفرد ممکن یہاں تک کہ غریب فرد میں صحیح حسن ضعیف بہ ضعف قریب وضعف شدید سب قسم کی حدیثیں مانی جاتی ہیں تو یہ کیوں نہیں ممکن کہ کبھی موسم بتکذیب بھی تفرد کرے اور اس حدیث خاص میں سچّا ہو اس کے بطلان پر کیا دلیل قائم، لاجرم یہی مذہب مہذب مقتضائے ارشادات امام ابن الصلاح وامام نووی وامام عراقی وامام قسطلانی وغیر ہم اکابر ہے ان سب ائمہ نے موضوع کی یہی تعریف فرمائی کہ وہ حدیث کہ جو نری گھڑت اور افترا اور نبی عــہ صلی اللہ تعالٰی

دگرچند بے سنداست چنانکہ در افادہ بست وہفتم تحقیق نمودیم خود شاہ صاحب درہچو مقام بہ بسیارے از روایات بے سند استناد کردہ است کمالایخفی علی من طالع کتبہ وسرانجام است کہ کمال تحقیق ایں معنی در فائدہ اخیر کردیم ۱۲ منہ (م) عــہ: بناء علی ان ماوضع علی غیرہ صلی اللہ	دوسری چاہے بے سند ہوں، چنانچہ ستائیسویں ۲۷ افادہ میں ہم نے تحقیق کی ہے کہ خود شاہ صاحب نے اس جیسے مقام میں بہت روایات بے سند ذکر کی ہیں جیسا کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے آخر کار اس معنی کی مکمل تحقیق میں نے آخری فائدہ میں کردی ہے ۱۲ منہ (ت) اس بنا پر کہ اگر اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (باقی اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم پر جھُوٹ بنائی گئی ہو، علوم الحدیث امام ابوعمرو تقریب میں ہے: **الموضوع ھو المختلق المصنوع**[1] (موضوع وہ حدیث ہے جو من گھڑت اور بناوٹی ہو۔ت) الفیہ میں ہے:

شر الضعیف الخبر الموضوع
الکذب المختلق المصنوع[2]

(ضعیف کی بدترین قسم خبر موضوع ہے، جو جھوٹ ہو گھڑی گئی ہو اور بناوٹی ہو۔ت)

ارشاد الساری میں ہے:

الموضوع ھو الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسمی المختلق[3]۔	موضوع وہ حدیث ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑا گیا ہو اسے مختلق بھی کہتے ہیں۔ (ت)

ہاں اس میں کلام نہیں کہ حکمِ وضع کبھی قطعی ہوتا ہے کبھی ظنی، جیسا کہ ہم نے شمار قرائن میں تبدیل اسلوب عبارت سے اُس کی طرف اشارہ کیا اور حدیث مطعون بالکذب کو موضوع کہنے والے بھی اس کی موضوعیت بالیقین کا دعوٰی نہیں فرماتے بلکہ وضع ظنی میں رکھتے ہیں کما صرح بہ شیخ الاسلام فی النزھۃ (جیسا کہ شیخ الاسلام نے نزہۃ النظر میں اس کی تصریح کی ہے۔ت) شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی مقدمہ لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

حدیث المطعون بالکذب یسمی موضوعا و	ایسے راوی کی حدیث جس پر کذب کا طعن ہو موضوع کہلاتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علیہ وسلم فیقال لہ الموضوع علی فلان ومطلقہ لایراد بہ الاالکذب وعلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہ یبتنی مافی الارشاد وان طلقت فانت فی سعتہ منہ کماھو ظاھر کلام اٰخرین ۱۲ منہ (م)	کے علاوہ کسی دوسرے پر جھوٹ گھڑا ہو تو اسے "موضوع علٰی فلاں" کہا جاتا ہے اور جب مطلقًا ذکر ہو تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ہی جھُوٹ مراد ہوگا جو ارشاد میں ہے اس کی بنا اسی پر ہے اگر آپ اس کو مطلق ذکر کریں تو آپ کو اس میں گنجائش ہے جیسا کہ دوسروں کے کلام سے ظاہر ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] تقریب النواوی مع شرح تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۲۷۴

[2] الفیۃ الحدیث مع فتح المغیث بحث الموضوع دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۲۹۳

[3] ارشاد الساری شرح البخاری الفصل الثالث فی نبذۃ لطیفۃ الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ ۱/ ۱۳

من ثبت عنه تعمد الكذب فى الحديث وان كان وقوعه مرة لم يقبل حديثه ابدا، فالمراد بالموضوع فى اصطلاح المحدثين هذا لا انه ثبت كذبه وعلم ذلك فى هذا الحديث بخصوصه، والمسألة ظنية والحكم، بالوضع والافتراء بحكم الظن الغالب[1] اهملخصا	ہے اور ایسا شخص جس سے حدیث میں عمدہ جھوٹ ثابت ہوجائے خواہ وہ ایک ہی دفعہ ہو اس کی حدیث ہمیشہ قبول نہیں کی جائے گی، تو اصطلاح محدثین میں موضوع سے مراد یہی ہے، یہ نہیں کہ اس خاص حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت ومعلوم ہو، اور چونکہ مسئلہ ظنی ہے لہٰذا وضع وافترا کا حکم ظنِ غالب کی بنا پر ہوگا اھ ملخصا (ت)

اقول: مگر محلِ تامل یہی ہے کہ مجرد کذب فی بعض الاحادیث سے کہ معاذاللہ کسی طمع دینا یا تائید مذہب فاسد یا غضب وربخش وغیرہا کے باعث ہو ظن غالب ہوجائے کہ اب جتنی حدیثوں میں یہ متفرد ہو سب میں وضع وافترا ہی کرے گا اگرچہ وہاں کوئی طمع وغیرہ غرض فاسد نہ ہو شاہد زور اگر کسی طمع یا عداوت سے ایک جگہ غلط گواہی دی تو اس کی سب گواہیاں مردود ضرور ہوں گی کہ فاسق ہے مگر بے لاگ جگہ میں خواہی نخواہی یہ ظن غالب نہ ہوگا کہ یہاں بھی جھوٹ ہی کہہ رہا ہے وجدان صحیح اس پر شہادت کو بس ہے اور اگر سند ہی چاہئے تو امام ائمۃ الشان محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری کا ارشاد سُنیے محمد بن اسحاق صاحبِ سیرت ومغازی کو ہشام بن عروہ پھر امام مالک پھر وہب پھر یحیٰی بن قطان نے کذاب کہا،

اخرجه عـه ابن عدى عن ابى بشر الدولابى و	ابن عدی نے ابوبشر دولابی سے اور

عـــه: حال التفصى عن هذا فى الميزان بقوله قلت ومايدرى هشام بن عروة، فلعله سمع منها فى المسجد اوسمع منها وهو صبى اودخل عليها فحدثته من وراء حجاب، فاى شيئ فى هذا وقدكانت امرأة قد كبرت واسنت[2] اهـ	اس سے خلاصی میزان میں ان کے اس قول سے ہوجاتی ہے: میں کہتا ہوں ہشام بن عروہ کیا جانے شاید انہوں نے اس سے مسجد میں سنا، یا اس وقت اس سے سنا جب وہ بچّے تھے یا وہ اس کے پاس گئے ہوں تو اس خاتون نے پردے کے پیچھے سے بیان کیا ہو، کیا معلوم کہ ان میں سے کون سی صورت ہے حالانکہ وہ خاتون بُوڑھی اور سِن والی ہوچکی تھی (صاحب فتنہ نہ تھی) اھ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لمعات التنقیح شرح المشکوٰۃ فصل فی العدالۃ الخ مطبوعہ المعارف العلمیۃ لاہور ۱/ ۲۷

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۰

محمد بن جعفر بن یزید عن ابی قلابۃ الرقاشی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم قال افبمثل هذا یعتمد علی تکذیب رجل من اهل العلم هذا مردود، ثم قدروی عنها محمد بن سوقة[1] الخ

اقول: لقائل ان یقول ان الحفاظ الناقدین ربنما یعرفون کذب الرجل بقرائن تلوح لهم، ولقد نری قوما من الائمة یکذبون رجلا ولایذکرون من السبب الاماهو قاصر عندنا لعدم علمنا بالقرائن فتبدو لنا احتمالات شیئ لعل الامر کذا عسی ان کذا وهی جمیعا مندفعة عندهم نص علی ذلك الامام النووی فی مواضع من شرحه صحیح مسلم فقال هنا قاعدة ننبه علیها ثم نحیل علیها فیما بعد ان شاء الله تعالٰی وهی ان عفان رحمه الله تعالٰی قال انما ابتلیج هشام (هو ابن زیاد الاموی) یعنی انما ضعفوه من قبل هذا الحدیث کان یقول حدثنی یحیٰی عن محمد ثم ادعی بعد انه سمعه من محمده وهذا القدر وحده لایقتضی ضعفا لانه لیس فیه تصریح بکذب لاحتمال انه سمعه من محمد

محمد بن جعفر بن یزید نے ابوقلابہ رقاشی سے،

پھر کہا: کیا اس طرح کی صورت میں اہلِ علم شخص کو جھُوٹا قرار دینا درست ہے یہ مردود ہے (درست نہیں) پھر اس سے محمد بن سوقہ نے بھی روایت لی ہے الخ

اقول: (میں کہتا ہوں) قائل کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ حفاظ ناقدین بعض اوقات کسی آدمی کا جھُوٹ قرائن کی وجہ سے جانتے ہوتے ہیں اور ہم ائمہ کی ایک ایسی جماعت کا علم رکھتے ہیں جس نے کسی شخص کو جھوٹا کہا مگر سب ذکر نہ کیا صرف وہ ہے جو ہمارے نزدیک قاصر ہے کیونکہ ان قرائن کو نہیں جانتے، تو ہمارے لئے متعدد احتمالات ظاہر ہوں گے، شاید یہ ہو یا یہ ہو اور وہ تمام ان کے ہاں مدفوع ہوں، اس پر امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں کئ جگہ تصریح کی ہے اور کہا کہ یہاں ایک قاعدہ ہے جس پر ہم تنبیہ کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا اس پر حوالہ دیں گے اور وہ یہ ہے کہ عفان رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا کہ ہشام (ابن زیاد اموی) مبتلا ہُوئے، یعنی اس حدیث کی وجہ سے ان کو لوگوں نے ضعیف کہا جس کے متعلق وہ کہتے تھے مجھے یحیٰی نے محمد سے بیان کیا پھر دعوی کیا کہ اس نے یہ محمد سے روایت سنی ہے اور صرف یہ چیز ضعف کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ اس میں کذب صراحۃً نہیں ہے ممکن ہے اس نے محمد سے سُنا ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحٰق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۱

ثنی ابوداؤد سلیمٰن بن داؤد قال قال یحیی القطان	وہ کہتے ہیں مجھے ابوداؤد سلیمٰن داؤد نے بیان کیا کہ یحیٰی القطان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم نسیہ فحدث عن یحیٰی عنہ ثم ذکر سماعہ من محمد فرواہ عنہ ولکن انضم الی ھذا قرائن وامور اقتضت عندالعلماء بھذا الفن الحذاق فیہ المبرزین من اھلہ العارفین بدقائق احوال رواتہ انہ لم یسمعہ من محمد فحکموا بذلک لماقامت لدلائل الظاھرۃ عندھم بذلک وسیاق بعد ھذا اشیاء کثیرۃ من اقوال الائمۃ فی الجرح بنحو ھذا وکلھا یقال فیھا ماقلنا ھنا واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ۔ وقال بعد ذلک معنی ھذا الکلام ان الحسن بن عمارۃ کذب فروی ھذا الحدیث عن الحکم عن یحیٰی عن علی وانما ھو عن الحسن البصری من قولہ وقد قدمنا ان مثل ھذا وان کان یحتمل کونہ جاء عن الحسن وعن علی لکن الحفاظ یعرفون کذب الکاذبین بقرائن وقدیعرفون ذلک بدلائل قطعیۃ یعرفھا اھل ھذا الفن فقولھم مقبول فی کل ھذا[2] اھ۔

پھر بھول گیا ہو پھر ہشام نے یحیٰی سے حدیث بیان کی ہو پھر یحیٰی کو محمد سے سماع یاد آیا تو دونوں نے محمد کے حوالے سے روایت بیان کی ہو، لیکن اس فن کے ماہرین اور اس کے راویوں کے دقیق اصول پہچاننے والوں پر ایسے قرائن آشکار ہوئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محمد سے نہیں سُنا، جب ان کے ہاں اس پر دلائل ظاہری قائم ہوگئے تو اب انہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہشام نے محمد سے نہیں سُنا، اور اس کے بعد عنقریب ائمہ کے اقوال میں اسی طرح سے کثرت کے ساتھ جرح کا ذکر آئے گا ان سب میں وہی بات کہی جائے گی جو ہم نے یہاں کہہ دی ہے **واللہ تعالٰی اعلم** اھ۔ اور اس کے بعد کہا کہ اس کلام کا معنٰی یہ ہے کہ حسن بن عمارہ نے جھوٹ بولتے ہوئے اس حدیث کو حکم از یحیٰی از علی روایت کیا حالانکہ وہ حسن بصری سے ان کے قول سے مروی ہے اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس کی مثل یہ ہے اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ حسن سے اور علی سے ہو، لیکن اس فن کے حفاظ قرائن سے جھُوٹوں کے جھُوٹ سے آگاہ ہوجاتے ہیں اور اس کو وہ ایسے دلائل قطعیہ سے جان لیتے ہیں جن کو صرف اہل فن ہی پہچانتے ہیں لہٰذا ان کا فیصلہ ان تمام میں مقبول ہوگا اھ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] شرح الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[2] شرح الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷

اشهد ان محمد بن اسحٰق كذاب، قلت ومايدريك قال قال لی وهيب فقلت لوهيب ومايدرک، قال قال لی مالك بن انس فقلت لمالك ومايدريک، قال قال لی هشام بن عروة قلت لهشام بن عروة ومايدريک، قال حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر، وادخلت علی وھی بنت تسع وماراٰھا رجل حتی بقيت الله تعالٰی[1]۔

نے بیان کیا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے، میں نے عرض کیا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ کہا مجھے وہیب نے بتایا میں نے وہیب سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے مالک بن انس نے بتایا تھا، تو میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا تھا۔ میں نے ہشام بن عروہ سے کہا کہ آپ کو اس بات کا کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا اس نے میری اہلیہ فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کی ہے اور ان کی شادی میرے ساتھ نوسال کی عمر میں ہُوئی اور اس نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اس کا وصال ہوگیا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اماقولك افبمثل هذا يعتمد الخ **اقول:** افترا علی هٰولاء الائمة الجلة الاعاظم يشهدون جزافا من دون ثبت ثم هذا كله انما ذكرناه ليعرف ان الذهبی كيف يحتال للذب عن قدری امره قدظهر واذاوقع بسنی اشعری اوولی الله صوفی صارلايبقی ولايذركما بينه تلميذه الامام تاج الدين السبكی رحمه الله تعالٰی فی الطبقات والافا الراجح عند علمائنا ايضا هو توثيق ابن اسحٰق كماسنذكره ان شاء الله تعالٰی والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

رہا تیرا قول: افبمثله هذا يعتمد الخ **اقول:** یہ ان عظیم ائمہ پر اسی بات کا افترا ہے کہ وہ اندازے سے کام لیتے ہیں تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ذہبی نے کس حیلہ سے قدری سے کذب کیا، جس کا معاملہ واضح تھا اور جس وقت یہ معاملہ کسی سنّی اشعری یا کسی ولی اللہ صوفی کو رد کیا ہوتو وہ نہ چھوڑے نہ باقی رہنے دے جیسے کہ ان کے شاگرد امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے طبقات میں اس کو بیان کیا ہے ورنہ ہمارے ہاں بھی راجح یہی ہے کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحٰق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۱، الکامل فی ضعفاالرجال ترجمہ محمد اسحاق دارالفکر بیروت ۶/ ۲۱۱۷

امام بخاری عـہ۱ جزء القرأۃ خلف الامام میں توثیق عـہ۲ ابن اسحٰق ثابت فرمانے کو اُس سے جواب دیتے ہیں:

رأیت علی بن عبداللّٰه یحتج بحدیث ابن اسحاق وقال علی عن ابن عیینة مارأیت احدا یَتَّهِمُ محمد بن اسحاق (الی ان قال) ولوصح عن مالک	میں نے علی بن عبداللّٰہ کو حدیث ابن اسحاق سے استدلال کرتے ہوئے پایا ہے اور علی ابن عیینہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو

عـہ۱: نقله زیلعی فی نصب الرایة قبیل کتاب الخنثی ۱۲ منه (م)	جیسے کہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں کتاب الخنثی سے تھوڑا پہلے اس کو ذکر کیا ہے۔(ت)
عـہ۲: ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے محقق علی الاطلاق فتح میں زیر مسئلہ یستحب تعجیل المغرب فرماتے ہیں: توثیق ابن اسحاق هو الحق الابلج ومانقل عن کلام المالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله هل العلم کیف وقدقال شعبة فیه هو امیرالمؤمنین فی الحدیث وروی عنه مثل الثوری وابن ادریس وحماد بن زید ویزید بن زریع وبن علیة وعبدالوارث وابن المبارك واحتمله احمد وابن معین وعامة اهل حدیث غفرالله تعالٰی لهم وقداطال البخاری فی توثیقه فی کتاب القرأة خلف الامام له وذکره ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحاق واصطلح معه وبعث الیه هدیة ذکرها[1] اھ ۱۲ منه (م)	ابن اسحاق کی توثیق ہی واضح اور حق ہے اور امام مالک کا ان کے بارے میں جو قول منقول ہے وہ ثابت نہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تب بھی اہلِ علم کے ہاں قابلِ قبول نہیں، ایسا کیونکر ہو حالانکہ شعبہ نے ان کے بارے میں امیر المومنین فی الحدیث کہا اور ان سے ثوری، ابنِ ادریس، حمادبن زید، یزید بن زریع، ابن علیہ، عبدالوارث اور ابن مبارک جیسے محدثین نے روایت لی ہے، اور احمد، ابن معین اور اکثر محدثین (رحمہم اللہ تعالٰی) نے ان کے بارے میں (عدم توثیق کا) احتمال غیر یقینی طور پر بیان کیا۔ امام بخاری نے اپنی کتاب القرأۃ خلف الامام میں ان کی توثیق کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحٰق کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرلیا، ان کے ساتھ متفق ہوگئے اور ان کے پاس ہدیہ ارسال کیا جس کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حاشیہ فتح القدیر فصل فی استحباب التعجیل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۰

تناولہ عن ابن اسحاق فلم بماتکلم الانسان فیرمی صاحبہ بشیئ واحد ولایتھمہ فی الامور کلھا[1] الخ	محمد بن اسحٰق پر اتہام کرتا ہو (آگے چل کر کہا) اور اگر امام مالک سے ابن اسحاق کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ صحیح ہو تو اکثر ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے پر کسی ایک بات میں طعن کرتا ہے اور باقی تمام امور میں اس پر تہمت نہیں لگاتا الخ (ت)

دیکھو صاف تصریح ہے کہ ایک جگہ کاذب پانے سے ہر جگہ متہم سمجھنا لازم نہیں، لاجرم امام ابن عراق تنزیہ الشریعۃ میں فرماتے ہیں:

قال الزرکشی فی نکتہ علی ابن الصلاح بین قولنا موضوع وقولنا لایصح بون کبیر فان الاول اثبات الکذب والاختلاق والثانی اخبار عن عدم الثبوت ولایلزم منہ اثبات العدم وھذا یجیئ فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لایصح ونحوہ قلت وکان نکتۃ تعبیرہ بذلك حیث عبربہ انہ لم یلح لہ فی الحدیث قرینۃ تدل علی انہ موضوع، غایۃ الامرانہ احتمل عندہ ان یکون موضوعا لانہ من طریق متروك اوکذاب وھذا انما یتم عندتفرد الکذاب اوالمتھم علی ان الحافظ ابن حجر خص ھذا فی النخبۃ باسم المتروك ولم ینظمہ فی مسلك الموضوع[2]۔	زرکشی نے اپنی نکت علی ابن الصلاح میں لکھا کہ ہمارے قول موضوع اور لایصح میں بہت بڑا فرق ہے، پہلی صورت میں کذب اور گھڑنے کا اثبات ہے اور دوسری صورت میں عدم ثبوت کی اطلاع ہوتی ہے اور اس سے عدمِ وجود کا اثبات لازم نہیں آتا اور یہ ضابطہ ہر اس حدیث میں جاری ہوگا جس کے بارے میں ابن جوزی نے "لایصح" کہا یا اس کی مثل کوئی کلمہ کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے لئے اس حدیث میں کوئی ایسا ظاہری قرینہ نہیں جس کی بنیاد پر وہ حدیث موضوع ہو، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں موضوع ہونے کا احتمال ہے کیونکہ یہ متروک یا کذاب سے مروی ہے اور یہ بات اس وقت تام ہوگی جبکہ وہ حدیث صرف اور صرف کذاب یا متہم سے مروی ہو، علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں اسے متروک کا نام دیا ہے، موضوع کی لڑی میں اس کو شامل نہیں کیا۔ (ت)

دیکھئے تفرد کذاب کو صرف احتمال وضع کا مورث بتایا اور ابن الجوزی نے موضوعات میں جہاں موضوع کہنے سے

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ آخر کتاب الوصایا مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۴۱۶

[2] تنزیہ الشریعۃ لابن عراق کتاب التوحید فصل ثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۴۰

لایسع وغیرہ کی طرف عدول کیا اس کا یہی نکتہ ٹھہرایا کہ بوجہ تفرد کذاب یا متہم احتمال وضع تھا اگر غلبہ ظن ہوتا حکم بالوضع سے کیا مانع تھا کہ آخر صحیح موضوع وغیرہما تمام احکام میں غلبہ ظن کافی اور بلاشبہہ حجت شرعی ہے۔

اقول: والاشارۃ فی قولہ خص ھذا انما تلمح الی لاقرب وھو المتھم فھو الذی خصہ الحافظ باسم المتروك اماما تفرد بہ الکذاب فھو عین الموضوع عندہ فانما عرفہ بمافیہ الطعن بکذاب الراوی فلیتنبہ ھذا کلہ ماظھرلی والحمدللہ الواحد العلی۔	**اقول:** زرکشی کے الفاظ "خص ھذا" میں اشارہ اقرب کی طرف یعنی متہم کی طرف ہے تو یہ وہی ہے جس کے لئے حافظ ابن حجر نے متروک کا نام خاص کیا ہے لیکن جس روایت میں کذب متفرد ہو وہ حافظ کے نزدیک بھی عین موضوع ہے کیونکہ انہوں نے خود موضوع کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جس میں کذاب راوی کا طعن ہو، اس پر توجہ کرو یہ وہ امور تھے جو میرے لئے ظاہر ہوئے اور تمام حمد اللہ کے لئے جو واحد وبلند ہے (ت)

فقیر نے اپنی بعض تحریرات میں اس مسئلہ پر قدرے کلام کرکے لکھا تھا:

ھذا مایظھرلنا والمحل محل تامل فلیتامل لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔	یہ وہ ہے جو ہم پر ظاہر ہُوا اور یہ مقام مقامِ غور وفکر ہے لہٰذا ہر کوئی غور کرے، شاید اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی دوسرا امر ظاہر فرمادے۔ (ت)

الحمدللہ اب بوجہ کثیر اسے تاکد وتائید حاصل ہوا کلام[1] امام سخاوی کی تصریح کلام[2] علّامہ قاری وعلامہ[3] مناوی ہیں اُس کے نظائر[4] صریح کلام امام اجل شعبہ بن الحجاج سے استنباط صحیح تعریف[5] امام ابن الصلاح وامام[6] نووی وامام[7] عراقی وامام[8] قسطلانی کا اقتضائے تخیج حدیث[9] سے تائید دلیلِ عقل[10] سے تشیید کلام امام[11] بخاری وعلامہ ابن عراق[12] سے تاکید **الحمدللہ سرا وجھرا فقد حقق رجائی واحدث امرا** تمام خوبیاں ظاہرًا وباطنًا اللہ کے لئے ہیں پس اس نے میری امید پوری کی اور نئی راہ پیدا فرمائی۔ (ت)

تنبیہ: تنبیہ متعلق افادہ ۲۵ کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک یہ مستلزم موضوعیت نہیں) اس عبارت تنزیہ الشریعۃ سے ایک اور نفیس فائدہ حاصل ہوا کہ کتب موضوعات قسم اول میں بھی لفظ حکم پر لحاظ چاہئے اگر صراحۃً موضوع یا باطل کہہ دیا تو مؤلف کے نزدیک وضع ثابت ہوگی اور اگر لایصح وغیرہ ہلکے الفاظ کی طرف عدول کیا تو آخر یہ عدول بے چیزے نیست ظاہرًا خود مؤلف کو اُس پر حکمِ وضع کی جرات نہ ہُوئی صرف احتمال درج کتاب کیا **فافھم فلعلہ حسن وجیہ ولم ارہ لغیرہ فلیحفظ** اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے شاید یہ بہتر توجیہ ہو اور میں نے اسے کسی غیر سے نہیں پڑھا پس اسے محفوظ کرلیجئے۔ ت)

فائدہ ۵: (مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے) افادہ دوم میں گزرا کہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بہت محققین کی طرف نسبت کیا اور امام اجل ابوطالب مکّی نے اُسی کو مذہب فقہائے کرام واولیائے عظام قرار دیا اور یہی مذہب ہمارے ائمہ اعلام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(لا) جرح (بأن له راويا) واحدا (لفظ) دون غيره (وهو مجهول العين باصطلاح) كسمعان ليس له راوغير الشعبى فان المناط العدالة والحفظ لاتعدد الرواة وقيل لايقبل عند المحدثين وهو تحكم[1] اھ مختصرا۔	اس میں جرح نہیں کہ (اس کا راوی) (فقط) ایک ہے (اور وہ اصطلاح میں مجہول العین ہے) مثلاً سمعان، ان سے راوی شعبی کے علاوہ کوئی نہیں کیونکہ مدار عدالت راوی وحفظ ہے، راویوں کا متعدد ہونا نہیں، بعض نے کہا کہ محدثین کے نزدیک یہ مقبول نہیں یہ زیادتی ہے اھ مختصراً (ت)

پس دربارہ مجہول قول مقبول یہ ہے کہ مستور ومجہول العین دونوں حجت، ہاں مجہول الحال جس کی عدالت ظاہری بھی معلوم نہ ہو احکام میں حجت نہیں فضائل میں بالاتفاق وہ بھی مقبول۔

تنبیہ: (غالبًا مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے) مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلام محدثین میں غالبًا اُس سے مراد مجہول العین ہے، امام سبکی شفاء السقام عــہ میں فرماتے ہیں:

جهالة العين وهو غالب اصطلاح اهل هذا الشان فی هذا الاطلاق[2]۔	محدثین جب مطلقاً مجہول کا لفظ بولیں تو اکثر طور پر اس سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔ (ت)

فائدہ ۵: (فائدہ ۵ متعلق افادہ ۲۱ کہ قبول ضعیف کے لئے ورود صحیح کی حاجت نہیں) ہم نے افادہ ۲۱ میں روشن دلیلوں سے ثابت کیا کہ مادون الاحکام میں ضعیف محتاج ورود صحیح نہیں اور دلیل ثابت میں اس کی دس ۱۰ نظائر کے پتے دئے سب سے اجل واعظم یہ کہ اکابر ائمہ کرام اعاظم محدثین اعلام مثل امام۱ ابن عساکر وامام۲ ابن شاہین وابوبکر۳ خطیب بغدادی وامام۴ سہیلی وامام۵ محب الدین طبری وعلامہ۶ ناصر الدین ابن المنیر وعلامہ۷ ابن سید الناس وحافظ۸ ابن ناصر وخاتم۹ الحفاظ وعلامہ۱۰ زرقانی وغیرہم نے حدیث احیاءِ ابوین کریمین کو باوصف تسلیم ضعف دربارہ فضائل

عــہ: فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

[2] شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام الحدیث الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۹

ایسا معمول ومقبول مانا کہ اسے احادیث سے کہ بظاہر مخالف تھیں متاخر ٹھہرا کر اُن کا ناسخ جانا تو خود اس باب میں حدیث صحیح کی حاجت درکنار اُس کے مقابل کی صحاح اُس سے منسوخ نے ٹھہرائیں شرح مواہب لدنیہ میں ہے:

قال السیوطی فی سبیل النجاۃ مال الی ان اللہ تعالٰی احیاھما حتی اٰمنا بہ طائفۃ من الائمۃ وحفاظ الحدیث واستندوا الی حدیث ضعیف، لاموضوع کالخطیب وابن عساکر وابن شاھین والسھیلی والمحب الطبری والعلامۃ ناصرالدین ابن المنیر وابن سیدالناس ونقلہ عن بعض اھل العلم ومشی علیہ الصلاح الصفدی، والحافظ ابن ناصر، وقد جعل ھؤلاء الائمۃ ھذا الحدیث ناسخا للاحادیث الواردۃ بمایخالفہ ونصوا علی انہ متاخر عنھا فلاتعارض بینہ وبینھا اھ وقال فی الدرج المنیفۃ جعلوہ ناسخا ولم یبالوا بضعفہ لان الحدیث الضعیف یعمل بہ فی الفضائل والمناقب وھٰذہ منقبۃ ھذا کلام ھذا: الجھبذ وھو فی غایۃ التحریر[1] اھ ملخصا۔	امام سیوطی نے سبیل النجاۃ میں فرمایا کہ ائمہ اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ کی ذاتِ اقدس پر ایمان لائے، یہ قول انہوں نے ایک ایسی حدیث کی بنا پر کیا ہے جو ضعیف ہے موضوع نہیں، وہ ائمہ یہ ہیں مثلاً خطیب بغدادی، ابن عساکر، ابن شاہین، سہیلی، محب طبری، علامہ ناصرالدین بن منیر اور ابن سیدالناس۔ اسے بعض اہلِ علم سے نقل کیا اور اسی پر صلاح الصفدی اور حافظ ابنِ ناصر چلے ہیں اور ان ائمہ نے اس مذکورہ حدیث کو اس سلسلہ میں وارد مخالف احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ان سے موخر ہے لہٰذا اس کے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں اھ اور درج المنیفہ میں فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین نے ناسخ قرار دیتے ہوئے اس کے ضعف کی پرواہ نہیں کی کیونکہ فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ (والدین کا اسلام لانا) آپ کی منقبت ہے، یہ ان ماہرین حدیث کا کلام ہے اور یہ اس مسئلہ میں انتہائی بہتر رائے اور تحریر ہے اھ ملخصا (ت)

تنبیہ ضروری: (وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا) **اقول:** جب کسی اصل کا کلمات علما سے اثبات منظور ہو تو اس کے لئے کافی ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں فروع میں اس پر مشی فرمائی ہُوا کہ یہ اصل اُن کے نزدیک متاصل ہے اُن کلمات کی نقل سے غرض مستدل اسی قدر امر سے متعلق اگرچہ وہ فرع خاص بنظر کسی اور وجہ کے اس کو مسلّم نہ ہو مثلاً ہم نے افادہ ۲۸ میں اس امر کے استحباب کو کہ موضوعیت مستلزم ممنوعیت نہیں کلام ائمہ سے چند نظائر

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ باب وفات امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۱۹۷

نقل کیے کہ دیکھو حدیث کو موضوع اور فعل کو مشروع مانا اسی قدر سے استدلال تمام ہوگیا اگرچہ ہمیں ان بعض احادیث کی وضع تسلیم نہ ہو، یونہی یہاں اتنی بات سے کام ہے کہ علمائے نے ضعیف کو صحیح سے اتنا مستغنی مانا کہ ناسخ جانا دعوی غنا مؤید ومشید ہوگیا اگرچہ ہم قائل نسخ نہ ہوں اور دوسرے طور پر صحاح کا معارضہ دفع کرکے ان ضعاف کو قبول کریں، یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ متکلمین وہابیہ دھوکے دیتے اور خارج از مبحث اُس فرع کے ترجیح وتزییف کی طرف کتراجاتے ہیں۔ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے قاعدہ یازدہم اصول الرشاد شریف میں اُن سُفہا کے اس کید ضعیف کی طرف ایمائے لطیف فرمایا یونہی فقیر نے آخر نکتہ جلیلہ فصل سیزدہم نوع اول مقصد سوم کتاب **حیاۃ المواۃ فی بیان سماع الاموات** ۱۳۰۵ھ میں سے اس کی نظیر پر متنبہ کیا فلیحفظ۔

فائدہ۶: (فائدہ ۶ کا متعلق افادہ ۲۰ کہ حدیث ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول) افادہ ۲۰ میں گزرا کہ فضائل تو فضائل بعض احکام میں بھی حدیث ضعیف مقبول ہے جبکہ محل محل احتیاط ونفع بے ضرر ہو اُس کی ایک اور نظیر نیز علامہ حلبی کا فرمانا ہے کہ نماز میں سُترہ کو سیدھا اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ دہنی یا بائیں ابرو پر ہو کہ حدیث میں ایسا وارد ہوا اور وہ اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں مقبول۔

حیث قال^{عہ} ینبغی ان یجعلھا حیال احد حاجبیہ لماروی ابوداؤد من حدیث ضباعۃ بنت المقداد بن الاسود عن ابیھا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الی عود ولاعمود ولاشجرۃ الاجعلہ علی حاجبہ الایمن اوالایسر ولایصمد لہ صمدا، وقداعل بالولید بن کامل وبجھالۃ ضباعۃ، لکن ھذا الحکم ممایجوز العمل فیہ بمثل ھذا، لانہ من الفضائل[1] اھ باختصار۔	الفاظ یہ ہیں مستحب یہ ہے کہ سُترہ دونوں ابروؤں میں سے کسی ایک کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسا کہ ابوداؤد نے ضباعۃ بنت مقداد بن اسود اور انہوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف نماز ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر آپ اس کو اپنی دائیں یا بائیں ابرو مبارک کے سامنے کردیتے بالکل سیدھا اس کی طرف رُخ نہ ہوتا۔ اس حدیث کو ولید بن کامل اور ضباعۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا، لیکن یہ حکم ان مسائل میں سے ہے جن پر عمل اس طرح کی روایت سے جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ فضائل اعمال سے ہے اھ باختصار۔ (ت)

عــہ: اواخر کراھۃ الصلاۃ قبیل الفروع ۱۲ منہ (م)

---

[1] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

ایک اور اعلٰی واجل نظیر کلام امام[۱] حافظ محدث ابوبکر بیہقی وامام[۲] محقق علی الاطلاق وامام[۳] ابن امیر الحاج وعلامہ[۴] ابراہیم حلبی وعلامہ[۵] حسن شرنبلالی وعلامہ[۶] سید احمد طحطاوی وعلامہ[۷] سید ابن عابدین شامی وغیرہم علمائے اعلام رحمہم اللہ تعالٰی سے یہ ہے کہ سُنن ابی داؤد وابن ماجہ میں بطریق ابوعمر یا ابومحمد بن محمد بن حریث عن جدہ حریث رجل من بنی عذرۃ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن الابی القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دربارہ سترہ نماز مروی ہوا:

فان لم یکن معه عصا فلیخطط خطا[1]۔	اگراس کے پاس لکڑی نہ ہو تواپنے سامنے ایک خط کھینچ لے۔

امام ابوداؤد نے کہا امام سفٰین بن عیینہ نے فرمایا:

لم نجد شیئا نشدبه هذا الحدیث ولم یجئ الامن هذا الوجه[2]۔	ہم نے کوئی چیز نہ پائی جس سے اس حدیث کو قوت دیں اور اس سند کے سوا دوسرے طریق سے نہ آئی۔

یونہی امام شافعی وامام بیہقی وامام نووی وغیرہم ائمہ نے اس کی تضعیف عــہ فرمائی باینہمہ ائمہ وعلمائے مذکورین

عــه :قال فی الحلیة ثم فی ردالمحتار وقدیعارض تضعیفه بتصحیح احمد وابن حبان وغیرهما له اه وعقبه فی الحلیة بمایاتی عنها من قوله ویظهر ان الاشبهه الخ وقال فی المرقاة قداشار الشافعی الی ضعفه واضطرابه قال ابن حجر صححه احمد وابن المدینی وابن المنذر وابن حبان وغیرهم وجزم بضعفه النووی اه ملخصا قلت وهو وان فرض صحته لم یضرنا فیما نحن بصدده لماقدمنا انفافی التنبیه ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے کہ اسکی تضعیف کبھی احمد اور ابن حبان وغیرہ کی تصحیح کے معارض ہوتی ہے اور حلیہ میں اس کا تعاقب ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے جو آگے آرہے ہیں یعنی "وان یظھران الاشبہ الخ" اور مرقات میں ہے کہ امام شافعی نے اس کے ضعف اور اضطراب کی طرف اشارہ کیا ہے، ابن حجر نے کہا کہ احمد، ابن مدینی، ابن منذر اور ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام نووی نے اس کے ضعف پر جزم کیا ہے اھ ملخصا۔ میں کہتا ہوں اگر اس کی صحت ہی فرض کرلی جائے تو ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں یہ نقصان دہ نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے تنبیہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب الخط اذالم یجد عصاً مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۰

[2] سنن ابی داؤد باب الخط اذالم یجد عصاً مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۰

نے تصریح کی کہ حدیث ضعیف سہی ایسے حکم میں حجت ومقبول ہے کہ اُس میں نفع بے ضرر ہے،

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی سے منقول:

قال البیھقی لاباس بالعمل بہ وان اضطرب اسنادہ فی مثل ھذا الحکم ان شاء اللہ تعالٰی[1]۔	امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے مگر اس طرح کے مسائل میں اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)

حلیہ میں فرمایا:

یظھر ان الاشبہ قول البیھقی ولاباس بالعمل بھذا الحدیث فی ھذا الحکم ان شاء اللہ تعالٰی، وجزم بہ شیخنا رحمہ اللہ تعالٰی فقال والسنۃ اولی بالاتباع[2]۔	اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیہقی کا قول اس حکم میں اس حدیث پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اشبہ ومختار ہے، اور اسی پر ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ کہتے ہوئے جزم فرمایا کہ سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

من جوزہ استدل بحدیث ابی داؤد وتقدم مافیہ لکن قدیقال انہ یجوز العمل بمثلہ فی الفضائل کمامر اٰنفا ولذا قال ابن الھمام والسنۃ اولی بالاتباع[3] اھ ملخصا۔	جس نے جائز قرار دیا اس کا حدیث ابی داؤد سے استدلال ہے اور اس حدیث میں جو ہے وہ پیچھے بیان ہوچکا، لیکن کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فضائل میں ایسی حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جیسا کہ ابھی گزرا اور اسی لئے امام ابن الہمام نے فرمایا سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے اھ ملخصا۔ (ت)

نیز غنیہ پھر امداد الفتاح شرح نور الایضاح پھر حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے:

ان سلم انہ یعنی الخط غیر مفید فلاضرر فیہ مع مافیہ من العمل بالحدیث الذی یجوز العمل بہ فی مثلہ[4]۔	اگر تسلیم کرلیا جائے کہ خط مفید نہیں تو اس میں کوئی ضرر نہیں باجود اس کے محل نظر ہونے کے یہ حدیث ان میں سے ہے جس پر ایسے احکام میں عمل جائز ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب السترۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۴۶

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

[4] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۹

ردالمحتار میں ہے:

یسن الخط کماھو الروایۃ الثانیۃ عن محمد لحدیث ابی داؤد فان یکن معہ عصا فلیخط خطا وھو ضعیف لکنہ یجوز العمل بہ فی الفضائل ولذا قال ابن الھمام والسنۃ اولی بالاتباع[1] الخ۔	خط کھینچنا مسنون ہے جیسا کہ امام محمد کی روایت ثانیہ ہے انہوں نے ابوداؤد کی اس حدیث اس سے استدلال کیا: اگر نمازی کے پاس عصا (لکڑی) نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اس بنا پر امام ابن ہمام نے فرمایا: سنت زیادہ لائقِ اتباع ہے الخ۔ (ت)

تنبیہ: (فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں، نہ صرف ثوابِ اعمال) ان دونوں نظیروں میں علامہ ابراہیم حلبی اور نظیر اخیر میں علّامہ شامی کا ان افعال میں سُترہ کو ابرو کے مقابل رکھنے یا خط کھینچنے کو فضائل سے بتانا اُس معنی کی صریح تصریح کررہا ہے جو فقیر نے حاشیہ افادہ ۲۱ میں ذکر کیا تھا کہ فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ فضائل ہیں یعنی وہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثواب اعمال، یہاں سے خیالات باطلہ گنگوہیہ کی تفضیح کامل ہوتی ہے وللہ الحمد۔

فائدہ۷: (حدیث ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں) عبارت ردالمحتار کہ ابھی منقول ہوئی بتارہی ہے کہ امثال مقام میں نہ صرف استحباب بلکہ سنّیت بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہوسکتی ہے یونہی افادہ ۱۷ میں علی قاری کا ارشاد گزرا کہ حدیث ضعیف کے سبب ہمارے علماء نے مسح گردن کو مستحب یا سنّت مانا۔

اقول: لکن قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ بعد ماذکر حدیث ابن ماجۃ عن الفاکہ وعن ابن عباس والبزار عن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنھم فی اغتسال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم العیدین وقال ان فی اسانید ھٰذہ ضعفاء مانصہ، واستنان غسل العیدین ان قلنا بان تعدد الطرق الواردۃ فیہ یبلغ درجۃ الحسن، والاالندب وفی ذلك تأمل[2] اھ فقداشار رحمہ اللہ تعالٰی الی	**اقول:** لیکن امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں عیدین کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں حدیث ابن ماجہ، فاکہ، ابن عباس سے اور حدیث بزار، ابورافع رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کرنے کے بعد کہا کہ ان اسانید میں راوی ضعیف ہیں، اور پھر کہا کہ عیدین کے موقعہ پر غسل سنّت ہے اگر ہم یہ کہیں کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن کا درجہ پاچکی ہے اور اگر یہ نہیں تو غسل مستحب ہے اور اس میں تامل ہے اھ۔ امام رحمہ اللہ تعالٰی نے اس بات

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ان الضعیف لایفید الاستنان ولك ان تقول ان السنة ربما تطلق علی المستحب کعکسه کما صرحوا بهما فیتجه کلام الشامی والقاری وبه یحصل التوفیق بین الروایتین عن علمائنا فی المسألة اعنی مسألة الخط۔ فمن اثبت اراد الاستحسان ومن نفی نفی الاستنان وقدکان متأیدا بمافی الحلیة هل ینوب الخط بین یدیه منابها فعن ابی حنیفة وهو احدی الروایتین عن محمد انه لیس بشیئ ای لیس بشیئ مسنون اھ لولا انه زاد بعده بل فعله وترکه سواء[1] انتهی ففیه بعدبعد فافهم۔	کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث ضعیف سنّت کا فائدہ نہیں دیتی، اور تیرے لئے یہ جائز ہے کہ تُو کہے کہ بعض سنّت کا اطلاق مستحب اور مستحب کا سنت پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ فقہا نے اس کی اور تصریح کی ہے، لہٰذا امام شامی اور قاری کے کلام کی توجیہ ہوجائے گی اور اسی سے مسئلہ خط میں ہمارے علماء سے مروی دو ۲ روایات میں تطبیق بھی ہوجائے گی، پس جس نے اسے ثابت کیا اس نے اس استحسان کا ارادہ کیا اور جس نے نفی کی اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنّت نہیں اور اس کی تائید حلیہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ کیا خط سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی شیئ نہیں یعنی سنّت نہیں اھ کاش اس کے بعد وہ یہ اضافہ نہ کرتے کہ اس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے انتہی، اس میں نہایت ہی بعد ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ (ت)

فائدہ ۸: (فائدہ ۸ متعلق افادہ ۱۱ کہ وضع یا ضعف کا حکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث) ہم نے افادہ ۱۱ میں بہت نصوص نقل کیے کہ بارہا محدثین کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے۔ اور سُنیے حدیث صحیح زکوۃ حلی، مروی سنن ابی داؤد ونسائی:

امرأة اتت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومعها ابنة لها وفی یدابنتها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال أتعطین زکاة هذا قالت لاقال ایسرك ان یسورك اللہ بهما یوم القیمة سوارین من نار قال فخلعتهما فالقتهما الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	یعنی ایک بی بی خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اُن کی بیٹی ان کے ساتھ تھیں دُختر کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا: کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ عزوجل قیامت میں ان کے

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فقالت هما لله ورسوله [1]۔	بدلے آگ کے کنگن پہنچائے، اُن بی بی نے کڑے اتار کر ڈال دئے اور عرض کی یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جیسے امام ابوالحسن ابن القطان وامام ابن الملقن وعلّامہ سید میرک نے کہا: **اسنادہ صحیح** [2] (اس کی سند صحیح ہے) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر میں فرمایا: **اسنادہ لامقال فیه** [3] (اس کی سند میں کچھ گفتگو نہیں) محقق علی الاطلاق نے فرمایا: **لاشبهة فی صحته** [4] (اس کی صحت میں کچھ شبہہ نہیں) امام ترمذی نے جامع میں روایت کرکے فرمایا: **لایصح فی هذا الباب عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم شیئ** [5] (اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ صحیح مروی نہ ہوا) امام منذری نے فرمایا: **لعل الترمذی قصد الطریقین الذین ذکرهما والافطریق ابی داؤد لامقال فیه** [6] (شاید ترمذی ان دو طریق کو کہتے ہیں جو انہوں نے ذکر کیے ورنہ سند ابی داؤد میں اصلا جائے گفتگو نہیں) ابن القطان نے فرمایا:

انما ضعف هذا الحدیث لان عنده فیه ضعیفین ابن لهیعة والمثنی بن الصباح [7]۔ **ذکره الامام المحقق فی الفتح ثم العلامة القاری فی المرقاة**۔	انہوں نے اس وجہ سے تضعیف کی کہ ان کے پاس اس کی سند میں دو ۲ راوی ضعیف تھے ابن لہیعۃ اور مثنی بن الصباح۔ اسے امام محقق نے فتح القدیر اور ملّا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ (ت)

اور سُنیے حدیث ردّ شمس کہ حضور پُر نور سید الانوار، ماہِ عرب، مہرِ عجم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ڈوبا ہُوا آفتاب پلٹ آیا، مغرب ہو کر پھر عصر کا وقت ہو گیا یہاں تک کہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

---

[1] سُنن ابی داؤد باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۸

[2] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴

[3] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴

[4] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۵

[5] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوۃ الحلّی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱

[6] فتح القدیر بحوالہ المنذر فصل فی الذھب مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴

[7] فتح القدیر بحوالہ ابن القطان فصل فی الذھب مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴

وجہہ الکریم نے نمازِ عصر ادا کی جسے طحاوی وامام قاضی عیاض وامام مغلطای وامام قطب خیضری وامام حافظ الشان عسقلانی وامام خاتم الحفاظ سیوطی وغیرہم اجلہ کرام نے حسن و صحیح کہا **کماھو مفصل فی الشفاء وشروحه والمواھب وشرحھا** (جیسے شفاء اس کی شروح اور مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں تفصیلاً مذکور ہے۔ت) علامہ شامی اپنی سیرت پھر علّامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

اماقول الامام احمد وجماعة من الحفاظ بوضعه فالظاھر انه وقع لھم من طریق بعض الکذابین والافطرقه السابقة یتعذر معھا الحکم علیه بالضعف فضلا عن الوضع[1]۔	امام احمد اور حفّاظ کی ایک جماعت کا اسے موضوع قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ ان کو یہ روایت ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہوگی جو کذاب تھے ورنہ اس کی سابقہ تمام اسانید پر ضعف کا حکم لگانا متعذر ہے، چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔ (ت)

عام ترسُنیے امام شیخ الاسلام عمدۃ الکرام مرجع العلماء الاعلام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی کتاب مستطاب مظہر الصواب مرغم الشیطان مدغم الایمان شفاء السقام عـــہ فی زیادۃ خیر الانام علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلاۃ والسلام میں فرماتے ہیں:

ومما یجب ان یتنبه له ان حکم المحدثین بالانکار والاستغراب قدیکون بحسب تلك الطریق فلایلزم من ذلك ردمتن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیه ان الحدیث موضوع فانه حکم علی المتن من حیث الجملة[2]۔	اس سے آگاہ رہنا واجب ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے تو اس سے اصل حدیث کا رد لازم نہیں آتا بخلاف فقیہ کے موضوع کہنے کہ وہ بالاجمال اُس متن پر حکم ہے۔

لطیفہ جلیلہ منیفہ: (لطیفہ جلیلہ منیفہ جان پر لاکھ من کا پہاڑ) ابوداؤد ونسائی کی یہ حدیث صحیح عظیم جلیل جس میں اُن بی بی نے کڑوں کے صدقہ کرنے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عـــہ: فی الباب الاول تحت الحدیث الخامس من حج البیت فم یزرنی فقد جفانی ۱۲ منه (م)	باب اول میں حدیث خامس کے تحت یہ مذکور ہے جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ردّ شمس لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱۳۲/۵

[2] شفاء السقام الحدیث الخامس مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۹

کا نام پاک بھی ملایا اور حضور نے انکار نہ فرمایا بعینہٖ یہی مضمون صحیح بخاری و صحیح مسلم نے حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں روایت کیا کہ جب ان کی توبہ قبول ہُوئی عرض کی:

یارسول اللہ من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۔[1]	یارسول اللہ ! میری توبہ کی تمامی یہ ہے کہ میں اپنا سارا مالی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے صدقہ کردوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔ یہ حدیثیں حضراتِ وہابیہ کی جان پر آفت ہیں اِنہیں دو ۲ پر کیا موقوف فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بجواب استفتائے بعض علمائے دہلی ایک نفیس و جلیل و موجز رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الامن والعلی لناعتی المصطفی** عـــہ۱ **بدافع البلا** ۱۳۱۰ھ ملقب بلقب تاریخی اکمال الطامہ علی شرک سوی بالامور العامہ تالیف کیا اس میں ایسی بہت کثیر و عظیم باتوں کا آیات واحادیث سے صاف وصریح ثبوت دیا مثلاً قرآن وحدیث ناطق ہیں اللہ ورسول عـــہ۲ نے دولتمند کردیا، اللہ ورسول عـــہ۳ نگہبان ہیں، اللہ ورسول عـــہ۴ بے والیوں کے والی ہیں، اللہ ورسول عـــہ۵ مالوں کے مالک ہیں، اللہ ورسول عـــہ۶ زمین کے مالک ہیں، اللہ ورسول عـــہ۷ کی طرف توبہ، اللہ ورسول عـــہ۸ کی دوہائی، اللہ ورسول عـــہ۹ دینے والے ہیں، اللہ ورسول عـــہ۱۰ سے دینے کی توقع، اللہ ورسول عـــہ۱۱ نے نعمت دی، اللہ ورسول عـــہ۱۲ نے عزّت بخشی۔ حضور عـــہ۱۳ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی اُمت کے حافظ ونگہبان ہیں، حضور عـــہ۱۴ کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں، حضور عـــہ۱۵ کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں، حضور عـــہ۱۶ ساری زمین کے مالک ہیں، حضور عـــہ۱۷ سب آدمیوں کے مالک ہیں، حضور عـــہ۱۸ تمام امتوں کے مالک ہیں، ساری دنیا کی مخلوق حضور عـــہ۱۹ کے قبضہ میں ہے، مدد کی کنجیاں حضور عـــہ۲۰ کے ہاتھ میں ہیں، نفع کی کنجیاں حضور عـــہ۲۱ کے ہاتھ میں، جنت کی کنجیاں عـــہ۲۲ حضور کے ہاتھ میں، دوزخ کی کنجیاں حضور عـــہ۲۳ کے ہاتھ میں، آخرت میں عزّت دینا حضور عـــہ۲۴ کے ہاتھ میں، قیامت میں کل اختیار حضور عـــہ۲۵ کے ہاتھ میں ہیں، حضور عـــہ۲۶ مصیبتوں کو دُور فرمانے والے، حضور عـــہ۲۷ سختیوں کے ٹالنے والے، ابوبکر صدیق و عمر فاروق حضور عـــہ۲۸ کے بندے، حضور عـــہ۲۹ کے خادم نے بیٹا دیا، حضور عـــہ۳۰ کے خادم رزق آسان کرتے ہیں، حضور عـــہ۳۱ کے خادم بلائیں دفع کرتے ہیں،

عـــہ۱ : صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عـــہ۲ تا عـــہ۱۲ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عـــہ۱۳ تا عـــہ۳۱ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] صحیح البخاری باب قولہ تعالٰی لقد تاب اللہ علی النبی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۵

حضور عـــہ۱ کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں، حضور عـــہ۲ کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں، اولیا کے سبب بلا دُور ہوتی ہے، اولیا کے سبب رزق ملتا ہے، اولیا کے سبب مدد ملتی ہے، اولیا کے سبب مینہ اُترتا ہے، اولیا کے سبب زمین قائم ہے۔ یہ اور ان جیسی بیسیوں باتیں صرف قرآن وحدیث سے لکھی ہیں، وہابی صاحب شرک وغیرہ جو حکم لگانا چاہیں اللہ ورسول کی جناب میں بکیں یا خدا ورسول سے لڑیں اگر لڑ سکیں، اس میں یہ بھی روشن دلیلوں سے ثابت کردیا ہے کہ وہابی مذہب نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام، جبریل علیہ الصّلٰوۃ والسلام اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہاں تک کہ خود رب العزت جل جلالہ کسی کو سخت شنیع الزام لگانے سے نہیں چھوڑا۔ ضمنًا یہ بھی واضح دلائل سے بتادیا گیا کہ وہابی صاحبوں کے نزدیک جناب شیخ مجدد صاحب ومرزا جانِ جاناں صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے اساتذہ ومشائخ یہاں تک کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی سب کے سب پکّے مشرک تھے، غرض وہابی مذہب پر شرک امور عامہ سے ہے جس سے معاذاللہ ملائکہ سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر ربِّ جلیل تک، شاہ ولی اللہ سے لے کر ان کے پیروں اُستادوں، شاہ عبدالعزیز صاحب سے خود میاں اسمٰعیل تک کوئی خالی نہیں، وہابیت کا پھاگ، نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے، زور گھنگھور شراٹوں کا شور، سارا جہان شرابور، پولو کی قید نہ اماوس پہ چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماوس جاری ہے۔

اشراک بمذہبے کہ تاحق برسد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

یہ مختصر رسالہ کہ چار۴ جُز سے بھی کم ہے ایک سو تیس۱۳۰ سے زیادہ فائدوں اور تیس۳۰ آیتوں اور ستر۷۰ سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے جو اس کے سوا کہیں مجتمع نہ ملیں گے بحمداللہ تعالٰی اُس کی نفاست، اُس کی جلالت، اُس کی صولت، اُس کی شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾[1] رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ	یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، اے میرے رب مجھے اس

عـــہ۱ و عـــہ۲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] القرآن ۱۲/ ۳۸

نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ اِنِّىۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۵﴾[1] والحمدلله رب العلمین o	بات کی توفیق دے کہ میں ان نعمتوں پر تیرا شکر کروں جو تُو نے مجھ اور میرے والدین پر فرمائی ہیں، اور مجھے اچھے اعمال کی توفیق دے جن سے تُو راضی ہو جائے اور میری اولاد کی اصلاح فرما، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا اور مسلمانوں میں سے ہُوں، تمام تعریف اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے (ت)

فائدہ۹: (وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے) ہم نے افادہ ۲۱ میں ذکر کیا محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے شعبہ بن الحجاج[۱] وامام مالک[۲] وامام احمد[۳] اور افادہ دوم میں یحیٰی بن سعید قطان[۴] وعبدالرحمٰن بن مہدی[۵] کو گنا، اور انہیں سے ہیں امام شعبی[۶] وبقے بن مخلد[۷] وحریز بن عثمٰن[۸] وسلیمٰن بن حرب[۹] ومظفر بن مدرک خراسانی[۱۰] وامام بخاری[۱۱]۔ مقدمہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

حدثنی ابوجعفر الدارمی ثنا بشر بن عمر قال سألت مالك بن انس (فذکر الحدیث قال) و سألته عن رجل اٰخر نسیت اسمه فقال هل رأیته فی کتبی قلت لاقال لوکان ثقة لرأیته فی کتبی[2]۔	ابو جعفر دارمی نے مجھے حدیث بیان کی کہ ہمیں بشر بن عمر نے بتایا کہ میں نے مالک بن انس سے پُوچھا (پھر تمام حدیث بیان کی اور کہا) اور میں نے ایک دوسرے آدمی کے بارے میں ان سے پُوچھا جن کا نام میں اس وقت بھُول گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تُو نے اسے میری کتب میں پایا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اگر وہ ثقہ ہوتے تو میری کتب میں انہیں ضرور پاتا۔ (ت)

منہاج امام نووی میں ہے:

هذا تصریح من مالك رحمه الله تعالٰی بان من ادخله فی کتابه فهو ثقة فمن وجدناه فی کتابه حکمنا بانه ثقة عند مالك وقدلایکون ثقة عند غیره[3]۔	یہ امام مالک کی تصریح ہے کہ جسے وہ اپنی کتاب میں ذکر کریں گے وہ ثقہ ہوگا تو اب ہم ان کی کتاب میں جسے پائیں ہم اسے امام مالک کے نزدیک ثقہ سمجھیں گے اور کبھی ان کے غیر کے ہاں وہ شخص ثقہ نہیں ہوگا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۴۶/ ۱۵

[2] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[3] شرح صحیح مسلم النووی باب بیان ان الاسناد من الدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

میزان میں ہے:

ابراھیم بن العلاء ابوھارون الغنوی وثقه جماعة ووھاہ شعبة فیما قیل ولم یصح بل صح انه حدث عنه [1]۔	ابراہیم بن العلاء ابوہارون غنوی کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شعبہ نے انہیں کمزور کہا، اور یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ شعبہ نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عبدالاکرم بن ابی حنیفة عن ابیه وعنه شعبة لایعرف لکن شیوخ شعبة جیاد [2] اھ **اقول:** لکن قال یزید بن ھارون قال شعبة داری وحماری فی المساکین صدقة ان لم یکن ابان ابن ابی عیاش یکذب فی الحدیث قلت له فلم سمعت منه؟ قال ومن یصبر عن ذا الحدیث۔ یعنی حدیثه عن ابراھیم عن علقمة عن عبدالله عن امه انها قالت رأیت رسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع کمافی المیزان [3] **ولك** التفصی عنه بان السماع شیئ والتحدیث شیئ، والکلام فی الاخیر وان کان اسم الشیخ یتناول الوجھین وسنذکر اُخر ھذہ الفائدة	عبدالاکرم بن ابی حنیفہ اپنے والد سے اور ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور وہ معروف نہیں لیکن شعبہ کے تمام اساتذہ جید ہیں اھ (ت) **اقول:** لیکن یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا کہ میرا گھر اور میری سواری مساکین میں صدقہ ہے، اگر ابان ابن ابی عیاش حدیث میں جھوٹا نہ ہو، میں نے انہیں کہا تو پھر آپ نے ان سے کیوں سماع کیا؟ تو اس نے فرمایا کون ہے جو صاحبِ حدیث سے حدیث لینے سے باز رہے، اس سے انہوں نے ان کی وہ حدیث مراد لی جو ابراہیم سے علقمہ سے عبداللہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ سے بیان کی ہے، وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی ہے جیسا کہ میزان میں ہے، اور تیرے لئے اس سے خلاصی کی صورت

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۵۲ ابراہیم بن العلاء مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۴۹

[2] میزان الاعتدال ۴۷۳۴ عبدالاکرم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۲/ ۵۳۲

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۵ ابان ابن ابی عیاش مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۱۱

ان الامام ربما حمل عمن شاء. فاذا حدث تثبت **نعم** لعل الصواب التقييد بمن حدث عنه فی الاحکام دون مايتساهل فيه لماتقدم فی الافادة الثالثة والعشرين من قول ابن عدی ان شعبة حدث عن الکلبی ورضيه بالتفسير[1] کمانقله فی الميزان وفيه ايضاً فی محمد بن عبدالجبار قال العقيلی مجهول بالنقل **قلت** شيوخ شعبة نقاوة الا النادر منهم وهذا الرجل قال ابوحاتم شيخ[2] اھ قلت وهذا لايضر فقد يکون الرجل ثقة عنده وعند غيره مجروح اومجهول حتی ان من شيوخه الذين وثقهم وصرح بحسن الثناء عليهم. جابر بن يزيد الجعفی ذاك الضعيف الرافضی المتهم قال الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه. مارأيت فيمن رأيت افضل من عطاء ولااکذب من جابر الجعفی[3] وکذلك کذبه ايوب و زائدة ويحيی والجوزجانی وترکه القطان وابن مهدی والنسائی واٰخرون۔

یہ ہے کہ سماع اور شیئ ہے اور حدیث بیان کرنا اور ہے، گفتگو دوسرے میں ہے اگرچہ شیخ کا نام دونوں کے لئے مستعمل ہے عنقریب ہم اس فائدہ کے آخر میں ذکر کرینگے کہ امام شعبہ کبھی جس سے چاہے روایت لیتا ہے جب وہ حدیث بیان کرے تو تُو اس پر ثابت قدم رہ۔ ہاں شاید درست یہ ہو کہ اسے مقید کردیا جائے اس شخص کے ساتھ جس سے احکام کی احادیث بیان کی گئی ہیں نہ کہ وہ احادیث جن میں نرمی کی جاتی ہے جیسا کہ تئیسویں افادہ میں ابن عدی کا یہ قول گزرا ہے کہ شعبہ نے کلبی سے روایت کی ہے اور باب تفسیر میں اسے پسند کیا ہے میزان میں اسی طرح منقول ہے اور اس میں محمد بن عبدالجبار کے بارے میں بھی ہے کہ عقیلی نے کہا کہ وہ مجہول بالنقل ہے میں کہتا ہوں کہ شعبہ کے تمام شیوخ جید ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو جید نہ ہوں، اور یہ وہ آدمی ہیں جس کے بارے میں ابوحاتم نے کہا شیخ ہے اھ قلّت یہ نقصان دہ نہیں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی ایک محدث کے ہاں ثقہ ہے دوسرے کے ہاں مجروح یا مجہول ہوتا ہے حتی کہ اس کے شیوخ وہ ہیں جن کو ثقہ کہا گیا اور ان کی تعریف کی تصریح کی گئی ان میں سے جابر بن یزید الجعفی ہے جو ضعیف رافضی اور متہم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں نے جو لوگ دیکھے ان میں عطا سے بڑھ کر سچا کسی کو نہیں پایا اور جابر جعفی سے زیادہ جھُوٹا کوئی نہیں دیکھا، اسی طرح ایوب، زائدہ، یحیٰی اور جوزجانی نے اسے جھُوٹا قرار دیا۔ قطان، ابن مہدی، نسائی اور دیگر محدثین نے اسے ترک کردیا۔ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۵۷۴ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۵۵۸

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۸۲۲ محمد بن عبدالجبار مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۶۱۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۴۲۵ جابر بن یزید الجعفی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۳۸۰

شفاء السقام عـــہ۱ شریف میں ہے:

احمد رحمه الله تعالٰی لم یکن یروی الا عن ثقة وقدصرح الخصم (یعنی ابن تیمیة) بذلك فی الکتاب الذی صنفه فی الرد علی البکری بعد عشر کرار لیس منه. قال ان القائلین بالجرح والتعدیل من علماء الحدیث نوعان منهم من لم یروالا عن ثقة عنده کمالك وشعبة ویحیی بن سعید وعبدالرحمٰن بن مهدی واحمد بن حنبل وکذٰلك البخاری وامثاله[1] اھ	امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے اور مخالف (یعنی ابن تیمیہ) نے اس بات کی اپنی اس کتاب میں تصریح کی ہے جو اس نے بکری کے رَد میں اس کے دس رسائل کے بعد لکھی، کہا کہ علماءِ جرح وتعدیل (حدیث میں) دو۲ اقسام ہیں ایک وہ ہیں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں مثلًا مالک، شعبہ، یحیٰی بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل اور اسی طرح بخاری اور ان کے ہم مثل اھ (ت)

تہذیب التہذیب امام ابن حجر عسقلانی میں ہے:

خارجة بن الصلت البرجمی الکوفی روی عنه الشعبی وقدقال ابن ابی خیثمة اذاروی الشعبی عن رجل وسماه فهو ثقة یحتج بحدیثه[2]۔	خارجہ بن الصلت برجمی کوفی جن سے شعبی نے روایت کیا ہے اور ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ جب شعبی کسی شخص سے حدیث بیان کریں اور اس کا نام لیں تو وہ ثقہ ہوگا اس کی حدیث سے استدلال کیا جائیگا۔ (ت)

تدریب عـــہ۲ میں ہے:

من لایروی الاعن عدل کابن مهدی ویحیی بن سعید[3] اھ **اقول:** ولاینکر علیه بمافی المیزان عن عباس الدوری عن یحیٰی بن معین عن یحیٰی بن سعید لولم ار والا عمن ارضی مارویت الاعن خمسة اھ	وہ لوگ جو صرف عادل راویوں سے روایت لیتے ہیں مثلًا ابن مہدی اور یحیٰی بن سعید اھ **اقول:** اور اس پر اس بات سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جو میزان میں عباس دوری نے یحیٰی بن معین سے انہوں نے یحیٰی بن سعید کے حوالے سے روایت

عــــہ۱: فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ (م)

عــــہ۲: فی ترجمة اسرائیل بن یونس ۱۲ منہ (م)

---

[1] شفاء السقام الحدیث الاول مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰

[2] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۱۴۵ خارجہ بن الصلت مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳/ ۷۵

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ مجہول العدالۃ والمستور دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۱۷

فان رضی یحیٰی غایۃ لاتدرك وکیف یظن بہ ان الخلق کلھم عندہ ضعفاء الاخمسۃ وانما المرضی لہ جبل ثبت شامخ راسخ لم یزل ولم یتزلزل ولافی حرف ولامرۃ۔	کی ہے کہ اگر میں اس شخص سے روایت کرتا ہوں جس سے میں راضی ہوتا ہوں تو میں صرف پانچ سے روایت کرتا ہوں اھ اور یحیٰی کے راضی ہونے کی غایت و مقصد معلوم نہیں اور یہ ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ پانچ کے علاوہ تمام لوگ ان کے نزدیک ضعیف ہوں اور ان کے ہاں پسندیدہ و معتبر وہی شخص ہوگا جو اس فن میں پہاڑ کی مانند ٹھوس، مستحکم اور مضبوط ہو نہ زائل ہو اور نہ حرکت کرے نہ کسی حرف میں نہ ایک مرتبہ میں (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے:

سلیمن بن حرب بن بجیل الازدی الواشجی قال ابوحاتم امام من الائمۃ کان لایدلس وقال ابوحاتم ایضا کان سلیمٰن بن حرب قل من یرضی من المشائخ فاذا رأیتہ قدروی عن شیخ فاعلم انہ ثقۃ[1] اھ ملتقطا۔	سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشجی کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے امام ہیں اور وہ تدلیس نہیں کرتے تھے اور ابوحاتم نے یہ بھی کہا کہ سلیمان بن حرب بہت کم مشائخ کا اعتبار کرتے تھے لٰہذا جب آپ دیکھیں کہ انہوں نے کسی شیخ سے روایت کی ہے تو یقینا وہ ثقہ ہی ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تقریب التہذیب ہے:

مظفر بن مدرك الخراسانی ابوکامل ثقۃ متقن کان لایحدث الاعن ثقۃ[2]۔	مظفر بن مدرک خراسانی ابوکامل ثقہ اور پختہ ہیں اور وہ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔ (ت)

نافعہ جامعہ: امام سخاوی فتح عــه المغیث میں فرماتے ہیں:

تتمۃ من کان لایروی الاعن ثقۃ الافی النادر الامام احمد وبقی بن مخلد وحریز بن عثمٰن	تتمہ ان لوگوں کے بارے میں جو ثقہ کے علاوہ سے روایت نہیں کرتے مگر شاذ و نادر۔ وہ امام احمد،

عــہ: فی معرفۃ من تقبل روایتہ ۱۲ منہ (م)	جس کی روایت مقبول ہو اسکی معرفت میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۳۱۱ سلیمٰن بن حرب مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۴/ ۱۷۸ و ۱۷۹

[2] تقریب التہذیب من اسمہ مظفر مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۲۴۸

وسلیمٰن بن حرب وشعبة والشعبی وعبد الرحمٰن بن مهدی ومالك ویحیٰی بن سعید القطان وذلك فی شعبة علی المشهور فانه کان یتعنت فی الرجال ولایروی الاعن ثبت، والا فقدقال عاصم بن علی سمعت شعبة یقول لولم احدثکم الاعن ثقة لم احدثکم عن ثلثة وفی نسخة ثلثین وذلك اعتراف منه بانه یروی عن الثقة وغیره فینظر وعلی کل حال فهو لایروی عن متروك ولاعمن اجمع علی ضعفه، واما سفین الثوری فکان یترخص مع سعة علمه وورعه ویروی عن الضعفاء حتی قال فیه صاحبه شعبة لاتحملوا عن الثوری الاعمن تعرفون فانه لایبالی عمن حمل وقال الفلاس قال لی یحیٰی بن سعید لاتکتب عن معتمر الاعمن تعرف فانه یحدث عن کل[1] اھ۔

اقول: ماذکر عن عاصم فیجوز بل یجب حمله علی مثل ماقدمنا فی کلام یحیی کیف وان للثقة اطلاقا اُخر اخص واضیق کماقال فی التدریب ان ابن مهدی قال حدثنا ابوخلدة فقیل له اکان ثقة فقال کان صدوقا

بقے بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبہ، شعبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک اور یحیٰی بن سعید القطان، اور شعبہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں وہ صرف ثبت سے ہی روایت کرتے ہیں ورنہ عاصم بن علی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہُوئے سنا کہ اگر میں تمہیں ثقہ کے علاوہ کسی سے حدیث بیان نہ کرتا تو صرف تین راویوں (بعض نسخوں میں تیس کا ذکر ہے) سے حدیث بیان کرتا۔ یہ ان کا اعتراف ہے کہ میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے روایت کرتا ہُوں لہٰذا غور و فکر کرلیا جائے، ہر حال میں وہ متروک سے روایت نہیں کرتے اور نہ اس شخص سے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہو، رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع و تقوٰی کے نرمی کرتے ہوئے رخصت دیتے اور ضعفا سے روایت کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ ثوری سے روایت نہ لو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وہ پروا نہیں کرتے کہ وہ کس سے حدیث اخذ کررہے ہیں، فلاس کہتے ہیں کہ مجھے یحیٰی بن سعید نے کہا کہ معتمر سے نہ لکھو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم خود جانتے ہو کیونکہ وہ ہر ایک سے حدیث اخذ کرتے ہیں اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) جو کچھ عاصم کے حوالے سے مذکور ہے اس کو اس گفتگو پر محمول کرنا جائز بلکہ واجب ہے جو ہم نے پہلے کلامِ یحیٰی پر کی تھی اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ثقہ کا ایک دوسرا اطلاق نہایت ہی محدود واخص ہے جیسا کہ تدریب میں ہے کہ ابن مہدی

---

[1] فتح المغیث شرح معرفۃ من تقبل روایتہ و من ترد دار الامام الطبری بیروت ۲/ ۴۲ و ۴۳

وکان مأمونا وکان خیر الثقة شعبة وسفین قال وحکی المروزی قال سألت ابن حنبل عبد الوھاب بن عطاء ثقة؟ قال لاتدری ماالثقة انما الثقة یحیٰی بن سعید القطان [1] اھ فعلیك بالتثبت فان الامر جلی واضح۔	کہتے ہیں کہ ہمیں ابوخلدہ نے بیان کیا کہ ان سے کہا گیا کہ کیا وہ ثقہ ہے تو کہا کہ وہ صدوق اور مامون ہے اور بہتر ثقہ شعبہ اور سفیان ہیں اور کہا کہ مروزی نے بیان کیا کہ میں نے ابن حنبل سے عبدالوہاب بن عطا کے ثقہ ہونے کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا تم ثقہ کو نہیں جانتے ثقہ صرف یحیٰی بن سعید القطان ہے اھ اس پر قائم رہنا کیونکہ معاملہ بڑا ہی واضح ہے۔ (ت)

ثم اقول: (ہمارے امام اعظم جس سے رعایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہو گئی) انہیں ائمہ محتاطین سے ہیں علم اعلم امام اعظم سیدنا ابوحنیفۃ النعمان انعم اللہ تعالٰی علیہ بانعام الرضوان ونعمہ بانعم نعم الجنان، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبل التغیر پر محمول ہوگا جس طرح احادیث صحیحین میں کرتے ہیں محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

قال محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الاٰثار اخبرنا ابوحنیفة ثنالیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لیس فی مال الیتیم زکٰوة ولیث کان احد العلماء العباد وقیل اختلط فی اٰخر عمرہ ومعلوم ان اباحنیفة لم یکن لیذھب فیاخذ عنہ فی حال اختلاطه ویرویه وھو الذی شدد فی امر الروایة مالم یشددہ غیرہ علٰی ماعرف [2] اھ۔	امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے از لیث بن ابی سلیم از مجاہد از ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ یتیم کے مال میں زکٰوۃ نہیں، لیث علمائے عابدین میں سے تھا اور انہیں آخر عمر میں اختلاط ہوگیا اور یہ بات مسلّم ہے کہ امام اعظم ان سے اختلاط کے بعد حدیث اخذ نہیں کر سکتے کیونکہ آپ حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے اھ (ت)

تنبیہ: (قلة المبالاة فی الاخذ قدحدث من زمن التابعین اخذِ حدیث میں نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہُوئی ہے۔ ت)

قلت ھذا التوسع وقلة المبالاة فی	**قلت** (میں کہتا ہوں) اخذِ حدیث میں وسعت

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی علمِ جرح والتعدیل الخ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الزکوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۱۵

الاخذ قدحدث فی العلماء من لدن التابعین الاعلام اخرج الدارقطنی عن ابن عون قال قال محمد بن سیرین اربعة یصدقون من حدثھم فلایبالون ممن یسمعون، الحسن وابوالعالیة وحمید بن ھلال ولم یذکر الرابع وذکرہ غیرہ فسماہ انس بن سیرین[1] ذکرہ الامام الزیلعی فی نصب الرایة عــہ وقال علی بن المدینی کان عطاء یاخذ عن کل ضرب، مرسلات مجاھد احب الیّ من مرسلاته بکثیر وقال احمد بن حنبل مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات، ومرسلات ابراھیم النخعی لاباس بھا، ولیس فی المرسلات اضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح فانھما کانا یاخذان عن کل احد[2] وقال الشافعی فی مراسیل الزھری لیس بشیئ لانانجدہ یروی عن سلیمٰن بن الارقم[3] ذکرھا فی التدریب۔ **قلت** ومراسیل الائمة الثقات	اور نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہوئی ہے، دار قطنی نے ابنِ عون سے بیان کیا کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں چار ایسے آدمی ہیں جو ان سے حدیث بیان کرے (اساتذہ) اس کو سچّا سمجھتے ہیں! اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کس سے سماع کررہے ہیں، وہ چار یہ ہیں حسن، ابوالعالیہ، حمید بن ہلال اور چوتھے کا نام نہیں لیا اور ان کے غیر نے چوتھے کا نام ذکر کیا اور اس کا نام انس بن سیرین بتایا ہے، اس کو امام زیلعی نے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے۔ علی بن مدینی نے کہا کہ عطاء ہر قسم کی روایات لیتا تھا، مجاہد کی مرسلات اس کی کثیر مرسلات سے مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ اور احمد بن حنبل کا قول ہے مرسلات میں سے سعید بن مسیب کی مرسلات اصح ہیں اور مرسلاتِ ابراہیم نخعی میں کوئی حرج نہیں، حسن اور عطاء بن رباح کی مراسیل سب سے ضعیف ہیں کیونکہ وہ دونوں ہر ایک سے حدیث اخذ کرلیتے تھے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ زہری کی مراسیل میں کوئی شیئ نہیں کیونکہ ہم نے اسے سلیمان بن ارقم سے روایت کرتے ہوئے پایا ہے اس کا ذکر تدریب میں ہے۔ (ت) **قلت** (میں کہتا ہوں) ثقہ ائمہ کی مراسیل

عــہ: فصل نواقض الوضو ۱۲ منه

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الطہارۃ واما المراسیل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/ ۵۱

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۳

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۵

مقبولة عندنا وعندالجماهیر ولاشك ان عطاء والحسن والزهری منهم وقلة المبالاة عندالتحمل لایقتضیها عند الاداء فقدیاخذ الامام عمن شاء ولایرسله الا اذااستوثق وقد وافقنا علی قبول مراسیل الحسن ذاك الورع الشدید عظیم التشدید قدوة الشان یحیی بن سعید القطان وذاك الجبل العلی علی بن مدینی الذی کان البخاری یقول مااستصغرت نفسی الاعنده وذلك الامام الاجل نقاد العلل ابوزرعة الرازی وناهیك بهم قدوة اما القطان فقال ماقال الحسن فی حدیثه قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الا وجدنا له اصلا الاحدیثا اوحدیثین واما علی فقال مرسلات الحسن البصری التی رواها عنه الثقات صحاح ماأقل مایسقط منها، واما ابوزرعة فقال کل شیئ قال الحسن قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وجدت له اصلا ثابتا ماخلا اربعة احادیث[1] نقلها فی التدریب۔

قلت وعدم الوجدان لایقتضی عدم الوجود فلم یفت یحیی الاواحدا و

ہمارے اور جمہور علماء کے ہاں مقبول ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عطاء، حسن اور زہری ان میں سے ہیں اور اخذ میں نرمی کے لئے لازم نہیں کہ بیان کرتے وقت بھی نرمی ہو، بعض اوقات امام کسی شخص سے حدیث اخذ کرلیتے ہیں مگر ارسال اسی وقت کرتے ہیں جب اسے وہ ثقہ محسوس کرتے ہوں، اور ہمارے ساتھ حسن کی مراسیل کو قبول کرنے میں یحیٰی بن سعید القطان شریک ہیں جو ورع و تقوٰی اور حدیث کے اخذ کرنے میں نہایت ہی سخت ہیں، اور اس فن کا عظیم شخص علی بن مدینی بھی جن کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے میں نے اپنے آپ کو ان کے سوا کسی کے سامنے ہیچ نہیں سمجھا، اور امام اجل نقاد العلل ابوزرعہ رازی بھی شریک ہیں اور یہ لوگ اقتدا کے لئے کافی ہیں، لیکن قطان نے کہا ہے کہ جس حدیث کے بارے میں امام حسن یہ کہہ دیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو ہمیں ایک یا دو کے علاوہ ہر حدیث کی اصل ضرور ملی، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ وہ مراسیل حسن بصری جو ان سے ثقہ لوگوں نے روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب سے ساقط ہونے والی کتنی ہیں اور ابوزرعہ کہتے ہیں جس شَے کے بارے میں بھی حسن نے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہا ہے مجھے چار احادیث کے علاوہ ہر ایک کی اصل مل گئی ہے۔ اس عبارت کو تدریب میں نقل کیا ہے۔ (ت)

قلت (میں کہتا ہوں) عدمِ وجدان عدمِ وجود کو مستلزم نہیں تو یحیٰی کو ایک یا دو احادیث جو

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۴

اثنان ولعل غیر یحیی وجد مالم یجده وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ [1] ونقل فی مسلم الثبوت عنه رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال متی قلت لکم حدثنی فلان فھو حدیثه ومتی قلت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعن سبعین [2] اھ وفی التدریب قال یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا ابا سعید انك تقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وانك لم تدرکه فقال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیئ ماسألنی عنه احد قبلك ولولا منزلتك منی ما اخبرتك انی فی زمان کماتری وکان فی زمن الحجاج کل شیئ سمعتنی اقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فھو عن علی بن ابی طالب غیرانی فی زمان لااستطیع ان اذکر علیا [3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

نہ ملیں ممکن ہے کسی اور محدّث کو وہ مل گئی ہوں اور شاد باری ہے وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے پر ایک علم والا ہے) اور مسلّم الثبوت میں حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے جب تم کو یہ کہوں کہ مجھے فلاں نے حدیث بیان کی تو وہ اس کی حدیث ہوتی ہے اور جب میں یہ کہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ ستر ؓ سے مروی ہوتی ہے اھ تدریب میں ہے یونس بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے پُوچھا اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا حالانکہ آپ نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی؟ فرمایا اے بھتیجے! تُو نے مُجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو تجھ سے پہلے آج تک مجھ سے کسی نے نہیں کیا، اگر تیرا یہ مقام میرے ہاں نہ ہوتا تو میں تجھے اس سوال کا جواب نہ دیتا میں جس زمانے میں ہوں (وہ جیسے تجھے معلوم ہے) اور یہ حجاج کا زمانہ تھا جو کچھ مجھ سے آپ لوگ سنتے ہیں کہ میں کہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے میں نے سُنا ہوتا ہے (یہ نہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات پائی ہے) چونکہ میں ایسے دَور میں ہُوں جس میں حضرت علی کا نام ذکر نہیں کرسکتا (اس لئے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام لیتا ہوں) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

فائدہ ۱۰: (فائدہ ۱۰ متعلق افادہ ۲۴ درباره احادیث طبقہ رابعہ) سُفہائے زمانہ نے احادیث طبقہ رابعہ کو مطلقاً باطل وبے اعتبار محض قرار دیا جوشان موضوع ہے جس کا ابطال بین بابین

---

[1] القرآن ۱۲/ ۷۶

[2] مسلم الثبوت تعریف المرسل مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۲

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۴

وجوہ افادہ ۲۴ میں گزرا، یہاں اتنا اور سُن لیجئے کہ بر عکس اس کے مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُن کی روایت کو دلیل عدم موضوعیت قرار دیا ہے، موضوعات کبیر میں زیر حدیث:

من طاف بالبیت اسبوعا ثم اتی مقام ابراھیم فرکع عندہ رکعتین ثم اتی زمزم فشرب من مائھا، اخرجه الله من ذنوبه کیوم ولدته امه[1]۔	جو سات پھیرے طواف کرکے مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے پھر زمزم شریف پر جاکر اس کا پانی پیئے اللہ عزوجل اُسے گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

فرماتے ہیں:

حیث اخرجه الواحدی فی تفسیرہ والجندی فی فضائل مکّة والدیلمی فی مسندہ لایقال انه موضوع غایته انه ضعیف[2]۔	جبکہ اسے واحدی نے تفسیر اور جندی نے فضائل مکّہ اور دیلمی نے مسند میں روایت کیا تو اسے موضوع نہ کہا جائیگا نہایت یہ کہ ضعیف ہے۔

اقول: وجہ یہ ہے کہ اصل عدم وضع ہے اور بوجہ خلط صحاح وسقام وثابت وموضوع جس طرح وضع ممکن یونہی صحت محتمل تو جب تک خصوص متن وسند کے لحاظ سے دلیل قائم نہ ہو احد الاحتمالین خصوصًا خلاف اصل کو معین کرلینا محض ظلم وجزاف ہے تو اُن کی حدیث قبل تبین حال جس طرح بسبب احتمال ضعف وسقوط احکام میں مستند ومعتبر نہ ہوگی یوں ہی بوجہ احتمال صحت وحسن وضعف محض موضوع وباطل وساقط بھی نہ ٹھہر سکے گی لاجرم درجہ توقف میں رہے گی اور یہی مرتبہ ضعیف محض کا ہے جس طرح وہاں توقف مانع تمسک فی الفضائل نہیں یونہی یہاں بھی کما لایخفی علی اولی النھی (جیسا کہ اصحابِ فہم پر مخفی نہیں۔ت) فواتح الرحموت عـــہ میں ہمارے علماءِ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے:

الراوی انکان غیر معروف بالفقاھة ولا بالروایة بل انما عرف بحدیث اوحدیثین فان قبله الائمة اوسکتوا عنه عند ظهور	راوی حدیث اگر فقاہت وروایت میں معروف نہ ہو بلکہ کسی ایک یا دو۲ احادیث سے معروف ہو اور محدثین نے اسے قبول کرلیا یا ظہور روایۃ کے وقت اس سے خاموشی

عـــہ: فی مسئلة معرف العدالة ۱۲ منه (م)	معرف العدالۃ کے بحث میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[2] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

الروایة اواختلفوا کان کالمعروف وان لم یظهر منهم غیر الطعن کان مردودا وان لم یظهر شیئ منهم لم یجب العمل بل یجوز فیعمل به فی المندوبات والفضائل والتواریخ[1]۔	اختیار کی ہو یا اس میں اختلاف کیا ہو تو یہ بھی معروف کی طرح ہی ہوگا اگر اس پر محدثین نے طعن کا اظہار ہی کیا ہے تو وہ مردود ہوگا اور اگر محدثین نے کسی شیئ کا اظہار نہیں کیا تو اب عمل واجب نہیں بلکہ جائز ہوگا تو وہ مستحبات، فضائل اور تاریخ میں قابلِ عمل ہے۔ (ت)

فائدہ۱۱: (تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں) اُن ضروری فوائد سے کہ بوجہ تعجیل ہنگام تبییض تحریر سے رہ گئے تذکرۃ الموضوعات علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی کا حال ہے کہ اس میں مجرد ذکر سے موضوعیت پر استدلال تو بڑے بھاری متکلمین منکرین نے کیا حالانکہ محض جہالت وبے رہی یا دیدہ ودانستہ مغالطہ دہی تذکرہ مذکورہ بھی کتب قسم ثانی سے ہے اُس میں ہر طرح کی احادیث لاتے اور کسی کو موضوع کسی کو لم یجد کسی کو منکر کسی کو لیس بثابت کسی کو لایصح کسی کو ضعیف کسی کو مؤول کسی کو رجالہ ثقات کسی کو لاباس بہ کسی کو صححہ فلان کسی کو صحیح فرماتے ہیں، حدیث تقبیل ابہامین اُنہیں میں ہے جنہیں ہرگز موضوع نہ کہا بلکہ صرف لایصح پر اقتصار اور تجربہ کثیرین سے استظہار کیا خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فصل فی تعیین ف۱ بعض الاحادیث المشتهرة علی الالسن والصواب خلافها علی نمط ذکرته فی التذکرة [2] فیه من عرف نفسه عرف ربه لیس بثابت، ح رأیت ربی فی صورة شاب له وفرة صحیح محمول علی رویة المنام اومؤول ح المؤمن غرّکریم والمنافق خب لئیم موضوع عــه ح ماشهد رجل علی رجل بکفر	فصل، بعض احادیث کی تعیین کے بارے میں جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں حالانکہ صواب اس کے خلاف ہے اس طریقہ پر جس کا ذکر تذکرہ میں میں نے کیا ہے اس میں ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس (آپ) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، یہ ثابت نہیں، حدیث میں نے اپنے رب کو ایسے خوبصورت جوان کی صورت میں دیکھا جس کے بال لمبے وخوب صورت ہوں، صحیح ہے یہ

عــه **اقول:** هذا عجیب فقد اخرجه ابوداؤد	اقول یہ عجیب ہے حالانکہ ابوداؤد (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

ف۱ یہ عبارت مختصراً اور متعدد صفحات سے نقل کی گئی ہے۔ حوالہ کے لئے ص ۵۱۰ تا ۵۱۹ ملاحظہ ہو۔

[2]

الاباء به احدھما ضعیف عـــه۱ فیه طلب العلم فریضة علی کل مسلم طرقھا واھیة عـــه۲ ح من ادی الفریضة وعلم الناس الخیر کان فضله	خواب پر محمول ہے یا یہ مؤوّل ہے، اور حدیث مومن دھوکا کھانے والا اور شرم والا ہوتا ہے اور منافق دغاباز اور کمینہ ہوتا ہے موضوع ہے۔ حدیث نہیں گواہی دیتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترمذی والحاکم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بلفظ الفاجر مکان المنافق واسنادہ کما قال المناوی جید ۱۲ منه (م)

عـــه۱: **اقول:** بل صحیح من اعلی الصحاح فلمالك والصحیحین غیرھما عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما رفعه اذا قال الرجل لاخیه یا کافر فقد باء بھا احدھما وللبخاری عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه رفعا من قال لاخیه یا کافر فقد باء بھا احدھما ولابن حبان عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح مرفوعا ما اکفر رجل رجلا قط الا باء بھا احدھما وفی الباب غیر ذلك فان اراد خصوص اللفظ فقلیل الجدوٰی ۱۲ منه (م)

عـــه۲: **اقول:** والصحیح انه لاینزل عن الحسن کما بینته فی النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منافق کی جگہ لفظ فاجر روایت کیا ہے اور اس کی سند بقول امام مناوی کے جید ہے ۱۲ منہ (ت)

اقول: بلکہ یہ اعلٰی درجہ کی صحاح میں سے صحیح ہے، امام مالک اور شیخین وغیرہما نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعًا روایت کیا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو "یاکافر" (اے کافر) کہا، تو وہ کفر اُن دونوں میں سے ایک پر لَوٹ آتا ہے۔ اور بخاری نے حضرت اُبوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا بیان کیا کہ جس نے اپنے بھائی کو "یاکافر" کہا تو وہ کفر اُن میں سے ایک پر لوٹ آئیگا۔ ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا جب بھی کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو وہ کفر یقینا ان میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں اگر اس سے مراد خاص الفاظ ہیں تو ایسی روایات تو بہت ہی کم ہیں ۱۲ منہ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) صحیح وہ ہے کہ جو حسن سے نیچے نہ ہو جیسے کہ میں نے "النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب" میں بیان کیا ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

على العابد الحديث ضعيف اسناده لكنهم يتساهلون فى الفضائل. ح الوضوء على الوضوء نورعلٰى نور لم يوجد عـــہ۱ فيه مسح العينين بباطن السبابتين بعد تقبيلهما لايصح وروى تجربة ذلك عن كثيرين فيه الصلاة عماد الدين ضعيف وصلاة التسبيح ضعيف عـــہ۲ الدارقطنى اصح شيئ فى فضل الصلٰوت صلاة التسبيح فيه طعام الجواد دواء وطعام البخيل داء فى المقاصد عـــہ۳ رجاله ثقات وفى المختصر منكر فى المقاصد ماء زمزم لماشرب له ضعيف عـــہ۴ لكن له شاهد فى مسلم ح ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة من يجدد لها دينها صححة عـــہ۵ الحاكم ح مثل امتى كالمطر

کوئی آدمی دوسرے کے کفر کی مگر کفران میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے، ضعیف ہے۔ اسی میں ہے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔ حدیث، وہ شخص جس نے فرض ادا کیا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دی اس کو عابد پر فضیلت حاصل ہے، اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن محدثین فضائل عمل میں نرمی برتتے ہیں۔ حدیث وضو پر وضو نور علٰی نور ہے، موجود نہیں۔ اس میں ہے سبابہ انگلیوں کا باطن چومنے کے بعد آنکھوں سے لگانا صحیح نہیں اور بطور تجربہ یہ عمل کثیر علماء سے مروی ہے۔ اس میں ہے نماز دین کا ستون ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ صلاۃ التسبیح (والی حدیث) ضعیف ہے۔ دارقطنی میں ہے فضائلِ نماز کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں نماز تسبیح

عـــہ۱: بل اخرجه زرين وان قال المنذرى ثم العراقى لم نقف عليه ۱۲ منه (م)

بلکہ اس کی تخریج زرین نے کی ہے اگرچہ منذری، پھر عراقی نے کہا کہ ہم اس سے آگاہ نہ ہوسکے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: الحق انه حديث حسن صحيح لاشك حسن لذاته صحيح لغيره ان لم يكن لذاته والتفصيل فى اللآلى ۱۲ منه (م)

حق یہ ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حسن لذاتہ ہے صحیح لغیرہ ہے البتہ صحیح لذاتہ نہیں اور اس کی تفصیل اللآلی میں ہے (ت)

عـــہ۳: اقول كذا قال المناوى وبالغ الذهبى كعادته فقال كذب ۱۲ منه (م)

اقول: اسی طرح مناوی نے کہا اور ذہبی نے اپنی عادت کے مطابق مبالغہ کیا اور کہا کہ وہ جھوٹے ہیں ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۴: اقول بل نص الحافظ انه حجة بطرقه وحسنه المناوى وصححه الامام سفين بن عينيه والدمياطى والمنذرى وابن الجزرى ۱۲ منه (م)

اقول: بلکہ حافظ نے تصریح کی ہے کہ یہ اپنی اسناد کی بنا پر حجت ہے، مناوی نے اسے حسن کہا، امام سفیان بن عینیہ، دمیاطی، منذری اور ابن جزری نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۵: ورواه ابوداؤد وقال المناوى الاسناد صحيح ۱۲ منه (م)

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور مناوی کہتے ہیں اسکی سند صحیح ہے۔ (ت)

لایدری اوله خیر ام اٰخره موضوع (عه) فی الوجیز انا وابوبکر وعمر خلقنا من تربة واحدة فیه مجاهیل قلت له طریق اٰخر وله شاهد فی اویس حدیث فی ورقتین قال ابن حبان باطل قلت الوقف اولی فان له طرقا عدیدة لاباس ببعضها ح من اخلص للّٰه اربعین یوما سنده ضعیف وله شاهد ح یکون فی اٰخر الزمان خلیفة لایفضل علیه ابوبکر ولاعمر موضوع قلت بل مؤول الی هنا مافی التذکرة[1] اھ ملتقطا۔	والی حدیث اصح ہے۔ اس میں ہے سخی کا کھانا دوا ہے بخیل کا کھانا بیماری ہے، مقاصد میں ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اور مختصر میں ہے کہ یہ منکر ہے۔ مقاصد میں ہے زمزم کا پانی اسی کام کے لئے ہے جس کی خاطر اسے پیا گیا، ضعیف ہے لیکن اس کے لئے مسلم میں شاہد ہے۔ حدیث اللہ تعالٰی ہر سو ۱۰۰ سال کے بعد اس اُمت میں ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کے لئے دین کی تجدید کرتا ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی۔ حدیث میری اُمّت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں اس کا اول بہتر ہے یا آخر، موضوع ہے۔ وجیز میں ہے: مَیں، ابوبکر اور عمر تینوں ایک ہی مٹّی سے پیدا ہوئے، اس میں راوی مجہول ہیں، میں کہتا ہوں اس کی ایک اور سند ہے اور اس کے لئے شاہد ہے حدیث اویس جو دو ۲ ورقوں پر ہے ابن حبان نے کہا یہ باطل ہے، میں کہتا ہوں سکوت بہتر ہے کیونکہ اس کی متعدد اسناد ہیں اس کی بعض سندوں میں

عـــه: **اقول:** هذا عجیب بل اخرجه احمد والترمذی فی الجامع عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه وحسنه وفی الباب عن عمران بن حصین رضی اللّٰه تعالٰی عنه اخرجه البزار قال السخاوی بسند حسن وفیه عن علی وعن عمار وعن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه وقال ابن عبدالبر ان الحدیث حسن وقال ابن القطان لانعلم له علة قال المناوی اسناده جید ۱۲ منه (م)

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) یہ عجیب ہے، بلکہ اس کو احمد اور ترمذی نے جامع میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور حسن قرار دیا نیز اس بارے میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی مروی ہے اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔ سخاوی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے اور اس بارے میں حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، ابن القطان کی رائے ہے کہ ہمیں اس میں کسی علّت کا علم نہیں۔ مناوی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] خاتمہ مجمع بحارالانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرة علی الحسن نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۰ تا ۵۱۹

کوئی حرج نہیں۔ حدیث جس نے چالیس دن اللہ تعالٰی کے لئے خالص کیے، اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے لئے شاہد ہے۔ حدیث آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جس سے ابوبکر و عمر افضل نہ ہوں گے، موضوع ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ اس میں تاویل ہے، یہاں تک ان روایات کا ذکر ہے جو تذکرہ میں تھیں اھ ملتقطًا۔ (ت)

فائدہ ۱۲: (حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس و جلیل احقاق اور اوہام قاصرین زماں کا ابطال وازہاق) **اقول: وباللہ التوفیق** اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلامِ اثریین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہو رہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلماتِ ائمہ معتمدین میں بصیغہ جزم مذکور ہوں مطلقًا باطل ومردود وعاطل کہ احکام، مغازی، سَیر، فضائل کسی باب میں اصلًا نہ سُننے کے لائق، نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہا دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے، غیر صحابی جو قول یا فعل یا حال حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بے سند متصل نسبت کرے محدثین کے نزدیک باختلاف حالات واصطلاحات مرسل منقطع معلق معضل ہے اور فقہا واصولین کی اصطلاح میں سب کا نام مرسل اصطلاح حدیث پر تعلیق واعضال یا اصطلاح فقہ واصول پر ارسال میں کچھ بعض سند کا ذکر ہرگز لازم نہیں بلکہ تمام وسائط حذف کرکے علمائے مصنفین جو قال یا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذلک کہتے ہیں یہ بھی معضل ومرسل ہے، امام اجل ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:

المعضل عبارۃ عماسقط من اسنادہ اثنان فصاعدا ومثالہ مایرویہ تابعی التابعی قائلا فیہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذلك مایرویہ من دون تابعی التابعی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوعن ابوبکر وعمر وغیرھما: غیر ذاکر للوسائط بینہ وبینھم وذکر ابو نصر السنجری الحافظ قول الراوی "بلغنی" نحو قول مالك "بلغنی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال للملوك طعامہ وکسوتہ الحدیث وقال اصحاب الحدیث یسمونہ المعضل۔ قلت وقول المصنفین من الفقہاء	معضل حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں مثلًا وہ جسے تبع تابعی یہ کہتے ہوئے روایت کرے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، اور اسی طرح وہ روایت جسے تبع تابعی کے بعد کا کوئی شخص حضور علیہ السلام سے یا ابوبکر وعمر یا دیگر کسی صحابی سے حضور اور صحابہ کے درمیان واسطہ ذکر کیے بغیر روایت کرے، ابونصر السنجری حافظ بیان کرتے ہیں کہ راوی کا قول "بلغنی" (مجھے یہ روایت پہنچی ہے) مثلًا امام مالک کا قول کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مملوک کے لئے کھانا اور کپڑے ہیں، الحدیث۔ اور فرمایا

وغیرھم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کذا وکذا"ونحو ذلك کله من قبیل المعضل لماتقدم، وسماہ الخطیب ابوبکر الحافظ فی بعض کلامه مرسلا وذلك علی مذھب من یسمی کل مالایتصل مرسلا کماسبق[1] اھ باختصار۔	کہ محدثین ایسی روایت کو معضل کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں فقہاء اور دیگر مصنفین کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ یہ فرمایا یہ تمام از قبیل معضل ہی ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا، اور خطیب ابوبکر حافظ نے بعض مقامات پر اسے مرسل کا نام دیا ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جنہوں نے ہر اس روایت کو مرسل کہا ہے جو متصل نہ ہو جیسا کہ گزرا اھ اختصار (ت)

توضیح میں ہے:

الارسال عدم الاسناد وھو ان یقول الراوی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من غیر ان یذکر الاسناد[2]۔	ارسال وہ ہے جس میں سند کا ذکر نہ ہو وہ یوں کہ کوئی راوی بغیر سند ذکر کیے کہہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ (ت)

علّامہ تفتازانی تلویح پھر مدقق علائی صاحبِ دُرمختار افاضۃ الانوار علٰی اصول المنار میں فرماتے ہیں: ان لم یذکر الواسطة اصلا فمرسل[3] (اگر راوی اصلاً واسطہ ذکر نہ کرے تو وہ مرسل ہے۔ ت) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(المرسل قول العدل قال علیه) وعلٰی اٰله واصحابه الصلاۃ (والسلام کذا) وعند اھل الحدیث فالمرسل قول التابعی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه واٰله واصحابه وسلم کذا، والمعلق مارواہ من دون التابعی من دون سند والکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول[4] اھ مختصرا۔	مرسل وہ ہے جس کے متعلق عادل کا قول ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا، اور محدثین کے ہاں مرسل سے مراد تابعی کا یہ قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے یوں فرمایا، اور حدیث معلق وہ روایت ہے جو بغیر سند کے تابعی کے بعد کوئی شخص روایت کرے، اور اہلِ اصول کے ہاں یہ تمام مرسل میں داخل ہیں اھ مختصرا۔ (ت)

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث النوع الحادی عشر بالمعضل مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۲۸

[2] توضیح التلویح فصل فی الانقطاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[3] حاشیۃ الوشیح مع التوضیح فصل فی الانقطاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[4] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

پھر باجماع علما محدثین وفقہا یہ سب انواع موضوع سے بیگانہ ہیں اور مادون الاحکام مثل فضائل اعمال ومناقب رجال وسِیر واحوال میں سلفًا وخلفًا ماخوذ ومقبول جملہ مصنفین علوم حدیث موضوع کو شر الانواع بتاتے اور اُنہیں اُس سے جُدا شمار فرماتے آئے اور تمام مؤلفین سِیر بلانکیر منکر ومراسیل ومعضلات کا ذکر واثبات کرتے رہے افادہ ۲۳ میں علّامہ حلبی کا ارشاد گزرا کہ سیر بلاغ ومرسل ومنقطع ومعضل غرض ماسوائے موضوع ہر قسم حدیث کو جمع کرتی ہے کہ ائمہ کرام نے ماورائے احکام میں مساہلت فرمائی ہے، یہ عبارت دونوں مطلب میں نص ہے معضل کا موضوع نہ ہونا اور اس کا مادون الاحکام میں مقبول ہونا خود صحیح بخاری ومسلم وصحیح مؤطا میں معضلات وبلاغات موجود ہیں وسط میں بقلت طرفین میں بکثرت خصوصًا بعض بلاغات مالک وہ ہیں کہ ان کی اسناد اصلًا نہ ملی، تدریب[عـه] میں امام ابوالفضل زین الدین عراقی سے ہے:

ان مالکالم یفرد الصحیح بل ادخل فیه المرسل والمنقطع والبلاغات، ومن بلاغاته احادیث لاتعرف کماذکرہ ابن عبدالبر[1]۔	امام مالک نے احادیث صحیحہ کو الگ نہیں بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو شامل کردیا ہے حالانکہ ان کی بلاغات میں ایسی احادیث بھی ہیں جو معروف نہیں، جیسا کہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

وہیں امام مغلطائی سے ہے: مثل ذلك فی کتاب البخاری[2] (اسی کی مثل بخاری کی کتاب میں ہے۔ ت) وہیں امام حافظ الشان سے ہے:

کتاب مالك صحیح عندہ وعند من یقلدہ علی ماقتضاہ نظرہ من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع[3] وغیرهما۔	امام مالک کی کتاب اور ان کے اور ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں اس بنیاد پر کہ اس کی نظر کا تقاضا ہے کہ مرسل، منقطع وغیرہما سے استدلال درست ہے۔ (ت)

اسناد کے سنّتِ مطلوبہ وفضیلتِ مرغوبہ وخاصہ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام ہے محققین قابلین مراسیل و

عـه: فی الثانیه من مسائل الصحیح ۱۲ منه (م)	مسائل صحیح کی دوسری قسم میں ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰

[2] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰

[3] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰

معاضیل بھی مسانید کو اُن پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے ہیں **کما نص علیه فی المسلم وغیرہ** (جیسا کہ مسلّم الثبوت وغیرہ میں اسکی تصریح کی ہے۔ت) تاکید اثریین بجائے خود ہے اور قول **بقیه بن الولید ذا کرت حماد بن زید باحادیث فقال ما اجودھا لوکان لھا اجنحة یعنی الاسناد** (میں نے حماد بن زید سے بعض احادیث کے متعلق مذاکرہ کیا تو فرمایا بڑی جید ہیں اگر ان کے لئے پَر یعنی اسناد ہو۔ت) قطع نظر اس سے کہ **واقعة عین لاعموم لھا** (یہ ایک معین واقعہ ہے اس کے لئے عموم نہیں۔ت) ممکن کہ وہ احادیث در بارہ احکام ہوں، یوں بھی صرف نفی جودت کرے گا وہ بطور محدثین مطلقًا مسلّم کہ معضل ضعیف ہے اور ضعیف جید نہیں، قول امام سفیان ثوری **الاسناد سلاح المؤمن فاذالم یکن معه سلاح فبای شیئ یقاتل** (سند مومن کا اسلحہ ہے جب اس کے پاس اسلحہ نہ ہو تو وہ کس شَے سے لڑے گا۔ت) صراحةً در بارہ عقائد واحکام ہے۔

فان الحاجة الی القتال انما ھی فیما یجری فیه التشدید والتماکس دون ماجمعوا علی التساھل فیه۔	لڑائی کی نوبت وہاں آتی ہے جہاں سختی اور باہم جھگڑا ہو نہ کہ وہاں جس میں نرمی پر اجماع ہو۔(ت)

یوں ہی ارشاد امام مبارک عبداللہ مبارک **لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء**[1] (اگر سند کا اعتبار نہ ہوتا تو جو کسی کی مرضی ہوتی وہی کہتا۔ت) کہ جب قبولِ ضعاف فی الفضائل میں دخول تحت اصل خود مشروط اور امر عمل قواعد مقررہ شرعیہ مثل احتیاط واختیار نفع بے ضرر سے منوط تو ضعیف اثبات جدید نہ کرے گی اور **من شاء ماشاء** (جو کسی کی مرضی ہو کہے۔ت) صادق نہ آئے گا **کماقدمنا بیانه فی الافادة الثانیة والعشرین** (جیسا کہ ہم اس کا بیان بائیسویں افادہ میں پہلے کر آئے ہیں۔ت) پُر ظاہر کہ یہ اور اُن کی امثال جتنے کلمات محدثین کرام سے ضرورت اسناد میں ملیں گے سب کا مفاد ضرورت خاص اتصال ہے کہ نا متصل بجمیع اقسامہ اُن کے نزدیک ضعیف اور ضعیف خود مجروح ہے نہ کہ سلاح وصالح قتال، یونہی ایک راوی بھی ساقط ہو تو اُن کے طور پر وہی مَن شاء کا احتیاطی احتمال ولہٰذا وہ بالاتفاق منقطع ومعضل اور معضل دون معضل میں اصلًا فرق حکم نہیں کرتے، اسی لئے فواتح الرحموت میں اصطلاحات مرسل ومعضل ومنقطع ومعلق بیان کرکے فرمایا: **لم یظھر لتکثیر الاصطلاح والاسامی فائدة**[2] (کثیر اصطلاحوں اور ناموں کی وجہ سے کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ت) بالجملہ جب اتصال نہ ہو تو بعض سند کا مذکور ہونا نہ ہونا سب یکساں، آخر نہ دیکھا کہ انہیں امام ابن المبارک

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

[2] الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

رحمہ اللہ تعالٰی نے حدیث ابن خراش عن الحجاج بن دینار قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت کیافرمایا:

اخرج مسلم فی مقدمۃ صحیحہ قال قال محمد یعنی ابن عبداللہ بن قُھزاذَ. سمعت ابا اسحٰق ابراھیم بن عیسی الطالقانی قال قلت لعبداللہ بن مبارك یا اباعبدالرحمٰن الحدیث الذی جاء ان من البر بعد البران تصلی لابویك مع صلاتك وتصوم لھمامع صومك قال فقال عبداللہ یا ابا اسحٰق عن من ھذا قال قلت لہ ھذا من حدیث شھاب بن خراش فقال ثقۃ عمن قال قلت عن الحجاج بن دینار قال ثقہ عمن قال قلت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال یاابا اسحٰق ان بین الحجاج بن دینار وبین النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مفاوز تنقطع فیھا اعناق المطیّ ولکن لیس فی الصدقۃ اختلاف[1]۔	امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ محمد یعنی ابن عبداللہ بن قہراذ کہتے ہیں کہ میں نے ابواسحٰق ابراہیم بن عیسٰی طالقانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے بعد اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے بعد والدین کے لئے روزہ رکھے فرمایا تو عبداللہ نے کہا اے ابواسحٰق! یہ حدیث کس سے مروی ہے، فرمایا تو میں نے اسے کہا یہ حدیث شہاب بن خراش سے ہے، فرمایا کیا وہ ثقہ ہیں جس سے انہوں نے روایت کی ہے، میں نے کہا یہ حجاج بن دینار سے ہے، فرمایا وہ ثقہ ہیں تو میں نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو انہوں نے فرمایا اے ابواسحٰق! حجاج بن دینار اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان اتنی عظیم مسافت ہے جسے طے کرتے ہُوئے سواریوں کی گردن منقطع ہوجائے، لیکن والدین کی طرف سے صدقہ کردینے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

معنی ھذہ الحکایۃ انہ لایقبل الحدیث الاباسناد صحیح[2]۔	اس حکایت کا معنٰی ومفہوم یہ ہے کہ حدیث کو سند صحیح کے بغیر قبول نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

اب اگر ان کلمات کو عموم پر رکھئے مرسل، منقطع، معلق، معضل ہرنا متصل باطل وملتحق بالموضوع ہوجاتی ہے اور وہ بالاجماع باطل افادہ سوم میں ابن حجر مکی شافعی وعلی قاری حنفی سے گزرا **المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعًا**[3] (منقطع پر فضائل میں اتفاقًا عمل کیا جائے گا۔ ت) لاجرم واجب کہ یہ سب

---

[1] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۱۶

عبارات صرف باب اہم واعظم یعنی احکام میں ہیں اگرچہ ظاہر اطلاق وارسال ہو نہ کہ جب نفس کلام تخصیص پر دال ہو **کماقررنا فی الکلمات المذکورۃ** (جیسے کہ ہم نے کلماتِ مذکورہ میں گفتگو کی ہے۔ت) اور واقعی دربارہ رد وقبول غالب ومحاوراتِ علما صرف نظر بہ باب احکام ہوتے ہیں کہ وہی اکثر محوانظار نخبہ ونزہہ وغیرہما میں دیکھئے کہ حدیث کی دو۲ قسمیں کیں: مقبول ومردود۔ مقبول میں صحیح وحسن کو رکھا اور تمام ضعاف کو مردود میں داخل کیا حالانکہ ضعاف فضائل میں اجماعًا مقبول **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (تحقیق اسی طرح کرنی چاہئے اور توفیق دینے والا اللہ تعالٰی ہے۔ت)

(جماہیر فقہائے کرام ائمہ فقہاء کی بے سند حدیثیں دربارہ احکام بھی حجت ہیں) یہ سب کلام بطور محدثین تھا، اور جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک تو معضلات مذکورہ فضائل درکنار خود باب احکام میں حجت ہیں جبکہ مرسل امام معتمد محتاط فی الدین عارف بالرجال بصیر بالعلل غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہب مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیص قرن غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے **کمانص علیہ فی المسلم** عـــه **وشروحہ**[1] (جیساکہ مسلم الثبوت اوراس کی شروح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ت)

عـــه: **المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقًا اتفاقًا وان من غیرہ فالاکثر ومنھم الامام ابوحنیفہ والامام مالك والامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنھم قالوا یقبل مطلقا اذاکان الراوی ثقۃ وقال ابن ابان رحمہ اللہ تعالٰی من مشائخنا الکرام یقبل من القرون الثلثۃ مطلقا ومن ائمۃ النقل بعد تلك القرون وقال طائفۃ من المتاخرین منھم الشیخ ابن الحاجب المالکی والشیخ کمال الدین بن الھمام منایقبل من ائمۃ النقل مطلقا من ای قرن کان اعتضد بشیئ ام لاویتوقف فی المرسل من**

مرسل اگر صحابی کی ہو تو مطلقًا اتفاقًا اسے قبول کیا جائے گا اور غیر صحابی کی مرسل کے بارے میں اکثر علماء جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، کی رائے یہ ہے کہ مطلّقا مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، ابنِ ابان رحمہ اللہ تعالٰی جو ہمارے مشائخِ کرام میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ قرون ثلٰثہ (تین زمانوں) کی مرسل مطلقًا مقبول ہے اور تین قرون کے بعد ائمہ نقل کی مرسل بھی مقبول ہے، متاخرین کی ایک جماعت جن میں ابن حاجب مالکی اور شیخ کمال الدین بن الہمام ہم سے (یعنی احناف سے) کی رائے یہ ہے کہ ائمہ نقل کی مرسل مطلقًا مقبول ہے

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قسم ۲/ ۱۷۴

اقول: (تحقیق مصنف کہ غیر ناقد کے لئے ان کا قبول محدثین پر بھی لازم) انصافاً غیر ناقد کے لئے مراسیل مذکورہ سے احتجاج فی الاحکام اثریین پر بھی لازم، آخر اُس کی سبیل یہی ناقد پر اعتماد ہے نہ نقد کہ تکلیف مالا یطاق ہے، تو اُس کے لئے ذکر و عدمِ ذکرِ سند دونوں یکساں اور بلاشبہہ قول ناقد محتاط قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تصحیح صریح والتزامی سے اعلٰی نہیں تو کم بھی نہیں، اور جو احتمالات مساہلت و تحسین ظن وخطا فی النظر یہاں ہیں، وہاں بھی حاصل بلکہ مجرب ومشاہد باینہمہ امام ابن الصلاح وامام طبری وامام نووی وامام زرکشی وامام عراقی وامام عسقلانی وامام سخاوی وامام زکریا انصاری وامام سیوطی وغیرہم نے تصریحیں فرمائیں کہ اگر امام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنصیص کی یا کتاب ملتزم الصحۃ میں اُسے روایت کیا اسی قدر اعتماد کے لئے بس ہے اور احتجاج روا،

کماذکرنا نصوصهم فی مدارج طبقات الحدیث وقدتقدم نص القاری عن شیخ الاسلام فی الافادة الحادية والعشرين۔	جیسے کہ ہم نے مدارج طبقات الحدیث میں ان کی تصریحات کا ذکر کیا ہے اور پہلے اکیسویں افادہ میں ملا علی قاری کے حوالے سے شیخ الاسلام کی تصریح گزر چکی ہے۔ (ت)

تو کیا وجہ کہ یہاں اس پر اعتماد نہ ہو لاجرم جس طرح امام احمد یا یحیٰی کا **هذا الحدیث صحیح** (یہ حدیث صحیح ہے۔ت) فرمانا یا بخاری یا مسلم یا ابن خزیمہ یا ضیا کا صحاح میں لانا، یونہی منذری کا مختصر میں ساکت رہنا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غیرهم وهو المختار قیل وهو مراد الائمة الثلثة والجمهور ولایقول احد بتوثیق من لیس معرفة فی التوثیق والتجریح وعلی هذا خلاف ابن ابان فی عدم اشتراط هذا الشرط فی القرون الثلثة لزعمه عدم الحاجة الی التوثیق فی تلك القرون لان الرواة فیها کانوا اهل بصیرة فی التوثیق والتجریح[1] اھ من مسلم الثبوت وفواتح الرحموت ملخصا ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	خواہ اس کا تعلق کسی قرن سے ہو خواہ اس کی تائید ہو یا نہ ہو، اور ان کے علاوہ کی مرسل میں توقف ہے اور یہی مختار ہے، اور کہا گیا ہے کہ تینوں ائمہ اور جمہور کی مراد بھی یہی ہے اور کوئی ایسے شخص کی توثیق کیسے کرسکتا ہے جو توثیق و تجریح کی معرفت نہ رکھتا ہو اسی بنا پر ابن ابان نے قرونِ ثلاثہ میں عدمِ اشراط کا اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان قرون میں توثیق کی حاجت نہیں اس لئے کہ ان ادوار میں تمام راوی توثیق اور تجریح کے ماہر تھے اھ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت سے ملخصًا بیان ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

یوں ہی ابن السکن کا صحیح یا عبدالحق کا احکام میں وارد کرنا، یونہی امام معتمد ناقد محتاط کا کہنا:

قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الٰی غیر ذلك من احکامه واحواله ونعوت جماله وشیون جلاله وصفات کماله صلوات الله تعالٰی وسلامه علیه وعلٰی اٰله صلی الله تعالٰی علیه وعلیهم وبارك وسلم وشرف ومجد وعظم وکرم اٰمین۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ کیا، اور اس طرح کے آپ کے دیگر احکام واحوال، آپ کے جمال وجلال کی صفات وشانیں اور آپ کے صفات کاملہ ہیں آپ پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام ہو اور آپ کی آل واصحاب پر، آپ پر اور صحابہ پر برکت وسلام شرافت، بزرگی، عظمت وکرم کی برسات ہو، آمین۔ (ت)

الحمدللہ کہ اس جواب کی ابتداء بھی حضورِ اقدس واکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک اور حضور پر درود سے ہُوئی اور انتہا بھی حضور ہی کے نامِ محمود ودرودِ مسعود پر ہُوئی اُمید ہے کہ مولٰی عزوجل اس نام کریم وصلوٰۃ وتسلیم کی برکت سے قبول فرمائے اور انارتِ عیون وتنویر قلوب وتکفیر ذنوب وسلامتِ ایمان وامن وامان وتنعیم قبر ونجات فی الحشر کا باعث بنائے فانه تعالٰی بکرمه یقبل الصلاتین وهو اکرم من ان یدع مابینهما وکان ذلك للیلة الثانیة یوم الاثنین لعلها الثامنة عشر من الشهر الفاخر شهر ربیع اخرت من شهور السنة الثالثة عشر من المائة الرابعة عشر من هجرة الحبیب سید البشر صلی الله تعالٰی علیه واٰله وصحبه واولیائه اجمعین واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله ربّ العٰلمین، سبحٰنك اللهم وبحمدك. اشهد ان لااله الاانت استغفرك واتوب الیک. والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ ۱۳۳۳ھ

(اقامت کے دوران انگوٹھے چُومنے کے حکم میں عُمدہ تفصیل۔ ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ (۳۸۷): از اپر برہما شہر مانڈے سورتی مسجد مرسلہ مولوی احمد مختار صاحب قادری رضوی صدیقی میرٹھی ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۳۳ ہجری

منقول از فتاوٰی امدادیہ معروف بہ فتاوٰی اشرفیہ جلد چہارم صفحہ ۵۷ و ۵۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں "اشھد ان محمدا رسول اللہ" بولے تو سُننے والا دونوں انگوٹھوں کو چُوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں، اگر رکھتا ہے تو آیا جائز یا مستحب یا واجب یا فرض ہے، اور جو شخص اُس کا مانع ہووے اُس کا کیا حکم ہے اور اگر نہیں رکھتا ہے تو آیا مکروہ یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے اور جو مرتکب اس فعل کا ہووے اُس کا اور جو حکم کرے اُس کا کیا حکم ہے **بیّنوا توجروا۔**

جدید یہ کہ اذان پر قیاس کرکے تحریر نہ فرمائیں بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی کتاب معتبر سے عبارت نقل کرکے

تحریر فرمائیں۔

جواب: اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں، چنانچہ شامی بعد نقل اُس عبارت کے لکھتے ہیں:

وذکر ذلك الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ انتھی [1] (جلد اول صفحہ ۲۶۷)	جراحی نے اس بحث کا طویل ذکر کیا ہے پھر کہا ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجہ صحت کو نہیں پہنچی انتہی۔ (ت)

مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں پس اقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت وبے اصل ہے اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے یہ عبارت شامی کی ہے:

ونقل بعضھم ان القھستانی کتب علی ھامش نسختہ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامۃ فلم یوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع [2]۔	بعض نے نقل کیا کہ قہستانی نے اپنے ایک نسخہ کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ یہ اذان کے ساتھ مختص ہے، اقامت میں جستجو اور تلاش بسیار کے باوجود ثبوت نہیں ملا۔ (ت)

یہی مفتی صاحب لم یصح فی المرفوع پر حاشیہ منہیہ لکھتے ہیں:

قلت واما الموقوف فانہ وان کان منقولا لکن مع ضعف اسنادہ لیس فیہ کون ھذا العمل طاعۃ بل ھو رقیۃ للحفظ عن رمد والعوام یفعلونہ باعتقاد کونہ طاعۃ ۱۲ منہ حاشیہ صاحب فتاوٰی اشرفیہ بر عبارت شامی۔	رہی موقوف حدیث تو وہ اس سلسلہ میں اگرچہ منقول ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہونے کے ساتھ اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ عمل عبادت وطاعت ہے بلکہ یہ صرف آنکھوں کے دُکھنے کا علاج ہے اور عوام اسے عبادت سمجھتے ہوئے بجالاتے ہیں ۱۲منہ (ت)

گزارش و موجب تکلیف دہی یہ ہے کہ ہفتہ گزشتہ میں ایک عریضہ در بارہ استفتائے تقبیل ابہامین عند قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابلاغ خدمت کیا ہے آج فتاوائے امدادیہ میں ایک صاحب نے عبارت مرقومہ بالا دکھائی جو بلفظہ ملاحظہ عالی میں پیش کرکے رفعِ شکوک کا خواستگار ہُوں وھی ھذہ:

---

[1] ردالمحتار علی ردالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[2] ردالمحتار علی ردالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

(ا) علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارہ میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نقل کرکے "**لم یصح فی المرفوع**" (کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔ت) یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار ہے یا کلیۃ تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچتا، مفتی صاحب کی تحریر وحاشیہ خود غور طلب ہے۔ پھر اُن کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں خواہ بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ یا بہ تعلیم سیدنا خضر علیہ السلام جامع[۱] الرموز نے کنزالعباد سے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں اثبات استحباب ہے۔ مجموعہ فتاوٰی جلد سوم صفحہ ۴۲، طحطاوی[۲] نے شرح مراقی الفلاح مصری صفحہ ۱۱۸ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا لکھ کر حضرت خضر علیہ السلام سے عملًا روایت بطور تائید بیان کے علٰی ہذا سادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ اعانۃ[۳] الطالبین علٰی حل الفاظ فتح المعین مصری ص ۲۴۷ (فقہ شافعی):

وفی الشنوانی مانصه من قالحین یسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مرحبًا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم یقبل ابهامیه ویجعلها علی عینیه لم یعم ولم یرمدا ابدا انتهٰی[1]۔	شنوانی میں عبارت یہ ہے: جس نے مؤذن کا یہ جملہ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" سن کر کہا "مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" پھر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی انتہٰی (ت)

کفایۃ[۴] الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی فی مذھب سیدنا الامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مصری جلد ۱ ص ۱۶۹

فائدة: نقل صاحب الفردوس ان الصدیق رضی الله تعالٰی عنه لماسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله قال ذلك وقبل باطن انملة السبابتین ومسح عینیه فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من فعل مثل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی، قال الحافظ السخاوی ولم یصح، ثم نقل عن	**فائدۃ:** صاحب الفردوس نے نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب مؤذن کا یہ جملہ سنا "اشھد ان محمدا رسول اللہ" تو آپ نے یہ دُہرایا اور دونوں شہادت کی انگلیوں کا باطنی حصہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ عمل کیا جو میرے اس دوست نے کیا ہے تو اس کے لئے میری شفاعت

---

[1] اعانۃ الطالبین فصل فی الاذان والاقامۃ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۳۳

الخضر انه علیه الصلاة والسلام قال من قال حین یسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله (صلی الله تعالٰی علیه وسلم) ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علٰی عینیه لم یعم ولم یرمدا ابدا ونقل غیر ذلك ثم قال ولم یصح فی المرفوع من كل هذا شیئ[1] والله تعالٰی اعلم۔	ثابت ہو گئی۔ حافظ سخاوی نے کہا کہ یہ صحیح نہیں، پھر حضرت خضر علیہ السلام سے یہ منقول ہے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کا یہ جملہ اشهد ان محمدا رسول الله سن کر یہ کہے مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چُوم کر اپنی دونوں آنکھوں سے لگائے تو وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی اور ان کے علاوہ نے بھی ذکر کیا، پھر کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع صحیح روایت نہیں ملی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

علامہ ۵ الشیخ علی الصعیدی العدوی اسی شرح کے حاشیہ ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

(قوله ثم یقبل الخ) لم یبین موضع التقبیل من الابهامین الا انه نقل عن الشیخ العالم المفسر نورالدین الخراسانی قال بعضهم لقیته وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله قبل ابهامی نفسه ومسح بالظفرین اجفان عینیه من المآق الی ناحیة الصدغ ثم فعل ذلك عند كل تشهد مرة مرة فسألته عن ذلك فقال كنت افعله ثم تركته فمرضت عینای فرأیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم مناما فقال لم تركت مسح عینیك عند الاذان ان اردت ان تبرأ عیناك فعد الی المسح	(قوله ثم یقبل الخ) انگوٹھوں کی کون سی جگہ چُومے، اس میں اس کا ذکر نہیں کیا، مگر شیخ العالم المفسّر نُورالدین خراسانی سے یہ منقول ہے بعض لوگوں نے کہا میں ان سے دورانِ اذان ملا جب انہوں نے مؤذن سے اشھد ان محمد رسول اللہ سنا تو انہوں نے اپنے دونوں انگوٹھے چُومے اور ان دونوں کے ناخن اپنی پلکوں پر ناک کی طرف ملے پھر انہوں نے ہر بار ایسا کیا تو میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو وہ کہنے لگے میں پہلے یہ عمل کیا کرتا تھا پھر میں نے اسے چھوڑ دیا تو میری آنکھیں خراب ہوگئیں اور مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی تو فرمایا: تُو نے اذان کے وقت

---

[1] کفایت الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی مطبوعہ مصر ۱/ ۱۶۹

فاستیقظت ومسحت فبرئت ولم یعاودنی مرضھما الی الاٰن انتھی فھذا یدل علی ان الاولی التکریر والظاھر انہ حیث کان المسح بالظفرین ان التقبیل لھما [1]	آنکھوں پر انگوٹھے لگانے کیوں ترک کردئے اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہوجائیں تو انگوٹھے چُومنا دوبارہ شروع کردے پھر میں بیدار ہُوا اور میں نے انگوٹھے چُومنے کا عمل کیا تو میں صحیح ہوگیا، اس کے بعد آج تک میری آنکھیں کبھی خراب نہیں ہوئیں انتہی، پس یہ عبارت دلالت کررہی ہے کہ بار بار کرنا بہتر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ جب کبھی آنکھوں پر انگوٹھے لگائے تو چُوما بھی انہیں کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ان تمام عبارات میں کہیں تقبیل ابہامین پر نکیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحباب کا پتا الفاظ صریحہ میں ملتا ہے۔ برخلاف اس کے صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عبارت شامی پر حاشیہ لکھ کر مباح (ص ۲ ملاحظہ ہو) مان رہے ہیں پھر اُس مباح کو بھی بدعت ٹھہرا رہے ہیں اس تضاد واشکال کو رفع فرما کر قاطع فیصلہ فرمایا جائے۔ صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عمل مانحن فیہ کو اپنے حاشیہ مذکورہ میں رقیہ مان کر دعوٰی کرتے ہیں **والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ** (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ت) یہاں صرف یہ اشکال ہے کہ اعتقاد قلب سے تعلق رکھتا ہے اُس پر مفتی صاحب مذکور کو کس طرح اطلاع ہُوئی درصورتیکہ ان کے نزدیک رسول علیہ الصلاۃ والسلام بھی باوصف اعلام علّام مافی الصدور علوم غیبیہ سے بے خبر ہیں (**معاذاللہ**) وہ بھی عامہ مومنین کے دلی خیال اور اعتقاد سے اطلاع ہوئی خواہ وہ ہند میں ہوں یا کابل میں، ایران میں ہوں یا عرب شریف میں، غرض شرق میں ہوں یا غرب میں **حیث یقول والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ** (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ت) یہاں بعض الناس نے سخت فتنہ برپا کر رکھا ہے مترصد کہ جلد تر جواب باصواب سے اعزاز بخشیں **اجرکم اللہ تعالٰی بجاہ طٰہٰ ویس صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمدللہ رب العٰلمین**۔ **مختار صدیقی**

الجواب:

اس مسئلہ کی تحقیق بالغ وتنقیح بازغ میں بائیس سال ہوئے فقیر نے **منیرالعین فی حکم تقبیل الابہامین** ۱۳۰۱ھ لکھی کہ بیس ۲۰ سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر ملک میں مفت تقسیم ہُوئی اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اعانت کو بغرض ملاحظہ مرسل، ایک نسخہ بھی اور ہوتا تو

---

[1] حاشیہ علی کفایۃ الطالب الربانی الخ مطبوعہ مصر ۱/۱۷۰

ہدیۃً حاضر کردیتا بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں یہ رسالہ باذنہ تعالٰی دربارہ حدیث وفقہ منکرین کے خیالات باطلہ عاطلہ کی بیخ کنی وصفرا شکنی کو بس ہے لہذا اُن سے زیادہ تعرض کی حاجت نہیں صرف بعض امورِ جہالت فتوائے مذکور کے متعلق اجمالاً گزارش وباﷲ التوفیق۔

(ا) دعوی یہ کہ اذان میں کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور اس پر دلیل شامی کی جراحی سے نقل کہ ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجہ صحت کو نہیں پہنچی جو خود مشیر ہے کہ اس کی احادیث موقوفہ پر یہ حکم نہیں ورنہ مرفوع کی تخصیص کیوں ہوتی عبارات کتب میں مفہوم مخالف بلاشبہہ معتبر ہے، اسی شامی طابع قسطنطینیہ جلد ۵ ص ۵۲ میں ہے:

فان مفاهیم الکتب حجة ولومفهوم لقب علی ماصرح به الاصولیون[1]۔	عبارات کتب میں مفہومِ مخالف حجت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لقبی ہو، علمائے اصول نے یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

نیز جلد اول ص ۱۶۷:

یفتی به عندالسؤال اھ ای لان مفاهیم الکتب معتبرة کماتقدم[2]۔	سوال کے وقت اسی پر فتوٰی ہوگا کیونکہ عباراتِ کتب میں مفہومِ مخالف حجت ہوتا ہے، جیسے کہ پہلے گزرچکا ہے۔ (ت)

دُرِ مختار بیان سُننِ وضو میں نہرالفائق میں سے ہے:

مفاهیم الکتب حجة بخلاف اکثر مفاهیم النصوص[3]۔	عبارات کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے اور نصوص کے اکثر مفاہیم معتبر نہیں ہوتے (ت)

احادیثِ موقوفہ کیا روایت نہیں لاجرم ملا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں کل مایروی فی هذا فلایصح رفعه البتة (اس سلسلہ میں جوکچھ مروی ہے اس کا مرفوع ہونا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ ت) لکھ کر فرمایا:

قلت واذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی اﷲ	میں کہتا ہوں جب اس کا مرفوع ہونا صدیقِ اکبر

---

[1] ردالمحتار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳۸/۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱۱۹/۱

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۱/۱

تعالٰی عنه فیکفی العمل به لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "علیکم بسنّتی وسنّة الخلفاء الراشدین "[1]	رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت لازم ہے"۔ (ت)

(۲) صحیح کی نفی سے معتبر کی نفی جاننا فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی۔ کُتب رجال میں ہزار جگہ ملے گا یعتبر بہ ولا یحتج بہ (یہ معتبر ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جائیگا۔ ت) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

(۳) فقہ میں روایت، روایت فقہیہ بھی ہے بالفرض اگر حدیث معتبر مطلقًا منفی تو اُس سے روایت معتبرہ کی نفی یا جہل محض ہے یا نری غیر مقلدی کہ بے ثبوت حدیث روایت فقہیہ معتبر نہ مانی۔

(۴) یہیں یہیں اسی شامی میں قہستانی وفتاوٰی صوفیہ وکنزالعباد سے صراحۃً اس کا استحباب منقول اور بصیغہ جزم بلا تعصب مذکور ومقبول، تو شامی سے صرف نسبت حدیث ایک کلام نقل کرلانا اور اُسی عبارت میں شامی کے حکم مقرر فقہی کو چھوڑ جانا صریح خیانت ہے۔

(۵) پھر روایت فقہیہ قصدًا بچا کر وہ سالبہ کلیہ کو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں صاف اغوائے عوام ہے کیا کتبِ فقہ میں ہزار سے کم اس کے نظائر ملیں گے کہ حکم فقہی پر جو حدیث نقل کی اُس میں کلام کردیا گیا مگر اس سے روایت فقہی نامعتبر نہ ہوئی، ہاں وہی غیر مقلدی کی علت پیچھے ہو تو کیا علاج!

(٦) اقامت میں کوئی ٹُوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہ ہونے پر شامی کا کلام نقل کیا کہ بعض نے قہستانی سے نقل کیا کہ اُنہوں نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر لکھا کہ دربارہ اقامت بعد تلاش کامل روایت نہ ملی اور انہیں شامی کا کلام نہ دیکھا کہ ایسی نقل نقلِ مجہول اور نقلِ مجہول محض نامقبول، جلد دوم ص ۵۱۲:

قول المعراج ورأیت فی موضع۔۔۔الخ (ای معزوا الی المبسوط) لایکفی فی النقل	معراج کا قول اور میں نے ایک جگہ دیکھا ہے الخ (یعنی مبسوط کی طرف منسوب ہے) جہالت کی وجہ سے

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعہ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۲۱۰

لجهالته[1]۔	نقل میں وہ ناکافی ہے۔(ت)

وہاں بواسطہ مجہول ناقل امام قوام الدین کاکی شارح ہدایہ تھے یہاں شامی، وہاں منقول عنہ بالواسطہ امام شمس الائمہ سرخسی تھے یا خود محرر المذہب امام محمد اور یہاں قہستانی ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا
(اتنا بڑا فرق کہاں وہ کہاں یہ)

جب وہ بوجہ جہالت واسطہ مقبول نہ ہُوئی اس کی کیا ہستی، مگر کیا کیجئے کہ ع

عقل بازار میں نہیں بِکتی

(۷) لم یوجد (روایت نہیں پائی گئی۔ت) اور "موجود نہیں" میں جو فرق ہے عاقل پر مخفی نہیں، مگر عقل بھی ہو، یہ تو خالی نایافت کی نقل ہے کہ شہادت علی النفی سے زائد نہ ٹھہرے گی آکد الفاظ فتوے سے فتوٰی منقول ہوا اور بوجہ جہالت نامقبول ہُوا، انہیں علامہ شامی کا کلام سُنیے عقود الدریہ جلد ۲ ص ۱۰۹:

نقل الزیلعی ان الفتوی علی قولهما فی جوازها قال الشیخ قاسم فی تصحیحه مانقله الزیلعی شاذ مجهول القائل[2] اھ۔	زیلعی نے نقل کیا ہے کہ فتوٰی ان دونوں کے قول پر اسکے جواز میں ہے، شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں کہا کہ زیلعی سے جو منقول ہے وہ شاذ ہے کیونکہ قائل مجہول ہے اھ (ت)

دُرِ مختار میں ہے:

علیه الفتاوٰی زیلعی وبحر معزیا للمغنی لکن رده العلّامة قاسم فی تصحیحه بان مافی المغنی شاذ مجهول القائل فلایعول علیه[3]۔	اس پر زیلعی اور بحر کا فتوٰی ہے انہوں نے مغنی کی طرف منسوب کیا، لیکن علامہ قاسم نے اسے اپنی تصحیح میں بایں طور رَد کیا کہ مغنی میں جو کچھ ہے وہ شاذ ہے کیونکہ اس کا قائل مجہول ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

شامی نے اسے مقرر رکھا۔

(۸) اس پر یہ ادّعا کہ اسی واسطے فقہاء نے اُس کا بالکل انکار کیا ہے، صریح کذب ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الولی من کتاب النکاح مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲/۳۳۹

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۱۳۰

[3] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۱۷۷

(۹) اس پر کہنا کہ یہ عبارت شامی کی ہے بکف چراغی ہے شامی میں قہستانی سے بنقل مجہول یہ منقول کہ اس کی روایت نہ ملی اگر بفرض غلط یہ نقل مجہول مقبول بھی ہو اور عدمِ وجدان روایت عدم وجود روایت بھی ہو تو نفی روایت روایتِ نفی نہیں، ہذا کا اشارہ جانب نقل ہے نہ جانب حکم فقہانے بالکل انکار کیا کس گھر سے لائے۔

(۱۰) اینہم بر علم تو غایت درجہ یہ قہستانی کا اپنا انکار ہو گا نہ کہ وہ فقہا سے کئی قول نقل کر رہے ہیں اور قہستانی کا بایں معنی فقہا میں شمار کہ اُن کا اپنا قول بلا نقل مسلّم ہو یقینا باطل ہے بلکہ نقل میں بھی اُن کی وہ حالت جو خود یہی علامہ شامی عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۹۷ میں بتاتے ہیں کہ:

القهستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصا واستنادہ الی کتب الزاهدی المعتزلی [1]۔	قہستانی بہالے جانے والے سیلاب اور رات کو لکڑی اکٹھی کرنے والے کی طرح ہے خصوصًا جبکہ اس کا استناد زاہدی معتزلی کتب کی طرف۔ (ت)

اور کشف الظنون حرف النون میں علّامہ عصام اسفرائنی کا قول نہ دیکھنا کہ اس ادعائے باطل کی لگی نہ رکھے گا اور بالکل کشف ظنون بلکہ علاج جنون کردے گا ہم نے پتا بتادیا نہ ملے تو پیش بھی کردیں گے اِن شاء اللہ تعالٰی۔

(۱۱) یہ بھی سہی تو کیسا ظلم شدید وتعصب عنید ہے کہ مسئلہ اقامت میں قہستانی کا اپنا قول بلا نقل بلکہ صرف روایت نہ پانا سند میں پیش کیا جائے اور اُسے انہیں ایک فقیہ نہیں بلکہ فقہا کا انکار ٹھہرادیا جائے اور یہیں یہیں مسئلہ اذان میں جو یہی قہستانی خاص روایت فقہی نقل فرما کر حکمِ استحباب بتارہے ہیں وہ مردود ونامعتبر قرار پائے، غرض بڑی امام اپنی ہوائے نفس ہے وبس۔

(۱۲) اقامت میں اذان سے بھی زیادہ بدعت وبے اصل ہے یعنی بدعت وبے اصل اذان میں بھی ہے یہ وہی مرض غیر مقلدی ہے کہ فقہا اگرچہ صراحۃً مستحب فرمائیں مگر اُن کا قول مردود اور بدعت مذمومہ ہونا غیر مسدود۔

(۱۳) نہیں نہیں نری غیر مقلدی نہیں بلکہ اجماعِ اُمت کارَد اور غیر سبیل المومنین کا اتباعِ بَد ہے جس پر قرآن عظیم میں نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۟ؑ [2] کی وعید مؤکد ہے، احادیث یہاں قطعًا مروی مرفوع بھی اور موقوف بھی اور غایت اُن کا ضعف جس کا بیان قطعی منیر العین میں ہے جس سے حق کی آنکھیں پُرنور اور باطل کی ظلمتیں دُور بلکہ خود اسی قدر عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اُس میں صرف لم یصح (صحیح نہیں۔ت) کہا اور وہ بھی فقط احادیث مرفوعہ اگر سب کو کہتے جب بھی نفی صحت سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۵۶

[2] القرآن ۴/۱۱۵

ضعیف تعدد طرق سے حسن ہوجاتی ہے اور مسائل حلال میں بھی حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعًا باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع مردود مخذول، اربعین امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال۔[1]	علماء محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے (ت)

(۱۴) اجماعِ اُمت کا خلاف وہاں دشوار نہ تھا مصیبت یہ ہے کہ جمہور وہابیہ کی بھی مخالفت ہوئی کہ تخصیص عدم صحت باحادیث مرفوعہ نے صحت بتائی، ملّا علی قاری کی عبارت گزری تو قرونِ ثلٰثہ میں اصل متحقق ہوئی پھر بدعت وبے اصل کہنا اصولِ وہابیت پر بھی چھری پھیرنا ہے۔

(۱۵) وہابیت بجہنم سخت تر آفت یہ ہے کہ دیوبندیت کے امام اعظم جناب گنگوہی صاحب سے چل گئی اور وہ بھی بہت بُری طرح کہ ان کی سنّت، اُن کی بدعت، ان کی ہدایت، اُن کی ضلالت یہ فاعل کو بدعتی گمراہ ٹھہرائیں وہ ان کو منکر سنت ضال بدراہ بتائیں پھر یہ کیا کہ اُنہیں چھوڑ دیتے ہیں یہ کہیں گے کہ وہ بدعت ضلالت کو سنّت بتاکر سخت گمراہ بے دین ہُوئے کفی اللہ المؤمنین القتال (لڑائی میں مومنوں کے لئے اللہ تعالٰی کافی ہے۔(ت) اس کا مفصل بیان منیر العین افادہ ۳۰ میں ملاحظہ ہو مجمل یہ کہ یہ احادیثِ تقبیل گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی فضائل اعمال کی ہیں کہ اس پر ترغیب وثواب اُن میں مذکور ہے، مسند الفردوس کی حدیث میں بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ انہوں نے اذان میں نام سُن کر انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دے کر آنکھوں پر پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فعل مثل مافعل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی۔[2]	جو ایسا کرے جیسا میرے اس پیارے نے کیا اُس پر میری شفاعت حلال ہوجائیگی۔

جامع الرموز وکنزالعباد وغیرہما میں ہے:

فانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکون قاعدا له الی الجنة۔[3]	جو ایسا کرے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اسے جنت میں لے جائیں گے۔

اور یہ تو روایات عدیدہ میں ہے جو ایسا کرے کبھی اندھا نہ ہوگا نہ اُس کی آنکھیں دُکھیں، یہ کیا فضیلت و

---

[1] شرح متن اربعین نوویہ قبیل حدیث اول مطبوعہ امیر دولت قطر ص ۶

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۸۴

[3] جامع الرموز باب الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

ترغیب نہیں بہرحال یہ حدیثیں فضائلِ اعمال کی ہیں، اور گنگوہی صاحب براہینِ قاطعہ طبع دوم ص ۹۶ میں فرماتے ہیں: "سب کا یہ مدعا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے[1]"۔ ظاہر ہے کہ درست یہاں بمعنی جائز ہی ہے خصوصًا جبکہ امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثبوت لیں جیسا کہ عبارتِ علی قاری میں گزرا، جب تو اس مسئلہ قبول ضعاف کی بھی حاجت نہ ہوگی کہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تقلید کا خود احادیث صحیحہ میں حکم فرمایا، حدیثِ خلفا کلامِ قاری میں گزری، دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[2]۔ رواہ احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجۃ والرویانی والحاکم وصححہ وابن حبان فی صحیحہ عن حذیفۃ والترمذی والحاکم عن ابن مسعود وابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ان دو[۲] کی پیروی کرو جو میرے بعد والی اُمت ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اسے احمد نے اور ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا، ابنِ ماجہ، رویانی اور حاکم نے روایت کرکے اسے صحیح قرار دیا، ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن مسعود سے اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ان سب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ (ت)

بلکہ تقلیدِ عام صحابہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ کا مذہب ہے بلکہ وہابیہ کے نزدیک تین قرن تک حکم تقلید بلکہ منصب تشریف جدید ہے کمابیناہ فی کتبنا فی الرد علیھم (جیسے کہ ہم نے اپنی کُتب میں ان کا رد کرتے ہوئے واضح کیا ہے۔ ت) بہرحال اس عمل کی دلیل جواز قرون ثلٰثہ میں متحقق ہوئی اور گنگوہی صاحب ص ۲۸ میں کہتے ہیں: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو وہ سب سنّت ہے اھ"[3] تو روشن ہُوا کہ جناب گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا سنّت ہے اور حدیث سے ثابت کہ منکرِ سنّت پر لعنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] براہین قاطعۃ علٰی ظلام الانوار الساطعۃ مسئلہ فاتحہ اعتقادیت ہے الخ مطبوعہ لے بلاسا واقع ڈھور ص ۹۶

[2] جامع الترمذی مناقب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[3] براہین قاطعۃ علٰی ظلام الانوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی مطبوعہ لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۸

ستة لعنتهم لعنهم الله وكل نبی مجاب (الی قوله) والتارك لسنتی[1] رواه الترمذی عن ام المؤمنين والحاكم عنها وعن علی والطبرانی بلفظ سبعة لعنتهم وكل نبی مجاب[2] عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن۔	چھ ۶ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ ان پر لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہے ازاں جملہ ایک وہ کہ میری سنّت کا منکر ہو، اس کو ترمذی نے ام المومنین سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت علی سے روایت کیا اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں "سات ۷ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ہر نبی کی دُعا مقبول ہے"۔ یہ حضرت عمرو بن سعوی رضی اللہ تعالٰی سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے۔ (ت)

اب صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ اپنا حکم گنگوہی صاحب سے دریافت کریں یا گنگوہی صاحب کے حق میں خود کوئی حکم فرمائیں۔

(۱۶) اب اقامت کی طرف چلیے شامی سے بحوالہ مجہول قہستانی کا روایت نہ پانا تو نقل کرلائے اور اس سے یہ نتیجہ کہ فقہانے اُس کا بالکل انکار کیا حالانکہ فقہائے کرام کا مسلک وہ ہے جو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر ص ۱۴ میں فرمایا: **عدم النقل لاینفی الوجود**[3] (عدمِ نقل، وجود کے منافی نہیں۔ ت)

(۱۷) عدم نقل کو نقل عدم ٹھہرانے کا رَد خود اسی شامی میں جابجا موجود، ازانجملہ جلد اول ص ۶۰ میں بعد ذکر احادیث فرمایا:

قال العلماء هذه الاحاديث من قواعد الاسلام وهو ان كل من ابتدع شيأً من الخير كان له مثل اجر كل من يعمل به الی يوم القيٰمة[4]۔	یعنی علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیثیں دین اسلام کے قواعد سے ہیں، ان سے یہ قاعدہ ثابت ہُوا کہ جو شخص کوئی اچھا کام نیا نکالے کہ پہلے نہ تھا قیامت تک جتنے مسلمان اس پر عمل کریں سب کے برابر ثواب اُس ایجاد کرنے والے کو ہو۔

(۱۸) بدعت وبے اصل کی بھی حقیقت سُن لیجئے، فتح اللہ المعین جلد ۳ ص ۴۰۲:

---

[1] المستدرک کتاب الایمان ستة لعنهم اللّٰہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶

[2] المعجم الکبیر ترجمہ عمرو بن سعواء حدیث نمبر ۱۸۹ المکتبة الفیصلة بیروت ۱۷/ ۴۳

[3] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰

[4] ردالمحتار مطلب یجوز تقلید المفضول الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۳

لااصل لها لایقتضی الکراهة ولذا قال فی الدر ماقیل انها بدع ای مباحة حسنة[1] ۔	یعنی بے اصل ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا اسی لئے دُرمختار میں فرمایا کہ اسے جو بدعت کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نوپیدا جائز اچھی بات ہے(ت)

(۱۹) فرض کردم کہ اس سے بوجہ عدم نقل انکار مطلق ہی مقصود ہو تو بحال عدم نقل احکام فقہا جن کا نمونہ ہم نے ذکر کیا اس کے معارض ہوں گے اور ترجیح وتوفیق وتوجیہ و تحقیق کہ ہمارے رسائل رَدِ وہابیہ میں ہے اس کی مؤنت جناب گنگوہی صاحب نے کم دی اور منکرین کو کسی عبارت خلاف سے شبہہ ڈالنے کی گنجائش نہ رکھی کہ اس سے غایت درجہ مسئلہ عدم نقل میں اختلاف ثابت ہوگا اور گنگوہی صاحب براہین ص ۱۳۷ میں فرماتے ہیں: "اُس کی کراہت مختلف فیہ ہُوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلاضرورت جائز ہوجاتا ہے[2]"۔ یہ وہاں کہی اور پُوری غیر مقلدی بلکہ بہ ہوائے نفس اتباع رخص حلال کردینے کی داد دی ہے جہاں ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے تو جہاں خود علمائے حنفیّہ کے قول دونوں طرف ہوں وہ تو بدرجہ اولٰی بلاضرورت مطلقًا جائز رہے گا اور منکر کہ قولِ خلاف سے سند لائے احمق کج فہم ٹھہرے گا۔

(۲۰) نہیں نہیں فقط جائز نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کے دھرم میں وقتِ اقامت بھی تقبیل مذکور سنّت اور تھانوی صاحب کا اُس پر انکار گمراہی وضلالت اور بحکمِ حدیث موجب لعنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں اقامت احکام میں مثل اذان ہے سوا مستثنیات کے، بلکہ ہدایہ میں ہے:

یروی انه لاتکره الاقامة ایضا لانها احدی الاذانین[3] ۔	اور یہ مروی ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں کیونکہ یہ بھی ایک اذان ہے۔(ت)

اور عندالتحقیق تنقیح مناط انتفائے خصوص کرے گی تو اُس کی دلیل جواز بھی متحقق ہوئی اور سنّت ٹھہری، گنگوہی صاحب کے نزدیک تو سنّت ہونے کے لئے اثر فعلی کی جنس بھی قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے کی حاجت نہیں یہاں تو اُس کی جنس یعنی تقبیل اذان خود موجود ہے۔ براہین گنگوہی ص ۱۸ میں ہے: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اُسکی

---

[1] فتح المعین فصل فی الاستبراء وغیرہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۰۲/۳

[2] براہین قاطعۃ علٰی ظلام الانوار الساطعۃ تحقیق مسئلہ اجرۃ تعلیم القرآن الخ مطبوعہ بلاسا واقع ڈھور ص ۱۳۷

[3] الہدایۃ باب الاذان مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۷۴/۱

جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنّت ہے[1]۔"

یہ اُس چار سطری تحریر پر **تلك عشرون کاملة** (یہ مکمل بیس ۲۰ دلائل ہیں۔ت) وہ بھی بنہایت اختصار، اب ڈیڑھ سطری منہیہ کی طرف چلئے وباللہ التوفیق۔

(۲۱) علمائے کرام نے کہ نفی صحت میں مرفوع کی تخصیص فرمائی بکمال حیا اُس کا مطلب یہ گھڑا کہ اس بارہ میں حدیث موقوف اگرچہ منقول ہے مگر ضعیف الاسناد ہے، کیا علما نے یہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں حدیث مرفوع کوئی منقول ہی نہیں یا یہ فرمایا تھا کہ جو منقول ہے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے یا یہ فرمایا تھا کہ ضعیف بھی نہیں بلکہ موضوع ہے انہیں تین صُورتوں میں اُس اختراعی مطلب پر مرفوع وموقوف کا تفرقہ اور تخصیص کا فائدہ صحیح رہتا مگر ہر ذرا سے فہم والا بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ بہر وجہ علماء پر افترا ہے علما نے یہی بتایا ہے کہ اس بارہ میں احادیث مرفوعہ اگرچہ منقول ہیں مگر درجہ صحت پر نہیں بلکہ ضعیف ہیں یہی اس بے معنی منہیہ نے حدیث موقوف میں کہا تو فرق کیا رہا صراحةً تخصیص مرفوع باطل کرنے کو تخصیص مرفوع کا مطلب ٹھہرانا جنون نہیں تو شدید مکاری ڈھٹائی ہے مکاری نہیں تو سخت جنون وبے عقلی ہے۔

(۲۲) بفرض باطل یہی مطلب سہی مگر یوں بھی کال نہ کٹا امام الطائفہ گنگوہی صاحب ایمان لاچکے کہ یہاں مقبول ہے اگرچہ ضعیف حدیث اور طائفہ بھر کا دھرم قرون کی تثلیث پھر حدیث موقوف وضعیف موجود مان کر بدعت وبے اصل کہنا کیسا قول خبیث!

(۲۳) ایک بھاری دیانت یہ دکھائی کہ حدیث سے اس عمل کا طاعت ہونا نہیں نکلتا بلکہ رمد سے بچنے کا ایک منتر ہے الحق حیا وایمان متلازم ہیں یہ اعتراض اگر چل سکتا تو نہ موقوف وضعیف بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد صحیح اگر صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہوتا اُسے بھی اڑادیتا، حدیثوں میں تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے اُسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائینگے اور منہیہ کہتا ہے کہ یہ کوئی طاعت ہی نہیں کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جس پر یہ عظیم وجلیل ثواب موعود ہوں وہ سرے سے طاعت ہی نہیں ایک منتر ہے۔

(۲۴) حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے یوں پڑھے:

رضیت باللّٰہ ربًّا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبیا[2]۔	میں اللہ تعالٰی کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی اور خوش ہوں۔(ت)

---

[1] براہین قاطعہ الخ قرون ثلثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۸

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴

حدیثِ خضر علیہ الصلاۃ والسلام میں ہے یوں کہے:

مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	اے میرے حبیب! مرحبا، آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ (ت)

اسی طرح حدیثِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے۔ چوتھی روایت میں ہے یوں کہے:

صلی اللہ تعالٰی علیك یارسول اللہ قرۃ عینی بك یارسول اللہ اللھم متعنی بالسمع والبصر[2]۔	اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلاۃ (رحمت ہو، یارسول اللہ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، اے اللہ! میری سماعت وبصارت کو اس کی برکت سے مالامال فرما۔ (ت)

پانچویں میں ہے درود پڑھے۔ چھٹے میں ہے یوں کہے:

صلی اللہ علیك یاسیدی یارسول اللہ یا حبیب قلبی ویانور بصری ویاقرۃ عینی[3]۔	یاسیدی یارسول اللہ! اے میرے دل کے حبیب، اے میری آنکھوں کے نور وسرور، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ پر اللہ تعالٰی رحمت فرمائے۔ (ت)

ساتویں میں ہے یوں کہے:

اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونورھما[4]۔	اے اللہ! میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور انہیں منوّر فرما نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں اور ان کی نور کی برکت سے۔ (ت)

منہیہ کے نزدیک یہ اللہ ورسول کے ذکر، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود، اللہ عزوجل سے دُعا

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] جامع الرموز باب الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

[3] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[4] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۵

کچھ طاعت ہی نہیں حالانکہ ذکر ہی روحِ طاعت ہے اور دُعا مغزِ عبادت، اور درود کو مسلمان ایمان کا چین چین کا ایمان جانتے ہیں اگرچہ منہیہ منتر مانے۔

(۲۵) اس عمل مبارک کے فوائد میں ایک فائدہ جو یہ فرمایا گیا کہ جو ایسا کرے گا اُس کی آنکھیں نہ دُکھیں گی نہ کبھی اندھا ہو، اس جرم پر وہ ذکرِ الٰہی ودرود ودُعا سب طاعت سے خارج ہو کر رمد کا منتر رہ گئے، نامِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس عداوت کی کوئی حد ہے، صدہا حدیثیں ہیں جن میں تلاوتِ قرآن عظیم وتسبیح وتہلیل وحمد وتکبیر ولاحول وغیرہا اذکارِ جلیلہ پر منافع جسمانیہ ودُنیاویہ ارشاد ہوئے ہیں جسے شوق ہو صحاح ستہ وترغیب وترہیب امام منذری وجوامع امامِ جلیل سیوطی وحصن حصین امام جزری وغیرہا کتبِ حدیث مطالعہ کرے منہیہ کے دھرم میں یہ اسلامی ایمانی کلمے اور خود قرآن عظیم سب منتر ہیں جنہیں طاعت سے کچھ علاقہ نہیں **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔**

(۲۶) اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر حکیم سے بڑھ کر حکیم ہیں اُن کی رعایا میں ہر قسم کے لوگ ہیں ایک وہ عالی ہمّت کہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ ورسول کے لئے یاد کریں اپنی کوئی منفعت دنیوی تو دنیوی اُخروی بھی مقصود نہ رکھیں یہ خالص مخلص بندے ہیں جن کی بندگی میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہیں ان کے لئے وصلِ ذات ہے جن کو فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا ؕ[1]	جو ہماری یاد میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم یقینا ان کے لئے اپنے تمام راستے کھول دیتے ہیں۔ (ت)

دوسرے وہ جن کو کسی طمع کی چاشنی اُبھارے مگر نفع فانی کے گرویدہ نہیں باقی کی تلاش ہے قرآن وحدیث میں نعیم جنت کے بیان ان کی نظیر سے ہیں جن کو فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ[2]	اللہ تعالٰی نے مومنوں سے ان کی جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے (ت)

تیسرے وہ جن کو نفع عاجل کی امید دلانا زیادہ مؤید ہے جن کو فرمایا:

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿ۙ۱۰﴾ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿ۙ۱۱﴾[3]	میں کہتا ہوں اپنے رب سے معافی مانگو وہ یقینا معافی دینے والا ہے وہ آسمان سے تم پر زوردار بارش بھیجے گا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲۹/۶۹

[2] القرآن ۹/۱۱۱

[3] القرآن ۷۱/۱۰

اور فرمایا:

قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ[1]	فرمادیجئے یہ مومنوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔(ت)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اغزوا تغنموا وصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا[2] وفی حدیث حُجّوا تستغنوا[3]۔ روی الاول الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه والاٰخر عبدالرزاق عن صفوان بن سلیم مرسلا ووصله فی مسند الفردوس۔	جہاد کرو غنیمت پاؤگے اور روزہ رکھو تندرست ہوجاؤگے اور حج کرو غنی ہوجاؤ گے۔ پہلی کو طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا اور دوسری کو عبدالرزاق نے صفوان بن سلیم سے مرسلًا روایت کیا، اور مسند الفردوس میں یہ متصلًا مروی ہے۔(ت)

چوتھے وہ پست فطرت دون ہمت کہ امیدِ نفع پر بھی نہ سرکیں جب تک تازیانہ کاڈر نہ دلائیں قرآن حدیث میں عذاب نار کے بیان ان کی نظیر سے ہیں جن کو فرمایا:

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ (۳۶) وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (۳۷) حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ (۳۸) وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ (۳۹)[4] ۔	جسے رتوند آئے رحمان کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان متعین کردیں گے کہ وہ اس کا ساتھی رہے اور بیشک وہ شیطان ان کو راہ سے روکتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئیگا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں تجھ میں پورب پچھم (مشرق ومغرب) کا فاصلہ ہوتا تُو کیا ہی بُرا ساتھی ہے، اور ہرگز تمہارا اس (حسرت) سے بھلانہ ہوگا آج جبکہ (دنیا میں) تم نے ظلم کیا تو تم سب عذاب میں شریک ہو (ت) (۴)

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یدع الله غضب علیه[5] رواه ابن ابی شیبة	وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن ۴۴/۴۱

[2] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۸۳۰۸ مکتبۃ المعارف ریاض سعودیہ ۱۴۴/۹

[3] المصنف لعبدالرزاق باب فضل الحج مکتبۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱۱/۵

[4] القرآن ۳۶/۴۳ تا ۴۰

[5] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵۷۷) فی فضل الدعاء حدیث ۹۲۱۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲۰۰/۱۰

فی المصنف عن ابی ھریرۃ وبلفظ من لم یسأل اللّٰہ یغضب علیہ [1] احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ وللعسکری عنہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فی المواعظ بسند حسن عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال قال اللّٰہ تعالٰی من لایدعونی اغضب علیہ [2] اللھم صل وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ابدا اٰمین۔

ناراض ہوتا ہے، اسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں: وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالٰی اس پر ناراض ہوتا ہے اسے احمد اور بخاری نے "الادب المفرد" میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابنِ حبان اور حاکم سب نے روایت کیا ہے اور آخری دو ۲ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور عسکری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی "المواعظ" میں سند حسن کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص مجھ سے دُعا نہیں کرتا میں اس پر ناراض ہوتا ہوں۔ اللہ تعالٰی ہمیشہ رحمتِ کاملہ اور سلامتی بھیجے آپ پر، آپ کی آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ سب پر، آمین (ت)

صاحبِ منھیہ اللہ عزّوجل کی حکمتوں کو باطل کرتا اور طاعت کو صرف قسم اوّل میں منحصر کرنا چاہتا اور حدیث وقرآن کے تمام اذکار جنت ونار ترغیب وترہیب کو لغو وفضول بلکہ اغوا واضلال بناتا ہے کہ بندوں کو مقصود سے دُور کرکے منتر جنتر میں لاڈالا۔ وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ [3] (عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت)

(۲۷) عوام پر غیظ ہے کہ وہ یہ ذکر خدا اور سول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باعتقاد طاعت کرتے ہیں الحمدللہ مسلمانوں کے عوام آپ جیسے خواص سے عقل وفہم وفضل وعلم میں بدرجہا زائد ہیں وہ اپنے رب عزوجل کے ذکر ودعا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر ومحبت وتعظیم وتوسل کو طاعت نہ جانیں تو کیا آپ کی طرح ذکر وتعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہر حیلہ ممکنہ باطل کرنے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہینوں کو عبادت مانیں۔ وہ رمد چشم کا عمل ہی سہی، فرض کیجئے ایک دیوبندی اپنی آنکھوں کے علاج کو جالینوس کا شیاف یا ابن سینا کی سلائی لگاتا ہے اور ایک مسلمان سورہ فاتحہ وآیۃ الکرسی واسم الٰہی نور وصلاۃ نور سے علاج کرتا ہے آپ کے دھرم میں دونوں برابر

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الدعاء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۷۳/۲

[2] کنزالاعمال بحوالہ العسکری الباب الثامن فی الدعاء الخ مکتبہ التراث الاسلامی بیروت ۶۲/۲

[3] القرآن ۲۲۷/۲۶

ہیں کہ ایک فعل مباح کر رہے ہیں، طاعت نہ یہ نہ وہ، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ کہاں جالنیوس وابن سینا پر بھروسا اور کہاں کلام اللہ نورِ ہُدی وشفاء واسمائے الٰہیہ سے توسل والتجا یہ، ضرور اطاعت اور اس کے حسن ایمان کی علامت ہے ولکن النجدیۃ لایعلمون (لیکن نجدی نہیں سمجھتے۔ت) بات یہ ہے کہ وعیدوں یا جسمانی دنیاوی بلکہ اُخروی منفعتوں ثوابوں کے وعدے سے بھی حاشا یہ مراد خدا ورسول نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اُن وعیدوں سے بچنا یا اُن منافع کا ملنا ہی مقصود بالذات بنا کر اسی غرض ونیت سے ذکرِ خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرو کہ یہ تو قلب موجوع وعکس مقصود ہے جو عبادت جنت کی نیت سے کرے کہ وہی اُس کی مقصود بالذات ہو ہرگز عابد خدا نہیں عابد جنّت ہے، تورات مقدس سے منقول اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے، کیا اگر میں جنّت ونار نہ بناتا مستحقِ عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس سے مراد صرف ابھارنا ہے کہ اس طمع وخوف کے لحاظ سے عمل لوجہ اللہ کریں مضرت سے بچنا یا منفعت جسمانی خواہ روحانی دنیوی خواہ اُخروی کا ملنا مقصود بالغرض ہو، جیسے حج میں تجارت، جہاد میں غنیمت، روزے میں صحت، نماز میں کسرت، بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے عوام اپنے رب کی مراد سمجھے اور اس عمل میں بھی وہی اُن کا مقصود ہُوا کہ اپنے رب جل وعلا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نامِ اقدس پر براہِ محبت وتعظیم بوسہ دیتے ہیں اور یہ سب قطعًا طاعت ومرادِ شریعت ہے اس کی برکت اس کے طفیل اس کے صدقہ سے ہمیں جسمانی فائدہ بھی ملے گا کہ آنکھیں نہ دُکھیں گی اندھے نہ ہوں گے یہ عین وہی نیت ہے جو شارع کو ایسے وعدوں میں مقصود ہوتی ہے مگر خائب وخاسر، احمق وغادر وہ کہ ایسے وعدوں پر پھُول کر اصل مقصود خدا ورسول کو بھُول جائے اور ان کے ذکر وتعظیم ومحبت کو نرا منتر بتائے نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ[1] (جو بھُول گئے اللہ تعالٰی کو، تو اس نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں۔ ت)

(۲۸) غنیمت ہے کہ رمد کا منتر مان کر منتر کے نام سے وہ محض عدم روایات یا ضعف مروی بدعت بدعت کا بھُوت تو اُترا اور یہ عمل مباح ٹھہرا اور نہ عدمِ ورود پر بدعت وبے اصل ہونے کے جو معنی آپ حضرات کے یہاں ہیں اُن کا مصداق کسی طرح مباح نہیں ہو سکتا اگرچہ اعتقادِ طاعت نہ ہو۔

(۲۹) یہ تو اوپر گزرا کہ اسی فعل کو اذان میں ہو خواہ اقامت میں محض مباح جاننا شریعتِ گنگوہیہ کے بالکل خلاف ہے کہ اُس میں یہ عمل سنت ہے تو عوام میں ٹھیک سمجھے اور طاعت کے طاعت اعتقاد کرنے کو بدعت بتا کر تمہیں بدعتی بدمذہب ہُوئے اگرچہ دیوبندیت کی معراج ترقی فی المراوق من الدین کے بعد بدعت کی کیا گنتی ع

---

[1] القرآن ۵۹/۱۹

ماعلی مثله بعد الخطاء

(بعد از خطا اس کی مثل پر کیا لازم آئے)

مگر یہاں یہ گزارش ہے کہ مباح بمعنی شامل فرض جس طرح امکان عام شامل وجوب ہے قطعًا وجوب ہے قطعًا یہاں مراد نہیں ورنہ فرض کو بھی طاعت سمجھنا گمراہی وبدعت ہو، لاجرم مباح بمعنی مساوی الطرفین نظیر امکان خاص مراد ہے یعنی وہ فعل نہ محمود نہ مذموم، آپ نے اُسے رمد چشم کا منتر بنا کر ایسا ہی مباح سمجھا اور یہ شریعت گنگوہیہ سے کفر ہے عالی جناب گنگوہی صاحب کے دھرم میں کوئی فعل ایسا مباح نہیں اُسی صفحہ ۲۸ پر بولتے ہیں: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہوا یا نہ ہوا وہ سب سنّت ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالت[1] ہے"۔ ظاہر ہے کہ کوئی فعل ہو یا اُس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہوگی یا نہیں، تیسری شق ناممکن ہے کہ یہ حصر عقلی دائر بین النفی والاثبات ہے اور گنگوہی صاحب دو کلیہ دے گئے کہ شق اول کے سب سنت ہیں اور شق دوم کے سب ضلالت۔ اب وہ کون سا رہا کہ دونوں سے خارج ہو کر نرا مباح ہو بلکہ نہ ایک مباح کہ مکروہ تنزیہی وخلاف اولٰی ومستحب یہ سب احکامِ شرعیہ یکسر اُڑ گئے یہ ہے وہ گنگوہی شریعت کا تازہ جوہر جس پر صفحہ ۲۹ میں یہ ناز ہیں کہ اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے اس عاجز کو اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہُوں[2]"۔ کیا نفیس جوہر ہے کہ ادھر تو شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آدھے احکام اُڑ گئے اُدھر آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی جس کا بیان منیر العین افادہ مذکور میں ہے منیر العین نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر بھی تنبّہ نہ ہوا اور کیوں ہوتا کہ حضور اقدس عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث صحیح بخاری شریف میں فرما چکے ہیں **ثم لایعودون فیه**[3] (پھر وہ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے۔ت)

(۳۰) مباح کا اعتقاد طاعت سے بدعت ہو جانا اگر اس سے یہ مراد کہ جو شے مباح محض ہے جس کے فعل وترک شرعًا دونوں مساوی اُسے فی نفسہ مامور بہ ومطلوب شرع اعتقاد کرنا اُسے بدعت کردیتا ہے تو منہیہ والے کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ فعل مساوی الطرفین ہے اور عام عوام فی نفسہ اس کو مامور بہ یا مطلوب من جہۃ الشرع اعتقاد کرتے ہیں اب یہاں وہ علم غیب کا مسئلہ جانگزائے اہلِ منہیہ ہوگا جو ہمارے سائل فاضل سلمہ نے ایراد کیا اور اگر یہ مراد کہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے بدعت کردیتا ہے تو شریعت مطہرہ پر محض افتراء ہے بلکہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے قربت کردیتا ہے

---

[1] براہین قاطعہ علٰی ظلام انوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کا معنی مطبوعہ لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۸

[2] براہین قاطعہ علٰی ظلام انوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کا معنی مطبوعہ لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۹

[3] صحیح البخاری آخر کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۱۲۸/۲

اور ہر قربت طاعت ہے تو اُس میں اعتقاد طاعت ضرور حق اور اُسے بدعت بتانا جہل مطلق، اشباہ والنظائر ورد المحتار میں ہے:

اما المباحات فتختلف صفتها باعتبار ماقصدت لاجله فاذا قصد به التقوی علی الطاعات او التوصل الیها کانت عبادة[1]۔	باقی مباحات کا معاملہ نیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اگر ان سے مقصود طاعات پر تقوی یا ان تک پہنچنا ہو تو پھر یہ عبادت ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے: کل قربة طاعة ولاتنعکس[2] (ہر قربت طاعت ہے اور ہر طاعت قربت نہیں ہوتی۔ت)

یہ اس ڈیڑھ سطری منہیہ پر تلک عشرة کاملة (دس مکمل دلائل ہیں۔ت) ہیں۔

بالجملہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ادعائے بے دلیل سے بدتر کوئی شے ذلیل نہیں دربارہ اذان تو احادیث وارد اور اس کا استحباب کُتب فقہ میں مصرح تو انکار نہیں مگر جہل مبین اور دربارہ اقامت اگر ورود نہیں کہیں منع بھی نہیں اور بے منع شرعی منع کرنا ظُلم مہین، ادنی درجہ منع کراہت ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افتراء و تہمت ہے، ردالمحتار جلد ا ص ۶۸۳:

لایلزم منه ان یکون مکروها الابنهی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلابدله من دلیل[3]۔	اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہوگا مگر کسی نہی خاص کے ساتھ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔(ت)

البحرالرائق جلد ۲ ص ۱۷۶:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة اذلابدلها من دلیل خاص[4]۔	ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے(ت)

وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لئے ورود خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیل خاص کی کچھ حاجت نہ جانیں اس اوندھی الٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا، مگر علت وہی شریعت مطہرہ پر افترا اٹھانا۔ ردالمحتار جلد ۵ ص ۴۵۵:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات	احتیاط نہیں کرتے اللہ تعالٰی پر افتراء میں حرمت و

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدة الاولی من الفن لاول ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[2] شرح غمزالعیون البصائر مع الاشباہ من الفن لاول ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[3] ردالمحتار مطلب بیان السنة والمستحب الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۸۳

[4] البحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۳

الحرمة اوالکراهة اللذین لابدلهما من دلیل بل فی القول بالاباحة التی هی الاصل۔[1]	کراہت ثابت کرنے میں جن کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے البتہ اباحت کا قول کرنے میں احتیاط کرتے ہیں جو کہ اصل ہے (ت)

ظاہر ہے کہ نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا عرفاً دلیلِ تعظیم ومحبّت ہے اور امورِ ادب میں قطعًا عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

فیحال علی المعهود حال قصد التعظیم۔[2]	تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائیگا۔ (ت)

اور تعظیم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقاً ماموربہ۔

قال اللہ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ[3]۔	اللہ تعالٰی کا ارشادِ مبارک ہے: تم اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ہمیشہ ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ۔ (ت)

اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا جب تک کسی خاص فرد سے منع شرعی نہ ثابت ہو جیسے سجدہ، زیادات امام عتابی پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ میں ہے:

ان المطلق یجری علٰی اطلاقه الا اذاقام دلیل التقیید نصا اودلالة فاحفظه فانه للفقیه ضروری۔[4]	مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب تقیید پر کوئی صراحۃً یا دلالۃً دلیل قائم ہو اسے اچھی طرح محفوظ کرلو کیونکہ یہ فقیہ کے لئے ضروری قاعدہ ہے۔ (ت)

مگر ہے یہ کہ اشقیا کے نزدیک تعظیمِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقاً شرک وظلم ہے شریعت نے برخلاف قیاس بعض مواضع میں خدا جانے کس ضرورت سے ناچاری کو مقرر کردی ہے لہٰذا مورد پر مقتصر رہے گی باقی اُسی اصل حکم پر شرک وبدعت وحرام ٹھہرے گی فلہذا جہاں وارد ہوئی خدا کا دھرا سر پر، قہرِ درویش

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۲۶

[2] فتح القدیر باب صفۃ الصّلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[3] القرآن ۴۸/۹

[4] ردالمحتار فصل فی البیع من کتاب الحظر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۷۲

مانی پڑی وہ بھی فقط ظاہراً نہ دل سے جیسے التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غائبانہ ندا کرنے کا شریعت نے حکم دیا خدا جانے شریعت کو کیا ہوگیا تھا کہ عین نماز میں یہ غیر خدا کی تعظیم اور اس پر دُور ونزدیک سے پکارنا رکھ دیا، خیر قہراً جبراً التحیات کے لفظ توپڑھ لو مگر انشائے معنی کا ارادہ نہ کرنا وہ دیکھو امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صراطِ مستقیم میں حکم لگارہے ہیں کہ:

"صرف ہمت درنماز بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدترست از استغراق درخیال گاؤ[1] وخر خود، الی آخر الکلمۃ الملعونۃ لعن اللہ قائلہا وقابلہا۔	"نماز میں اپنے شیخ یا بزرگوں میں سے کسی دوسرے بزرگ حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ صَرف کرنا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہوجانے سے کئی درجے بدتر ہے" آخر کلام ملعون تک، اللہ تعالٰی اس کلام کے قائل اور قبول کرنے والے کو اپنی رحمت سے دُور رکھے۔ (ت)

ولہٰذا وہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ تشہد میں السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے حکایتِ لفظ کا ارادہ کرے قصدِ معنی نہ کرے تصریح کرتے ہیں دُور سے یارسول اللہ کہنا شرک ہے مگر بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے ایمان میں تعظیمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین ایمان ایمان کی جان ہے اور علی الاطلاق مطلوب شرع، توجو کچھ بھی جس طرح بھی جس وقت بھی جس جگہ بھی تعظیمِ اقدس کے لئے بجالائے خواہ وہ بعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو سب جائز ومندوب ومستحب ومرغوب ومطلوب وپسندیدہ وخوب ہے جب تک اُس خاص سے نہی نہ آئی ہو جب تک اُس خاص میں کوئی حرج شرعی نہ ہو، وہ سب اس اطلاق ارشادِ الٰہی وتعزروہ وتوقروہ میں داخل اور امتثال حکم الٰہی کا فضل جلیل اسے شامل ہے ولہٰذا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب وتعظیم حبیب رب العالمین جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں زیادہ مداخلت رکھے اُسی قدر زیادہ خوب ہے، فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنسک متوسط وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔[2]	جس قدر بھی ادب وعزت میں کامل ہو اتنا ہی زیادہ اچھا ہے۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکّی "جوہر منظّم" میں فرماتے ہیں:

---

[1] صراط المستقیم ہدایت نامہ در ذکر مخلات مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ص ۸۶

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نوراللہ ابصارھم[1]۔	وہ لوگ جنہیں اللہ تعالٰی نے آنکھوں کا نور عطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام وصورتوں کو امر مستحسن تصوّر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہر گز باری تعالٰی کے ساتھ شرکت کا کوئی پہلو نہیں۔ (ت)

تو مسلمان اگر وقتِ اقامت بھی تقبیل کرے ہر گز کوئی وجہِ ممانعت نہیں، اور اسے شرعًا ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر افترا کرتا یا نام واکرام سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے جلتا ہے۔ اسی طرح نماز واستماع قرآن مجید واستماع خطبہ جن میں حرکت منع ہے اور ان کے امثال مواضع لزوم محذور کے سوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بنظرِ تعظیم ومحبت حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ ہو جیسا کہ بعض محبان سرکار سے مشہور ہے بہر حال محبوب ومحمود ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الجوہر المنظم الفصل الاول مطبوعہ ادارۃ المرکزیۃ واشاعۃ القرآن گلبرگ لاہور ص ۱۲

ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ

(دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کے جواز پر مبارک فتوٰی)

مسئلہ ۳۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفن کے وقت جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے شرعًا جائز ہے یا نہیں، **بیّنوا توجروا۔**

فتوٰی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدلله الذی جعل الاذان علم الایمان وسبب الامان وسکینة الجنان ومنافة الاحزان و مرضاة الرحمٰن والصلاة والسلام الاتمان الاکملان علی من رفع الله ذکره واعظم قدره فبذکره زان کل	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے اذان کو ایمان کی علامت، سببِ امان، دلوں کا سکون، غموں کا ازالہ اور رحمان کی رضا کا ذریعہ بنایا، صلاۃ وسلام کاملہ تامہ ہو اس ذات پر جس کا ذکر اللہ تعالٰی نے بلند کردیا اور اس کے مرتبہ کو عظیم کیا چنانچہ ان کے ذکر سے ہر خطبہ اور اذان کو

خطبة واذان وعلی اٰله وصحبه الذاکرین ایاه مع ذکر مولاه فی الحیوة والموت والوجدان والفوت وکل حین واٰن واشهد ان لاالٰه الاالله الحنان المناٰن وان محمدا عبده ورسوله سید الانس والجان صلی الله تعالٰی علیه وعلی اٰله وصحبه المرضین لدیه ماأذِنَ اُذُن لصوت اذان قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القاٰدری البرکاتی البریلوی سقاه المجیب من کاس الجیب عذبا فراتا وجعله من الذین هم اهل الایماٰن والصلاة والاذان احیاء وامواتا اٰمین اله الحق اٰمین۔	زینت بخشی اور آپ کی آل واصحاب پر جو موت وحیات، وجدان وفوت غرضیکہ ہر وقت اپنے رب کریم کے ذکر کے ساتھ اپنے آقا کا ذکر کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ حنّان ومنّان کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور انس وجن کے سردار نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں آپ پر اور آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر جو کہ پسندیدہ ہیں سب پر اس وقت تک اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں جب تک کان اذان کی آواز سنتے رہیں، خیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی اسے اپنے حبیب کے حوضِ کوثر سے سیراب کرے اور اسے ان لوگوں میں سے کردے جو موت وحیات میں ایمان، نماز اور اذان والے ہیں آمین الٰہ الحق آمین۔ (ت)

الجواب:

بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، امام ابن حجر مکّی وعلّامہ خیر الملۃ والدّین رملی استاذ صاحبِ دُرمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا:

اما المکی ففی فتاٰواه وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیة البحر الرائق ومرض۔	مکّی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحر الرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔ (ت)

حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی، جو مدعیِ ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوٰی ثابت کرے، پھر بھی مقامِ تبرع میں آکر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہر سے نکال سکتا ہے جنہیں بقانونِ مناظرہ اسانید تصور کیجئے **فاقول:** وباللہ التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق۔

دلیل اوّل: وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوالِ نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم (کہ اللہ عزوجل

صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد وزن کو حیات وممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیٰن ثوری رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کرتے ہیں:

اذا سئل المیت من ربك ترأی له الشیطان فی صورت فیشیر الی نفسه ای انا ربك[1] فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل۔	یعنی جب مُردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی میں تیرا رب ہُوں، اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ (ت)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

ویؤیده من الاخبار قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عند دفن المیت اللهم اجره من الشیطان فلولم یکن للشیطان هناك سبیل مادعا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بذلك[2]۔	یعنی وہ حدیثیں جو اسکی مؤید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے الٰہی! اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ دُعا کیوں فرماتے۔ (ت)

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذااذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص[3]۔	جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے۔ (ت)

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے[4]۔ اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا[5] اخرجه الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد

---

[1] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

نوٹ: یہ دونوں عبارتیں اعلیحضرت نے بالمعنی نقل کی ہیں اس لئے الفاظ میں کافی تغیر و تبدل ہے، پہلی عبارت درست کردی ہے دوسری عبارت اس طرح ہے: فلولم یکن للشیطان ھناک سبیل ماکان لیدعولہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان یجیرہ من الشیطان۔

[3] الصحیح لمسلم باب فضل الاذان وہرب الشیطان عند سماعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۷

[4] الصحیح لمسلم باب فضل الاذان وہرب الشیطان عند سماعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۷

[5] معجم اوسط حدیث نمبر ۷۴۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۲۱۰

الطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)، ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبا (صبح کی خوشگوار ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وبا دُور ہوجاتی ہے۔ ت) میں اس مطلب پر بہت احادیث نقل کیں، اور جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت **عیاذًا باللہ** مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہُوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اُس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشادِ شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہُوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالامال۔

دلیل دوم: امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال لمادفن سعد بن معاذ (زاد فی روایۃ) وسوی علیہ سبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسبح الناس معہ طویلا ثم کبر وکبرالناس ثم قالوا یارسول اللہ لم سبحت (زاد فی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا الرجل الصالح قبرہ حتی فرج اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	یعنی جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ دفن ہوچکے اور قبر درست کردی گئی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہُوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے وہ تکلیف اُس سے دُور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔ (ت)

علامہ طیبّی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ای مازلت اکبر وتکبرون واسبح وتسبحون حتی فرجہ اللہ[2] اھ۔	یعنی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر مَیں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اُس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔ اھ (ت)

اقول: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر **اللہ اکبر اللہ اکبر** بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنّت ہُوا، غایت یہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن مسندہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۷۷ ۳۔۳۶۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۱

کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں سواُن کی زیادت نہ معاذاللہ کچھ مضر نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید ومؤید مقصود ہے کہ رحمتِ الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا، دیکھو یہ بعینہٖ وہ مسلک نفیس ہے جو دربارہ تلبیہ اجلہ صحابہ عظام مثل حضرت امیر المومنین عمر وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت امام حسن مجتبٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمہ کرام نے اختیار فرمایا، ہدایہ میں ہے:

لاینبغی ان یخل بشیئ من ھذہ الکلمات لانہ ھو المنقول فلاینقص عنہ، ولوزاد فیھا جاز لان المقصود الثناء واظھار العبودیۃ فلایمنع من الزیادۃ علیہ[1] اھ ملخصا۔	یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں تواُن سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالٰی کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں اھ ملخصا (ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، نے اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ وغیرہا رسائل میں اس مطلب کی قدرے تفصیل کی۔

دلیل سوم: بالاتفاق سنّت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ کہتے رہیں کہ اُسے سُن کر یاد ہو حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لقنوا موتاکم لاالٰہ الااللہ[2] (اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ)

رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ھریرۃ وکالنسائی عن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اسے احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے مسلم کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نسائی کی طرح حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اُسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالٰی خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھُلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہوچکا حقیقۃً مُردہ ہے اور اُسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالٰی جواب یاد ہوجائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں

---

[1] الہدایۃ باب الاحرام مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲۱۷/۱

[2] سنن ابی داؤد باب فی التلقین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۸۸/۲

یہی کلمہ لاالٰہ الّا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اُس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں ان کے سوال تین ہیں[۱] **من ربك** تیرا رب کون ہے؟[۲] **مادینك** تیرا دین کیا ہے؟[۳] **ماکنت تقول فی هذا الرجل**[1] تُو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اب اذان کی ابتدا میں **اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لاالٰہ الااللہ اشھد ان لاالٰہ الااللہ** اور آخر میں **اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ** سوال **من ربك** کا جواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئیگا کہ میرا رب اللہ ہے اور **اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ** سوال **ماکنت تقول فی هذا الرجل** کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور **حیّ علی الصلاۃ حی علی الفلاح** جواب **مادینك** کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ **الصلاۃ عماد الدین**[2] تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا، اب یہ کلام سماعِ موتٰی و تلقینِ اموات کی طرف منجر ہوگا فقیر غفراللہ تعالٰی خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمّٰی بہ **حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات** تحریر کرچکا جس میں پچھتّر حدیثوں اور پونے چار سو ۴۷۵ اقوالِ ائمہ دین وعلمائے کاملین وخود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مُردوں کا سُننا دیکھنا سمجھنا قطعاً حق ہے اور اس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل، اور اُسی کی چند فصول میں بحث تلقین بھی صاف کردی یہاں اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دلیل چہارم: ابویعلٰی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اطفؤا الحریق بالتکبیر**[3] (آگ کو تکبیر سے بجھاؤ) ابن عدی حضرت عبداللہ بن عباس اور وہ اور ابن السنی وابن عساکر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأیتم الحریق فکبروا فانه یطفیئ النار[4]۔	جب آگ دیکھو اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۵

[2] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الصلاۃ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۷/۲۸۴

[3] معجم اوسط، حدیث نمبر ۸۵۶۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۵۹

[4] الکامل فی الضعفاء الرجال از من اسمہ عبداللہ بن لہیعہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ۴/۱۴۶۹

علّامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فکبروا ای قولوا اللہ اکبر. اللہ اکبر وکرروہ کثیرا ۔[1]	"فکبروا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کثرت کے ساتھ بار بار کہو۔ (ت)

مولٰنا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اُس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر فرماتے رہے، لکھتے ہیں:

التکبیر علی ھذا لاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا اورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق ۔[2]	اب یہ اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بُجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔

وسیلۃ النجاۃ میں حیرۃ الفقہ سے منقول:

حکمت در تکبیر آنست. بر اہلِ گورستان کہ رسول علیہ السلام فرمودہ است اذارایتم الحریق فکبروا چوں آتش در جائے افتد و از دست شما بر نیاید کہ بنشانید تکبیر بگوئید کہ آتش بہ برکت آں تکبیر فرونشیند چوں عذابِ قبر بآتش ست ودست شما بآں نمیرسد تکبیر میباید گفت تا مردگان از آتش دوزخ خلاص یابند ۔[3]	اہلِ قبرستان پر تکبیر کہنے میں حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "اذا رأیتم الحریق فکبروا" یعنی جب تم کسی جگہ آگ بھڑکتی ہُوئی دیکھو اور تم اسے بجھانے کی طاقت نہ رکھتے ہو، تو تکبیر کہو کہ اس تکبیر کی برکت سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائیگی چونکہ عذابِ قبر بھی آگ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے تم اپنے ہاتھ سے بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا اللہ کا نام لو (تکبیر کہو) تاکہ فوت ہونے والے لوگ دوزخ کی آگ سے خلاصی پائیں (ت)

یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فردِ سنت ہے، تو یہ اذان بھی قطعًا سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا تقریر دلیل دوم سے ظاہر۔

دلیل پنجم: ابن ماجہ وبیہقی سعید بن مسیب سے راوی:

قال حضرت ابن عمر فی جنازۃ فلما وضعھا فی	یعنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے

---

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر زیر حدیث مذکور مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱۰۰/۱

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب اثبات عذاب القبر مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۱۱/۱

[3] وسیلۃ النجاۃ

اللحد قال بسم اللہ وفی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطٰن ومن عذاب القبر ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا مختصر[1]۔	ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اُسے لحد میں رکھا کہا بسم اللہ وفی سبیل اللہ جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی! اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے، پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا۔

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسند جید عمرو بن مرہ تابعی سے روایت کرتے ہیں:

کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی اللحد ان یقولوا اللھم اعذہ من الشیطان الرجیم[2]۔	یعنی صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں "اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر وعذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ابن ابی شیبہ اُستاذ امام بخاری و مسلم اپنے مصنف میں خیثمہ سے راوی:

کانوا یستحبون اذا وضعوا المیت ان یقولوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلٰی ملّۃ رسول اللہ اللھم اجرہ من عذاب القبر وعذاب النار ومن شر الشیطان الرجیم[3]۔	مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں "اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر وعذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذًا باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اُس کے دفع کی تدبیر سنّت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیث سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان رفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصود شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل ششم: ابوداؤد و حاکم و بیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ قال استغفروا	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[3] المصنف ابن ابی شیبہ ما قالوا اذا وضع المیت فی قبرہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۲۹/۳

لاخیکم وسلوا له بالتثبت فانه الان یسأل [1]۔	کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جوابِ نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقف علی القبر بعدماسوی علیه فیقول اللهم نزل بك صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظهره اللهم ثبت عندالمسألة منطقة ولاتبتله فی قبره بمالاطاقة له به [2]۔	یعنی جب مُردہ دفن ہوکر قبر درست ہوجاتی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرتے الٰہی! ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہُوا اور دنیا اپنے پسِ پشت چھوڑ آیا، الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

ان حدیثوں اور احادیث دلیل پنجم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنّت ہے امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانہ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کیلئے حاضر ہُوا اور اب قبر پر کھڑے ہوکر دُعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغول کا ہے کہ اُسے اُس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے [3] نقله المولی جلال الملة والدین السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح الصدور (امام جلال الدین سیوطی نے اسے شرح الصدور میں نقل کیا ہے۔ ت) اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام آجری فرماتے ہیں:

یستحب الوقوف بعد الدفن قلیلا والدعاء للمیت [4]۔	مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دُعا کریں۔

اسی طرح اذکار امام نووی وجوہرہ نیرہ ودرمختار وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا اسفار میں ہے، طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و

---

[1] سنن ابوداؤد باب استغفار عند القبر للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۳

[2] الدر المنثور زیر آیت ویثبت اللہ الذین اٰمنوا الخ مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ، قم ایران ۴/ ۸۳

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون والمائتان مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[4] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون والمائتان مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

بحر الرائق ونہر الفائق وفتاوٰی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا سنّت سے ثابت ہے اور براہِ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعا سے ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنتِ ثابتہ کی ایک فرد ہُوئی پھر سنّیت مطلق سے کراہت فرد پر استدلال عجب تماشا ہے، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: **کل دعاً ذکر وکل ذکر دعاً**[1] (ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **افضل الدعاء الحمدللہ**[2] (سب دعاؤں سے افضل دُعا الحمدللہ ہے)

اخرجه الترمذی وحسنه والنسائی وابن حبان والحاکم وصححه عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا، نسائی، ابنِ حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح قرار دیا ہے (ت)

صحیحین میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے بآوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو **انکم لاتدعون اصم ولاغائبا انکم تدعون سمیعًا بصیرا**[3] (تم کسی بہرے یا غائب سے دُعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو) دیکھو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دُعا اور فرد مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل ہفتم: یہ تو واضح ہولیا کہ بعد دفن میت کے لئے دُعا سنّت ہے اور علماء فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اُس سے پہلے کوئی عملِ صالح کرے، امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے:

اٰداب الدعاء منها تقدیم عمل صالح وذکره عند الشدة[4] م ت د۔	آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہئے مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ (ت)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب التسبیح الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/۱۱۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۷۴

[3] الصحیح لمسلم باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[4] حصن حصین آداب الدعاء نولکشور لکھنؤ ص ۱۴

علّامہ علی قاری حرزِ ثمین میں فرماتے ہیں: یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، کہ ابوداؤد وترمذی، ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی، ثابت ہے اور شک نہیں کہ اذان بھی عمل صالح ہے تو دُعا پر اُس کی تقدیم مطابق مقصود وسنّت ہُوئی۔

دلیل ہشتم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثنتان لاترد الدعاء عند النداء وعند البأس [1]۔ اخرجه ابوداؤد وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن سهل بن سعد الساعدی رضی الله تعالٰی عنه۔	دو۲ دعائیں رَد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں جب کفّار سے لڑائی شروع ہو۔ اسے ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نادی المنادی فتحت ابواب السماء واستجیب الدعا [2]۔ اخرجه ابویعلی والحاکم عن ابی امامة الباهلی وابوداؤد الطیالسی وابویعلی والضیاء فی المختارة بسند حسن عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهما۔	جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ روایت ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور ابوداؤد طیالسی اور ابویعلی اور ضیاء الدین نے المختارہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند صحیح کے ساتھ بیان کی ہے (ت)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان اسباب اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلا کو مقصود تو اُس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعًا محمود۔

دلیل نہم: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یغفر الله للمؤذن منتهی اذانه ویستغفر له	اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے مؤذن کیلئے

---

[1] المستدرک علی الصحیحین لایرد الدعاء عندالاذان وعندالبأس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۱۹۸

[2] المستدرک علی الصحیحین اجابۃ الاذان والدعاء بعدہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۴۶

کل رطب ویابس سمع صوتہ[1]۔ اخرجہ الامام احمد بسند صحیح واللفظ لہ والبزار والطبرانی فی الکبیر عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما ونحوہ عند احمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وصدرہ عند احمد والنسائی بسند حسن جید عن البراء بن عازب والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ ولہ فی الاوسط عن انس بن مالك رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم۔	اُتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر وخشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لئے استغفار کرتی ہے۔ اسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ تخریج کیا اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں اور بزار طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور اس کی مثل احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اس کا ابتدائی حصّہ احمد اور نسائی نے سند حسن اور جید کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بیشک مغفور کی دُعا زیادہ قابل قبول واقرب باجابت ہے، اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دُعا منگوانی چاہئے، امام احمد مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفرلك قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفورلہ[2]۔	جب تُو حاجی سے ملے اُسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اُس سے اپنے لئے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفنِ میت اپنے میں کسی بندہ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکمِ احادیث صحیحہ ان شاء اللہ تعالٰی اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میت کے لئے دعا کرے کہ مغفور کی دُعا میں زیادہ رجائے اجابت ہو تو کیا گناہ ہُوا بلکہ عین مقاصد شرع سے مطابق ہوا۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن مسند عبداللہ بن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۱۳۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل مرویات عن مسند عبداللہ بن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۱۲۸

دلیل دہم: اذان ذکرِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن شیئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ[1] رواہ الامام احمد عن معاذبن جبل وابن ابی الدنیا والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	کوئی چیز ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والی نہیں۔ اسے امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

اور خود اذان کی نسبت وارد، جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اُس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے، طبرانی معاجیم ثلٰثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اذن فی قریۃ امنھا اللہ من عذابہ فی ذلك الیوم[2] وشاھدہ عندہ فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے اور اس کی شاہد وہ روایت ہے جو معجم کبیر میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

اور بیشک اپنے بھائی مسلمان کے لئے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے منجی ہو شارع جل وعلا کو محبوب ومرغوب، مولٰنا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح ودعائے رحمت ومغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں: فان الاذکار کلھا نافعۃ لہ فی تلك الدار[3] (کہ ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں۔ ت) امام بدرالدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب موعظۃ المحدث عندالقبر فرماتے ہیں:

واما مصلحۃ المیت فمثل ماذا اجتمعوا	میت کے لئے اس میں مصلحت ہے کہ مسلمان اُس کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات معاذ ابنِ جبل مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۳۹/۵

نوٹ: ابن ابی الدنیا اور بیہقی کے الفاظ عبداللہ ابن عمر سے یوں ہی مروی ہیں جبکہ احمد بن حنبل کے الفاظ معاذ بن جبل سے یوں مروی ہیں: ماعمل آدمی عملا قط انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ الخ

[2] المعجم الکبیر مرویات انس بن مالک حدیث ۷۴۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵۷/۱

[3] شرح عین العلم لملا علی قاری مع عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبوعہ امرت پریس لاہور ص ۳۳۲، شرح عین العلم لملا علی قاری مع عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۶۶

عندہ لقراءۃ القراٰن والذکر فان المیت ینتفع بہ[1]۔	قبر کے پاس جمع ہو کر قرآن پڑھیں ذکر کریں کہ میت کو اس سے نفع ہوتا ہے (ت)

یارب مگر اذان ذکرِ محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع ملنا شرعًا مرغوب نہیں۔

دلیل یازدہم: اذان ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باعثِ نزول رحمت۔

اوّلاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام تفسیر قولہ تعالٰی **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝**[2] میں فرماتے ہیں:

جعلتك ذکرًا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[3]۔	میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔

اور ذکر الٰہی بلاشبہہ رحمت اُترنے کا باعث، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں:

حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ[4]۔ رواہ مسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اُن پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔ اسے مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ثانیًا ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت ہے، امام سفیٰن بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[5] (نیکوں کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی اترتی ہے)

ابوجعفر بن حمدان نے ابوعمرو بن نجید سے اسے بیان کرکے فرمایا: فرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأس الصلحین[6] (تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو سب صالحین کے سردار ہیں)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب موعظۃ المحدث عند القبر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۸۶/۸

[2] القرآن ۹۴/۴

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء زیر آیت مذکور مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۲۵/۱

[4] صحیح لمسلم باب فضل الاجتماع علٰی تلاوت القرآن الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۵/۲

[5] اتحاف السادۃ المتقین الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۵۰/۶

[6] اتحاف السادۃ المتقین الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۵۱/۶

پس بلاشبہہ جہاں اذان ہوگی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمان کے لئے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے کہ نہ ممنوع۔

دلیل دوازدہم: خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ مُردے کو اُس نئے مکان تنگ و تاریک میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾[1] (مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے یقینا میرا رب بخشش فرمانے والااور رحم کرنے والا ہے۔ت) اور اذان دافعِ وحشت و باعث اطمینان خاطر ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے اور اللہ عزّوجل فرماتا ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾[2] (سُن لو خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل) ابو نعیم وابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نزل ادم بالھند فاستوحش فنزل جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فنادی بالاذان[3] الحدیث۔	جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنّت سے ہندوستان میں اُترے اُنہیں گھبراہٹ ہُوئی تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اُتر کر اذان دی۔ (الحدیث)

پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر و دفعِ توحش کو اذان دیں تو کیا بُرا کریں حاشا بلکہ مسلمان خصوصًا ایسے بے کس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو نہایت پسند، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ[4]۔ رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم عن ابن ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد میں ہے۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ و	جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو اللہ تعالٰی اس کی

---

[1] القرآن ۱۲/ ۵۳

[2] القرآن ۱۳/ ۲۸

[3] حلیۃ الاولیاء مرویات عمرو بن قیس الملائی نمبر ۲۹۹ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۱۰۷

[4] صحیح لمسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵

من فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه بھا کربة من کرب یوم القیٰمة[1]۔ رواہ الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنھما۔	حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے اللہ تعالٰی اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔ اسے بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

دلیل سیز دہم: مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی:

قال رأنی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حزینا فقال یاابن ابی طالب انی اراك حزینا فمر بعض اھلك یؤذن فی اذنك فانه درء الھمّ[2]۔	یعنی مجھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہُوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم وپریشانی کی دافع ہے۔

مولٰی علی اور مولٰی علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا: **فجربته فوجدته کذلك** (ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا) **ذکرہ ابن حجر کمافی المرقاۃ** (اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا، جیسا کہ مرقات میں ہے۔ ت) اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اُس وقت کیسے حزن و غم کی حالت میں ہوتا ہے مگر وہ خاص عباداللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر **مرحبا بحبیب جاء علٰی فاقة** (خوش آمدید اس محبوب کو جو بہت دیر سے آیا۔ ت) فرماتے ہیں، تو اس کے دفعِ غم والم کے لئے اگر اذان سُنائی جائے کیا معذور شرعی لازم آئے حاشاللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الاعمال الی الله تعالٰی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[3]۔	بیشک اللہ تعالٰی کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری باب لایظلم المسلم المسلم الخ، من ابواب المظالم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاذان مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۴۹

[3] المعجم الکبیر مرویات عبداللہ ابن عباس حدیث ۱۱۰۹ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/۷

اُنہی دونوں میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان موجبات المغفرۃ ادخالك السرور علی اخیك المسلم[1]۔	بیشك موجباتِ مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔

دلیل چہاردہم: قال اللہ تعالٰی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ(۴۱)[2]۔	اے ایمان والوں! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون[3]۔ اخرجه احمد وابو یعلی وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه صححه الحاکم وحسنه الحافظ ابن حجر۔	اللہ کا ذکر اس درجہ ذکر بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔ اسے احمد، ابویعلی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور حافظ ابنِ حجر نے حسن قرار دیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذکر اللہ عند کل حجر وشجر[4]۔ اخرجه الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	ہر سنگ و شجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔ اسے امام احمد نے کتاب الزہد اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ (ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الا جعل لھا حدا معلوما ثم عذر اھلھا فی حال	اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اُس کے لئے ایک حد معین کردی پھر عذر کی

---

[1] المعجم الکبیر مرویات حسن بن علی حدیث ۲۷۳۱ و ۲۷۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۸۳، ۸۵

[2] القرآن ۳۳/ ۴۱

[3] مسند احمد بن حنبل من مسند ابی سعید الخذری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۶۸، ۷۱

[4] المعجم الکبیر مرویات معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

العذر غیر الذکر فانه لم یجعل له حدا انتهی الیه ولم یعذر احدا فی ترکه الامغلوبا علی عقله وامرهم به فی الاحوال کلها[1]۔	حالت میں لوگوں کو اُس سے معذور رکھا سوا ذکر کے کہ اللہ تعالٰی نے اس کے لئے کوئی حد نہ رکھی جس پر انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔

اُن کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں: الذکر الکثیر ان لایتناهی ابدا[2] (ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو) ذکرهما فی المعالم وغیرها (معالم وغیرہ میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ ت) تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب ومرغوب ومطلوب ومندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہوسکتی جب تک کسی خصوصیتِ خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعًا ذکرِ خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ ودرخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں، قبرِ مومن کے پتھّر کیا اس کے حکم سے خارج ہیں خصوصًا بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمہ دین مستحب ولہٰذا امام اجل ابوسلیمان خطابی دربارہ تلقین فرماتے ہیں:

لانجدله حدیثا مشهورا ولابأس به اذ لیس فیه الا ذکر الله تعالٰی قوله وکل ذلك حسن[3]۔	ہم اس میں کوئی مشہور حدیث نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل پانزدہم: امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں:

یستحب ان یقعد عندالقبر بعد الفراغ ساعة قدر ماینحر جزور ویقسم لحمها، ویشتغل القاعدون بتلاوۃ القراٰن والدعاء للمیت والوعظ وحکایات اهل الخیر، واحوال الصالحین[4]۔	مستحب ہے کہ دفن سے فارغ ہو کر ایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اُونٹ ذبح کیا جائے اور اُس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لئے دُعا اور وعظ ونصیحت اور نیک بندوں کے ذکر وحکایات میں مشغول رہیں۔

---

[1] تفسیر البغوی المعروف بہ معالم التنزیل مع تفسیر خازن، زیرآیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۶۵

[2] تفسیر البغوی المعروف بہ معالم التنزیل مع تفسیر خازن، زیرآیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۶۶

نوٹ: تفسیر معالم التنزیل سے حوالہ دیا گیا ہے الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم یہی ہے جو اعلیحضرت نے بیان کیا ہے۔ نذیر احمد۔

[3] امام اجل سلیمان خطابی

[4] الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار باب مایقول بعد الدفن مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۱۴۷

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم میں ذکر کی، فرماتے ہیں:

قدسمعت عن بعض العلماء انه یستحب ذکر مسئلة من المسائل الفقهیة[1] ۔	یعنی بتحقیق میں نے بعض علما سے سُنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ میں اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ باعثِ نزولِ رحمت ست (نزولِ رحمت کا سبب ہے۔ت) اور فرماتے ہیں: مناسب حال ذکر مسئلہ فرائض ست (ذکر مسئلہ فرائض مناسب حال ہے۔ت) اور فرماتے ہیں: اگر ختم قرآن کنند اولٰی وافضل باشد[2] (اگر قرآن پاک ختم کریں تو یہ اولٰی و بہتر ہے۔ت) جب علمائے کرام نے حکایاتِ اہل خیر وتذکرہ صالحین و ختم قرآن وبیان مسئلہ فقہیہ وذکر فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وجہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اور ان امور میں امیدِ نزول رحمت تو اذان کہ بشہادت احادیث موجب نزولِ رحمت ودفعِ عذاب ہے کیونکر جائز بلکہ مستحب عــہ نہ ہوگی۔

بحمداللہ یہ پندرہ ۱۵ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں ناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراج فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّہ اہل سنّت وجماعت رحمہم اللہ تعالٰی کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے تکمیل ترتیب وتسجیل تقریب سے ہر مقدمہ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکور ضمنی کو مقصود مستقل کردیا **والحمدللہ رب العالمین** (سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت) بااینہمہ ع

لاشك ان الفضل للمتقدم

(بیشک بزرگی پہلے کرنے والے کے لئے ہے۔ت)

عــہ بالجملہ بحمداللہ تعالٰی ان دلائل جلائل نے کالشّمس فی وسط السماء واضح کردیا کہ اس اذان کا جواز بلکہ استحباب یقینی بلکہ بنظرِ عمومات شرع بوجوہ کثیرہ فرد سنّت ہے شاید وہ بعض علماء جنہوں نے اس کے سنّت ہونے کی تصریح فرمائی جن کا قول امام ابن حجر مکی وعلّامہ خیر رملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے نقل کیا یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ فرد سنت ہے نہ کہ فرداً سنّت ولہٰذا مناسب ہے کہ کبھی کبھی ترک بھی کریں اگر اوہام عوام معنی ثانی کی طرف جاتے سمجھیں **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ رحمہ اللہ تعالٰی (م)

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۱/۲۰۰

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۱

ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنھوں نے اپنی تلاش و کوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کردیا **جزاھم اللہ عنا وعن الاسلام والسنة خیر جزاء وشکر مساعیھم الجمیلة فی حمایة الملة الغراء ونکایة الفتنة العوراء وھنأھم بفضل رسول نفی علی حمید رضی یوم القضاء وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ الاطائب الکرماء اٰمین۔**

تنبیہاتِ جلیلہ تنبیہ اوّل: ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمت رحمت الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں اِن شاء اللہ الرحمٰن اُس میت اور ان احیاکے لئے کتنے منافع ہیں، سات ۷ فائدہ میت کیلئے:

(۱) بحولہ تعالٰی شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔

(۲) بدولت تکبیر عذابِ نار سے امان۔

(۳) جوابِ سوالات کا یاد آجانا۔

(۴) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔

(۵) بہ برکت ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزولِ رحمت۔

(۶) بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔

(۷) زوالِ غم وسرور وفرحت۔

اور پندرہ احیاکے لئے، سات ۷ تو یہی، سات ۷ منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس ۱۰ نیکیاں، پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(۸) میت کے لئے تدبیر دفع شیطان سے اتباعِ سنّت۔

(۹) تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنّت۔

(۱۰) دعاء عندالقبر سے اتباعِ سنت۔

(۱۱) بقصدِ نفع میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنّت۔

(۱۲) مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن وحدیث مالامال۔

(۱۳) ذکرِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔

(۱۴) مطلق دُعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔

(۱۵) مطلق اذان کے برکات ملنا جنھیں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر وخشک کی استغفار وشہادت

اور دلوں کو صبر وسکون وراحت ہے اور لُطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ۷ ہی ہیں اللہ اکبر۔ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، اللہ اکبر لاالٰہ الا اللہ، اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ۱۵ ہوتے ہیں، میت کے لئے وہ سات ۷ فائدے اور احیا کے لئے پندرہ ۱۵، انہیں سات ۷ اور پندرہ ۱۵ کے برکات ہیں، والحمدللہ ربّ العٰلمین تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت واحیا کو ان فوائدِ جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے ہمیں تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1]۔ رواہ احمد ومسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم ومناسب ہے کہ پہنچائے۔ اسے احمد اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

پھر خدا جانے اس اجازت کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے واللہ الموفق۔

تنبیہ دوم: حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نیۃ المومن خیر من عملہ[2] (مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے)

رواہ البیہقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اسے بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کرسکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کرسکتا ہے۔

(۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔

(۲) خانہ خدا کی زیارت کروں گا۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] المعجم الکبیر مرویات سہل الساعدی، حدیث ۵۹۴۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۱۸۵

(۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں

(۴) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔

(۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔

(۶) مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔

(۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرلے انتظار نماز وادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(۸) امرِ الٰہی خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ[1] (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ت) امتثال کو جاتا ہوں۔

(۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پُوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔

(۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔

(۱۲) علماء کی زیارت۔

(۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار۔

(۱۴) دوستوں سے ملاقات۔

(۱۵) مسلمانوں سے میل۔

(۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم۔

(۱۷) اہلِ اسلام کو سلام۔

(۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔

(۱۹) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا۔

(۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(۲۱و۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا بسم اللہ الحمدللہ والسلام علٰی رسول اللہ۔

(۲۳و۲۴) دخول وخروج میں حضور وآلِ حضور وازواج حضور پر درود بھیجوں گا اللّٰھم صلّ علٰی سیدنا

---

[1] القرآن ۷/ ۳۱

محمّد وعلٰی اٰل سیدنا محمّد وعلٰی ازواج سیدنا محمّد۔

(۲۵) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔

(۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔

(۲۷) جس مسلمانوں کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا اُسے یرحمك اللہ کہوں گا۔

(۲۸و۲۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا۔

(۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(۳۱و۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان واقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان واقامت کا ثواب پاچکا فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط[1] (اللہ تعالٰی اسے اجر عطا فرمائے گا۔ت)

(۳۳) جو راہ بھُولا ہو گا راستہ بتاؤں گا۔

(۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔

(۳۵) جنازہ مِلا تو نماز پڑھوں گا۔

(۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔

(۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتّی الوسع صلح کراؤں گا۔

(۳۸و۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنّت کروں گا۔

(۴۰عــہ) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا الی غیر ذلک من نیات کثیرۃ تو دیکھئے کہ جو اِن ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنہ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس۴۰ حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس۴۰ نیکیاں ہوگا۔ اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جُداگانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ کہ مجھے میت کے لئے دُعا کا حکم ہے اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہئے یہ ادب دعا بجالاتا ہوں الی غیر ذلك مما یستخرجه العارف النبیل واللہ الهادی الٰی سواء السبیل (ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف اور عمدہ رائے استخراج کرسکتی ہے اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ت) بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع ونیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔

عــہ یہ چالیس نیتیں ہیں جن میں چھبیس۲۶ علماء نے ارشاد فرمائیں اور چودہ۱۴ فقیر نے بڑھائیں جن کے ہندسوں پر خطوط کھنچے ہیں ۱۲ منہ

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۰

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1] (اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت)

تنبیہ سوم: جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کے لئے ہے یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لئے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انہیں کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض ومنافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے ازانجملہ گوش مغموم میں اور دفعِ وحشت کو کہنا تو یہیں گزرا اور بچّے کے کان عــہ میں اذان دینا سنا ہی ہوگا ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبا میں ذکر کی۔

تنبیہ چہارم: شرع مطہر کی اصل کُلّی ہے کہ جو امر مقاصدِ شرع سے مطابق ہو محمود ہے اور جو مخالف ہو مردود، اور حکم مطلق اس کے تمام افراد میں جاری وساری، جب تک کسی خاص خصوصیت سے نہی شرع وارد نہ ہو تو بعد ثبوت حسن مطلق حسن مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ حسن مطلق ہے اُس پر دلیل قاطع اور بقاعدہ مناظرہ اثباتِ ممانعت ذمہ مانع، معہذا اصل اشیا میں اباحت تو قائل جواز متمسک باصل ہے کہ اصلا دلیل کی حاجت نہیں رکھتا اجازت خصوصیت کو اجازت خاصہ وارد ہونے پر موقوف جاننا اور منع خصوصیت کے لئے منع خاص وارد ہونے کی ضرورت نہ ماننا صرف تحکم وزبردستی ہی نہیں بلکہ دائرہ عقل ونقل سے خروج اور مطمورہ[2] سفہ وجہل میں کامل دلوج ہے علمائے سنّت شکر اللہ تعالٰی مساعیم الجمیلہ ان سب مباحث کو اعلٰی درجہ پر طے فرماچکے۔ ان تمام اصول جلیلہ رفیعہ ودیگر قواعد نافعہ بدیعہ کی تنقیحِ بالغ وتحقیقِ بازغ حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ

عــہ: بعض احمق جاہل گوشِ مولود کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہوگے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذانِ گوشِ مولود کو نمازِ جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنٰی افعال نماز ہے ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلٰی افعالِ نماز ہے جس دن کشفِ ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گرینگے منافق سجدہ نہ کرسکیں گے جس کا بیان قرآن عظیم سورہ ق شریف میں ہے قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالٰی۔ (م)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح خطبۃ الکتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۱

[2] بیوقوفی اور جہالت کے گڑھے میں مکمل طور پر داخل ہونا ہے۔

من معجزات سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہ اجمعین سید العلما سند الکملا تاج الافاضل سراج الاماثل حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ ورز قنابرہ نے کتاب مستطابؔ **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** وکتاب لاجواب **اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام** وغیرہا میں افادہ فرمائی اور فقیر نے بھی بقدر حاجت اپنے رسالہ **اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامہ** ۱۲۹۹ھ ورسالہ **منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین** ۱۳۰۲ھ ورسالہ **نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء** ۱۳۰۲ھ وغیرہا تصانیف میں ذکر کی یہاں ان مباحث کے ایراد سے تطویل کی ضرورت نہیں، حضرات مخالفین باآنکہ ہزار ہا بار گھر تک پہنچ چکے، اگر پھر ہمت فرمائیں گے ان شاء اللہ العزیز وہ جواب باصواب پائیں گے جس کے انوارِ باہرہ ولمعاتِ قاہرہ کے حضور باطل کی آنکھیں جھپکیں اور اُس کی سُہانی روشنیوں ودلکشا تجلّیوں سے حق وصواب کے نورانی چہرے دمکیں وباللہ التوفیق وھو المعین۔ والحمد للہ ربّ العٰلمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین اٰمین اٰمین برحمتك یاارحم الراحمین الحمد للہ کہ یہ رسالہ آخر محرم ۱۳۰۷ھ سے دو۲ جلسوں میں تمام ہوا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ

عبدہ المذنب **احمد رضا البریلوی** عفی عنہ بمحمدؐ المصطفی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تمّت بالخیر

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

مآخذومراجع

ا

	نام	مصنف	سن وفات ہجری
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعّۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدرالدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۔۹۱۱
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخرالدین الرازی	۲۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	ردعلی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدار قطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدرالشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱۔	شرح الھدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المروف ببرکلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴۔	عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایۃ القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳ـ	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴ـ	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵ـ	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶ـ	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷ـ	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸ـ	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹ـ	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰ـ	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱ـ	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲ـ	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳ـ	القرآن		

ک

۱۸۴ـ	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵ـ	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶ـ	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷ـ	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸ـ	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹ـ	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰ـ	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱ـ	کتاب الهدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲ـ	کتاب الطهور	لابی عبید	
۱۹۳ـ	کتاب العلل علی ابواب الفقه	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴ـ	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵ـ	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہر دار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجٰی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایة	محمود بن صدر الشریعة	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایة فی شرح البدایة	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجوھر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفة الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹